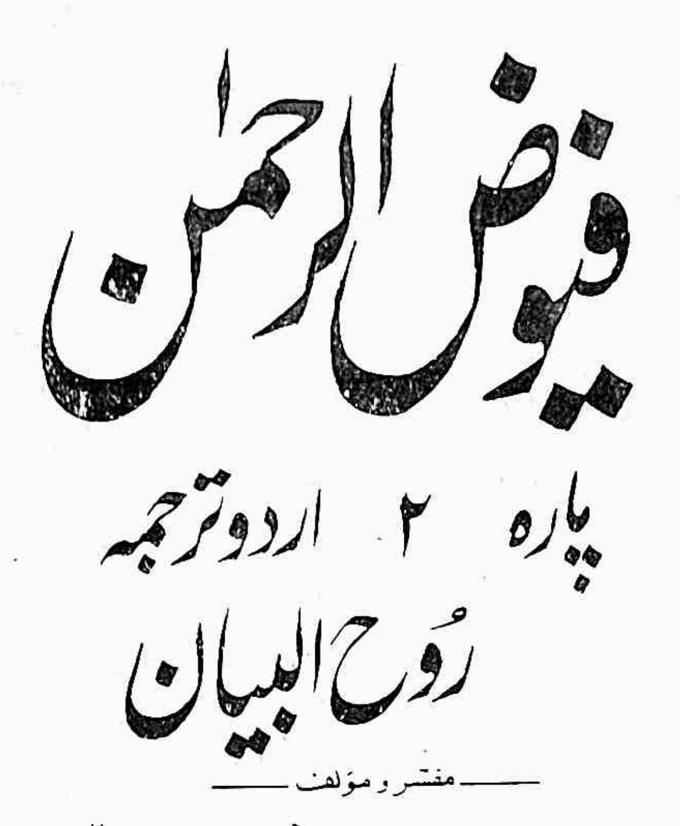


فیوض الرحمٰن

پارہ ۲ اردو ترجمہ

روح البیان

مفسر و مؤلف

سراج العلماء، زبدۃ الفضلاء حضرت علامہ مولانا شیخ اسماعیل حقّی البروسوی

قدس سرہٗ

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فیض احمد

اویسی رضوی

ناشر

مکتبہ اویسیہ رضویہ ○ ملتان روڈ ○ بہاولپور

نام کتاب . . . . فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ تفسیر رُوح البیان

پارہ نمبر ۲

مصنف . . . . سراج العلماء والفضلاء علاّمہ اسمٰعیل حقّی قدس سرہٗ

مترجم . . . . شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد فیض احمد اویسی رضوی

تصیح . . . . الحاج چوہدری مشتاق محمد خان لاہور

سن طباعت . . . . مئی ۱۹۸۹ء

مطبع . . . . الجدہ پرنٹرز

ناشر . . . . مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور

30
5
150

فہرست مضامین تفسیر فیوض الرحمان پ ۲



پارہ ۲



سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ط قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ط يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ط وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ط إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝

ترجمہ: اب بیوقوف کہیں گے کہ ان مسلمانوں کو کس نے پھیرا ہے ان کے اس قبلہ سے جس کی طرف وہ پہلے منہ کر کے نماز پڑھتے تھے فرمائیے کہ مشرق و مغرب سب اللہ کا ہے۔ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلاتا ہے اور ہم نے تمہیں افضل اُمّت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسُول ہوں تم پر گواہ اور اے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) تم جس قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے ہم نے تو وہ اس لیے مقرر کیا تھا تاکہ ہم ظاہر کریں کہ کون رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تابعداری کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھرتا ہے اور بیشک یہ بھاری تھی مگر ان پر جنہیں اللہ نے ہدایت کی اور اللہ کی شان نہیں کہ تمہارا ایمان اکارت کرے۔ بیشک اللہ آدمیوں پر بہت مہربان مہر والا ہے۔

سَیَقُوْلُ السُّفَھَآءُ عنقریب وہ لوگ کہیں گے جن کے عقل کمزور ہیں مِنَ النَّاسِ اس سے وہ

تفسیر عالمانہ منکرین مراد ہیں جو تغیر قبلہ کو اچھا نہ سمجھتے ۔ یعنی منافقین یہود اور مشرکین ان کو بے عقل اس لیے کہا گیا کہ وہ دین ابراہیم سے روگرداں تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّۃِ اِبْرَاھِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِہَ نَفْسَہٗ ۔ ابراہیم کے دین سے وہ روگردانی کرتا ہے جو ذلیل النفس اور جاہل نابکار ہے ۔

سوال : واقعہ کے وقوع سے پہلے خبر دینے کا کیا فائدہ ؟

جواب : تاکہ وہ واقعہ کے وقت پریشانی کا اظہار نہ کریں ۔ کیونکہ جو واقعہ اچانک ہو اس سے طبیعت سخت پریشان ہو جاتی ہے اور دستور ہے کہ ضرورت سے پہلے تیار رہنا دشمن کے فساد ڈالنے کو زیادہ روکتا ہے بہ نسبت عین موقعہ کی تیاری کے تیر پھینکنے سے پیشتر ہی تیر پر تیر لگایا جاتا ہے نہ کہ عین موقع پر ۔ یہ مثال عرب میں اس وقت دی جاتی ہے جب کہ ضرورت سے پہلے سامان تیار کرا یا جائے ۔

مَا وَلّٰھُمْ عَنْ قِبْلَتِھِمُ الَّتِیْ کَانُوْا عَلَیْھَا ط مَا استفہامیہ انکاریہ مرفوع المحل مبتدا ہے اور وَلّٰھُمْ اس کی خبر ہے جملہ لیقول کی وجہ سے محل النصب ہے ۔ اہل عرب کہتے ہیں تولی عن ذالک یعنی انصرف اور کہتے ہیں ولی غیرہ یعنی صرفہ

ف : قبلہ دراصل انسان کی اس حالت کو کہتے ہیں جو اس کے آمنے سامنے ہو شرع میں منقول ہو کر اس جہت کو کہا جاتا ہے جس کی طرف انسان منہ کر کے نماز پڑھے ۔ قبلہ مقابلہ سے ماخوذ ہے اور قبلہ کو اسی لیے قبلہ کہتے ہیں کہ نمازی اس کے بالمقابل کھڑا ہوتا ہے ۔

ف : آیت کا معنی یہ ہے کہ ان لوگوں کو کونسی شے نے اس جہت یعنی بیت المقدس سے پھیرا ہے کہ بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کی طرف منہ کرنے لگ گئے ہیں ۔

حدیث شریف : مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کے بعد یہود کی تالیف قلوب کے لیے تقریباً سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے ۔ اس کے بعد مسلمانوں کا قبلہ نفخ صور تک کعبہ شریف کو ٹھہرایا گیا ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب منکرین کو کیا جواب دینا چاہیئے تو حکم ہوا کہ قُلْ آپ فرما دیجئے : لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ تمام امکنہ اللہ تعالیٰ کے ملک اور تمام جہتیں اس کے تصرف میں ہیں ، کوئی شے ذاتی طور مستحق نہیں کہ وہ خود قبلہ بن جائے کہ اس کے سوا کوئی اور قبلہ بھی بن سکے اور ہر جہات اس لیے قبلہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم میری عبادت کے لیے ان کی طرف منہ کرو ۔ اس کی مرضی اپنی قدرت و تصرف کے تحت جس کی طرف منہ کرنے کا حکم دے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں ۔ وہ جس طرح چاہے جیسے چاہے حکم دے ۔ مخلوق کے لیے تو خالق کا فرمان ماننا اور اس کی اطاعت کرنا ہی ہے اور بس اسے کیا ضرورت ہے کہ سوال کرتا پھرے کہ اس کا حکم اس طرح کیوں ہوا اور یہ مامور اسی طرح کیوں ہے اسے تو فرمانبرداری کرنی ہے اسے علل و اغراض سے کیا مطلب ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ احکام و افعال اغراض و علل کا محتاج نہیں ۔

یہود ونصاریٰ کی ایک غلطی یہود نے بیت المقدس کی غربی جانب قبلہ اپنی خواہش کے مطابق بنایا ہوا تھا۔ ان کو حکم ربانی نہیں تھا ان کا اپنا یہ خیال تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غربی جانب شرف وحی وکلام حاصل ہوا۔ کما قال اللہ تعالیٰ[1] وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ۔ بنابریں ہمارا قبلہ اسی جانب زیادہ موزوں ہے اور نصاریٰ نے بیت المقدس کی شرقی جانب کو قبلہ اختیار کیا۔ اس لیے کہ وہ خیال رکھتے تھے کہ بی بی مریم (علیٰ نبینا وعلیہا السلام) جب شہر سے نکلیں تو بیت المقدس کی شرقی جانب گئیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا[2]

اور مومن صرف اللہ کی اطاعت سمجھ کر اور اس کا فرمان مانتے ہوئے قبلہ کعبہ کی جانب منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں اور اہل اسلام اپنی طرف سے کسی جہت کا تعین نہیں کرتے اور یہ قبلہ خلیلی بھی ہے اور اسے مولد مصطفیٰ کا شرف بھی حاصل ہے۔

يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ سیدھے راہ کی طرف جسے چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے یعنی بیت المقدس کی طرف اور کبھی کعبہ کی جانب۔ اسے استقامت سے اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ یہ حکمت ومصلحت پر مشتمل ہے۔

ف: بعض ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ ومنافقین کو بے وقوف اس لئے کہا گیا ہے کہ دین واسلام کی حقیقت نہ سمجھنے سے ان کے عقول پر پردے آگئے ہیں۔ اگر انہیں حق سمجھنے کا کچھ حصہ نصیب ہوتا تو مومنوں کی طرح مخلص ہوتے اور اگر ان کے عقول صحیح وسالم ہوتے تو وہ آیات سے صحیح استدلال کرتے اور تحویل قبلہ کا انکار بھی اسی لیے کر بیٹھے کہ وہ خود جہت کے پابند تھے اور انہیں توحید کی معرفت نہ تھی کہ کل جہات اسی ذات کے لیے ہیں۔ عارف جامی قدس سرہ فرماتے ہیں:

س

جہاں مرآت حسن شاہد ما است

فشاہد وجہہ فی کل ذرات

ترجمہ: یہ جہاں ہمارے محبوب کا آئینہ ہے اسی لیے عارف ہر شئے سے اسی کا مشاہدہ کرتا ہے۔

وَكَذَٰلِكَ یہ اشارہ متقدم آیت کے مفہوم کی طرف ہے یعنی جس طرح ہم نے تمہیں راہ مستقیم کی ہدایت بخشی اسی طرح جَعَلْنَاكُمْ ہم نے تمہیں بنایا۔

سوال: كَذَٰلِكَ میں کاف خطاب مفرد کا اور جَعَلْنَاكُمْ میں جمع کا۔ اس کی کیا وجہ ہے حالانکہ ہر دونوں میں مؤمنین مراد ہیں۔

جواب: یہاں صرف حاضر وغائب کا فرق بتانا ہے أُمَّةً وَسَطًا یعنی ہم نے تمہیں پسندیدہ امت بنایا۔ چونکہ اوسط ہر لحاظ سے محفوظ ہوتا ہے اور چونکہ اطراف اسے گھیرے ہوئے ہوتے ہیں اسی لیے وہ ہر دکھ وتکلیف سے

---

[1] سورۃ قصص ۴۴ - [2] سورۃ مریم ۱۶

بچا رہنا ہے۔
لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ تاکہ تم لوگوں پر قیامت میں گواہی دو کہ واقعی رسل علیہم السلام ان کو احکام الٰہی پہنچا چکے
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ یعنی حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا تم پر گواہی دیں۔
سوال: جب شاہد کی شہادت سے ضرر مقصود ہو تو اس وقت علیٰ سے متعدی ہوتا ہے اور جب اس کی شہادت سے نفع مطلوب ہو تو اس وقت لام سے متعدی ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے شَهِدَ لَهٗ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی صفائی بیان فرمائیں گے اور ان کی شہادت کی اہلیت بتائیں گے تو یہ شہادت ان کے لیے مفید ہوگی۔ بہتر یوں تھا کہ کہا جاتا:
وَيكون الرسول لكم شهيدًا
بخلاف امت کی شہادت کے کہ امم کو اس امت کی شہادت سے ضرر ہوگا اسی لیے وہاں پر شہداء کے بعد علیٰ کا آنا اپنے محل میں ہے۔
جواب: الشهيد بمعنى الرقيب المطلع ہے۔ اس بنا پر اس کا علیٰ سے متعدی ہونا صحیح ہے شہید الرقیب والمطلع کے معنی کو اس لیے متضمن ہے کہ کسی کی صفائی یا عدالت بیان کرنے میں ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس کے حال سے مطلع ہو۔ کیونکہ وہ اگر ان کے کردار سے بے خبر ہے تو پھر تزکیہ و عدالت اور صفائی کا کیا معنی اگر وہ اس کی صفائی و عدالت سے واقف ہے تو اس کی صفائی بیان کرے گا ورنہ خاموشی اختیار کرے گا۔
سوال: علیکم شہیدا میں صلہ یعنی علیکم مقدم کیوں ہے۔
جواب: کیونکہ ان کی عدالت و تزکیہ کی شہادت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے اگرچہ آپ دیگر انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کی شہادت اور منکرین کی تکذیب کے بھی شاہد ہیں لیکن امت کی تعدیل و تزکیہ صرف آپ نے ہی فرمایا ہے گویا یہ حصر حقیقی ہے۔
مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو ایک جگہ جمع فرما کر امم سابقہ کے کفار کو فرمائے گا کہ کیا تمہارے پاس کوئی حکم سنانے والا آیا تھا وہ انکار کرتے ہوئے کہیں گے یا اللہ ہمارے پاس تو کوئی بشیر آیا اور نہ نذیر پھر اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے پوچھیں گے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔
انبیاء علیہم السلام کہیں گے یا اللہ کفار جھوٹ بولتے ہیں ہم نے تیرے احکام مکمل طور پر پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو فرمائے گا اپنی صفائی کے گواہ پیش کرو۔ حالانکہ اسے خوب معلوم ہے صرف حجت قائم کرنے کی بنا پر ایسے ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام کی گواہی کے لیے امت محمدیہ علی صاحبہا السلام حاضر ہوگی اور گواہی دے گی کہ واقعی یا اللہ انبیاء علیہم السلام تیرے احکام اپنی امتوں کو پہنچا چکے
امم سابقہ کے کفار کہیں گے یا اللہ انہیں کیسے معلوم ہوا یہ تو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ امت محمدیہ علی صاحبہا السلام سے سوال کیا جائے گا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا تو وہ عرض کریں گے کہ یا اللہ تو نے اپنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی اس میں انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا ذکر بھی تھا اور تو اپنی بات میں صادق ہے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے آپ سے اپنی امت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ آپ ہی اپنی امت کی صفائی فرمائیں گے اور ان کے صدق کی گواہی دیں گے اس کے بعد کفار کو

جہنم میں داخل ہونے کا حکم صادر ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ

ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ امت کا لوگوں پر شہادت دینے کا معنی یہ ہے کہ امت کو ادیان سابقہ کے حقوق پر نور توحید کی وجہ سے آگاہی حاصل تھی اور ان کو ہر دین اور ہر اہل دین کے حقوق کا علم تھا اور ان کے باطل کو بھی جانتے تھے لیکن وہ باطل کو حق سے تعبیر کرتے حالانکہ وہ حق نہیں بلکہ وہ ان کے نفوس کے مخترعات ہیں جسے دین کا تحقق نصیب ہوا اسے تمام ادیان کی حقیقت معلوم ہوجاتی ہے خصوصاً دین اسلام جسے حق اعظم کہا جائے تو بجا ہے۔

ف: حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا معنی یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر دیندار کے دین کا علم ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ اس کے دین کی حقیقت کیا ہے اور اس حجاب کو بھی جانتے ہیں کہ جس سے وہ اپنے دین کے کمال سے محجوب ہے اور آپ اپنی امت کے گناہوں کو اور ان سے ایمان کی حقیقت کو اور اعمال کو نیکیاں ہوں یا برائیاں اور ان کے اخلاق اور نفاق کو خوب جانتے ہیں اور آپکی امت کو نبی علیہ السلام کے نور کے صدقہ تمام امت کے گذشتہ امور بخوبی معلوم ہیں۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آخر الامم بنایا ہے یہ صرف اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو شرف بخشنے کی بنا پر ہے کیونکہ اگر ہم ان سے پہلے ہوتے تو ہمیں قبروں میں ان کا انتظار کرنا پڑتا جیسے اب وہ قبروں میں ہمارے لیے منتظر ہیں نیز ہم اس لیے آخر میں آئے تاکہ ہم قیامت میں ان کے گواہ بنیں۔ یہ بھی ایک ہماری شرافت کی دلیل ہے اور اس امت کی بزرگی کی صرف یہی ایک دلیل کافی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے علماء کرام کے متعلق فرمایا:

عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ — میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء جیسے ہیں۔

حکایت: امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ محاضرات میں تحریر فرماتے ہیں کہ صاحب حزب البحر نے فرمایا کہ ایک روز میں مسجد اقصیٰ میں سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ مسجد اقصیٰ کے باہر حرم شریف کے وسط میں ایک تخت بچھایا گیا اور بڑی مخلوق جمع ہو رہی ہے۔ میں نے پوچھا یہ جماعت کون ہے۔ مجھے کہا گیا یہ انبیاء اور رسل علیہم السلام کی جماعت ہے۔ یہ اس لیے جمع ہو رہے ہیں تاکہ حضور سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حسین حلاج سے جو غلطی شرعی واقع ہوئی اس کے بارہ میں سفارش کریں۔ جب میں نے تخت کو دیکھا تو اس پر صرف ہمارے نبی پاک شہ لولاک سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونق افروز ہیں اور دیگر سادات انبیاء علیہم السلام جیسے ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ و نوح علیہم السلام نیچے زمین پر تشریف فرما ہیں۔ میں وہاں پر ٹھہر گیا اور ان کے پیارے کلام سننے کا منتظر ہوگیا۔ اس مجمع انبیاء علیہم السلام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بولے اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہوکر عرض کیا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام جیسے ہیں آپ ان میں سے ایک تو ہمیں دکھائیں۔ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام غزالی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک سوال کیا۔ امام غزالی رضی اللہ عنہ نے اس کے دس جواب دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ سوال کے مطابق جواب ہونا چاہیئے۔ میں نے سوال تو ایک کیا ہے لیکن آپ نے دس جواب دیئے۔ امام غزالی رضی اللہ عنہ

---

[1] وکذا قال الشاہ عبد العزیز الدہلوی فی تفسیرہ فتح العزیز فی ہذا المقام ۱۲ اویسی غفرلہ

نے عرض کی۔ حضور یہی اعتراض تو پہلے آپ پر وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے پوچھا تھا، وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى[1]۔ آپ کو جواب میں صرف کہنا تھا، هِيَ عَصَايَ[2] لیکن آپ نے بڑا طویل جواب دیا۔ امام شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند قدر اور شان و شوکت کو دیکھ رہا تھا، سبحان اللہ آپ اکیلے ہی تخت پر ہیں اور دیگر انبیاء خلیل و کلیم اور عیسیٰ علیہم السلام نیچے ہیں۔ ابھی میں اس حال میں تھا کہ کسی نے میرے سینہ پر پاؤں مارا جس سے میں جاگ اٹھا۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَانْسُبْ اِلٰى ذَاتِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ ۔ وَانْسُبْ اِلٰى قَدْرِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ عَظَمٍ[3]

اَللّٰهُمَّ يسر لنا شفاعته — اے اللہ ہمیں آپ کی شفاعت نصیب فرما۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ القبلة جعلنا کا مفعول اول ہے اَلَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا یہ جعلنا کا مفعول ثانی ہے اور اس کا الجهة موصوف محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی:

اَلْجِهَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا اس سے مراد کعبہ ہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے پر مامور تھے اور کعبہ شریف مکہ معظمہ میں ہے پھر جب آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو آپ کو اس پتھر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا جو بیت المقدس میں تھا اور اس مقام سے ملائکہ آسمان کی طرف چڑھتے پھر چند روز بعد کعبہ شریف کی طرف حکم دیا گیا۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے آپ کو جس طرف کا حکم ہے یعنی وہ جہت کہ جس کی طرف آپ نے متوجہ ہونا ہے ہم نے آپ کو صرف اس لیے لوٹایا ہے۔

اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ کون حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے۔ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ اور کون اپنے گٹوں کی طرف پھر جاتا ہے۔ عقب قدم کی طرف کو کہتے ہیں اور گٹوں کی طرف لوٹنا ارتداد سے استعارہ ہے اور دین حق سے باطل کی طرف پھر جانا مقصود ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ ہمارا علم مظاہر رسول اور مومنین پر ظاہر ہو جائے اور واضح ہو جائے کہ ان میں صادق الاسلام کون ہے اور متردد کون۔ جو کہ معمولی سبب سے دین سے ہٹ جاتا ہے اور اس کا ایمان کمزور پڑ جاتا ہے۔ اس کا معنی ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے قبل نہیں جانتا تھا اور اب جان لیا ہے کیونکہ وہ تو انہیں ازل سے جانتا ہے اور ان کے تمام حالات جو کسی وقت بھی واقع ہونے والے تھے تمام کو جانتا تھا اسی طرح ہر وہ شخص جو ان حالات کو جانتا ہے اسے بھی یہی علم ظاہر ہوتا ہے۔

---

[1] تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ علیہ السلام ۱۲۔

[2] یہ میرا عصا ہے ۱۲

[3] آپ کی بزرگی کے لیے جتنا چاہو بیان کرو آپ کی قدر و منزلت جتنا دل چاہے ظاہر کرو۔

ف : اس تقریر کے موافق ہے جو کہا جاتا ہے کہ رسول علیہ السلام اور مومنین جان لیتے ہیں اس لیے کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے کیونکہ وہ اس کے خواص اور اس کے قرب والے ہیں۔ یہ مطلب امام قاشانی کا اختیار کردہ ہے جو انہوں نے تاویلات میں بیان فرمایا ہے انہوں نے اس مطلب کے ماسوا کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ف : اِلَّا لِنَعْلَمَ میں علم بمعنی معرفت ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہمیں اس کی معرفت ہو کہ کون رسول علیہ السلام کی تابعداری کرتا ہے۔ علم کو بمعنی معرفت لینے سے مفعول ثانی کی ضرورت نہیں۔

سوال : اللہ تعالیٰ کو معرفت سے موصوف نہیں کیا جاتا۔ اَللّٰہُ عَارِفٌ نہیں کہا جا سکتا جب ایسے ہے تو پھر یہاں پر لنعلم بمعنی لنعرف کیسے مانا جائے۔

جواب : اللہ تعالیٰ معرفت سے اس وقت موصوف نہیں مانا جاتا جب کہ معرفت کا معنی الادراک بمسبوق بالعدم کیا جائے۔ اگر معرفت بمعنی ادراک مطلق ہو کہ اسے دوسرے مفعول کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ پر معرفت کا اطلاق جائز ہے۔

ف : ممن ینقلب یتبع کے فاعل سے حال ہے یعنی ہم معلوم کریں کہ کون اہل ایمان سے علیحدہ ہوتا ہے۔

وَ اِنْ كَانَتْ یعنی قبلہ موحولہ لَكَبِيْرَةً سخت اور ثقیل ہے اس کے لیے جو قبلہ منسوخہ سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ انسان کو ہر وہ بات سخت محسوس ہوتی ہے جس سے متوجہ ہو کر پھر اس سے توجہ ہٹائی جائے۔

ف : اِن مخففہ من المثقلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی القبلہ اور لام جو لکبیرۃ پر داخل ہے یہ لام فارقہ مابین اِن نافیہ اور ثقیلہ کے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں واقع ہے :

اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا۔ اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ہاں ان لوگوں پر یہ ثقیل نہیں ہے جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے احکام کے حکم کی طرف، انہیں راہ دکھائی ہے اور انہیں عرفان دیا ہے کہ جن احکام کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مکلف بنایا ہے ان میں کوئی حکمت مضمر ہے اگرچہ انہیں ان احکام کی حکمت معلوم بھی نہ ہو سکے۔ پھر بھی انہیں یقین ہوتا ہے۔ سعادتمند وہ ہے جو اپنے رب حکیم کے احکام کی فرمانبرداری کرے اور وہ بڑا بدبخت ہے جو اپنے رب حکیم کی بے فرمانی کرے۔ اس کے بعد بیان فرمایا کہ وہ لوگ اس ثابت قدمی اور فرمانبرداری پر اجر و ثواب کے مستحق ہیں اور ان کا کوئی عمل ضائع ہونے والا نہیں۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں کہ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ تمہاری ثابت قدمی اور اس تصدیق کو ضائع کرے جو کہ تم نے رسول علیہ السلام کے لائے ہوئے احکام کو مانا اور ان میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کرتے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ بیشک اللہ تعالیٰ بالناس رؤف سے متعلق ہے لَرَءُوْفٌ لوگوں کے لیے بڑی رحمت والا ہے کہ انہیں اس قبلہ کعبہ کی طرف منتقل فرمایا ہے جو ان کے لیے بہی زیادہ مناسب ہے رَّحِيْمٌ رحم کرنے والا ہے کہ ایمان کی وجہ سے ان کے گناہ بخشتا اور انہیں رزق دیتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ؎

ف الحمد للہ یہی اہل سنت کہتے ہیں اور یہی ہمارا عقیدہ ہے ۱۲ اویسی غفرلہٗ۔

فروماندگاں را برحمت قریب
تفرع کناں را بدعوت مجیب[1]

حکایت سیدنا داؤد علیٰ نبینا علیہ السلام کے زمانہ میں ایک بڑا ظالم کافر تھا اسے گرفتار کر کے سولی پر چڑھا دیا گیا۔ عشاء کے وقت اسے سولی پر چھوڑ کر تمام لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے اور وہ اکیلا سولی پر چھوڑ دیا گیا۔ اس نے اپنے معبودان باطلہ کو پکارا لیکن کوئی جان رہائی نہ ہوئی پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے نہایت زاری اور انکساری سے عرض کیا کہ الہ العلمین مجھے اس پھانسی سے نجات دے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا اس نے اپنے معبودوں کو پکارا۔ انہوں نے اس کی کیا مدد کرتی تھی اب وہ مجھے پکار رہا ہے مجھے اس کے حال پر رحم آتا ہے اسے باآرام سولی سے اتار کر زمین پر پہنچائیے۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے حکم بجا لایا صبح کو لوگ آئے دیکھا تو باعافیت اور زندہ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے الہ العلمین ماجرا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو بندہ میرے سامنے عاجزی و انکساری کرے مجھے اس کے حال پر رحم آتا ہے اس نے عاجزی کی میں نے اس کی عاجزی سے اسے چھوڑ دیا ہے۔ اگر میں ایسے نہ کرتا تو پھر میرے اور اس کے باطل معبودوں میں کیا فرق رہتا۔

تفسیر صوفیانہ ایک جماعت تحویل قبلہ کے وقت مرتد ہو گئی اس کی وجہ وہی تھی کہ ان کا تعلق ماسوی اللہ سے تھا اور فنا فی اللہ نہیں تھے اور اس قضا پر راضی نہ ہوئے جو ان پر آنے والی تھی انہیں میلان الی الباطل نے گھیر لیا اور گمراہی کے سیلاب میں بہہ گئے اور وہ لوگ جو ازل سے سعادت مند تھے نہ وہ بیت المقدس کے خوگر تھے اور نہ ہی انہیں کعبہ سے غرض تھی بلکہ وہ تو اپنے مالک حقیقی کے عاشق تھے۔ اسی لیے مشیت ایزدی نے انہیں ارتداد سے بچا لیا اور ارادہ الٰہی کی شہد سے نوازے گئے جس سے انہیں دائمی سرور و صفا نصیب ہوا۔ حضرت صائب مرحوم نے فرمایا:

مہیائے[2] فنا را از علائق نیست پروائے
نیندیشد غبار آنکس کہ داماں بر کمر دارد

حکایت سیدنا ابوالقاسم جنید بغدادی قدس سرہ کو لوگوں نے عشق حقیقی میں دیکھ کر سمجھا کہ وہ یا تو مریض ہیں یا مجنون ہو گئے ہیں اس لیے انہیں ہسپتال میں داخل کرا دیا۔ ان کے معتقدین زیارت کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا تم کون ہو انہوں نے عرض کی ہم آپ کے غلام ہیں آپ نے سنتے ہی انہیں پتھر مارے جس سے وہ لوگ آپ سے بھاگے اور کہنے لگے کہ آپ پر جنون کا غلبہ ہے، آپ نے سن کر فرمایا کہ دعوی محبت کا کرتے ہو اور تمہارا عمل اس کے برعکس ہے کیونکہ محب تو وہ ہوتا ہے

---

[1] عاجزوں کو اپنی رحمت کے لحاظ سے قریب اور عاجزی کرنے والوں کی دعا قبول کرتا ہے۔ ۱۲

[2] فانی فی اللہ کو علائق کی پرواہ نہیں یعنی اسے گرد کیا پہنچے گی جس کا دامن غبار سے اونچا ہو۔

جو محبوب کی ہر دی ہوئی تکلیف کو بدل وجان قبول کرے ۔

ف : انبیاء کرام و اولیاء عظام علٰی نبینا وعلیہم السلام کے ہاں مصائب حلوہ سے بھی زیادہ لذیذ ہوتے ہیں اسی لیے وہ صبر و رضا کا جام پی لیتے ہیں اور مشکلات و مشاہدات کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہوتے ہیں اور حال وقال سے توحید اور ذکر حق میں مشغول رہتے ہیں ۔ یہاں تک کہ وہ غیر اللہ کی طرف التفات حتیٰ کہ طعام کے لقمہ اٹھانے کو بھی عبث اور مانع سمجھتے ہیں اسی لیے وہ حضرات فنا و بقا ، سے اپنے اعلیٰ مقاصد پر فائز المراد ہوئے ہیں ۔

حکایت سیدنا موسیٰ علٰی نبینا علیہ السلام نے جب کہا : رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے موسیٰ تو مجھے فانی جسم میں نہیں دیکھ سکے گا ۔ صبر کیجیئے تاکہ میں آپ کو بقا عطا کروں پھر مجھے دیکھ لینا ۔ اے موسیٰ دس سال تو نے شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرائی ہیں ۔ کیا صرف چالیس دن کی عبادت سے مجھے دیکھنا چاہتا ہے ، اس کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ نے چن لیا اور جو کچھ عنایت کرنا تھا عطا فرمادیا ۔

جب موسیٰ علیہ السلام واپس لوٹنے لگے تو راستہ میں ایک بہت بڑے اونچے پہاڑ کو دیکھ کر متعجب ہوئے کہ یہ پہاڑ کہاں سے آگیا ۔ پہاڑ بولا کہ اے موسیٰ علیہ السلام تم میرے اندر بکریاں چراتے تھے آپ کے سر پر ٹوپی ہوتی تھی اور تمہارے ہاتھ میں عصا ہوتا تھا ۔ اب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی رسالت سے اور کلام سے نوازا ہے اور مجھے بھی اپنے فضل وکرم سے بلند و بالا بنا دیا ہے ۔

اَللّٰھم اجعلنا علٰی صراطٍ مُستقیم و اتباع رسولك الکریم واھدنا الی کعبة ذاتك والا نجذاب الیك والوصول الی مشاھدتك ۔ آمین یارب العالمین بحرمة سید المرسلین صلی اللّٰہ علیه وعلٰی آله اجمعین ۔	اے اللہ ہمیں اپنے سیدھے راستہ پر چلا اور اپنے رسول کریم کی اتباع نصیب فرما اور اپنی ذات کے کعبہ کی توجہ عطا فرما اور اپنی طرف میلان اور اپنے مشاہدہ تک پہنچنے کی توفیق نصیب فرما ۔

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ جہاں محبوبانِ خدا کا گزر رہتا ہے وہ جگہ اور وہ مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبارک و مقدس بن جاتا ہے اگرچہ ہمیں اس کا علم نہ ہو لیکن حقیقت بین نگاہوں میں اس کے متبرک ہونے میں شک نہیں اور جہاں ان کا مستقل قیام ہو اس کی بلندیٔ شان کا کیا کہنا ۔ (اُویسی غفرلہٗ)

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ ؕ وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ
اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ
اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ
مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ
كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ
یَعْلَمُوْنَ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝

ترجمہ : ہم آپ کے آسمان کی طرف منہ کر کے دیکھنے کو بار بار دیکھ رہے ہیں، توضرور ہم آپ کو اسی قبلہ کی اجازت دے دیں گے جس میں آپ کی رضا ہے[1] ، ابھی مسجد حرام کی طرف اپنا چہرہ مبارک پھیرئیے ۔ اور اے مسلمانو ! تم جہاں بھی ہو اپنے منہ اسی طرف پھیر دو ۔ اور بے شک جنھیں کتاب ملی ہے انھیں یقین ہے کہ بے شک یہ ان کے رب تعالیٰ کی طرف سے حق ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے ، اور اگر آپ اہل کتاب کے ہاں ہر قسم کے دلائل لائیں تو وہ آپ کے قبلہ کی تابعداری نہیں کریں گے اور نہ ہی آپ ان کے قبلہ کی پیروی کر سکتے ہیں ۔ اور وہ بھی ایک دوسرے کے قبلہ کے تابع نہیں ہیں ۔ اے لوگو ! اگر تم اُن کی نفسانی خواہشات پہ چلے بعد اس کے کہ تمھیں معلوم ہو چکا کہ وہ گمراہ لوگ ہیں تو اس وقت ان کی تابعداری سے تم بہت بڑے ظالم ہو گے جنھیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ نبی علیہ السلام کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے انسان اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے ، اور بے شک ان کا ایک گروہ جان بوجھ کر حق کو چھپاتا ہے ۔ اے لوگو ! یہ حق ہے تمھارے رب تعالیٰ کی طرف سے ، خبردار شک کرنے والوں سے نہ ہو جانا ۔

(تفسیر اگلے صفحات پر)

---

[1] اس آیت سے حدیث كُلُّهُمْ يَطْلُبُوْنَ رِضَائِيْ وَاَنَا اَطْلُبُ رِضَاكَ يَا مُحَمَّد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کا ترجمہ امام اہلسنت مجدد دین وملت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے ۔ ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد
(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷ پر)

حاشیہ ازمستیا ۔ لہ آیت خدائے اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے شعر مذکور کی تائید ہوئی اور یہ شعر ہے کلھم یطلبون رضائی الخ کا ترجمہ ہے

اگرچہ یہ روایت سنداً ضعیف ہو تب بھی باصطلاح محدثین معنیً صحیح ہوگئی اس لیے اصول کی حدیث کا مسلّمہ قانون ہے کہ جو روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہو اگر اس کا معنی آیت قرآن یا کسی دوسری صحیح حدیث سے مؤید و موثق ہو جائے تو وہ روایت معنیً صحیح کہلاتی اور حدیث مذکور آیت مذکورہ کے علاوہ آیت وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى " (عنقریب تیرا رب تمہیں اتنا عطا فرمائے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے) سے موثق ہے اور احادیث مبارکہ تو اس بارہ میں بکثرت ہیں ۔ چند مندرجہ ذیل ہیں۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ :

۱۔ حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمد راضی نہیں ہوگا جب تک اس کی امت کا ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے گا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

۲۔ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " میں راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوگا ۔ (تفسیر نیشاپوری حاشیہ طبری ج ۱۲ ص ۱۰۹)

۳۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی آیت مذکورہ کے تحت یہی مروی ہے کہ " محمد مصطفےٰ راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ ان کا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوگا " (تفسیر درمنثور ج ۶ ص ۳۶۱ از امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ)

سبحان اللہ ! کیا مقام ناز و شان محبوبیت ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے حبیب کریم کو اتنا عطا فرمانے کا وعدہ فرماتا ہے کہ حبیب راضی ہو جائیں اور حبیب پاک رحمت خداوندی و اپنی شان محبوبیت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ میں راضی نہ ہوں گا جب تک ایک امتی بھی دوزخ میں رہے ۔

۴۔ سیدنا حسان صحابی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی شان محبوبیت کی بناء پر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا ہے کہ آپ ہر عیب سے مبرّا پیدا کیے گئے ہیں کَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ گویا کہ جیسا آپ نے چاہا ۔ آپ کے خالق نے ویسا ہی آپ کو بنادیا۔

۵۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی حضور کی بارگاہ میں اسی طرح عرض کی کہ ما اریٰ ربّك الّا يُسَارِعُ فِي هَوَاكَ ۔ یارسول اللہ! میں آپ کے رب کو نہیں دیکھتی مگر حضور کی خواہش پورے کرنے میں جلدی و شتابی کرتا ہوا " (بخاری شریف ج ۳ ص ۲۴۵)

۶۔ بروز حشر بھی اسی شان محبوبیت و رضائے مصطفےٰ کا یوں مظاہرہ ہوگا کہ جب حبیب اپنے رب کریم کے حضور سر سجدہ میں رکھیں گے تو رب کریم فرمائے گا یا محمد ارفع راسك ۔ قل تسمع ۔ سل تعطہ اشفع تشفع ۔ اے محمد اپنا سر سجدہ سے اٹھا تو جو کہے گا سنا جائے گا جو مانگے گا دیا جائے گا جو شفاعت کرے گا قبول

ہوگی۔ (مسلم شریف ج ۱ صفحہ ۱۰۹)

۷۔ یہاں تک کہ رب کریم کو اپنے حبیب کریم کی رضا اتنی مطلوب ہے کہ بعض دفعہ رب کریم نے اپنے حبیب کریم سے مشورہ فرمایا۔ فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)

انّ ربّی استشارنی فی امّتی ماذا افعل بھم۔ الحدیث امام احمد، ابن عساکر۔ عن حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)	بے شک میرے رب نے میری امت کے بارے میں مجھ سے مشورہ طلب فرمایا کہ میں ان کے ساتھ کیا کروں۔

سبحٰن اللہ! شانِ محمدی و مقامِ محمدی اور رضائے مصطفیٰ کی کیا بات ہے مگر جن بے دین اور گستاخ لوگوں کا یہ عقیدہ باطلہ ہو کہ نبی ہمارے جیسا بشر ہے ان کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجیے۔ رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا اور ان کی خواہش کچھ نہیں چلتی وغیر ذالک من الخرافات۔ ایسے بدنصیبوں کو شانِ محمدی و رضائے مصطفیٰ کے جلوؤں کی کیا خبر۔ ؎

آنکھ والا ترے جلوؤں کے نظارے دیکھے
دیدکور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

۸۔ حدیث یطلبون: شیخ محقق علامہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے نقل فرمایا کہ خداوند کریم فرماتا ہے،

"اے محمد! سب میری رضا کے طالب ہیں اور میں تیری رضا کا طالب ہوں۔" (تکمیل الایمان ص ۲۲)

شیخ عبد الرحمٰن صفوری نے علامہ ابن جوزی سے نقل کیا ہے کہ "بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی فرمائی کہ اے محمد! سب میری رضا چاہتے ہیں اور میں تیری رضا چاہتا ہوں" (نزہۃ المجالس ج ۲ ص ۱۳۵)

۹۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری کے استاذ مولوی محمود حسن کے استاذ و پیر مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ کا سوال و جواب ملاحظہ ہو۔

س: ایک روایت بطور حدیث قدسی کے اس ملک میں مشہور ہے۔ بعضے علماء کو دیکھا ہے کہ خطبہ میں بھی پڑھتے ہیں یہاں تک کہ "تکمیل الایمان" تصنیف شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ میں بھی مندرج ہے: کُلُّھُمْ یَطْلُبُوْنَ رِضَائِیْ وَاَنَا اَطْلُبُ رِضَاکَ یَا مُحَمَّدُ!

جواب: اس کی صحت سند بندہ کو معلوم نہیں اور اس کے معنٰی آیت وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی کے لیے جائیں تو معنٰی صحیح ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم۔ فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۴۷)

۱۰۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مذکورہ روایت والفاظ نقل فرمائے ہیں اور لکھا ہے کہ انہ تعالیٰ یفعل کل ما یرضاء الرسول (کہ اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو اس کا رسول چاہتا ہے) تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۰۶)

تفسیر عالمانہ قَدْ یہ لفظ جب مضارع پر داخل ہوتا ہے تو بمعنی تقلیل کے لیے آتا ہے اور کبھی تکثیر کے لیے، لیکن بطریق استعارہ بوجہ مجانست مابین الضدین کے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ نَرٰی لفظاً مضارع اور معنی ماضی۔ تلاوت کے لحاظ سے متاخر اور معنی کے لحاظ سے مقدم ہے اس لیے کہ قصہ تحویل قبلہ کی اصل بنیاد یہی ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے مشاہدہ کیا اور معلوم کیا۔ تُقَلُّبَ وَجْهِكَ آپ کا بار بار منہ پھیرنا اور آنکھیں اٹھا اٹھا کر دیکھنا فِی السَّمَآءِ آسمان یعنی ہماری طرف وحی کے انتظار میں۔

شانِ نزول حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دل ہی دل میں خیال فرما کر اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے تھے کہ ان کا نماز کیلئے کعبہ کی طرف منہ پھیرا جائے کیونکہ وہ آپ کے دادا جان سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ اور اقدم القبلتین ہے۔ علاوہ ازیں اہلِ عرب کی دعوت الی الاسلام کے لیے زیادہ موثر ثابت ہوگا۔ اس لیے کہ انہیں اس قبلہ پر فخر اور اسی کو اپنی پناہ گاہ مانتے تھے اور اس کی زیارت کے لیے بار بار حاضر ہوتے اور اسی کا طواف کرتے اسی سے یہودیوں کی مخالفت بھی مطلوب تھی کہ وہ کہتے تھے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر تو ہماری مخالفت پہ تلے ہوئے ہیں اور ادھر ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ اگر ہم نہ ہوتے تو انہیں معلوم نہ ہوتا کہ کس طرف منہ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہاں تک کہ حضور علیہ السلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا:

وددتُ ان اللہ صرفنی عن قبلہ الیہود الی غیرھا۔ — یعنی میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ یہود کے قبلہ سے میرا رُخ پھیر کر کسی دوسرے قبلہ کی طرف متوجہ فرمائے۔

بقیہ حاشیہ از ۱۲

۱۱- حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم قیومی نے لکھا ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے

اطلب رضاك یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) (مکتوبات خواجہ ص۳۷)

۱۲- امام نسفی نے روایت نقل فرمائی کہ موسیٰ علیہ السلام کے کلیم اللہ اور حبیب اللہ میں فرق پوچھنے پر رب تعالیٰ نے فرمایا:

الکلیم یعمل برضا مولاہ — کلیم اپنے مولا کی رضا پر عمل کرتا ہے اور
والحبیب یعمل مولاہ برضاہ — اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی رضا کو پورا فرماتا ہے۔

(نزہۃ المجالس ج ۲ ص۱۳۵)

۱۳- ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری نے خلیل وحبیب میں فرق نقل کیا ہے کہ خلیل کا فعل اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے اور اللہ کا فعل اپنے حبیب کی رضا کے لیے ہوتا ہے۔ والحبیب یکون فعل اللہ برضاہ۔

(مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۵ ص۳۶۹)

جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی میں آپ کی طرح ایک اللہ کا عبد ہوں اور آپ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی عزت ہے۔ آپ خود ہی اپنے رب سے عرض کیجئے۔ یہ کہہ کر جبرائیل علیہ السلام آسمان کی طرف چلے اور حضور علیہ السلام نے آسمان کی طرف آنکھیں لگا دیں۔ اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرائیل علیہ السلام کوئی نیا پیغام لائیں۔ یعنی جس کا میں نے عرض کیا ہے اس پہ جبرائیل علیہ السلام یہی آیت لائے۔

ف: قرآنی احکام میں سب سے پہلا ناسخ و منسوخ یہی حکم ہے کہ پچاس نمازوں سے پانچ ہوئیں۔ پھر تحویل قبلہ کا نسخ ہوا کہ کعبۃ اللہ سے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور یہ نسخ مکہ معظمہ میں ہوا۔ اس سے مشرکین کی آزمائش مطلوب تھی یہ بھی اس کے بعد جب کہ نمازی کو حکم تھا کہ جس طرف چاہے منہ کر کے نماز پڑھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اس کے بعد پھر بیت المقدس سے کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم ہوا اور وہ بھی مدینہ طیبہ میں، اس سے یہود کا امتحان مقصود تھا۔ (کذافی التفسیر الفاتحہ للمولیٰ انصاری)

فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً یعنی بخدا ہم تجھے وہی قبلہ عنایت فرمائیں گے یا ہم تمہیں اس طرف منہ کرنے کی قدرت دیں گے۔ یہ مشتق ہے وَلَّیْتُهٗ کذا ای صَیَّرْتُهٗ والیاً اور وَلِیَ الرَّجُلُ ولایۃ سے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کوئی کسی سے قدرت پائے یا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم تجھے کر دیں گے اسی سمت کی جانب جس کے تم قریب ہو نہ کہ بیت المقدس کی سمت کی جانب یہ مشتق ہے۔

قَرَّبْتَهٗ وَدَنَاصِیَةٌ وَ اَذْلَیْتَهٗ اِیَّاهُ اَیْ اَدْنَیْتَ سنہ۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کو کسی کے قریب کر دیا جائے

تَرْضٰىهَا جس قبلہ سے آپ راضی ہوتے ہیں یہ محبت و اشتیاق سے مجاز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے غصہ میں نہیں تھے اور نہ ہی اسے مکروہ سمجھتے اور نہ ہی اس سے ناراض تھے۔ اب تَرْضٰىهَا کا معنی ہوگا (تُحِبُّهَا وَتَتَشَوَّقُ اِلَیْهَا)، یعنی آپ اس قبلہ کی محبت اور اس کا اشتیاق رکھتے ہیں نہ اس لیے کہ اس سے آپ کی نفسانی خواہش یا طبعی غرض ہے بلکہ مقاصد دینیہ کی وجہ سے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے موافق ہے۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اپنا چہرہ اس طرف کیجئے جو کعبہ کی طرف کے قریب ہے۔ وَجْهَكَ سے یہاں پر تمام بدن مراد ہے کیونکہ مکلف پر ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام بدن کو قبلہ کی طرف متوجہ کر دے نہ صرف اپنا چہرہ۔

سوال: چہرہ کی تخصیص کس لیے۔

جواب: چونکہ چہرہ تمام بدن کا اصل ہے اور قاعدہ ہے جب متبوع کا ذکر آ جائے تو توابع خود بخود مذکور ہو جاتے ہیں۔

ف: مسجد حرام سے متبادر اور یہی بڑی مسجد مراد ہوتی ہے جس میں کعبہ مکرمہ ہے اور حرم سے وہ مقام مراد ہے جس میں جنگ و جدل حرام ہے۔ یا اسے اس لیے حرم کہتے ہیں کہ ظالموں پر حرام ہے اور ان کے لیے ممانعت ہے کہ وہ اس مقام پر ظالمانہ تصرف کریں۔

سوال: لفظ کعبہ کی بجائے مسجد حرام کا نام کیوں لیا گیا۔
جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ نماز کے لیے کعبہ کی جہت ہی کافی ہے اور یہی مذہب حنفیہ اور شافعیہ کا ہے کیونکہ جو بعید ہے اسے کعبہ کے عین کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا حرج بلکہ ناممکن ہے بخلاف قریب کے وہ عین کعبہ کی طرف توجہ کرتا ہے۔

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ یعنی زمین کے جس مقام پر بھی تم گزر رہے ہو، دریاؤں میں یا جنگلوں میں، مشرق میں یا مغرب میں، جب بھی تم نماز کا ارادہ کرو تو فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ اس کی طرف تم اپنے چہرے پھیر دو۔ کیونکہ نفع صورت تک تمہارا وہی قبلہ ہے اس میں جمیع مومنوں کو حکم دیا گیا ہے بعد اس کے کہ حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا۔
مسئلہ: آیت کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکم تمام بندوں کو ہے خواہ وہ شہری ہوں یا دیہاتی اس میں امت کو تنبیہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی متابعت سب پر لازم ہے۔ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بے شک وہ لوگ جو کتاب دیئے گئے ہیں اہل کتاب کے ہر دو گروہ یعنی یہود و نصاریٰ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ تاکہ انہیں معلوم ہو کہ کعبہ کو قبلہ بنانا الْحَقُّ حق ہے ثابت ہے۔ مِنْ رَّبِّهِمْ ان کے رب کی طرف سے اس لیے کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز ادا کریں گے۔ پہلے وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے پھر اس سے ان کا رخ پھیر کر کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوگا۔

مِنْ رَّبِّهِمْ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے نہ یہ کہ اسے رسول علیہ السلام نے اپنی طرف سے اختراع فرمایا ہے۔ یہ اس لیے کہ ان کا گمان تھا کہ یہ حکم نبی علیہ السلام نے اپنی طرف سے دیا ہے وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ؕ اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں جو تم عمل کرتے ہو۔ یہ خطاب تمام مسلمانوں اور یہود کو ہے اس میں مسلمانوں کو ثواب اور بہترین جزا دینے کا وعدہ ہے اور یہودیوں کو ان کے عناد پر تہدید ہے۔ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ اور اگر آپ اہل کتاب کو تمام آیات لا کر دیں یعنی کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کے متعلق جو کہ حق ہے برہان قاطع پیش کریں۔ مَا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ تو وہ آپ کے قبلہ کی عناد اور مکابرۃً تابعداری نہیں کریں گے اور یہ ایک مخصوص گروہ کے حق میں ہے جنہیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ورنہ بعض ان میں ایسے بھی تھے جو ایمان لائے اور قبلہ کی اتباع بھی کی جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔
وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ اور نہ ہی آپ ان کے قبلہ کی تابعداری کرنے والے ہیں اس میں ان کے طمع کو پورے طور ختم کرنا مقصود ہے جبکہ وہ اسی امید میں تھے کہ حضور علیہ السلام ہمارے قبلہ کی طرف لوٹ آئیں گے اور کہتے تھے کہ اگر نبی علیہ السلام ہمارے قبلہ پر ثابت رہے تو ہم سمجھیں گے کہ جس منتظر نبی علیہ السلام کے ہم منتظر تھے وہ یہی ہیں اس لیے انہیں طمع تھا کہ حضور علیہ السلام بیت المقدس کی طرف پھر رجوع فرمائیں گے وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ اور نہ ہی ان کے بعض ایک دوسرے کے تابع ہونے والے ہیں اس لیے کہ یہود کا قبلہ بیت المقدس کا پتھر اور نصاریٰ کا قبلہ مطلع الشمس ہے، ان کے آپس کے توافق کی امید نہیں جیسے ان کا آپ کے ساتھ موافق ہونا ناممکن ہے کیونکہ ہر گروہ اپنے خیالی قبلہ پر مضبوط ہے

پھر ان میں جو حق پر ہے وہ موقف سے کیسے ہٹ سکتا ہے جبکہ اس کے پاس اپنے خیالی دلائل و براہین ہیں اور باطل تو اپنے غلط ارادوں سے ہٹ سکتا ہی نہیں اس لیے جبکہ وہ عناد و سرکشی میں پھنسا ہوا ہوتا ہے وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ اور اگر تم ان کی خواہشات کی تابعداری کرو گے۔

ف: اَھوٰ ، ھوٰی کی جمع ہے بمعنی ارادہ و محبت یعنی اگر آپ ان کے ارادوں کی بایں طور موافقت کریں کہ ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں تاکہ وہ خوش ہو کر آپ پر ایمان لائیں

مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ بعد اس کے کہ آپ نے وحی سے معلوم کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قبلہ ہی کعبہ ہے اِنَّكَ اِذًا بیشک تم اس وقت یہ اذا جواب و جزاء کا کہلاتا ہے۔ اِنّ کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان کی تاکید و تقریر جو ان کے مابین نسبت ہے، کے لیے واقع ہوا ہے لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ بہت بڑے ظلم کے ارتکاب کرنے والوں سے ہو جاؤ گے یہ جملہ شرطیہ فرضیہ ہے۔ اس میں قبلہ کعبہ کے لیے برانگیختہ کرنا اور حق پر ثابت قدم رکھنا مقصود اور سامعین کو لطف و کرم کا اظہار بھی ہے اور انہیں خواہشات نفسانی سے دور رہنے کی تلقین بھی اس لیے کہ جب یہ بات ایسی ذات سے کی جا رہی ہے کہ اس سے ایسے امور کا صدور ممتنع ہے اور نہ ہی ان کی یہ شان ہے کہ وہ منہی عنہ کا ارتکاب کریں بلکہ ان سے بالفرض المحال ایسا معاملہ کیا جا رہا ہے تو پھر اس کا کیا حال ہو گا جو برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ؎

تازہ کن ایمان نہ آں گفت زبان
اے ہوا را تازہ کردہ در نہاں [1]

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ جنہیں ہم نے کتاب دی یعنی فہم و ذکا عطا کیا اس سے ان کے علماء مراد ہیں۔ يَعْرِفُوْنَهٗ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے ہیں كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ جیسے وہ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اوصاف کریمہ کے ذریعہ جو ان کی کتابوں میں لکھے ہوئے تھے پہچانتے تھے۔ اسی لیے انہیں حضور علیہ السلام کی رسالت پر کسی قسم کا اشتباہ نہیں تھا جیسے انہیں اپنے بچوں کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ نہیں تھا۔

سوال: ابناء کی تخصیص کیوں جبکہ اولاد میں بچیاں بھی تو ہوتی ہیں۔

جواب: بیٹے بہ نسبت بچیوں کے زیادہ مشہور و معروف ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں بچے آباء کے ساتھ اکثر ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کے قلوب کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

تا ہوا تازہ است ایمان تازہ نیست
کین ہوا جز قفل آں دروازہ نیست

[1] اے دل میں خواہش نفسانی پر دل لگانے والے ایمان کو تازگی کے اسباب تلاش کیجئے اور صرف زبانی جمع خرچ سے کچھ نہیں بنے گا حقیقی طور جدوجہد کیجئے اس لیے کہ جب تک خواہش نفسانی زندہ رہے گی ایمان کی تازگی نصیب نہیں ہوگی۔ خواہش کو بند کرو تو ایمان کا دروازہ کھلے گا۔

سوال: کَمَا یَعْرِفُوْنَ کی بجائے اَنْفُسَھُمْ کیوں نہ فرمایا اس لیے کہ انسان کو اپنے نفس کی معرفت بہت زیادہ ہوتی ہے بہ نسبت دیگر اشیاء کے۔

جواب: امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انسان اپنے آپ کو بہت بڑی مدت کے بعد پہچانتا ہے بخلاف اپنی اولاد کے کہ انہیں پیدا ہوتے ہی پہچان لیتا ہے

وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ اور بیشک ایک گروہ اس سے ان کے اکابر مراد ہیں حق سے انہیں عناد تھا لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ وہ حق چھپاتے ہیں حالانکہ انہیں علم ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کا قبلہ ہے۔ ان کے سوا باقی وہ حضرات جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے وہ حق کو ظاہر کرتے ہیں اور اسے چھپاتے نہیں ہاں وہ جہال جو ان میں ہیں انہیں کتاب کی معرفت ہے اور نہ ہی کتاب کے احکام کا علم۔ اسی لیے نہ انہیں اظہار سے واسطہ اور نہ چھپانے سے تعلق۔ وہ تو صرف اپنے آباء کے کفر میں مقلد محض ہیں اَلْحَقُّ جس پر آپ ہیں اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ حق ہے مِنْ رَّبِّکَ تیرے رب کی طرف سے یہ الحق کی خبر ہے فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ نہ ہو جاؤ شک کرنے والوں میں سے مثلاً شک ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا نہ بظاہر یہ خطاب تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے کہ وہ شک میں مبتلا نہ ہوں اور شک سے روکنے سے یقین اور طمانیت قلب مقصود ہے

تفسیر صوفیانہ امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہیں پوشیدہ حسد اور سوء اختیار کرنے مکابرہ پر ابھارا جبکہ انہیں معلوم ہوا کہ ہماری شان و شوکت چھینی جائے گی۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو نفس کے ظلمات میں غوطہ زن عجب کہ وہ چہرہ سے حیا کی چادر ہٹا دیتا ہے تو اس پر کسی قسم کی علامت اثر نہیں کرتی اور نہ اسے انہی خرابیوں سے کوئی بات دور کر سکتی ہے۔

ف: حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہمارے نزدیک انسان کے تین مراتب ہیں (۱) مرتبہ التقلید یہ عوام کا مرتبہ ہے (۲) مرتبہ التحقیق والایقان یہ مجتہدین کو حاصل ہوتا ہے جیسے ائمہ اربعہ اور وہ حضرات جو ان کے ہم پلہ ہوں (۳) مرتبۃ الشاہدۃ والعیان یہ کاملین کا مرتبہ ہے جو اہل سلوک ہیں انھوں نے فرمایا جس کا نفس گندی عادات سے پاک نہیں ہو سکتا اسے معارف الٰہیہ نصیب نہیں ہو سکتے اگرچہ وہ علم و عقل کے مراتب میں کتنا ہی باکمال کیوں نہ ہو۔ دیکھیے شیطان نے باوجود عقیل اور صاحب علم ہونے کے تکبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی بے فرمانی کی۔ اس کے دل میں یہی کبر اور حسد تو تھا جس کی وجہ سے مارا گیا یہی حال تھا اہل کتاب کا قبلہ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حسد و کبر کی وجہ سے مارے گئے اور مبنی بر ازالہ شبہ مخالفین تھا نہ انہیں علم نے فائدہ دیا اور نہ ہی فہم و معرفت نے ان کی اندرونی خباثت نے انھیں ذلیل و خوار کیا۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان تزکیہ نفس اور قلب کی صفائی اور استقامت فی باب الحق میں کوشاں رہے یہاں تک کہ اسے یقین نصیب ہو۔

حکایت یونس نے اپنے شیخ کی تیس سال نہایت صدق نیت سے خدمت کی اور ان کے ہر حکم کی تعمیل میں پورا اترا یہاں تک کہ ان کے لنگر کے لیے لکڑیاں اٹھاتے اٹھاتے اس کی پیٹھ پر ورم آگئی باوجود اس کے کہ ایسی تکلیف کسی کے سامنے بیان تک نہ کی۔ ان کے شیخ کی ان پر نظر کرم بڑھنے لگی۔ اس کے ساتھیوں پر یہ بات گراں گزری۔ از راہ حسد کہنے لگے کہ یہ شیخ کی خدمت صرف اس لیے کرتا

کہ شیخ کی لڑکی سے اسے محبت ہے اور یہی بات اپنے شیخ تک پہنچا دی۔ جب شیخ نے سن پایا تو ایک دن حضرت یونس لکڑیوں کا گٹھڑا
لے کر آئے تو شیخ نے فرمایا: لکڑیوں کا گٹھڑا کیسا ہی موزوں ہے اے یونس! اس نے عرض کی یا حضرت اس دربار میں ٹیڑھے کو حاضری کب
نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی اس درگاہ کے لائق ہے اور ساتھیوں نے اس پر بوجہ حسد کے ایسے کلمات تراشے تھے کہ جب یونس اتنا بہت
بڑے سخت کام سرانجام دیتا ہے تو ان کو سوائے اس کے کہ وہ کہتے کہ انھیں سمجھ نہ آیا یا در ہے کہ یونس کا جواب صرف ان کی رہبری سمجھا کہ الزام
تراشی سے شیخ کے ہاں حضرت یونس کی عزت میں کمی واقع ہو جائے گی لیکن جب شیخ کے سوال سے حضرت یونس نے بہترین جواب دیا تو شیخ کا
دل مطمئن ہو گیا اگرچہ مخالفین کے ازبر شبہ کی وجہ تھا۔ ورنہ شیخ کو تو یونس کے حالات معلوم تھے انھیں اس پر ذرہ برابر بھی بدگمانی نہ تھی اس لیے
کہ مرشد اپنے مرید کے حالات غیر کی مدح وذم سے نہیں جانتا بلکہ اس کے خلوص ونفاق کو براہ راست جانتا ہے بالآخر شیخ نے اپنی صاحبزادی
کا نکاح حضرت یونس سے کر دیا اور فرمایا: میں نے اس لیے یونس سے نکاح کر دیا ہے تاکہ اس کے ساتھی اپنے قول میں جھوٹے ثابت نہ ہوں
اور نہ ہی اپنی بات کی وجہ سے شرمسار ہوں۔ صاحبزادی بھی ایسی باکمال تھی کہ جب قرآن شریف پڑھتی تو اس کی آواز سے پلتا پانی ٹھہر
جاتا اور یونس بھی ایسا با ادب واقع ہوا کہ تازیست صاحبزادی کو ہاتھ نہ لگایا اور کہتا کہ میں کس لائق کہ اپنے شیخ کی صاحبزادی کے قریب جاؤں

مسئلہ : سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ طبیعت کے تقاضوں کو ترک کرے اور بقدر کفایت قناعت پذیر رہے کھانے کے امور
ہوں یا پینے کے اپنی طبیعت کے خواہشات میں مقید نہ رہے۔ بھلائی اسی میں ہے کہ خواہشات کی مخالفت کرے۔

مسئلہ : نفس کی تربیت اس طرح ہوتی ہے کہ اسے مال واولاد کی محبت سے دور رکھے کیونکہ یہ دونوں نفس کے لیے فتنہ ہیں جتنا زائد ہوں
گے اسی قدر نفس کو کبر میں مبتلا کریں گے ان کی زیادتی سے ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ نفس انھیں راہ حق میں صرف کرے بلکہ ان کو جمع کرنے کی فکر میں
رہے گا اور وہ اسے کبر میں مبتلا کرنے کے معین ثابت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ

مسئلہ : جب تک طبیعت ونفس اصلاح پذیر نہیں ہوں گے سالک اپنے مطلوب کو کبھی نہیں پا سکے گا

نکتہ : حج کی ادائیگی میں اسی طرف اشارہ ہے کہ حاجی جب تک بدن کے آرام وقرار اور مال کو راہ حق میں قربان نہیں کرتا اپنے مقصود
کو نہیں پہنچتا۔ اسی طرح ذات حق کا طالب جب تک ماسوی اللہ سے فارغ نہیں ہوتا اور اس کی توجہ ذات بحت میں فنا نہیں ہوتی اسے
مشاہدہ نہیں ہوتا اور جب کلی طور پر فانی ہو جاتا ہے پھر مشاہدات سے بقا پاتا ہے

مسئلہ : اسی طرح نماز کی کیفیت کا حال ہے کہ نماز میں مسجد حرام کی بجائے ذات حق میں مستغرق ہو جائے کیونکہ کعبہ بارگاہ صمدیہ کے
لیے ایک مثال ہے کہ اس کی طرف توجہ مطلوب ذات حق کی طرف متوجہ ہونا ہے ورنہ درحقیقت اس کی توجہ کے لیے طرف کی کوئی قید
نہیں صرف ظاہری طور کعبہ کی طرف متوجہ ہونا ادب ملحوظ خاطر ہے کہ اس کا حکم اسی طرح ہے اس لیے اس کی ہر شے میں حکمت ومصلحت ہے
قاعدہ ہے جو قیود سے چھوٹا اس نے ذات معبود کو پا لیا ہے" فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" کے تجلیات اس پر تجلی ہو جائیں گے اور ظاہر و
مظہر کا ہر طرح سے مشاہدہ کرے گا۔

عاشقی دید از دل پر تاب[۱] — حضرت حق تعالیٰ اندر خواب

دامنش را گرفت آں غمخوار — کہ ندارم من از تو دست و گمر

چوں برآمد ز خواب خویش درویش — دید محکم گرفتہ دامن خویش

ترجمہ: مبارک ہے اسے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہے اور اسے اس کے کسی حکم پر اعتراض نہیں اس سے اسے انقباض سے ایسا پھٹکارا ملے گا کہ اپنی ہستی کو بھی بھلا دے گا۔ اور باقی باللہ ہو کر کمالات سے فائز المرام ہوگا۔ اے اللہ ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں سے بنا تاکہ ہمیں بھی یہی مرتبہ اور درجہ علیا نصیب ہو اور ہمیں ان راہوں پر چلا جو دنیا و آخرت کے خیالات دل سے بھلا دینے والے ہوں۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۛ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ
اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَ
اِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ
حُجَّةٌ ۤ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۤ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۤ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ
وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ
اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ
تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا
تَكْفُرُوْنَ ۝

ترجمہ: اور ہر ایک کا اپنا قبلہ ہے جو وہ اسی کی طرف منہ کرتا ہے پس تم نیکیوں میں اوروں سے سبقت کرو۔ تم کہیں بھی ہو گے تم سب کو اللہ تعالیٰ جمع کر لائے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور جہاں آپ تشریف لائیں نماز میں اپنا چہرہ مبارک مسجد حرام کی طرف پھیریں اور بے شک وہ حق ہے اور من جانب اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ جہاں بھی تشریف لے جائیں نماز میں اپنا چہرہ مبارک مسجد حرام کی طرف رکھیں اور اے مسلمانو! تم بھی جہاں کہیں ہو تو نماز میں اپنے چہروں کو اسی قبلہ کی طرف پھیرو تاکہ لوگوں کو تمہارے اوپر کسی قسم کی حجت نہ ہو مگر وہ ان میں ظالم ہیں تو ان سب سے کسی قسم کا فکر نہ کرو اور مجھ سے ڈرو اور اس

---

[۱] کسی عاشق الٰہی کو خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی تو اس عاشق نے اللہ تعالیٰ کا دامن مضبوط کر کے عرض کیا: کہ اے اللہ کریم! میرا تو تیرے سوا کوئی غمخوار نہیں اسی اثنا میں بیدار ہوا تو اپنا دامن پکڑے ہوئے تھا۔

لیے ہے کہ تم پر میں اپنی نعمت مکمل کروں اور تم کسی طرح راہ راست حاصل کرسکو جیسے تمہارے ہاں ہم نے رسول بھیجا جو تم میں سے ہیں وہ تمھیں ہماری آیات پڑھ کر سناتے اور تمھیں پاک کرتے اور کتاب وحکمت سکھاتے ہیں اور تمھیں ایسی باتیں تعلیم فرماتے ہیں جن کا تمھیں علم تھا پس تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو ۔

تفسیر عالمانہ : وَلِكُلٍّ اور ہر امت کے لیے وہ مسلمان ہوں یا یہود و انصار وِجْهَةٌ قبلہ اور جہت ہے هُوَ وہی اپنے اپنے قبلہ کی طرف مُوَلِّيهَا منہ پھیرنے اور توجہ کرنے والا ہے ۔

ف : ادیان مختلفہ میں ہر ایک گروہ کا اپنا قبلہ ہے جو ہر ایک کا قبلہ اس کے دوسرے سے غیر اور مختلف ہے ۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ پس تم اے مسلمانوں نیکیوں کی طرف سبقت کرو یہاں الی کو حذف کر کے الخیرات کو منصوب پڑھا گیا ہے اور اس سے خیرات کے جمیع اقسام مراد ہیں یا وہ امر قبلہ سے تعلق ہے کسی ایسے امر سے کہ جن سے سعادۃ دارین حاصل ہو اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہر ایک گروہ کا اپنا قبلہ ہے کہ جس کی طرف منہ کر کے عبادت الٰہی بجا لاتے ہیں اور ایسے مضبوط ہو کر کہ اس سے منہ ہٹا کر قبلہ حق کی طرف منہ کرنے کا نام تک نہیں لیتے اگرچہ آپ انھیں ہر قسم کے دلائل دے کر سمجھائیں کہ قبلہ تمھارا تو کعبہ ہے ۔ لیکن پھر بھی نہیں مانیں گے یہ بات ہے تو تم نیک اعمال مثلاً خیرات کی طرف سبقت کرو ۔

ف : خیرات ان امور کو کہا جاتا ہے جن کا حکم اللہ سے ہو اور ان لوگوں کے پیچھے نہ لگو جو تمھارے لیڈروں کے اپنے گھڑے ہوئے خواہشات نفسانی کے تقاضوں پر تیار ہوئے ان کا کام یہ ہے کہ وہ حق کی خلاف ورزی کرے یعنی وہ لوگ احکام خداوندی کو پس پشت ڈال کر شر اور فساد کی پیروی میں لگے رہتے ہیں ۔

سوال : اللہ تعالیٰ نے تو صرف فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ فرمایا ہے تم نے مفہوم مخالف کیوں بیان فرمایا ہے جب کہ احناف کے نزدیک ناجائز ہے ۔

جواب : حق کو پس پشت ڈالنے سے لازماً گمراہی ہی حاصل ہو گی اس لیے ہم نے یہی مطلب بیان کیا ہے اس کا نام مفہوم مخالف نہیں بلکہ اسے اجمال کی تفصیل کہتے ہیں

تفسیر صوفیانہ : بعض اہل حقیقت نے فرمایا ۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر وہ قوم جو ہمارے غیر کے ساتھ مشغول ہو اور اس کی توجہ ہمارے غیر سے ہو تو اے عارفین کا گروہ تم ہمارے غیر سے ہٹ کر ہمارے ساتھ مشغول ہو جاؤ کیونکہ تمھارے مرجع اور مطمح نظر صرف ہماری ذات ہے اور بس چنانچہ فرمایا کہ اَيْنَ مَا یعنی جہاں بھی تَكُونُوا اور تم اور تمھارے دشمن ہوں گے ۔ يَاتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا تم سب کو اللہ تعالیٰ محشر میں جزا و سزا کے لیے جمع فرمائے گا اس کے بعد حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے گا ۔

مسئلہ : اس آیت میں اہل طاعت کو وعدہ اور گنہگاروں کو وعید سنائی گئی ہے ۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اسی لیے وہ تمھارے مارنے اور زندہ کر کے جمع کرنے پر قادر ہے ۔ وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ جس مکان یا شہر سے نکل کر تم سفر کو جاؤ فَوَلِّ وَجْهَكَ تو تم نماز کے لیے اپنا منہ پھیرو شَطْرَ

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ مسجد حرام کی طرف اس لیے کہ سفر وحضر میں توجہ الی الکعبہ کے لئے حالت اختیار میں فرق نہیں پڑتا بلکہ حالت سفر کا
وہی حکم ہے جو حالت اقامۃ فی البلد کا ہے وَاِنَّهٗ اور بے شک وہ مامور بہ یعنی تحویل القبلہ الی الکعبہ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ حق ہے تیرے
رب سے یعنی وہ ثابت اور حکمت ایزدی کے موافق ہے وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ اور اللہ غافل نہیں اس سے جو
تم عمل کر رہے ہو پھر تمہیں اس کی بہت اچھی جزا دے گا ۔

مسئلہ : اس آیت میں مؤمنین کو جزا کا وعدہ ہے ۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ اور جہاں سے تم نکلو یعنی اپنے سفروں اور جنگلوں میں وہ قریب کی منزلیں ہوں یا دور کی فَوَلِّ وَجْهَكَ
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ پس اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف پھیر دو اور جہاں بھی تم ہو اے مومنو! یعنی
زمین کے کناروں پر مقیم ہو یا مسافر اور نماز پڑھنے لگ جاؤ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ تو تم اپنے چہروں کو پھیر دو اپنے اپنے مقامات پر
شطرہ اسی مسجد حرام کی طرف ۔

سوال : اس جملہ کو یعنی تحویل قبلہ اور مسجد احرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کو مکرر لانے کا کیا فائدہ ؟

جواب : چونکہ قبلہ کے مسئلہ کو اہمیت حاصل ہے اور اس کے منسوخ ہونے کے شبہات اور فتنوں اور شیطانی عملوں کا خطرہ تھا اسی
لیے حکمت ایزدی کا تقاضا ہوا کہ اسے بار بار ذکر کیا جائے تاکہ مذکورہ خرابیوں کا وہم دفع ہو ویسے یہ دونوں موقعوں میں عجیب وغریب فوائد بھی
حاصل ہوئے جو ہر ایک اپنے اپنے مقام پر مستقل حکمت کو لیے ہوئے ہے ۔

لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ تاکہ لوگوں کی تمہارے اوپر حجت نہ ہو اور یہ جملہ فَوَلُّوْا سے متعلق ہے اب معنی یہ ہوا کہ بیت المقدس
سے کعبۃ اللہ کی طرف منہ پھیرنے سے یہودیوں کا اعتراض دفع ہو گیا وہ کہا کرتے کہ تورات میں لکھا ہے کہ آخر الزماں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا
قبلہ کعبہ ہوگا لیکن اس کے برعکس یہ بیتُ المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں فلہٰذا یہ وہ آخر الزماں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں اور اس
سے عرب کا اعتراض بھی اٹھ گیا وہ کہتے کہ جب یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ملت ابراہیمی کے مدعی ہیں تو پھر ان کے بتائے ہوئے قبلہ کی مخالفت
کیوں کرتے ہیں ۔

ف : علیکم ترکیب میں حجۃ سے محلاً منصوب واقع ہے

سوال : اسے حجۃ کی صفت کیوں نہیں بنایا جاتا ؟

جواب : قاعدہ ہے کہ صفت ہمیشہ اپنے موصوف سے مؤخر ہوا کرتی ہے اور یہ حجۃ سے مقدم ہے فلہٰذا بوجہ امتناع تقدیم الموصوف
حجۃ کی صفت نہیں بنایا جا سکتا ۔

اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ مگر ان میں وہ لوگ جو ظالم ہیں یہ جملہ النَّاس سے مستثنیٰ ہے اب معنی یہ ہوا کہ یہ حجت صرف ان لوگوں
کے حق میں ہے جو ان میں ضدی ہیں اور کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے قبلہ بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو صرف اس لیے قبلہ
بنایا کہ انہیں اپنی قوم کے دین کی طرف جھکاؤ ہو گیا اور اپنے شہر کی محبت نے انہیں مجبور کیا ہے اگر انہیں حق پرستی کا خیال ہوتا تو یہ قبلہ
انبیا کو ہرگز نہ چھوڑتے اسی طرح بعض اہل مکہ (جو ان میں آپ کے دشمن تھے) نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملعون ٹھہرایا کہ اب ان

حق ظاہر ہوا کہ اپنے آباء کے قبلہ کی طرف واپس لوٹتے ہیں امید ہے اب عنقریب اپنے آباء کے دین کی طرف لوٹ آئیں گے۔

سوال: ایسے قبیح کلمات کو اللہ تعالیٰ نے حجۃ سے کیوں تعبیر فرمایا کیونکہ حجۃ اللہ ایک مقدس کلمہ ہوتا ہے اور ان معاندین کے اقوال تو محض الاباطیل تھے۔

جواب ۱: ان کے ایسے گندے اقوال کو حجۃ سے تعبیر کرنا مجازاً ہے کیونکہ وہ لوگ اپنی باتوں کو قوی سمجھ کر انھیں حجۃ کے طور پر پیش کرتے جیسے ہمارے دور میں تمام بدمذہب اپنے غلط عقائد اور مراسم پر دلائل قائم کر کے انھیں حجۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔

جواب ۲: ان کی گندی باتوں کو حجۃ سے تعبیر کرنا تہکماً ہے (جیسے کفار کو ڈراؤنی خبر سنا کر اسے بشارت سے تعبیر کیا گیا ہے)

فَلَا تَخْشَوْهُمْ پس ان سے نہ ڈرو اپنی توجہ کو کعبہ کی طرف ہٹانے میں اور نہ ہی وہ تم پر غالب ہو سکتے ہیں اسی لیے ان کی طعن و تشنیع تمھیں کسی قسم کا نقصان نہیں دے سکتی۔ وَاخْشَوْنِي اور مجھ سے ڈرو میرے احکام کی فرمانبرداری کر کے اور میرے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو جس میں تمھاری بہتری ہوگی میں اس کا تمھیں حکم دے کر تمھاری مدد کرونگا۔ وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ تاکہ میں تمھارے اوپر اپنی نعمتوں کو مکمل کروں یہ جملہ ایک محذوف امر کی علت ہے یعنی میں نے قبلہ کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم اس لیے دیا ہے تاکہ میں اپنی نعمتوں کو تمھارے اوپر مکمل کر دوں اس لیے کہ وہ بہت بڑی جلیل القدر نعمتیں ہیں۔

مسئلہ: ہر وہ اوامر و تکالیف جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے پر وارد ہوں جیسے اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر بندے کا قبلہ کی طرف متوجہ ہونا اسی طرح اگرچہ وہ نعمتیں ظاہر ہوں تب بھی ان کی ادائیگی سے بندے کو ثواب ملتا ہے۔

سوال: قبلہ ابراہیمی کو بنانے میں کونسی نعمت ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نعمت سے تعبیر فرمایا ہے۔

جواب: قوم عرب اپنے تمام معاملات و رسومات کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے ان کو بجا لا کر فخر محسوس کرتے جب انہیں قبلہ ابراہیمی سے ہٹا کر بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا تو اسے انھوں نے ایک حادثہ سمجھا (حالانکہ اس میں ایک مصلحت تھی) پھر جب انھیں قبلہ ابراہیمی کا حکم ہوا تو انھوں نے اسے ایک نعمت عظیم تصور کیا۔

ف: جتنی نعمتیں بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوتی ہیں وہ دو قسم ہیں۔ (۱) عطائی (۲) کسبی عطائی جیسے صحۃ البدن و سلامۃ الاعضاء وغیرہ ہما اور کسبی جیسے ایمان عمل صالح اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لانا اور اس کی نواہی سے بچنا ان سب جملہ امور سے بندے کو سعادۃ دارین نصیب ہوتی ہے۔ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ امید رکھو کہ تم ہدایت پا لو گے یعنی میرا ارادہ ہے کہ میں تمھیں ملت حنیفیہ کے شعائر اور دین قیم کے شرائع کی طرف ہدایت دوں

جیسے ہم نے تم میں سے رسول بھیجا یہ جملہ ماقبل سے متصل ہے تاکہ میں تمھارے اوپر اتمام نعمت کروں امر قبلہ کے بارہ میں حضور علیہ السلام کو تم میں سے بھیج کر

ف: یہاں رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لیے کہ انہیں کی جنس میں سے رسول بھیجنا یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ جس کا کوئی نعمت مقابلہ نہیں کر سکتی۔

يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا ہماری آیات یعنی قرآن مجید آپ کے سامنے تلاوت کریں گے وَيُزَكِّيكُمْ یعنی تمھیں تیار فرمائیں گے لیے اعمال

کیسے کرجن کی بدولت تم گناہوں کی گندی میل سے (جوکہ نفس پر ہوتی ہے) دھل کر پاک وصاف ہو جاؤ گے کیونکہ رُسل کرام علی نبینا وعلیہم السلام کا کام ہے کہ عوام کو دعوت دیں اور انہیں ایسے اعمال کے لیے تیار کریں جن کی وجہ سے ان کے نفوس کو شرک ومعاصی سے صفائی نصیب ہو اور ہوا کو صفائی اور طہارت پہلی ہی ملاقات سے حاصل نہیں ہوتی جب تک بار بار ان کے فیوض وبرکات کی طلب میں ان کی صحبت سے باریاب نہ ہوں

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ اور وہ تمہیں کتاب سکھائیں گے یعنی وہ تمہیں قرآن کے معنی واسرار وشرائع اور احکام کی تعلیم دیں گے انہیں وجوہ مذکورہ کی وجہ سے قرآن کو نور اور ہدایت سے موصوف کیا جاتا ہے۔

ف: حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے سامنے قرآن پڑھتے تاکہ وہ قرآن کی نظم الناس کے الفاظ یاد کرلیں اور اہل اسلام کی زبانوں پر باقی رہ کر تحریف وتصحیف سے محفوظ اور قیامت تک معجزہ ہو جائے۔

مسئلہ: قرآن پاک کی تلاوت اندرون نماز اور خارج از نماز ہر طرح سے عبادت اور قربِ الٰہی کا سبب ہے لیکن ضروری ہے کہ جو اس کے حقائق واسرار کے جاننے کی بھی کوشش کی جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی ہدایت اور نور حاصل ہو۔

وَالْحِكْمَةَ حکمت اصابت فی القول والعمل کو کہتے ہیں اور حکیم وہی ہوتا ہے جس میں دونوں باتیں پائی جائیں (کذا قال الامام) حکمت الشی رددتہ عما لایعنیہ سے مشتق ہے یعنی میں نے اسے ایسی باتوں سے روک لیا جو اس کے لیے غیر مفید میں چونکہ حکمت عقل کو جہل اور خطاء سے روکتی ہے اسی لیے اس نام سے موسوم ہوئی

ف: قرآن پر عمل کرنا موقوف ہے اس کے معانی سمجھنے پر اور معانی موقوف ہیں الفاظ کی پہچان پر اور تزکیہ ان سب کا خلاصہ ہے اور اس کا دارومدار قرآن پاک پر عمل کرنے پر موقوف ہے

سوال: جب تزکیہ کا حصول ان سب کے بعد ہوتا ہے تو پھر اسے سب سے پہلے ذکر کیوں کیا گیا۔

جواب: ان میں سے سب سے پہلے تصور تزکیہ کا ہی آتا ہے اسی لیے اسے سب سے پہلے ذکر کیا گیا۔

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ اور تم کو سکھائیں وہ امور جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔

سوال: امام راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس جملہ کی ضرورت ہی کیا ہے جب کہ اس کا مفہوم الکتاب الحکمۃ میں ادا ہو گیا ہے۔

جواب: اس جملہ سے وہ علوم مراد ہیں جو انبیاء کرام علی نبینا علیہم السلام کی زبانوں سے از جہۃ وحی صدور پذیر ہوتے ہیں ان میں عقلیات کو کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا اگر ان کو علوم کلیات وجزئیات بھی حاصل ہوتے ہیں تو اسی وحی کے ذریعے ہی[1]

ف: اور الکتاب والحکمۃ سے مراد وہ علوم ہیں جن کے حصول میں عقل کو دخل ہو۔

سوال: لفظ ویعلمکم کا تکرار کیوں۔

جواب: تاکہ تنبیہہ ہو جائے کہ پہلے علوم سے یہ علوم منفرد ہیں ان کا ان مذکورہ علوم سے کوئی واسطہ نہیں۔

---

[1] اسی لیے ہم اہلسنت انبیاء علیہم السلام کو دین ودنیا کے علوم کا عالم مانتے ہیں اور وہابی دیوبندی اسے شرک سے تعبیر کرتے ہیں اس کی تفصیل فقیر کی کتاب آئینہ دیوبند دیکھئے۔

فَاذْكُرُوْنِيْ پس تم مجھے یاد کرو اطاعت سے جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من اطاع اللہ فقد ذکر اللہ وان قلت صلوٰتہٗ وصیامہٗ وقراتہ القرآن ومن عصی اللہ فقد نسی اللہ وان کثرت صلوٰتہٗ وقراتہ القرآن"

جو اللہ تعالیٰ کا مطیع ہے وہ اسے بہت یاد کرتا ہے اگرچہ اس کی نماز روزہ اور تلاوت جیسی عبادات بہت تھوڑی ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ کا بے فرمان ہے جو اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا اگرچہ اس کی نماز اور تلاوتِ قرآن بہت زیادہ ہوں۔

اَذْكُرْكُمْ میں تمہیں یاد کروں گا یعنی ثواب اور لطف اور احسان اور خیر و برکت بہت زیادہ عطا کر کے سعادت کے دروازے کھول دوں گا

سوال: ذکر کہتے ہیں ایسی بات سے ادراک جو مسبوق النسیان ہو اور اللہ تعالیٰ تو نسیان سے منزہ اور پاک ہے۔

جواب ۱: یہاں اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا اطلاق مجازاً ہے۔

جواب ۲: عباد کے ذکر کے بعد اس کی مشاکلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر مستعمل ہوا۔

وَاشْكُرُوْا لِيْ اور میرا شکر ادا کرو یعنی اس کے کہ میں نے تمہارے اوپر انعامات کیے ہیں ذکر بالطاعۃ کا نام شکر ہے اور اس میں خصوصیت کے ساتھ شکر کا حکم اسی لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر انعامات و احسانات ہیں۔ فلہذا اسی کا شکر کریں نہ کسی غیر کا۔

ف: صاحب تیسیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: فاذکرونی" میں قولی عبادات کا حکم ہے اور واشکروا لی میں عملی عبادات کا۔

سوال: امام راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شکرت لزید وشکرت زیداً یعنی باب شکر کے بعد لام صلہ واقع ہو تو کیا معنے ہوگا۔ اگر وہ بلا واسطہ متعدی ہو تو پھر کیا مفہوم ہوگا۔

جواب: جب شکر کا بات بواسطہ لام ہو تو اس وقت مطلب یہ ہے کہ کسی نے تیرے اوپر احسان کیا ہے اسی احسان کو مدِ نظر رکھ کر تو نے اسی کی تعریف کی اور جب بلا واسطہ متعدی ہو تو اس وقت مقصود یہ ہے کہ قطع نظر اس کے احسانات کے اس کی ذات کو مدِ نظر رکھ کر اس کی تعریف کی گئی ہے اسی لیے یہ بات جب بلا واسطہ متعدی ہو تو زیادہ بلیغ ہوتا ہے

سوال: جب شکر بلا واسطہ لام بلیغ ہے تو پھر یہاں متعدی بواسطہ لام سے کیوں مستعمل ہے جبکہ یہ غیر بلیغ ہے

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ اس کی ذات کی کنہہ سے ادراک عاجز ہے بلکہ اس کی نعمتوں کا شمار بھی ناممکن ہے چنانچہ فرمایا:

وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا

یعنی اگر اس کی نعمیں گنو تو شمار نہیں کر سکو گے اسی لیے بندوں کو متنبہ کیا گیا کہ اگر اس کا شکر کرنا ہے تو اس کی بعض نعمتوں کو مدِ نظر رکھو۔

وَلَا تَكْفُرُوْنِ اور کفران نعمت نہ کرو اس کی نعمتوں کی ناشکری اور نافرمانی کر کے۔

سوال: جب یہی مفہوم واشکروا لی میں ادا ہو جاتا پھر اس کے بعد تکفرون کے ذکر کا کیا فائدہ

جواب: اگر صرف واشکروا لی ہوا اور تکفرون نہ لایا جائے تو وہم باقی رہتا ہے کہ اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کو مدِ نظر رکھ کر ایک بار شکر کیا تو گویا اس نے شکر کا حق ادا کر لیا۔ حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ اس کی کسی نعمت کا شکر ادا نہیں ہو سکتا اسی طرح وَلَا تَكْفُرُوْنَ

کے ذکر کے ساتھ واشکروا لی کو لانا بھی ضروری ہوا اسی لیے کہ صرف ولا تکفرون سے اتنا سمجھا جا سکتا ہے کہ بندے کو چاہیے کہ قبیح فعل سے بچتا رہے اس سے اچھے اعمال کی ترغیب کا مفہوم نہیں سمجھا جا سکتا حالانکہ بندے کو جہاں برائی سے بچنا ضروری ہے وہاں نیکی کا خوگر ہونا بھی لازمی ہے چونکہ ان دونوں کا ذکر اہمیت رکھتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے دونوں کو بیان فرمایا ہے ۔

جواب۲ ولا تکفرون میں تنبیہ ہے کہ شکر کا ترک بھی کفران ہے

سوال: ولا تکفرون کی بجائے ولا تکفرونی کیوں نہیں فرمایا جیسے واشکروالی فرمایا ہے ۔

جواب: کفران ذات کا زیادہ قبیح ہے بہ نسبت کفران نعمت کے کیونکہ نعمت کی ناشکری کی معافی ہو سکتی ہے لیکن ذات کا کفران کبھی نہیں بخشا جائے گا ۔ (کذا فی تفسیر الراغب الاصفہانی)

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ علی صاحبہا التحیہ والثنا کو فضل وقوت وکمال بصیرت میں بنی اسرائیل سے برگزیدہ بتایا ہے چنانچہ انہیں فرمایا: یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم یعنی انھیں ایسی نعمت کے یاد کرنے کا حکم دیا ہے جو ان کے ذہنوں سے نکل چکی تھی کہ اس کے ذکر کے واسطہ سے منعم حقیقی کو یاد کریں لیکن امت محمدیہ علی صاحبہا السلام کو حکم ہے کہ وہ خود عین ذات کو یاد کریں تاکہ ثابت ہو جائے ان میں بنی اسرائیل سے قوت وبصیرت بہت زیادہ ہے حضرت صائب نے فرمایا ؎

در سرِ ہر خام طینت نشہ منصور نیست

ہر سفالے را صدائے کاسۂ فغفور نیست

ترجمہ ہر سر میں منصور کا نشہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر پیالے کو فغفور کا پیالہ کہا جا سکتا ہے

تفسیر صوفیانہ

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر کبھی زبان سے ہوتا ہے اور کبھی دل سے اور کبھی دیگر اعضاء سے اللہ تعالیٰ کی تحمید وتسبیح وتمجید اور تلاوت قرآن لسانی ذکر ہے قلبی ذکر کی تین اقسام ہیں ۔

۱ - ان دلائل پر تفکر جو اللہ کی ذات وصفات پر دلالت کرتے ہیں اور وہ اعتراضات جو اللہ تعالےٰ کی ذات وصفات پر وارد ہوتے ہیں ان کے جوابات سوچنا ۔

۲ - ان دلائل کا تفکر جو بندوں کو مکلف بنانے و دیگر احکام اور امر ونواہی اور وعدہ وعید کے کوائف پر دلالت کرتے ہیں جب انھیں مکلف ہونے کی کیفیت معلوم ہو جائے گی اور پتہ چل جائے گا کہ اس عمل کے ارتکاب پر وعدہ اور دوسرے عمل کے اجتناب کی نہی میں کیا کیا حکمتیں مضمر ہیں تو اسے ان کی ادائیگی میں آسانی ہو جائے گی ۔

۳ - اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کے اسرار میں تفکر یہاں تک کہ عالم کا ذرہ ذرہ عالم قدس کے لیے صاف وشفاف شیشہ ہو جائے جب وہ اس آئینہ پر نگاہ ڈالے تو اس کی آنکھ عالم جلال کو دیکھ لے اور یہ وہ مقام ہے جس کا کوئی کنارا نہیں

ذکر اعضاء: یہ ہے کہ تمام اعضاء ان اعمال میں مستغرق ہو جائیں کہ جن کا انہیں حکم دیا گیا ہے اور ان افعال سے اجتناب کریں جن سے انہیں روکا گیا ہے ۔

نکتہ: اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نماز کو بھی ذکر کا لقب دیا ہے کما قال تعالیٰ فاسعوا الی ذکر اللہ اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی نماز کی طرف دوڑ کر آؤ مذکورہ بالا تقریر کی بنا پر فاذکرونی کا حکم جمیع طاعات پر مشتمل ہوگا۔

حدیث شریف: حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا اذکرونی بطاعتی ایسے اجمالی طور بیان فرمایا تاکہ طاعات کے جمیع اقسام اس میں شامل ہو جائیں۔

حکایت: حضرت لقمان علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: جب تم ذکر کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ اس لیے کہ اگر تم عالم دین ہو تو تجھے تیرا علم نفع دے گا اور اگر تو جاہل ہے تو تجھے وہ تعلیم دیں گے اگر ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت برسے گی تو تجھے بھی اس سے حصہ نصیب ہوگا اگر تمہارا گزر ایسی قوم سے ہو جو ذکر الٰہی سے محروم ہیں تو ان کے پاس نہ بیٹھنا اگر تم عالم دین ہو تو تیرا علم اس سے نفع نہ دے گا اگر تم جاہل ہو تو الٹا اس کی صحبت سے جہل اور گمراہی میں اضافہ ہوگا بلکہ جب ایسے لوگوں پہ اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا تو تم بھی اس کے ساتھ بیٹھنے سے مارے جاؤ اے اللہ ہمیں اپنے ذکر کرنے والوں سے بنا۔

لہ یہ حکایت ہے

صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالح ترا طالح کند

ترجمہ: نیک کی صحبت تجھے نیک بنائے گی۔ بُرے کی صحبت تجھے بُرا بنائے گی۔

اسی لیے ہم اہلسنّت بدمذاہب کی یاری دوستی سے عوام بلکہ خواص کو سختی سے روکتے ہیں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین — یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدمذاہب سے دور رہنے کی یوں تاکید فرمائی کہ:

ان مرضوا فلا تعودوھم — اگر بیمار ہوں تو ان کی طبع پرسی نہ کرو اگر مر جائیں
وان ماتوا فلا تشھدوھم ان — ان کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کرو اگر ملیں تو
لقیتموھم فلا تسلموا علیھم (ابن ماجہ) — انہیں سلام نہ کرو۔

الحمد للہ یہی طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا چنانچہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ:

کان داب الصحابۃ ومن بعدھم من المؤمنین فی جمیع الازمان فانھم کانوا لیقاطعون من حاد اللہ ورسولہ مع حاجتھم الیہ و اثروا رضاء اللہ تعالیٰ علی ذالک۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۹)

یعنی صحابہ کرام اور ان کے بعد والے ہر زمانہ کے ایمان والوں کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ اور اس کے

ص ۲۹ پر

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَوٰةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ○ وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ○ وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ
وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ○ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ
قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ
هُمُ الْمُهْتَدُونَ ○ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ
أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ○

ترجمہ اے ایمان والو! مدد چاہو صبر اور نماز سے بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مرنے والوں کو مردہ مت کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے اور ہم تمھارا امتحان لیں گے خوف اور بھوک اور مالوں اور نفسوں اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری سناؤ جو مصیبت کے پہنچنے پر کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے ہیں اور ہم اس کی طرف پھرنے والے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب تعالیٰ کا خاص لطف وکرم اور رحمت ہے یہی لوگ ہدایت والے ہیں بے شک صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کے نشانوں سے ہیں پس جو شخص بیت اللہ کا حج یا اس کا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کے چکر لگائے اور جو کوئی بھی اپنی طرف سے نیکی کی بات کرے تو اللہ تعالیٰ نیکی کا صلہ دینے والا اور ہر عمل کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ان امور میں مدد مانگو جو تم نے ادا کرنے ہیں اور جن کا تم کو ترک کرنے کا حکم ہے بِالصَّبْرِ صبر کے ساتھ ان امور پر جو نفس پر شاق ہیں جیسے گناہوں اور نفس

بقیہ حاشیہ از ص ۲۸

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں دشمنوں کے ساتھ بائیکاٹ کرتے رہے حالانکہ ان ایمانداروں کو دنیاوی طور پر ان مخالفوں کی احتیاج بھی ہوتی تھی لیکن وہ مسلمان خدا تعالیٰ کی رضا کو اس پر ترجیح دیتے ہوئے بائیکاٹ کرتے تھے خدا تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو اپنی رضا جوئی کی اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے (آمین)

آج کے دور میں بدمذاہب سے اجتناب جہاد سے کم نہیں ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ بہت بڑے جگر گردہ والوں کے پاؤں پھسل رہے ہیں حالانکہ زبانی طور اف راری ہیں کہ ع

"یار بد بدتر از مار بد

برے کی صحبت زہریلے سانپ سے بھی بدتر ہے

مزید تفصیل فقیر کے رسالہ "بدمذاہب کی یاری سے بیزاری" میں ہے۔ اویسی غفرلہ

کی لذتوں سے بچنا وَ الصَّلٰوۃِ اور نماز کے ساتھ کیونکہ اُمّ العبادات اور معراج المومنین اور رب العالمین کی محبوب عبادت ہے ۔

حدیث شریف : مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی غم لاحق ہوتا تو آپ نماز پڑھتے اس کی دلیل کے لیے یہی آیت تلاوت کرتے ۔

سوال : صبر و نماز کی تخصیص کیوں جب کہ خدا تعالیٰ کی دوسری عبادات بھی ہیں ۔

جواب : صبر باطنی عبادات میں بدن کے لیے بہت سخت ہے جیسے ظاہری طور نماز بدن پر زیادہ سخت ہے کیونکہ وہ نماز کئی قسم کی طاعات مثلاً ارکان و سُنن و مستحبات اور خشوع و خضوع اور توجہ و سکون و دیگر جملہ ان عبادات شاقہ کہ جن کی نگرانی سوائے توفیق ایزدی کے ناممکن ہے ۔ کا مجموعہ ہے کہ جن کی ادائیگی سوائے توفیق ایزدی کے ناممکن ہے ۔

سوال : حضرت عصام الدین نے فرمایا صبر کو (جو کہ بمنزلہ ترک کے ہے) اور صلوٰۃ (جو کہ بمنزلہ فعل کے ہے) پر مقدم کیوں کیا گیا ہے ۔

جواب : اس لیے کہ صبر بمنزلہ تخلیہ[1] کے ہے صلوٰۃ بمنزلہ تحلیہ[2] کے ہے اور تحلیہ ہمیشہ تخلیہ سے مقدم ہوا کرتا ہے ۔

نکتہ : یہی وجہ ہے کہ کلمۂ توحید میں نفی پہلے ہے ۔

سوال : ارکان اسلام میں صرف نماز پر کیوں اکتفا کیا گیا ۔

جواب : آیت میں خطاب صرف مومنین کو ہے اور یہ دونوں فعل بعد از ایمان تمام مومنین میں مشترک ہیں کیوں کہ ہر گناہ سے بچنا (جسے صبر سے تعبیر کیا گیا) ہر مومن پر فرض ہے اور نماز بھی اسی طرح ہے بخلاف زکوٰۃ کے وہ صرف صاحب نصاب پر فرض ہے اور حج صرف اصحاب استطاعت پر اور روزہ صرف کھانے پینے کی خواہشات سے روکتا ہے

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے مدد کرنے اور دعا قبول کرنے میں

ف : معیت کا معنیٰ ہے ولایت دائمہ جس میں پورے طور نصرت و اجابت دعا ہو

سوال : معیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تابع ہے اور صابرین متبوع اور ایسا اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے

جواب : وہ لوگ جو حقیقی صبر کرنے والے ہیں وہ اس معنے پر متبوع ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ایسے لوگوں کی باتوں کو نہیں ٹالتا اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف نہیں

ف : حضرت عصام الدین اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ صابرین اللہ تعالیٰ کے ذکر کو کبھی نہیں بھلاتے بخلاف صبر سے محروم لوگوں کے کہ ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتے ہیں اور جو دل ذکرِ الٰہی سے غافل ہو جائے تو اسے دنیا کے حرص و ہوا سے بھر دیا جاتا ہے اگرچہ تمام دنیا اس کے حوالے کی جائے تب بھی اس کا جی نہیں بھرے گا ۔

سوال : اللہ تعالیٰ نے ان اللہ مع الصابرین تو فرمایا ان اللہ مع المصلین کیوں نہیں فرمایا حالانکہ دوسرے مقام پر فرمایا استعینوا

---

[1] خرابیوں سے اس کو پاک کرنا ۔

[2] زیورات وغیرہ سے شے کو سنوارنا ۔

بالصبر والصلوٰۃ وانہا لکبیرۃ اس میں نماز کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے لیکن یہاں پر نماز کو کوئی اہتمام نہیں دیا گیا۔

جواب: اپنے مقام پر ثابت ہے کہ نماز صبر سے اشرف و اعلیٰ ہے کیونکہ نماز صبر سے جدا ہو سکتی ہے لیکن صبر نماز سے جدا نہیں ہوتا اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی معیت صابرین کے ساتھ بیان فرمائی تو اس سے ثابت ہوا کہ جب وہ صابرین کے ساتھ ہے تو نماز والوں کے ساتھ بطریق اولیٰ ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہو کیونکہ ادنیٰ کے ذکر سے اعلیٰ کا ذکر خواہ مخواہ ہوتا ہے دوسری آیت انہا لکبیرۃ میں صبر کے ذکر نہ کرنے میں تنبیہ ہے کہ نماز مرتبہ میں صبر سے اشرف و افضل ہے۔

تفسیر صوفیانہ بہت بڑے دکھ سر پر اٹھا لینا اور جزع و اضطراب نہ کرنا یہ ذریعہ ہے ہر بھلائی کے حصول کا اور ہر فضیلت کا اصل ہے اور توبہ کا پہلا درجہ یہی ہے کہ انسان گناہوں سے بچ جائے اور زہد کا پہلا درجہ یہی ہے کہ مباحات سے بھی دور رہنا ہے اور ارادہ کا اول صبر اور ماسوی کی طلب ہے اسی لیے حدیث شریف میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ایمان کے شعبوں میں سے صبر ایسے ہے جیسے جسم میں سر۔ اور فرمایا صبر کا کل فضیلت ہی فضیلت ہے جو شخص بھی صبر سے آراستہ ہو گا اس کو طاعات پر عمل اور برائیوں سے رکنا آسان ہو گا اسی طرح نماز کا حال ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشآء والمنکر یعنی نماز تمام برائیوں سے روکتی ہے۔ ؎

صبر کن حافظ بسختی روز و شب
عاقبت روزے بیابی کام را

ترجمہ اے حافظ شب و روز کی سختیوں پر صبر سے کام لے اس لیے کہ صبر کی برکت سے ایک دن منزل مقصود کو پالو گے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو جمع کرے گا تو ایک منادی اعلان کرے گا کہ اہل فضیلت کہاں ہیں یہ سن کر کچھ لوگ دوڑتے ہوئے بہشت تک پہنچیں گے انہیں ملائکہ کی ملاقات ہو گی۔ فرشتے پوچھیں گے لے لوگو تم بہشت کی طرف تیز دوڑے جا رہے ہو اس کی وجہ کیا ہے وہ کہیں گے ہم اہل فضیلت ہیں وہ پوچھیں گے تمہاری فضیلت کی وجہ کیا ہے کہیں گے کہ ہمارے اوپر ظلم ہوتا تو ہم صبر کرتے جب ہمارے ساتھ زیادتی کی جاتی تو ہم معاف کر دیتے اس پر انہیں کہا جائے گا بہشت میں داخل ہو جاؤ ایسے نیک عمل والوں کا بہترین اجر یہی ہے اس کے بعد منادی پکارے گا کہاں ہیں اہل صبر اس پر ایسے لوگ بہشت کی طرف تیز دوڑتے ہوئے جائیں گے ان سے پوچھا جائے گا تم کون ہو کہیں گے ہم صبر کرنے والے ہیں ان سے پوچھا گیا تم نے کن باتوں پر صبر کیا۔ وہ جواباً کہیں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی طاعت پر صبر کرتے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے دور رہتے تھے اس پر انہیں کہا جائے گا بہشت میں داخل ہو جاؤ اس کے بعد منادی اعلان کرے گا کہاں ہیں وہ لوگ جو ایک دوسرے سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتے تھے۔ اس پر بہت سے لوگ بہشت کی طرف تیز جاتے ہوئے جائیں گے ان کی ملائکہ سے ملاقات ہو گی ان سے فرشتے پوچھیں گے تم کون لوگ ہو وہ کہیں گے ہم ہیں وہ صاحبان جنہوں نے آپس میں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کی تھی اس پر فرشتے کہیں گے تمہاری آپس کی محبت اللہ تعالیٰ کے لیے کیوں تھی وہ کہیں گے ہم اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے اور بہشت کے داخل ہونے کی وجہ بھی یہی ہے۔ (کذا فی نزہۃ القلوب)

تفسیر عالمانہ؛ شان نزول ولا تقولوا یہ آیت شہدائے بدر کے حق میں نازل ہوئی اور وہ کل چودہ افراد تھے۔ چھ مہاجرین اور آٹھ انصار یعنی جو لوگ بدر میں شہید ہوئے تو لوگ کہتے تھے کہ افسوس کہ وہ لوگ

ان لوگوں کے لیے جو شہید کیے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں یہ لِمَنْ یُّقْتَلُ وہ مر گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور نہ کہو
بات کہ فلاں مر گیا اور وہ دنیا کے عیش اور اس کی لذتوں سے محروم ہو گیا۔

ف: قتل حیوانی زندگی کی نقیض کو کہتے ہیں۔
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اس سے مراد جہاد ہے کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ کے ثواب اور رحمت کا ذریعہ ہے اَمْوَاتٌ یعنی شہیدوں کو مردہ
نہ کہو بَلْ اَحْیَآءٌ بلکہ وہ زندہ ہیں یعنی وہ زندوں کے حکم میں ہیں یعنی ان کے اعمال کا ثواب منقطع نہیں ہوتا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین
کی مدد کرتے مارے گئے ہیں پھر جب تک وہ دین دنیا میں باقی ہے جو بھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید کیا جائے گا اسے ثواب ملتا ہے
وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ لیکن تم نہیں جانتے کہ ان کی زندگی کا (اس عالم برزخ میں) کیا حال ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ شہداء
کی حیات کا علم ان حواس ظاہرہ (جو اس جسم کے ساتھ ہیں) معلوم نہیں ہو سکتا یہ ایک روحانی امر ہے جس کا ادراک نہیں ہو سکتا ہاں وحی
کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتا ہے[1]

عقیدہ: آیت سے معلوم ہوا کہ ارواح جواہر قائم بنفسہا ہیں یعنی جن باتوں کو حواس جسمانی معلوم کر سکتے ہیں یہ ان کے مغائر ہیں
اور روح موت کے بعد بھی باقی رہ جاتا ہے اور اس کے اندر ادراک ہوتا اور یہی جمہور کا مذہب ہے[2]۔

سوال: حیات روحانیہ تو سب کی لذت اور درد والم کو محسوس کرتی ہے پھر یہاں شہداء کی تخصیص کیوں؟
جواب: ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصی قرب نصیب ہوتا ہے اور ان کو بہ نسبت دوسروں کے مزید رونق اور کرامت حاصل ہوتی
ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شخص بھی کسی بہت بڑے اونچے مرتبہ والے کے مرتبہ کو نہ پا سکے تو اس کو لعدم سمجھا جاتا ہے اسی طرح شہداء کے
مراتب کو نہ پہنچنے پر دوسروں کو لعدم قرار دے کر صرف شہداء کو زندہ قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اہل نار کے حق میں فرماتا ہے: لا یموت فیھا
ولا یحییٰ ۔ یعنی دوزخی دوزخ میں نہ مریگا نہ زندہ ہوگا۔

عقیدہ: انسانی نفس یعنی اس کی ذات روح مخاطب اور وہی مکلف اور وہی اوامر الٰہی کا مامور اور نواہی حق سے روکا ہوا ہے جو
روح جسمانی اور لطیف ہے اور اسی ظاہری بدن محسوس میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ جیسے آگ کوئلے میں اور گلاب کا
پانی پھول میں سرایت کیے ہوئے ہے جس کی طرف ہر ایک بات کرتے وقت کہتا ہے اَنَا میں ہوں حقیقۃً انسان وہی ہے اور وہی ولی
اور وہی نبی ہے اسی کو اعمال کا ثواب ملے گا اسی کو عذاب ہوگا۔ وہی صلب آدم علیہ السلام میں تھا جب کہ انہیں ملائکہ نے سجدہ کیا۔
وہی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو الستُ بربکم کے جواب میں بلیٰ کہا وہی خواب میں جسم سے نکل کر سیر کرتا ہے اور وہی خواب دیکھتا ہے
اور اس کی اچھی باتوں سے خوش ہوتا ہے اور غم والی باتوں سے غمگین ہوتا ہے اگر اسے اللہ تعالیٰ روک لیتا ہے تو وہ رک جاتا ہے اور
جسم کثیف جسے بدن سے تعبیر کیا جاتا ہے روح کے تابع ہوتا ہے اور روح سلطانی کا مرکز قلب صنوبری ہے اور روح حیوانی کا مرکز
دماغ ہے اسی لیے وہ اس کے مظاہر میں زیادہ قوی ہے اور روح حیوانی اسی مخصوص ہیکل میں روح سلطانی کے تعلق کے بعد حادث

---

[1] اسے ہم اہلسنت علم غیب سے تعبیر کرتے ہیں۔ [2] اسی پر سماع موتی اور بعد وصال اولیاء اللہ سے استمداد وغیرہ کے مسائل حل ہوتے ہیں۔ دیکھئے تفسیر اویسی ۱۲

ہوا ہے یہ روح حیوانی رُوحِ سلطانی کے انوار کا عکس ہے تاکہ وہ افعال کا مبدا ہو سکے کیونکہ حیات ایک غیبی امر ہے اور زندہ شئے میں پوشیدہ اسے صرف آثار و علامات سے معلوم کیا جا سکتا ہے جیسے حس و حرکت علم ارادہ وغیرہ اور یہ روح حیوانی پر یکر لگتا رہتا ہے۔ جب تک یہ بخار باقی ہے تو حیات قائم ہے اور جب یہ ختم ہو گا تو حیات ختم ہو جاتی ہے اور روح بدن سے اضطراری طور خارج ہو جاتی ہے یہی حقیقی موت ہے۔

ف جیسے روح بدن سے اضطراری طور خارج ہو جاتی ہے اسی طرح اختیاری طور بھی اور وہ واپس لوٹتی ہے جب چاہتی ہے۔ لصوفیا کرام کی اصطلاح میں انسلاخ کہتے ہیں

عقیدہ: اہلِ سُنت والجماعت فرماتے ہیں کہ روح جسم لطیف ہے اور اسی ہیکل محسوس کا مغائر ہے اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ روح کیا ہے اسرار برزخ اور احوال قبر بھی معلوم ہوئے اور ثابت ہوا کہ قبر کا عذاب و ثواب جسمانی ہیں۔ اور کہ قبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفرة النیران یعنی قبر بہشت کے باغات سے ایک باغیچہ ہے اور جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے، کا مسئلہ حق ہے

عقیدہ: شہدا کی حیات برزخیہ ہے وہ اس میں اسی حال کے مطابق نعمتیں پاتے ہیں کہ یعنی وہ ملائکہ کی طرح اجسام لطیفہ اور وہ اس وقت موجود اور زندہ ہیں۔

ف: علامہ فناری تفسیر الفاتحہ میں لکھتے ہیں کہ وہ ہر نعمت جو صدیقین اور شہداء و صالحین برزخ میں پاتے ہیں وہ خیالی ہیں اسی طرح ہر وہ عذاب جو جہنمیوں کو ملتا ہے وہ بھی خیالی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جب نفخ صور ہو گا تو تمام مخلوق اس وقت اٹھیگی تو ہر ایک اپنی برزخ کی ہر بات کو محسوس کرے گا کہ گویا وہ خواب میں تھا جیسے نیند سے جاگ اٹھتا ہے تو اسے خواب کی باتیں خیالی معلوم ہوتی ہیں اسی طرح جب انسان مرتا ہے اسے برزخ کی طرف منتقل کرتے ہیں اسے ایسے محسوس ہوتا جیسے کوئی نیند سے اٹھنے والے کو خواب کی بات محسوس ہوتی ہے کیونکہ حیات دنیا اس کے لیے بمنزلہ خواب کی تھی جب عالم آخرت میں اٹھے گا تو اسے برزخ اور حیاتِ دنیا اسے نیند ہی نیند محسوس ہوں گی حقیقی بیداری تو وہی ہے جو کہ آخرت میں اٹھ کھڑا ہو گا۔

ف: اسئلہ الحکم میں ہے کہ برزخ اور آخرت کے جملہ امور دنیا کے کسی ایک امور سے بھی مناسبت نہیں رکھتے تاکہ اسے مثال دے کر سمجھایا جا سکے ارواح کو بعد الموت نعمت اور عذاب حسی و جسمانی نہیں بلکہ وہ ایک معنوی شے ہوں گے البتہ اجسام کو ارواح میں نعمت حسی و معنوی دونوں نصیب ہوتی ہیں۔

حکایت حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کو وصال کے بعد خواب میں دیکھا کر کہا گیا کہ آپ کے ساتھ اللہ نے کیا کیا آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش کر آدھی جنت عطا فرمادی۔

ف: اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ نعمتیں جو روح کے لائق تھیں۔ وہ روح کو دیں گئیں یہ ان کے لیے آدھی بہشت تھی۔ اور بہشت کا دوسرا آدھا حصہ وہی ہے جو انہیں حشر میں اٹھا کر بہشت میں داخل کیا جائے گا اس طرح سے اس کے بہشت کے دوسرے حصہ کی تکمیل ہوگی۔

ف: مُردہ موت کے بعد برزخ میں کھانے پینے کو ایسے محسوس کرتا ہے جیسے خواب میں نیند والے کو کھانے پینے کا احساس ہوتا ہے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

حدیث شریف: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے ہاں رات گزارتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے اسی طرح برزخ میں ہوگا کہ میت اللہ تعالیٰ سے ایسی غذا پاتا ہے جس کا ہمیں احساس نہیں ہوتا البتہ میت کو محسوس ہوتا ہے۔

سوال: نبی زندہ اور غیر نبی (نیند والے) میں کیا فرق رہا۔

جواب: نبی علیہ السلام بھوکے سوتے جب بیدار ہوتے تو پیٹ کھانے سے پُر پاتے۔ یعنی سیر ہوتے لیکن غیر نبی خواب میں نیند میں کھاتا پیتا تو ہے لیکن جب جاگتا ہے تو بدستور بھوکا ہوتا ہے

سوال: اولیاء اللہ (تعالےٰ) تو خواب میں کھاتے پیتے ہیں لیکن جب اٹھتے ہیں تو بھوک محسوس نہیں پاتے

جواب: چونکہ اولیاء اللہ وارث نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں اسی لیے وہ کھانے اور پینے کا وہ اثر پاتے ہیں تو وہ نبوت کی وراثت کی وجہ سے ہے جس کا انھیں وارث بنایا گیا ہے کیونکہ سچا خواب نبوت کے چھیالیسویں حصے سے ہے بہت سے اولیاء اللہ کے واقعات و مشاہدات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ خواب میں کھاتے پیتے ہیں تو جب اٹھتے ہیں تو اس طعام اور مشروب کی خوشبو اپنے منہ سے پاتے ہیں اور جو کچھ کھاتے ہیں اس سے سیر ہو کر اٹھتے ہیں یہ نبوت کی وراثت کی دلیل ہے

ف: فرمانِ نبوی کہ الستُ کھیئتکم میں تمھاری طرح نہیں ہوں یہ باعتبار اغلب الحال کے ہے نہ باعتبار کل کے۔

نتیجہ: شہداء کا نعمتوں کا برزخ میں حاصل کرنا ایسے ہے جیسے ولی اللہ کا خواب میں نعمتوں کا پانا ہے اسے اچھی طرح سمجھ لو کیونکہ جس جسم سے بحث کی جا رہی ہے وہ جسم لطیف ہے اور وہ بھی لائق ہے اسے برزخ میں اس مرتبہ کے مطابق نعمتیں دی جاتی ہیں خواہ انہیں خیالی نعمتوں سے تعبیر کیا جائے یا معنوی سے یا جسمانی سے مراد لطیف ہے نہ کہ کثیف اور دنیا میں جسم کثیف کو وہ نعمتیں چاہئیں جو کثیف ہوں نہ غیر۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا بہشت میں شہداء کے ساتھ بھی کسی دوسرے کا حشر ہوگا آپ نے فرمایا: ہاں ہر وہ شخص شہیدوں کے ساتھ اٹھے گا جو دن و رات یعنی چوبیس گھنٹوں میں موت کو چوبیس بار یاد کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اس شخص کے متعلق گمان بھی نہ کرو جو جہاد میں اللہ تعالیٰ کے جلال کی تلوار سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہو کر شہید کیا گیا ہے کہ وہ مردہ ہیں اگرچہ ان کے وجود کے اوصاف فانی ہو چکے ہیں لیکن وہ اپنے موجد کے شہود کے ساتھ زندہ ہیں۔ جسے فنا فی اللہ اور بقا باللہ نصیب ہو جاتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کبھی تجلیات جلال کے سطوات سے فنا کرتا ہے اور کبھی اسے الطاف جمال کے نفحات سے زندہ کرتا ہے بیشک وہ لوگ ریاض الجمال کی سیر کرتے ہیں۔ لیکن تم ان کے احوال کو نہیں جانتے اور نہ ہی ان کے معاملات سے مطلع ہو سکتے ہو۔

ف: امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں ان کے اجسام فنا ہو جاتے ہیں لیکن ان کے ارواح کو بقا ہوتی ہے۔

ف: شیخ جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جس کی زندگی اپنے نفس تک محدود ہوتی ہے اس کی موت روح کے نکل جانے کو کہتے ہیں اور جو اپنے رب کی ذات کی وجہ سے زندہ ہے تو وہ حیات طبعی سے منتقل ہو کر اصل حیات کی طرف لوٹ جاتا ہے اس کی حقیقی

حیات یہی ہے ۔ مثنوی شریف میں ہے ۔

میکند زندان بدرا آں طبیب

تا رہد از درد و بیماری حبیب

پس زیادتہا درون نقصہاست

مر شہیداں را حیات اندر فناست

گر یکے سر را ببرد از بدن

صد ہزاراں سر برآرد در زمن

حلق ببریدہ خورد شربت ولا

حلق از لا رستہ مردہ در بلا

ترجمہ : گندے دانت ڈاکٹر نکال دیتا ہے تاکہ بندے کو درد والم سے نجات نصیب ہو یہ زیادتیاں اس کے اندرونی حصے سے ہوئیں ورنہ ظاہر ہے شہیدوں کی حیات فنا میں ہے اگر کسی کو شہادت دے کر اس کا ایک سر کاٹ لیتا ہے تو فوراً اسے سینکڑوں سر نصیب ہو جاتے ہیں شہید سر کٹوا کر دوستی حق کی شربت پیتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ : وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ قسم محذوف کا جواب ہے یعنی اللہ کی قسم تمہارے ساتھ آزمائش کیسے ہوئے لوگوں جیسا معاملہ کریں گے ۔ اس کے بعد دیکھا جائے گا کیا تم بلا پر صبر کرتے ہو تقدیر کے سامنے سر جھکاتے ہو یا نہ کیونکہ آزمائش جوہر نفس کے لیے کسوٹی ہے اس میں ظاہر کر دکھاویں گے کہ تم میں مطیع کون ہے اور نافرمان کون اس کا معنی یہ نہیں کہ پہلے ہم نہیں جانتے تھے اور اب جانیں گے بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ تھوڑے سے دشمنوں کے خوف سے ۔

سوال خوف اعدا کو تھوڑا کیوں فرمایا ۔

جواب اعداء کے نقصان سے ان سے حفاظت ہزار درجے بہتر ہے اَوْ تھوڑی سی اَلْجُوْعِ بھوک یعنی قحط وغیرہ ۔

سوال ابھی تو ان پر بھوک واقع نہیں ہوئی تھی پھر قبل از وقت اس کی خبر کیوں دی گئی

جواب تاکہ ان کے نفوس پہلے سے تیار رہیں اور اس پر صبر کرنا آسان ہو کیوں کہ اچانک تکلیف بہ نسبت انتظار کے بعد کے زیادہ تکلیف دہ ہے

وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ اس کا عطف شئ پر ہے تمہارے تھوڑے سے مال بھی گھٹا کر یعنی چوری اور لوٹ مار اور بادشاہوں کے ظلماً مال چھیننے اور اس کے ہلاک کرنے اور گھاٹے میں ڈالنے سے تمہاری آزمائش کریں گے وَالْاَنْفُسِ اور نفسوں کو گھٹانے سے ۔ قتل اور موت اور مرض اور بڑھاپا مراد ہے وَالثَّمَرٰتِ ط یعنی آزمائش ہو گی انگوروں کے ثمرات کے جلے جانے اور درختوں کو گرمی اور سردی پہنچا کر اور ایسے ہی ہوا اور ٹڈی بھیجنے سے اسی طرح دیگر آفات سے ۔

نکتہ کبھی نقص ثمرات تعمیرات کے ضائع سے ہوتا ہے جہاد کی وجہ سے

مسئلہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ فرماتے ہیں "الخوف" سے خوف الٰہی اور "الجوع" سے صیام رمضان اور نقص من الاموال سے زکوٰۃ وصدقات اور الانفس سے امراض اور الثمرات سے اولاد مراد ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی کا بچہ فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالےٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کیا تم میرے بندے کے بچے کو فوت کر آئے ہو۔ عرض کرتے ہیں ہاں۔ پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کیا تم میرے بندے کے دل کا ثمرہ توڑ آئے ہو عرض کرتے ہیں ہاں پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے میرا بندہ کیا کہتا تھا۔ عرض کرتے ہیں وہ تیری حمد کرکے انا للہ و انا الیہ رجعون پڑھتا تھا پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے میرے بندے کے لیے بہشت میں محل تیار کرو اور اس کا نام رکھو بَیْتُ الْحَمْد۔

تفسیر صوفیانہ اہل معرفت فرماتے ہیں کہ مطالبات غیب یا حال سے یا نفس سے یا اقارب سے یا قلب سے یا روح سے ہیں جو حال کو قبول کرلیتا ہے تو اسے نجات کے درجات نصیب ہوتے ہیں جو نفس مال سے قبول کرتا ہے تو اسے درجات ملتے ہیں۔ اور اقارب کی موت پر صبر کرتا ہے تو اس کو نعم البدل کے علاوہ قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے اور جس نے روح کو قربان کرنے سے دریغ نہ کیا اسے دائمی وصال نصیب ہوتا ہے

تفسیر عالمانہ وَبَشِّرِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ انہیں خطاب ہے جن کو خوشخبری دینے کی صلاحیت ہو گی۔ اس میں صبر کی عظمت وجلال کا پتہ چلتا ہے کیونکہ صبر ایک عظیم الثواب عمل ہے اور یہ انبیاء و اولیاء کے بہترین شمائل میں سے ایک خصلت ہے پھر اس کا عامل مستحق ہے کہ اسے ہر ایک خوشخبری سنائی جائے۔

الصّٰبِرِیْنَ مصائب پر صبر کرنے والوں کو الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ وہ لوگ جنھیں مصیبت پہنچتی ہے الاصابۃ خطا کی نقیض کو کہتے ہیں مُّصِیْبَةٌ ہر وہ شے جو مومن کو ایذا دے مصیبت ہے۔

ف مصیبت دراصل الوصول کو کہتے ہیں مثلاً کہتے ہیں مصیبت ہر اس تکلیف کو کہتے ہیں جو انسان کو پہنچے حضور علیہ السلام نے فرمایا کل شئی یؤذی المؤمن فھولہ مصیبۃ ہر وہ شے جو انسان کو ایذا دے وہ اس کے لیے مصیبت ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو تیر پہنچے۔

قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ کہتے ہیں بے شک ہم اللہ کے بندے ہیں۔

مسئلہ بندہ خود جو اس کے ہاتھ میں ہو وہ سب اس کے مولیٰ کا ہے مولیٰ کی مرضی چاہے وہ بندے کے ہاتھ میں باقی رکھے چاہے اس سے لے لے پھر ہم اس کی اپنی شے کو واپس لینے پر کیوں روئیں بلکہ ہمیں صبر کرنا چاہیے اگر ہم زندہ رہے تو وہی سب کچھ دے گا اگر مر گئے تو ہم اس کی طرف جانے والے ہیں کیونکہ ہم نے اسی کی طرف لوٹنا ہے اور اس کے پاس ہمارا ثواب ہے اسی لیے ہم اس کے ہر حکم پر راضی ہیں جو کچھ ہمیں وہ عطا فرمائے وہ اس کا فضل ہے اور وہ کریم ہے عطا یا واپس لینے میں اسے ضرورت بھی نہیں اگر اس نے واپس لیا ہے تو وہ بھی ہمارے لیے ذخیرہ بنائے گا۔

ف جب ہم کہتے ہیں انا للہ اس میں ہم اقرار کرتے ہیں کہ تمام ملک اسی کا ہے وانا الیہ راجعون اور ہم اس کی طرف لوٹنے والے ہیں اس میں ہم اقرار کررہے ہیں کہ ہم نے ایک دن فنا ہونا ہے

سوال رجوع الی اللہ کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مکانیت وجہت ہو حالانکہ وہ مکانیت وجہت سے پاک ہے

جواب اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ وہاں حاضر ہوگا جہاں سوائے اس مالک کے کسی کا حکم نہیں چلے گا اور وہ دار آخرت ہے کہ اس میں سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں نہ حقیقۃً نہ ظاہراً بخلاف دار دنیا کے کہ اس میں ظاہری طور بعض کو کچھ نہ کچھ حاصل ہے۔

ف مصیبت کے وقت انا للّٰہ وانا الیہ راجعون کہنے میں چند فائدے ہیں:

۱۔ بندہ اس کلمہ کے پڑھنے سے لغویات سے بچ جائے گا۔

۲۔ جب دوسرا اس سے پڑھتا ہوا سنیگا تو وہ اس کی تقلید کرے گا تو اس کو بھی ثواب ملے گا اور اس کو بھی۔

۳۔ جب زبان سے یہ کلمہ پڑھے گا تو قلب پر حسن اعتقاد کا اثر یعنی تقدیر ربانی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا خیال ابھرے گا کہ دیتا بھی وہی ہے اور لیتا بھی وہی۔

نکتہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مصیبت پر بندے کا دل گھبرا جاتا ہے اور اس کے لیے ایسے کلمہ کی ضرورت ہے جو اسے قضاء و قدر کے سامنے سر جھکانے کا ادب سکھائے

حدیث شریف میں ہے جب بھی مصیبت کسی بندے کو پہنچتی ہے تو کہتا ہے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون اللھم اجرنی من مصیبتی واخلف لی خیراً منھا" ان کلمات کی برکت سے اللّٰہ تعالیٰ اسے اس مصیبت کا بڑا اجر اور نعم البدل عنایت فرماتا ہے۔

ف مصیبت کے وقت "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" کہنا صرف امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوا ہے ورنہ اگر کسی کو اس کلمہ کے کہنے کی اجازت ہوتی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہوتی۔ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السّلام کی گمشدگی پر کہا تھا۔ یا اسفا علی یوسف

مسئلہ مصیبت کے وقت صرف زبان سے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون کہنا ہی نہیں بلکہ قلبی طور ماننا ضروری ہے یعنی زبان سے یہ کلمات کہے اور دل سے ان کی تصدیق کرے مثلاً یہ تصور کرے کہ تمام مخلوق اللہ تعالےٰ کی ہے اور جتنا احکامات کا اسے مکلف بنایا ہے ان کو سر تسلیم کرکے فرمانبرداری کرنا اور قضا کو پورے طور ماننا یعنی جو کچھ دیتا اور لیتا ہے سب اسی کی تقدیر سے جس نے ملک و مُلک اللہ تعالےٰ کا مانا پھر کسی کی کیا مجال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے چھین سکے اور اس کی تقدیر نہ مانے اور یقین کرے کہ جو کچھ عالم ملک میں ہے وہ سب کا سب اللہ تعالےٰ کا ہے اسے چاہیے کہ اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کو یاد کرے کہ جو کچھ لے لیا ہے وہ تو کچھ بھی نہیں اور جتنی بندے کے لیے نعمتیں باقی رکھی ہیں وہ اتنی ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔

ف مُبَشّر بہ محذوف ہے جس پر اس کا قول اولئك الخ دلالت کرتا ہے اس سے وہ صابرین مراد ہیں جو اوصاف مذکورہ کے موصوف ہیں۔

عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ ان پر رحمتیں نازل ہوں مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ان کے رب کی طرف سے اور رحمت نازل ہو

سوال: صلوات کو جمع اور رحمۃ کو واحد کیوں

جواب۱ ان کی کثرت اور تکرار کی طرف اشارہ ہے

جواب۲ رحمۃ کے تنوین نے جمع کے صیغے لا سے مستغنی کر دیا ہے

جواب۳ بندے کو جتنا رحمت عنایت ہوتی ہے اس سے دنیا کے نقصانات دفع کیے جاتے ہیں اور صلوٰت سے مغفرت کے جمع برکات وعنایات مراد ہیں۔

ف صلوٰت ورحمۃ کو جمع کرنے میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت غیر منقطع ہے اب معنی یہ ہوا کہ رحمت کے جمیع فنون سب کی سب ان کے مالک امور کی طرف سے ہیں اور وہی انھیں ان کمالات تک پہنچانے والا ہے جو ان کے لائق ہیں۔

سوال اس سے یعنی صلوٰت ورحمۃ کو جمع کرنے میں تکرار لازم آتا ہے اور یہ نامناسب ہے۔

جواب صلوٰت سے مراد مدح وثناء اور تعظیم مراد ہے اور رحمت سے لطف واحسان اس طریق سے تکرار لازم نہیں آتا۔

وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ یہی لوگ حق وصواب کے ہدایت پانے کے ساتھ مخصوص ہیں اس کے لیے انھوں نے مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے سر جھکایا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں آسمان سے نیچے گرائے جانے کو پسند کر سکتا ہوں

حدیث شریف لیکن یہ کہنا گوارہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے متعلق کہوں کہ کاش کہ یہ واقع نہ ہوتی

رد شیعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جس نے مصیبت کے وقت اپنے ہاتھ ران پر مارے تو اس کے عمل حبط ضائع ہو جائیں گے۔ یعنی ثواب باطل ہو جاتا ہے (اس سے ماتمی شیعہ عبرت پکڑیں)

مسئلہ وہ تکالیف جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچیں ان پر صبر کرنا ضروری ہے کیونکہ جو بھی اللہ تعالیٰ عادل حکیم کی طرف سے پہنچتا ہے۔ اس میں عدل اور حکمت ہوتی ہے۔ اس عدل وحکمت کا تقاضہ یونہی تھا۔ اس بنا پر بندہ کو اس پر راضی ہونا واجب ہے۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ سوائے حق کے کریم فیصلہ نہیں کرتا۔

مسئلہ اگر ظالموں کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے تو اس پر صبر کرنا واجب نہیں بلکہ ہر ممکن اس کے لیے مدافعت کرنا ضروری ہے بلکہ لڑنا ممکن ہو تو لڑے اگر ایسی صورت میں مارا گیا تو شہید ہوگا

ف ابتلاء وآزمائش تصفیہ قلوب کا سبب ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جتنا مجھے ایذا دیا گیا اتنا کسی اور نبی کو نہیں دیا گیا یعنی جیسے میرے لیے صفائی قلوب کے اسباب بتائے گئے کسی نبی کے لیے نہیں بتلائے گئے۔

ف عاشق صادق کی نگاہ میں وفا وجفا برابر ہے جیسے حضرت صائب نے فرمایا ؎

صائب شکایت از ستم یار چوں کند
ہر جا کہ عشوہ ہست وفا وجفا یکیست

ترجمہ صائب اپنے دوست کے ستم کی کیوں شکایت کرے اس لیے کہ محبوبوں کے جہاں اشارے ہوتے ہیں وہاں دفا و جفا برابر سمجھا جاتا ہے۔

حدیث شریف حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے جد رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمایا کرتے اے میرے بیٹے قناعت کو لازم پکڑو۔ لوگوں سے مستغنی ہو جاؤ گے اور فرض کی ادائیگی میں کمی نہ کرو۔ تمام لوگوں سے زیادہ عابد رہو گے۔ اے میرے بیٹے بہشت میں ایک درخت ہے اسے شجرۃ البلوی کہا جاتا ہے اور قیامت میں جب اہل آزمائش کو بلایا جائے گا تو نہ تو ان کے لیے حساب کا دفتر کھولا جائے گا اور نہ ہی ان کے لیے ترازو رکھا جائے گا ان پر موسلا دھار بارش کی طرح اجر و ثواب برسایا جائے گا۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھتے

صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر و ثواب عنایت ہو گا۔

ف صبر کے متعلق اور مضامین نہ ہوتے تو صرف ایک سلیمان علیہ السلام کے پرندہ کی حکایت کافی تھی۔

حکایت حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک پرندہ تھا جو بہت خوش آواز تھا اور اس کی صورت بھی بڑی اچھی تھی۔ ایک شخص نے اسے ہزار درہم میں خریدا اس کے پنجرے کے قریب آ کر اس کا ہمجنس ایک آواز دے کر اڑ گیا اس کے بعد وہ پرندہ بولنے سے خاموش ہو گیا۔ اس مرد نے اس پرندہ کی شکایت حضرت سلیمانؑ سے کی آپ نے فرمایا پرندہ کو میرے پاس لاؤ جب وہ حاضر کیا گیا تو آپ نے پرندے سے فرمایا کہ تیرے مالک کا تیرے اوپر حق ہے جب کہ اس نے تجھے بھاری قیمت دے کر خریدا ہے لیکن تو آج کل خاموش ہے پرندے نے عرض کی اے اللہ کے نبی (علیہ السلام) میرے مالک سے فرمائیں کہ اب وہ مجھے قید سے رہا کر دے میں جب تک پنجرے میں ہوں ہرگز نہیں بولوں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔ اس کی کیا وجہ ہے پرندے نے عرض کی کہ میرا چیخنا چلانا اپنے وطن اور اولاد کے فراق کی وجہ سے تھا۔ لیکن میرے ساتھی پرندے نے مجھے سمجھایا کہ تجھے قید صرف تیری خوش آواز کی وجہ سے کیا گیا ہے جب تک تو اپنی آواز کو و بلائے گا نہیں تیری نجات ناممکن ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندے کے مالک کو فرمایا۔ سُنا تو نے وہ کیا کہتا ہے۔ اس شخص نے کہا اے اللہ تعالیٰ کے نبی (علیہ السلام) واقعی میں نے اسے اس کی آواز کے لیے محبوس کیا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندے کے مالک کو ہزار درہم دے کر اس کو چھوڑ دیا وہ پرندہ اُڑتا ہوا خوش آواز سے پڑھتا جا رہا تھا سبحان من صورنی فی الھوا طیرنی فی القفص صبرنی پاک ہے وہ ذات جس نے مجھے بنایا اور ہوا میں اڑنے کی طاقت بخشی اور پنجرے میں مجھے صبر کی توفیق بخشی۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا جب یہ جزع فزع کرتا رہا محبوس رہا اور جب اس نے صبر کیا تو اسے نجات ملی۔

تفسیر صوفیانہ دراصل اس میں اشارہ ہے اوصاف نفس کے فنا کی طرف بندہ جب تک اضطراری موت اختیار نہ کرے وہ حیات حقیقۃ کی طرف نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مثنوی شریف میں فرمایا ؎

دانہ باشی مرغانت بر چینند

غنچہ باشی کودکانت برکنند

ترجمہ دانہ ہو گا تو تجھے پرندے کھا جائیں گے غنچہ بنے گا تو تجھے لڑکے کاٹیں گے ۔

ہر کہ داد حُسن خود را در مزاد

صد قضائے بَد سوئے اُو رُو نہاد

تن قفس شکلست و تن شد خارجاں

در فریب داخلان و خارجاں

ترجمہ جو اپنے حسن کو بکاؤ کا مال بناتا ہے تو اس کی طرف ہزاروں مصیبتیں آتی ہیں جسم دیکھنے والوں کا پنجرہ ہے اسی لیے یہ ہر ایک کے فریب میں پھنس جاتا ہے

حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا۔ انانیت کی نفی نہایت ضروری اور وجود عارضی کو بحرالوجود الحقیقی میں فنا کرنا واجب ہے تاکہ مقصود حاصل ہو یعنی روحانی تکمیل ہو ۔ حضرت صائب نے فرمایا ؎

ترک ہستی کن کہ آسودا ست از تاراج سیل

ہر کہ پیش از سیل رخت خود را بروں از خانہ ریخت

ترجمہ ہستی کا وہم بھی ختم کر ڈالو اسی لیے سب سے آسودہ تر وہی ہے جو سیلاب کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنا سامان محفوظ جگہ پر لے جائے ۔

ف حضرت الشیخ افتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مراتب سے عبور کرنا چاہیے اور عبور کا محل ایک مرتبہ ہے جسے وادی الحیرۃ کہا جاتا ہے اس میں سالک اپنے مطلوب کو جانتا تو ہے لیکن پہنچ نہیں سکتا پھر اسی وادی حیرۃ و حرارت سے چکر لگاتا ہے اس حرارت سے وہ اپنی انانیت کو جلا دیتا ہے

ف اسے وادیٔ حیرت اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہاں پر سالک حیران سا ہو جاتا ہے پھر نہ تو وہ آگے جا سکتا ہے اور نہ پیچھے آ سکتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا اللھم زدنی حیرۃ اے اللہ میری حیرت میں اضافہ فرما اسی حیرت کی طرف اشارہ ہے بہت سے سالکوں کو یہ مرتبہ نصیب ہی نہیں ہوتا جب تک مرشد کامل رہبری نہ کرے اس کا عبور بالکل ناممکن ہے ۔ اے اللہ ہمیں اپنے اسماء وصفات کے تجلیات کے لیے تیار فرما۔ اور اپنی ذات کے مشاہدات کے پیالے عطا فرما (آمین)

تفسیر عالمانہ

إِنَّ الصَّفَا ۔ صفا مکہ معظمہ کی ایک پہاڑی کا نام ہے ۔

سوال اس پہاڑی کو صفا کیوں کہتے ہیں ۔

جواب چونکہ اس پر سیدنا آدم صفی اللہ علیٰ صلوٰۃ وعلیہ السلام بیٹھے تھے ان کے لقب شریف صفی اللہ کی وجہ سے اس کا نام صفا پڑ گیا۔

وَالْمَرْوَةَ مروہ بھی ایک پہاڑی کا نام ہے وہ بھی مکہ معظمہ میں ہے

سوال مروہ کو مروہ کیوں کہتے ہیں

جواب اس پر بی بی حوا علیہا الصلوٰۃ والسلام بیٹھی تھیں امراۃ آدم کی نسبت سے اس کا نام مروہ پڑ گیا۔

مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے شعار سے ہیں شعائر شعیرہ کی جمع ہے بمعنے علامت یعنی صفا مروہ اللہ تعالیٰ کی طاعت کے علامات سے ایک علامت ہے کیونکہ یہ ہر دونوں حجاج کے ٹھہرنے اور دوڑنے اور قربانی کرنے کے مقامات ہیں انھیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے طاعت کا نشان بنا دیا تاکہ ہم انھیں دیکھ کر مخصوص عبادت کریں۔

ف مروی ہے کہ صفا پر ایک بت تھا مرد کی صورت میں جسے اساف کہا جاتا۔ اسی طرح مروہ پر بھی ایک بت تھا عورت کی صورت میں اسے نائلہ کہا جاتا۔ اسلام کے تشریف لاتے ہی انھیں ہٹا دیا گیا۔

شانِ نزول بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ دونوں ایک مرد اور عورت تھی انہوں نے کعبہ میں زنا کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی صورتیں مسخ کر کے پتھر کر دیا پھر یہاں پر رکھ دیے گئے تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو جب بہت بڑا عرصہ گزرا تو ان کی پرستش ہونے لگی جاہلیت کے لوگ کعبۃ اللہ کا طواف کرتے تو انہیں تعظیم کے طور ہاتھ لگاتے جب دور اسلام شروع ہوا تو تمام بت توڑ دیے گئے ان میں یہ صفا و مروہ والے بت بھی تھے۔ مسلمانوں کو صفا و مروہ کی سعی کا حکم ہوا تو ان کو یہاں صفا و مروہ پر جانے سے نفرت ہوتی۔ صرف انہی بتوں کی وجہ سے۔ کیونکہ صحابہ کرام ہر فعل جاہلیت سے کراہت کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ ان کے مابین طواف کرنا چاہیے اور فرمایا یہ تو شعار اللہ ہے۔

نکتہ صفا و مروہ کے مابین دوڑنے کا حکم صرف اس لیے مشروع ہوا تاکہ بی بی ہاجرہ کی یاد تازہ ہو چنانچہ ان کی حکایت مشہور ہے کہ جب انہیں اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیٰ صلوٰتہ وعلیہم السلام کو پیاس نے تنگ کیا تو بی بی صاحبہ یہاں پر دوڑتیں اور پہاڑ پر چڑھ کر دعا مانگتیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بدولت چشمۂ زمزم کھولا اور ان کی دعا قبول فرمائی اور قیامت تک بندوں پر ان کے مابین دوڑنا اور پہاڑیوں پر چڑھنا اور وہاں دعا مانگنا عبادت بنا دیا۔

حدیث شریف میں ہے صفا و مروہ بہشت میں دو دروازوں کا نام ہے اور یہ دو مقام ایسے ہیں جن کے درمیان دعا مستجاب ہوتی ہے اور ان دونوں کے درمیان ستر ہزار نبیوں کے مزارات ہیں اور ان کے درمیان دوڑنے سے ستر غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ اور وہ جو حج یا عمرہ کرے۔

ف الحج لغت میں قصد کو کہتے ہیں جو عمرہ بمعنی زیارت اور ان دونوں میں قصد و زیارت ہوتی ہے اسی لیے اس نام سے موسوم ہوئے۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ پس اس پر کوئی گناہ نہیں۔

ف جناح کا اصل جنح بمعنے مال عن القصد والخیر الی الشر ہے یہاں وقت بولتے ہیں جب کہ کوئی اپنے ارادہ سے بدل جائے اور خیر سے شر کی طرف جھک جائے أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا یہ کہ ان دونوں کا طواف کرے ۔

ف طواف کے ہر چکر سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور یہ اس لیے فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰے عنہم کو خیال گزرا کہ ان کے چکر لگانا گناہ نہ ہو جب کہ ہم جاہلیت میں بھی تو طواف کے ایسے چکر لگاتے تھے ۔

سوال اس سے ثابت ہوا کہ یہ طواف واجب نہیں حالانکہ حنفیہ کے نزدیک یہ طواف واجب ہے

جواب ایسی عبارت وجوب کے لیے بھی مستعمل ہوتی ہے

ف ان یطوف دراصل ان یتطوف تھا بقانون علم صرف ان یطوف ہوا ۔

سوال تفعل کے باب میں کون سی حکمت ہے جب کہ مجرد کے باب سے بھی یہ مقصد حاصل ہو سکتا تھا ۔

جواب چونکہ تفعل کے باب میں تکلف ہوتا ہے اس لیے اس میں یہ حکمت ہے کہ طواف کرنے والے کو چاہیے کہ اس عمل میں جدوجہد کرے اور اپنی کوشش کو اس میں صرف کرے ۔

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ جو اپنے طور نیکی کرتا ہے تَطَوُّعْ اصل میں اپنے طور فعل کو کہتے ہیں نہ کہ کسی کے مجبور کرنے سے گویا کہا گیا کہ جس نے کوئی عمل کیا یا طاعت گزار ہو کر اللہ تعالٰے کا قُرْب حاصل کیا۔ تَطَوَّعَ فعلاً کو متضمن ہے یا متعدی بنفسہ ہے یا تبرع کے معنی میں ہے جیسے کہا جاتا ہے طاع یطوع ای یتبرع اب معنٰی یہ ہوا کہ جو شخص اس عمل کو جو اس پر فرض نہیں محض اللہ تعالٰے کی رضا اور قرب کی وجہ سے بجا لاتا ہے اس معنی پر خیراً کا منصوب بنزع الخافض ہوگا اصل عبارت یوں تھی ۔ من تطوع تطوعا بخیر - فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ بے شک اللہ تعالٰے بندوں کا شکر قبول کرنے والا ہے یعنی انہیں ان کے عمل کی جزا دینے والا ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ شاکر جب اللہ تعالٰے کے لیے استعمال ہوتا ہے تو بمعنے اللہ تعالٰے اپنے بندوں کو ان کے نیک عمل پر جزا دینے والا کے مستعمل ہے ۔

ف حضرت ابن التمجید اپنے حواشی میں فرماتے ہیں کہ جب شکر کی نسبت اللہ تعالٰے کی طرف ہو تو راضی عن العبد کے معنی میں آتا ہے اور ثواب دینا تو رضا کو لازم ہے ۔اس طرح رضا شکر کی ملزوم ہوئی ۔ پس شکر مجازاً بمعنے رضا ہوگا ۔ پھر رضا سے بمعنے ثواب دینا میں مجاز ہوگا ۔اس طرح شکر بمعنے ثواب دینے کے مجاز دوسرے مرتبہ پر ہوگا ۔

عَلِيمٌ عبادت گزار کی عبادت کو جانتا ہے اور اس کی نیت کو بھی ۔

مسئلہ آیت میں نفلی طاعات کی ایسے ترغیب دی گئی ہے جیسے فرائض پر ترغیب دی جاتی ہے

سبق اندازہ کیجیے کہ جو صرف ایک نفلی عبادت کی بھی اللہ تعالٰے جزا دیتا اور اسے جانتا ہے تو پھر ایک سے زائد نفلی عبادات کا کیا کہنا

ف روزے سے قہر نفس اور زکوٰۃ سے تزکیۂ نفس اور نماز سے معراج روحانی اور حج سے وصول الی اللہ نصیب ہوتا ہے ۔

حکایت حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سال میں حج کے لیے گیا مجھے خیال گزرا کہ اب کی بار

جبل عرفات سے لوٹ کر آئندہ حج کے لیے حاضر نہیں ہوں گا۔ (شاید عرفات کی دھوپ سے آپ کو تکلیف پہنچی ہوگی) یہی خیال میرے دل میں تھا کہ میں نے حجاج (حاجیوں) میں دیکھا کہ ان میں ایک بوڑھا جو عصا کے سہارے چل رہا تھا مجھے وہ غور سے تھوڑی دیر دیکھتا رہا میں نے السلام علیکم عرض کیا تو انھوں نے جواباً فرمایا "علیکم السلام یا سفیان ارجع عما نویت" اے سفیان اپنے دل کے ارادے کو بدل دیجیے۔ میں نے کہا سبحان اللہ! آپ کو میری نیت کا علم کیسے ہوا۔ انھوں نے فرمایا! میرے رب نے مجھے بتایا ہے میں نے اس کے بعد پینتیس حج پڑھے۔ میں پینتیسویں حج کے لیے جبل عرفات میں کھڑے ہو کر حاجیوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ جانے والوں کو دیکھ کر متفکر ہوا کہ یا اللہ میرا اور ان سب حاجیوں کا حج قبول ہوتا ہے یا نہیں اسی تفکر میں میرا سارا دن گزر گیا یہاں تک کہ حجاج جبل عرفات مزدلفہ کی طرف لوٹنے لگے ان میں کوئی بھی باقی نہ رہا رات ہونے لگی میں اسی فکر میں وہاں سو گیا۔ نیند میں دیکھتا ہوں قیامت قائم ہو گئی ہے اور لوگ حساب وکتاب کے لیے میدان حشر میں جمع ہونے لگے اور سب کے اعمال نامے اڑ کر ہاتھوں میں پہنچنے لگے اور عملوں کی ترازو نصب کی گئی اور پل صراط بچھائی گئی بہشت و دوزخ کے دروازے کھلنے لگے میں نے جہنم کی آواز سنی وہ کہہ رہی تھی اے اللہ میری گرمی اور سردی سے حاجیوں کو بچا۔ اللہ تعالیٰ سے ندا آئی اے جہنم ان کے غیر کے متعلق اپنے لیے ہی سوال کر کیونکہ حجاج تو تیرے اندر آ ہی نہیں سکتے اس لیے کہ انھوں نے جنگلوں کی پیاس اور گرمی برداشت کی۔ اس وجہ سے قیامت کی گرمی سے انہیں حفاظت ہے اور انھیں شفاعت کرنے کا بھی حق دیا گیا ہے کیوں کہ انھوں نے میری رضا کو اپنے نفسوں اور اموال پر ترجیح دی۔ حضرت شیخ سفیان ثوری فرماتے ہیں اس کے بعد مجھے جاگ ہوئی اور میں نے شکرانے کا دوگانہ پڑھا اور سو گیا اس کے بعد یہ خواب میں اسی طرح دیکھا۔ اس پر مجھے خیال گزرا نہ معلوم مجھے یہ بات رحمٰن سے دکھائی دیتی ہے یا شیطان سے مجھے آواز دی گئی کہ یہ بات حق سے دکھائی دیتی ہے اس کے بعد حکم ہوا ہاتھ پھیلائیے میں نے ہاتھ پھیلائے تو میرے ہاتھ پر ایک پرچہ لکھا ہوا رکھا تھا اس میں یہ مضمون تھا کہ جو بھی میدان عرفات میں ٹھہرے گا اور بیت اللہ شریف کی زیارت کرے گا اسے اپنے گھر والوں سے ستر آدمیوں کی شفاعت کا حق حاصل ہوگا۔ حضرت شیخ سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے اس پرچے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پڑھا۔ حضرت شیخ موصوف فرماتے ہیں اس کے بعد میرا کوئی سال بغیر حج کیے نہیں گزرا یہاں تک کہ اس وقت میں ستر حج پڑھ چکا ہوں (کذا فی زہرۃ الریاض)

مسئلہ الاشباہ والنظائر میں ہے کہ سرائے اس لیے بنانا کہ اس سے لوگ نفع اٹھائیں گے حج ثانی سے افضل ہے اور نفلی حج صدقہ ونافلہ سے افضل ہے اور حج فرض نفلی حج سے افضل ہے اور نفلی حج صدقہ نافلہ سے افضل ہے حج فرض والدین کی طاعت سے افضل ہے بخلاف نفلی حج کے کہ اس سے والدین کی طاعت افضل ہے دولتمند کا حج تنگدست کے حج سے افضل ہے کیونکہ تنگ دست کا حج تو کعبہ میں جا کر فرض ہوگا اور باقی آنا جانا اس کا نفلی ہوگا بخلاف تونگر کے کہ اس کا حج اس پر ابتدا ہی فرض ہے تو اس کا آنا جانا بھی فرضی عبادت میں شامل ہوگا

سبق عاقل کو چاہئے کہ وہ بیت اللہ کی طرف جائے اور زیارت کعبہ کی کوشش کرے اگرچہ مالی حالات نامساعد ہوں جب ارادہ

کرے گا تو مالی حالات بھی ساز گار ہو جائیں گے کیونکہ اصلی بات تو توجہ القلب الی جانب الغیب ہے نہ صرف جسمانی ڈھانچے کی جدوجہد

حضرت مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

میل تو سوئے مغیلانست وریگ

تا چہ گل چینی زخسار مردہ ریگ

ترجمہ تیرا خیال صرف درختوں (ڈیکر وغیرہ) اور ریت میں ہے پھر کس طرح ان خاروں سے پھول حاصل کر سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات قاشانیہ میں ہے کہ صفا سے وجود القلب اور مروہ سے وجود النفس مراد ہیں اس لیے کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے دین کے علامات سے ہیں۔ قلب کے مناسک یہ ہیں۔

۱۔ یقین
۲۔ توکل
۳۔ رضا
۴۔ اخلاص

اور نفس کے مناسک یہ ہیں۔

۱۔ صبر
۲۔ شکر
۳۔ ذکر
۴۔ فکر

جس نے بیت اللہ کا حج پڑھا یعنی فنا کلی ذاتی سے تو وہ وحدۃ ذاتیہ کے مقام تک پہنچکر حضرت الٰہیہ میں داخل ہوا یا عمرہ کیا یعنے توحید صفات اور انوار و تجلیات الجمال والجلال کے ذریعے سے مقام مشاہدہ تک پہنچ کر بارگاہ حق کی زیارت کی پس اس وقت اس پر گناہ نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے یعنی ان دونوں مقامات کی طرف لوٹ کر ان کے درمیان چکر لگائے لیکن ان کے وجود تکوینی کو مدِ نظر رکھ کر بلکہ ان کی حقیقت پر توجہ کر کے کیونکہ ایسا کرنا بہت بڑا گناہ ہے وجود موہومی حقانی (جو کہ تمکین کے وقت فنا کے بعد حاصل ہوتا ہے) اسے اس لیے گناہ کی نفی کی گئی ہے کیونکہ اس وجود میں وسعت ہے بخلاف اول کہ اس میں اتنا وسعت نہیں پس جس نے نفل عبادت خود بخود کی یعنی جو کسی کے ساتھ بھلائی کرتا ہے باب تکمیل و تعلیم وارشاد اور شفقت خلق سے مقام قلب میں اور باب اخلاق و طرف بر و تقویٰ اور ضعفاء و مساکین کی معاونت اور شفقت مخلوق میں تحصیل اہم میں سے مقام نفس میں لیکن سلوک کے کمال حاصل کرنے کے بعد جس نے کسی کے ساتھ بھلائی کی اللہ تعالیٰ بندوں کی طاعت قبول کرنے والا اور جاننے والا ہے یعنی ان کے عمل پر ان کو مزید ثواب عطا فرماتا ہے اشیاء میں یہ باب تلوین وابتدا اور فترت میں سے نہیں بلکہ باب تصرف میں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ
فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا
وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ
أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ
الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۝ وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ۝

ترجمہ اور بے شک وہ لوگ جو ہماری نازل روشن دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ ہم نے اسے کتاب میں لوگوں کو واضح کر دیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالٰے کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں مگر جو لوگ توبہ اور اپنی اصلاح کر لیں تو میں ان کی توبہ قبول کروں گا اور میں ہی ہوں بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں بیشک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور کافر ہو کر مرے یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالٰے اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی سب کی لعنت ہے وہ ہمیشہ اسی لعنت میں رہیں گے۔ نہ ان سے عذاب ہلکا ہوگا اور نہ وہ مہلت دیے جائیں گے اور عبادت کا مستحق تمہارا صرف ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں وہی رحمٰن رحیم ہے۔

بقیہ صفحہ گذشتہ

یا خفی الذات محسوس العطاء
انت کالماء ونحن کالرحباء
انت کالریح ونحن کالغبار
یختفی الریح وغبراہ جہار

ترجمہ اے وہ ذات جو خود تو پوشیدہ ہے لیکن تیری عطائیں محسوس ہیں تو پانی کی طرح ہم پانی کی چکی کی طرح ہیں تو ہوا کی طرح ہے اور ہم غبار کی طرح ہیں اور ہوا پوشیدہ رہتی ہے لیکن اس کی غبار کھلی فضا میں لہراتی ہے

تفسیر عالمانہ شانِ نزول إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ یہ آیت یہود کے لیڈروں اور ان کے علماء کے حق میں نازل ہوئی یا ہر اس آدمی کے لیے جو دین کے احکام میں سے کسی شے کو چھپاتا ہے۔ یہی مطلب زیادہ قریب ہے کیونکہ لفظ عام اور عموم الحکم سبب خاص کو منع نہیں کرتا۔
الکتمان شے کے اظہار کو قصداً ترک کرنا باوجودیکہ اس کے اظہار کی ضرورت ہو اور اس کے اظہار کا سبب حاصل بھی ہو۔

حق کو چھپانے کے کئی طریقے ہیں

۱. اصل بات کو پوشیدہ رکھنا

۲. اصل شے کو زائل کر کے اس کے قائم مقام کسی دوسری شئے کو بیان کرنا اور یہودیوں کا کتمان حق یہی تھا کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وغیرہ بیان نہیں کرتے تھے۔

مَآ اَنْزَلْنَا جو ہم نے نازل کیا مِنَ الْبَيِّنٰتِ دلائل سے جو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل مبارکہ اور مسئلہ رجم اور تحویل قبلہ اور حرام وحلال پر وضاحت کے ساتھ دلالت کرنے والے ہیں۔ وَالْهُدٰى اور ہدایت سے یعنی ایسے آیات جو کہ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے مناقب شریفہ اور آپ کی اتباع اور آپ پر ایمان لانے کی طرف رہبری کرنے والی ہیں۔ مِنْ اس کا تعلق یکتمون سے ہے بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ بعد اس کے ہم نے اسے واضح اور ملخص کر کے بیان فرمایا لِلنَّاسِ تمام لوگوں کو نہ صرف حق کو چھپانے والوں کے لیے فِي الْكِتٰبِ کتاب یعنی توریت میں اور ان کے دلائل وغیرہ کو بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دلائل وغیرہ ایسے واضح ہیں کہ انھیں ہر ایک سمجھ سکتا ہے ان میں کسی قسم کا شبہ نہیں رہتا۔

ف حضرت ابن الشیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے حواشی میں لکھتے ہیں کہ البینت سے مراد وہ کتابیں ہیں جو انبیاء کرام علی نبینا و علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔ ان میں عقلی دلائل کو کسی قسم کا دخل نہیں اور الھدی میں عقلیہ ونقلیہ ہر قسم کے دلائل شامل ہیں۔ الھدی من بعد ما بینہٗ میں دونوں باتوں کا اتحاد لازم نہیں آتا ممکن ہے کہ یہ عطف محض تغایر اللفظین کی بنا پر ہو کیونکہ ما بینہٗ للناس جیسے جملۃ التنزیل سے ہوتا ہے ایسے ہی فائدہ ملخصہ کے طور پر بھی ہوتا ہے تاکہ اس سے استفادہ کیا جا سکے۔

اُولٰٓئِكَ یعنی جن لوگوں کی یہ صفت ہے يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ ان پر اللہ تعالے لعنت کرتا ہے اور انھیں دھتکارتا ہے یعنی انھیں اپنی رحمت سے دور کرتا ہے بوجہ ان کے حق کو چھپانے کے وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ ان پر سب لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں یعنی جن سے لعنت کرنا صادر ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر وہ حضرات بد دعا کرتے ہیں جیسے ملائکہ کرام اور تمام اہل ایمان انس وجان۔

مسئلہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں جب کسی پر لعنت کی جائے اگر لعنت کرنے والا اور جس پر لعنت کی گئی ہے ان دونوں میں کوئی لعنت کا مستحق نہیں تو پھر وہی لعنت ان یہودیوں پر لوٹتی ہے جو حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مبارکہ کو چھپاتے تھے۔

مسئلہ لعنت کرنے والوں سے جانور اور موذی مراد ہیں جو کہ نافرمان لوگوں پر لعنت کرتے ہوئے یوں عرض کرتے ہیں۔ وہ اے اللہ بنی آدم کے ان نافرمانوں پر لعنت بھیج جن کی نحوست سے ہمیں بارش سے محروم رکھا گیا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مگر وہ لوگ جنہوں نے حق چھپانے سے توبہ کر لی۔

مسئلہ ان گناہوں سے توبہ کرنے والا کہ جن کی وجہ سے وہ لعنت کا مستحق بنتا ہے وہ بھی اس میں داخل ہے۔

ف یہ استثنا متصل ہے اور مستثنیٰ یلعنھم کی ضمیر ہے **واصلحوا** اور انہوں نے اصلاح کی۔
یعنے جن باتوں میں فساد ڈالا تھا اب ان کی اصلاح کرلی کیونکہ توبہ کے بعد یہ ضروری ہوتا ہے کہ جن باتوں میں فساد ڈالا ان کی اصلاح کرلی جائے مثلاً دین میں ایسا شبہ پیدا کیا کہ جس سے فساد عقیدہ کا خطرہ ہے اب اس پر ضروری ہے کہ اس شبہ کو دور کرے۔ اسی طرح حق کو چھپانے والے پر ضروری ہے کہ توبہ کے بعد حق کو واضح طور بیان کرے یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول **وَبَيَّنُوا** سے یعنی ظاہر کردیا وہ امر جو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کتابوں میں بیان فرمایا تاکہ ان کی توبہ مکمل ہو جائے

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ توبہ قبول نہیں ہوتی جب تک وہ عمل بجا نہ لائے جو کرنے کے لائق اور جس کا ترک کرنا ضروری ہے۔

فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ یہی وہ لوگ ہیں جن کی میں توبہ قبول کرتا اور ان پر رحمت کرتا اور ان کے گناہ معاف کرتا ہوں۔

سوال توبہ کے معنے میں تم نے قبول اور رحمت ومغفرت کہاں سے نکال لیے۔

جواب قاعدہ ہے جب توبہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس وقت یہی معنی مراد ہوتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے تاب اللہ یتوب بمعنے قبول التوبہ جو کہ مغفرت کے معنے کو متضمن ہے یعنی جس نے توبہ کی اس سے اللہ تعالیٰ نے عذاب کو ہٹا دیا۔

وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ اور میں توبہ قبول اور رحم کرنے والا ہوں یعنی توبہ قبول کرنے اور رحمت بھیجنے میں بہت زیادہ فضل وکرم کرتا ہوں۔

ربط جب اللہ تعالیٰ نے زندہ ملعونوں کا ذکر فرمایا تو ان کے ساتھ ان لوگوں کا ذکر بھی فرما دیا جو مردگاں ملعون ہیں چنانچہ فرمایا
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بیشک جن لوگوں نے کفر کیا یعنی اپنے کفر پر مصر رہے اور کتمان حق کے پیچھے لگ رہے لیکن توبہ نہ کرسکے
وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ اور مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے یعنی اپنے کفر پہ اصرار کرتے رہے اور اپنی اسی حالت کفریہ سے بدل نہ سکے۔

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ان پر اللہ اور اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے یعنی وہی لوگ لعنت کے مستحق ہیں زندگی میں اور موت کے بعد بھی اور وہ حضرات جو ان پر لعنت کرتے ہیں وہ اہل ایمان ہیں کیونکہ الناس درحقیقت اہل ایمان ہی ہیں اس لیے کہ انسانیت سے یہی حضرات نفع اٹھانے والے ہیں اور کافر تو جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا کوئی اعتبار نہیں یا الناس سے عام لوگ مراد ہیں اس لیے کہ قیامت میں کافر بھی ایک دوسرے پر لعنت کریں گے پھر ان پر فرشتے لعنت کریں گے پھر باقی لوگ۔ اسی طرح سے ... پر لعنت کریں گے۔

مسئلہ جو ظالم پر کوئی لعنت کرتا ہے حالانکہ لعنت کرنے والا خود بھی ظالم ہو تو گویا وہ اپنے آپ پر لعنت کرتا ہے
خَالِدِينَ فِيهَا وہی اس میں ہمیشہ رہیں گے کیونکہ جب وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہمیشہ محروم ہو

جائیں گے۔ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ ان سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا یہ نیا جملہ ہے ان پر کثرت عذاب من حیث التکیف کا بیان ہے جب کہ اس سے پہلے کثرت عذاب من حیث الکم کا بیان تھا یعنی نہ ان سے عذاب اٹھایا جائے گا اور نہ ہی ہلکا کیا جائے گا وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ اور نہ ہی وہ مہلت دیے جائیں گے ینظرون الانظار سے مشتق ہے بمعنی الامہال مہلت دینا والتاجیل میعاد مقرر کرنا یعنی نہ انہیں لوٹنے کی مہلت ہوگی اور نہ توبہ کا موقعہ دیا جائے گا اور نہ ان کی معذرت قبول کی جائے گی۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ ان پر ہمیشہ عذاب ہوگا ان کی ہر دوسری حالت پہلی حالت سے بہت زیادہ ہوگی انہیں عذاب سے نہ مہلت دی جائے گی اور نہ ہی کسی ایک لمحہ کے لیے فرصت ہوگی کہ استراحت کرسکیں۔ یا ننظرون نظر سے مشتق ہے بمعنے انتظار یعنی انہیں کسی قسم کا انتظار نہ ہوگا کہ وہ عذر کرسکیں یا نظر بمعنے رؤیت ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان پر نظر رحمت نہیں ہوگی۔

سوال انہیں نار جہنم میں ہمیشہ کیوں رکھا جائے گا؟

جواب کیونکہ اپنے کفر پر ان کی نیت دائمی تھی اور وہ عزم بالجزم رکھتے تھے کہ وہ اپنی بت پرستی پر منہمک رہیں گے جب تک وہ زندہ رہیں گے بت پرستی کو نہیں چھوڑیں گے بدیں وجہ ان کے لیے دائمی عذاب مقرر کیا گیا۔

ف جہنم کے طبقات اور ان پر عذاب مختلف طور طریق سے ہوں گے جتنا کفریات میں انہماک زیادہ اتنا عذاب زیادہ کیونکہ کفار کی نیات مختلف تھیں جیسے اعمال کے تفاوت سے بہشت کے درجات مختلف ہوں گے۔

ف تادیب یعنی ادب سکھلانا حکمت ربانی کے لیے ضروری ہے جب کہ کفار نے ذات باری تعالیٰ کے حق میں برے عقیدے گھڑے تو انہیں بہشت کی نعمتوں سے محروم اور جہنم میں دائمی طور رکھ کر ادب سکھایا گیا کسی نے خوب کیا فرمایا۔ ؎

سفیہا نرا بود تادیب نافع

جنونا نرا چو شربت گشت دافع

ترجمہ بیوقوفوں کو سزا فائدہ پہنچاتی ہے جیسے پاگلوں کو دوائی۔

سوال یہود کے اس فعل کو کتمان حق وغیرہ اور حب ریاست سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے

جواب اس لیے کہ انہیں خطرہ تھا کہ وہ اپنے عوام سے وظائف لیتے تھے وہ بند نہ ہو جائیں حالانکہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کا یہ فعل انہیں جہنم سے نہیں بچائے گا۔

حکایت حدیث شریف میں ہے کہ زمانہ سابق میں ایک مومن اور کافر شکار کو گئے کافر تو اپنے بتوں کا نام لے کر مچھلی پکڑ لیتا اور مسلمان اللہ کا نام لیتا لیکن مچھلی ہاتھ نہ لگتی۔ آخر اسی طرح ہوتا رہا شام کے وقت مسلمان کو صرف ایک مچھلی میسر ہوئی وہ بھی چھلانگ لگا کر پانی میں چلی گئی مومن خالی ہاتھ واپس لوٹا اور کافر تو بورے بھر کر لایا۔ اس پر مسلمان کے ساتھ رہنے والے کراما کاتبین فرشتوں کو افسوس ہوا اور حیران ہوئے بارگاہِ حق میں پہنچے تو اللہ تعالےٰ نے انہیں فرمایا اس مومن کی رہائش گاہ کو ملاحظہ کرلو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب مومن کی بہشت میں اتنی بڑی شان ہے تو دنیا میں اسے کچھ ہاتھ نہ آنا اس کا نقصان

نہیں اسی طرح کافر کا مسکن بھی جہنم میں دکھایا اور فرمایا کہ اسے محلوں وغیرہ کا ڈھیر جمع کرلینا کوئی فائدہ نہیں دے گا جب کہ اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہے۔ کذا فی شرح الخطب ؎

نرگس اندر خواب غفلت یافت بلبل صد وصال

خفتہ نابینا بود دولت بہ بیداراں رسد

ترجمہ نرگس خواب غفلت میں سوتی رہی لیکن بلبل نے بیداری سے مزے لوٹ لیے سونے والا اندھے کی طرح ہے بیدار رہنے والے ہی دولت پا لیتے ہیں۔

سبق: گناہ کے مرتکب کو اگر معلوم بلکہ یقین ہو جائے کہ گناہ کی سزا ایسے ایسے ہے تو وہ کبھی گناہ کے قریب بھی نہ پھٹکے۔ جیسے کسی کو صرف گمان ہو کہ اس سوراخ میں سانپ ہے تو وہ کبھی اس سوراخ میں ہاتھ نہیں ڈالے گا۔

مسئلہ یہود کے علماء نے جب اپنے علم سے عملی نفع نہ اٹھایا تو خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اللہ تعالیٰ انھیں رسوا کرے اور ان پر لعنت بھیجے۔

مسئلہ خانقہ میں مذکور ہے کہ کوئی قوم اپنی غلطیوں کی وجہ سے نہیں ماری جاتی بلکہ وہ اپنے لیڈروں کی غلطیوں سے تباہ و برباد ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت شیخ الشہیر با قتادہ آفندی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بعینہٖ یہی حال پیری مریدی کے متعلق ہے کہ مریدوں کی تباہی و بربادی کا دارومدار پیر و مرشد پر ہے کہ جب تک پیر و مرشد راہ ہدایت پر ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے مرید کو بھی گمراہی سے بچاتا رہتا ہے اس لیے کہ کسی قوم کا مصائب میں مبتلا ہو جانا اس کے لیڈر کی نحوست کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ف مروی ہے کہ شجرہ ممنوعہ پہلے پہلے بی بی حوا نے کھایا۔ لیکن اس وقت اس پر کسی قسم کا عتاب نازل نہ ہوا لیکن جب حضرت آدم علیہ السلام نے کھایا تو پھر زجر و توبیخ ہوئی

سبق: افسوس ہے ارباب حکومت پر کہ وہ اپنے آپ کو تباہی میں ڈال رہے ہیں کہ ان کا ظلم عوام پر بڑھا ہوا ہوتا ہے دیکھ لینا وہ عنقریب یقیناً جہنم میں جائیں گے اور انھیں مفارقت وجدائی کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کی رحمت سے انھیں محروم رکھا جائے گا۔ اللھم احفظنا (اے اللہ ہمیں بچا۔)

تفسیر عالمانہ

وَاِلٰهُكُمْ یہ خطاب عوام کو ہے یعنی تمھاری عبادت کا مستحق اللہ واحد ایک ہی ہے وہ اپنی الہیت میں واحد لاشریک ہے کسی دوسرے کو الٰہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہی معبود ہے اور پس یہ مبتدا کی خبر ہے اور واحد الٰہ کی صفت ہے کیونکہ فائدہ اسی پر مرتب ہوتا ہے کیونکہ اسے اس صفت کے بغیر ہی لایا جاتا تو لا الٰہ الا ھو کے لانے میں کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا یعنی اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں یہ جملہ وحدانیت کی تقریر ہے اور اس وہم کو زائل کرنے کے لیے ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ عالم میں اور بھی معبود ہے لیکن وہ عبادت کا مستحق نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی ذات کو پورے طور سمجھ لو اور ہمیشہ صرف اسی کی عبادت کرو اس کے غیر سے کسی قسم کی امید نہ رکھو اور نہ اس کے سوا کسی سے ڈرو پس اس کی عبادت کرو

اور مستثنیٰ اسم سے بدل ہے لیکن لا علی المحل کیونکہ اس کا محل تو رفع ہے علی الابتدا اور اس کی خبر محذوف ہے یعنی دراصل عبارت "لا الٰہ الا کائن لنا موجود فی الوجود الا اللہ" تھی ۔

قاعدہ اسم دو قسم ہیں

۱ - اسم ظاہر

۲ - اسم ضمیر

اور کلمہ ھُوَ اسم ضمیر ہے اس سے ثابت ہوا کہ کلمہ کا ضمیر ہونا اس کی اسمیت کے منافی نہیں ۔

تفسیر صوفیانہ

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ نے تفسیر کبیر میں ثابت فرمایا کہ ہُو کی ضمیر (ہر رنگ میں راضی) کی حیثیت رکھتی ہے اور محققین فرماتے ہیں کہ ہُو اسم بحت ہے کیونکہ ہر وہ ذات احدیت پر دلالت کرتی ہے وہ ان کے نزدیک اسم محض ہے وہ اسم ظاہر ہو یا مضمر۔ اسی لیے اسے عالم الہُویۃ کہتے ہیں الف ولام کو ملا کر۔ اس قاعدہ کو یاد کر لے تجھے بہت نفع دے گا۔ مثنوی شریف میں ہے ۔

از ہو ہا کے رہی بے جام ہو

اے زہو قانع شدہ با نام ہو

ہیچ نامے بے حقیقت دیدۂ

باز کاف و لام گل گل چیدۂ

اسم خواندی رو مسمیٰ را بجو

نہ ببالا دان نہ اندر آب جُو

ترجمہ: ہوہا ہے ہُو کے جام کے بغیر چھٹکارا نہیں صرف لفظ ہُو سے ہونے والے اس کی حقیقت کی تلاش کر و اس لیے کہ کوئی نام حقیقت کے بغیر نہیں ہوتا تم صرف لفظوں پہ خوش رہے حقیقت کو نہیں پہنچے ہو اے بھائی جہاں کسی نام کو دیکھا ہے تو اس کے مسمیٰ کو ڈھونڈو وہ نہ اوپر نہ نیچے بلکہ ہر جگہ ۔

گر ز نام حرف خواہی بگذری

پاک کن خود را ز خود ہیں یکسری

ہم چو آہن ز آہنی بے زنگ شو

در ریاضت آئینۂ بے زنگ شو

خویش را صافی کن از اوصاف خود

تا ببینی ذاتِ پاک صاف خود

بر صفحہ آئندہ

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ
النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ
دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيٰتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ○
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ
وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ○
إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ○ وَقَالَ
الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذٰلِكَ يُرِيهِمُ اللّٰهُ أَعْمَالَهُمْ
حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِينَ مِنَ النَّارِ ○

ترجمہ بے شک آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے اور رات و دن کے مختلف ہو کر آنے اور کشتیاں جو لوگوں کے نفع کی چیزیں دریا میں لے کر چلتی ہیں اور بارش کا پانی جسے اللہ تعالے نے آسمان سے اتارا تو اس پانی سے ویران زمین کو آباد فرمایا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل جو آسمان و زمین کے درمیان پابند حکم نہیں ان تمام مذکورہ باتوں میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں (دلائل) ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالے کے سوا اوروں کو معبود بناتے ہیں کہ ان سے اللہ تعالے جیسی محبت کرتے ہیں اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے برابر اور کسی کو محبوب نہیں رکھتے اور اگر ظالم وہ وقت دیکھ لیں جب کہ عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے آئے گا کیونکہ تمام طاقتیں اللہ کی ہیں اور اس لیے کہ اللہ تعالے سخت عذاب دینے والا ہے جب بیزار ہونگے ان کے لیڈر اپنے پیروکاروں سے اور دیکھیں گے عذاب اور ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے اور ان کے پیروکار کہیں گے کاش ہمیں دنیا میں دوبارہ جانا نصیب ہو تو ہم بھی ان سے بیزار ہو جاتے جیسے آج وہ ہم سے بیزار ہیں یونہی اللہ تعالیٰ ان کے معاملات کو حسرتیں بنا کر دکھائے گا اور وہ دوزخ سے کبھی نکلنے والے نہیں۔

بقیہ صفحہ ۵۰

بینی اندر دل علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

علم کان بُوَد ز ہو بے واسطہ
آن نپاید ہمچو رنگ ماشطہ

ترجمہ اگر صرف نام پر اکتفا کرتے ہو تو بے کار رہو گے تمھیں اپنے آپ سے فارغ ہو کر اس کام کو ہاتھ لگانا ہے کی

بقایا بر صفحہ آئندہ

(بقایا صفحہ گذشتہ)

طرح بے رنگ ہوا یسے حرج کش بن جاؤ جیسے شیشہ سے زنگ اتارتے وقت شیشہ کو تکلیف ہوتی ہے خودی کے اوصاف اپنے سے دور کردے اس کے بعد تجھے ذاتِ حق صاف نظر آئے گی اس کے بعد تیرے دل میں انبیا علیہم السلام کے علوم آجائیں گے اور ان کے حصول کے لیے نہ استاد کی ضرورت نہ کتاب کی جو علم ہو کے واسطے بغیر حاصل ہو وہ سنگار نے والے کے زنگ کی طرح دائمی نہیں ہوتا۔

اَلرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ رحم کرنے والا مہربان یعنی وہ تمام نعمتوں کا مالک ہے خواہ وہ نعمتیں اصولی ہوں یا فروعی اس صفت کا صرف وہی مستحق ہے کیونکہ اس کا ماسوا یا نعمت ہے یا منعم علیہ اس سے ثابت ہوا کہ اس کے ماسوا کوئی دوسرا عبادت کا مستحق نہیں ہے جب کوئی عبادت کا استحقاق نہیں رکھتا تو وہ معبود بھی نہیں ہو سکتا الرحمن الرحیم اس کی وحدانیت کی حجت ہے۔

نسخہ روحانی اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے فرماتے سنا کہ یہ دو کلمے اسم اعظم ہیں۔

۱ والٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم

۲ اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم

تفسیر عالمانہ شانِ نزول اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کعبہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بُت تھے جب کفار نے یہ آیت یعنی "الٰھکم الٰہ واحد" سنی تو متعجب ہو کر کہنے لگے کہ ایک معبود سب کو کیسے اکتفا کر سکتا ہے اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ توحید کے لیے کوئی ایسی دلیل دیں جس سے ہم سمجھیں کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ان فی خلق السمٰوٰت الخ یعنی بیشک آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے میں یعنی انھیں نئی طرز میں بنانے میں جو کہ یہ دونوں اپنی اپنی شان میں ہیں اور ان کے اندر جو عجائبات اور عبرتیں اور عجیب و غریب صنعتیں تیار فرمائی ہیں جن کے ادراک سے عقول عاجز ہیں۔

سوال السمٰوٰت کو جمع اور والارض کو واحد کیوں لایا گیا؟

جواب۱ آسمان مختلف الاجناس ہیں بخلاف زمین کے کہ وہ ایک جنس ہے۔

ف ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

جواب۲ ایک آسمان کا فلک دوسرے کے خلاف ہے بخلاف زمین کے کہ اس میں یہ باتیں نہیں کیونکہ سب کی سب مٹی کی ہیں

ف ابن التمجید اپنے حواشی میں لکھتے ہیں کہ ہر آسمان کا محدب دوسرے آسمان کی مقعر مافوق کو مس کرتا ہے بخلاف نانویں آسمان یعنی عرش الٰہی کے کہ اس کا محدب کسی فلک کی مقعر مافوق کو مس نہیں کرتا کیونکہ اس کے بعد ہمارے نزدیک غیر متناہی خلاء و بُعد ہے حکماء فرماتے ہیں نہ اس میں خلاء ہے اور نہ ملا۔

عقیدہ اس کے متعلق عقیدہ ہونا چاہیے العلم عند اللہ یعنی ان کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے

وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ اور شب وروز کے مختلف ہونے میں یعنی ان کے ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے جانے میں بایں طور کہ ان میں ایک جاتا تو دوسرا آتا ہے مثلاً ایک آئے گا اور دوسرا اس کے چلے جانے کے بعد آئے گا یا ان کے اختلاف سے ظلمت و نور کی زیادتی ونقصان مراد ہے۔

وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ اور کشتیوں کے دریاؤں کے اندر جاری ہونے میں یہاں تک کہ کشتیاں دریا کی تہ میں نہیں چلی جاتیں باوجودیکہ کشتیاں ثقیل وکثیف ہیں اور پانی لطیف وخفیف ہے پھر ان کا آنا جانا ایک قسم کی ہوا سے ہے۔

ف آیت میں الفلک جمع ہے تجری اس کے لیے صیغہ مؤنث کا بوجہ جمع بتاویل الجماعۃ ہے

بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ ساتھ اس کے کہ لوگوں کو نفع پہنچاتی ہیں۔ اس میں ما موصولہ ہے اور الباء مصاحبت کی ہے اور جملہ محلاً منصوب تجری کے فاعل سے حال ہے اب عبارت یوں ہوگی۔

تجری مصحوبۃً بالاعیان والمعانی الخ یعنی کشتیاں جاری ہوتی ہیں۔ اعیان ومعانی کے مصاحب ہوکر اور یہ وہ کشتیاں ہیں کہ لوگوں کو نفع دیتی ہیں بایں طور کہ لوگ ان پر سوار ہوکر اور بوجھ اٹھاکر نفع پاتے ہیں اس معنے پر یہ کشتیاں اپنے سوار کو نفع پہنچاتی ہیں کیونکہ وہ ان کے ذریعے اپنی تجارت سے نفع پاتے ہیں اسی طرح وہ بھی نفع پاتے ہیں جن کی طرف کشتیوں پر سوار ہوکر ان کے لیے سامان لے جا رہے ہیں اس لیے یہ کہ محمول الیہ یعنی جس کے لیے سامان لیا جا رہا ہے بما محمل الیہ یعنی جو شئے اٹھاکر لے جا رہی ہے۔ سے نفع پائے گا وَمَا یعنی ان چیزوں میں جو کہ أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل کیا ہے یہ من ابتداء غایت کے لیے ہے یعنی آسمان کی جہت سے مِن مَّاءٍ پانی سے یہ من بیانیہ ہے اس لیے کہ جو شئے بھی آسمان سے نازل ہوتی ہے وہ عام ہے پانی ہو یا اور شئے۔ اور آسمان سے مراد یا تو فلک ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ بارش اولاً آسمان سے اترتی ہے اس کے بعد بادل سے یا اس سے بلندی کی جہت مراد ہے خواہ وہ آسمان ہو یا بادل کیونکہ ہر وہ شئے جو انسان کے سر کے اوپر ہے اسے عرف میں آسمان کہا جاتا ہے۔ اسی عرف کی وجہ سے ہے کہ مکان کی چھت کو سماء البیت کہا جاتا ہے۔

فَأَحْيَا بِهِ اس کا عطف ما انزل پر ہے یعنی اترنے والے پانی کے ذریعے سے زمین کو بارونق فرمایا ہے الْأَرْضَ، زمین کی مختلف انگوریاں اور پربہار پھول ان کے علاوہ جو زمین پر مختلف قسم کے درخت ہیں۔ بَعْدَ مَوْتِهَا اس کے ویران ہونے کے بعد یعنی اس کی کھیتی ختم ہونے کے بعد جب کہ درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں جس وقت کہ ان پر خشکی کا غلبہ ہوتا ہے جیسا کہ اس کی طبیعت کا تقاضا ہے۔

ف حضرت الشیخ اپنے حواشی میں فرماتے ہیں جب زمین کو انگوریوں کے نکلنے کے اسباب ملتے ہیں تو اس کا حکم

جاتا ہے

سوال ا سے حیوان کی زندگی سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے

جواب اس لیے کہ جیسے حیوان کو زندگی ملنے پر حسن اور رونق بڑھ جاتی ہے ایسے ہی جب زمین کو قوت اور انگوریوں کے مختلف انواع حاصل ہوتے ہیں تو زمین کی زندگی میں بہار آجاتی ہے

وَبَثَّ فِيهَا اور زمین میں پھیلائے ہیں مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ہر قسم کے جانوروں میں سے ۔

ف دابہ ہر اس حیوان کو کہتے ہیں جو زمین پر چلے ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول ۔ اس جملہ کا عطف فاحیا پر ہے ان دونوں کی مناسبت ظاہر ہے کہ زمین کو بارش سے زندگی ملے گی تو بیج سے پھل پھول پیدا ہوں گے اور انہیں پر حیوان وغیرہ کی زندگی کا دارومدار ہے

وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ اور ہواؤں کے چلنے میں اس کا عطف ما انزل پر ہے یعنی ہواؤں کے اپنے اپنے مقامات سے چلنے میں باد صبا ہو یا باد شمالی ۔ غرباً ہو یا جنوباً اور ان کی کیفیات میں مثلاً گرم اور سرد ہو کر ۔ اسی طرح ان کے احوال میں کہ زوردار ہو کر یا نرم نرم ہو کر اور ان کے آثار میں کہ عقیم ہو کر یا مفید ہو کر ۔

ف بعض نے فرمایا ہے کہ تصریف الریاح کا مطلب یہ ہے کہ کبھی ان ہواؤں کو رحمت اور کبھی ان کو عذاب بنا دیا گیا ہے **اللہ تعالیٰ کے لشکر** حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہوا اور پانی اللہ تعالےٰ کے لشکر ہیں

ف ۱۔ ریح کو ریح اس لیے کہتے ہیں کہ یہ نفوس کو راحت پہنچاتی ہے

۲ حضرت وکیع بن جراح فرماتے ہیں کہ اگر ہوائیں نہ چلیں اور مکھیاں نہ ہوں تو دنیا بدبو سے بھر جائے ۔

۳ شریح قاضی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ہوائیں بیمار کو تندرست اور تندرست کو بیمار بنانے کے لیے چلتی ہیں

۴ یہی چار ہوائیں بادل کی بارش میں کام کرتی ہیں مثلاً

۱ صبا بادل کو ابھارتی ہے

۲ باد جنوبی بادل کو بارش لانے کی قدرت دیتی ہے

۳ باد غربی اس کے اندر نفع پیدا کرتی ہے

۴ باد شمالی بادل کو منتشر کرتی ہے ۔

۵ ہواؤں کی اصولی ہوائیں یہی چار ہیں

۱ باد شمالی جو شمال کی طرف سے آتی ہے

۲ جنوبی اس کی بالمقابل کو کہا جاتا ہے ۔

۳ باد صبا جوکہ از جانب مشرق چلتی ہے

۴ باد دبور اس کی بالمقابل کا نام ہے

۵ ہر وہ ہوا ہے جو دو ہواؤں کے چلنے کے درمیان سے چلے اسے نکبا (ٹیڑھی چلنے والی) کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ ان چاروں کے چلنے کے مقام سے روگردانی کر کے چلتی ہے۔

۶ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہوا آٹھ قسم کی ہے چار رحمت کی چار عذاب کی۔ رحمت کی چار یہ ہیں۔

۱ الناشرات یہی بہت بڑی خوش ہوائیں ہیں

۲ المبشرات جو بادل کو ابھارتی ہیں

۳ اللورقح یہ درختوں کے اندر پھل پیدا کرتی ہیں

۴ الذاریات یہ مٹی وغیرہ اڑاتی ہیں۔

اور عذاب کی چار ہوائیں یہ ہیں:

۱ الصرصر

۲ العقیم۔ یہ دونوں جنگلوں میں ہوتی ہیں

۳ العاصف

۴ القاصف۔ یہ دونوں دریاؤں میں ہوتی ہیں العقیم یہ وہ ہے کہ درختوں اور بادل وغیرہ میں کسی قسم کا فائدہ نہیں ہونے دیتی۔ العاصم ہر وہ تند ہوا جو خیمے اکھیڑ دیتی ہے

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ اس کا عطف تصریف الریاح پر ہے یعنی وہ بادل جو اللہ کے حکم سے مذلل ومنقاد ہو کر چلتے ہیں یہ اسم جنس ہے اور اس کا واحد سحابۃ آتا ہے۔

ف سحاب کو سحاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ خلا میں جلدی سے چلتا ہے گویا کہ وہ کسی شئے کو کھینچتا چلا جا رہا ہے۔

بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ یہ باعتبار لفظ کے سحاب کی صفت ہے اور کبھی اس کے معنے کا اعتبار کر کے صفت جمع لائی جاتی ہے جیسے (سَحَابًا ثِقَالًا) ثقال بمعنے لاینزل الارض ولا ینکشف یعنی ایسا بادل جو نہ زمین پر اترے اور نہ کھلے حالانکہ بادل کا طبعی تقاضہ ہے کہ وہ ان دونوں میں کوئی ایک ضرور ہو یعنی نزول وانکشاف یا اس لیے کہ وہ لطیف وخفیف ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ آسمان پر چڑھ جائے اگر وہ کثیف ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ وہ زمین پر گرے۔

لَاٰيٰتٍ اِنَّ کا اسم ہے اس پر لام داخل ہوئی ہے اس لیے کہ وہ اپنے اسم سے موخر ہو کر آیا ہے اگر وہ اپنے مقام پر ہوتا تو اس پر لام داخل نہ ہوتی اور اس کا نکرہ تفخیم کے لیے ہے کماً کمی کیفاً بھی یعنی وہ بہت بڑی آیات ہیں جو اس کی

قدرت قاہرہ اور حکمت باہرہ اور رحمت واسعہ پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ یہ اوصاف تقاضا کرتی ہیں کہ الوہیت صرف اسی ذاتِ حق کے ساتھ مخصوص ہو لِّقَوْمٍ یہ محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ آیات کی صفت اور اس کا متعلق محذوف ہے یَّعْقِلُوْنَ ○ یہ محلاً وقوع اس لیے کہ قوم کی صفت ہے یعنی یہ آیات ایسی قوم کے لیے ہیں جو ان میں تفکر کرتے اور انھیں عقول و قلوب کی آنکھوں سے دیکھتے اور ان سے عبرتیں حاصل کرتے ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظمت اور اس کی روشن حکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ ان اشیاء سے اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے اور انہی وجوہ سے اسے واحد لاشریک لہٗ مانا جاتا ہے۔

خلاصہ تفسیر اس میں مشرکین کی جہالت پر تعریض ہے جنھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی دلیل مانگی تھی جو دالٰھکم الٰہ واحد کی تصدیق کرتی ہو ان آیات کو بیان فرما کر ایک طرف توحید کی دلیل دی گئی دوسری طرف کافروں کی بے وقوفی پر مہر ثبت کی گئی اس لیے کہ اگر انھیں عقل ہے تو مذکورہ بالا دلائل کافی ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خرابی ہو ہر اس شخص کو جو یہ آیت پڑھتا ہے تو اسے تھوک دیتا ہے یعنی اس کی حقیقت پر غور نہیں کرتا۔

ف لفظ المج حدیث مذکور میں واقع ہوا ہے لغت میں تھوک وغیرہ منہ سے پھینکنے کو کہتے ہیں

سوال مج جب خود متعدی ہے تو پھر اسے حدیث شریف میں باء کے ساتھ کیوں استعمال کیا گیا۔ مج بھا

جواب یہاں پر رمی کے معنے کو متضمن ہونے کی وجہ سے باء سے متعدی کیا گیا ہے یعنی اس کے عدم اعتبار و عدم اعتماد کی وجہ سے اس لیے کہ جس نے اس آیت میں تفکر کیا تو گویا اس نے پورے طور محفوظ کر لیا اور گویا اس نے منہ سے باہر نہ پھینکا۔

تفسیر صوفیانہ انما الٰھکم الٰہ واحد" رتبہ کے لحاظ سے توحید کی یہ سب سے پہلی آیت ہے یعنی سب سے قدیم توحید از جہت حق ہے نہ ہماری جہت سے کیوں کہ ہماری جہت کے لحاظ سے توحید کا پہلا رتبہ توحید الافعال کا ہے اور توحید از جہت حق یہی توحید الذات بھی کہتے ہیں توحید الذات کے بعد مقام توحید الصفات کی طرف نزول فرمایا چنانچہ الرحمٰن الرحیم سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد توحید الافعال کی طرف تاکہ توحید الافعال سے اس کی ذات کے متعلق استدلال کیا جا سکے چنانچہ فرمایا :

ان فی خلق السمٰوٰت الخ (کذا فی التاویلات القاشانیہ)

مزید تشریح انسان کے حق میں جو صفت الرحمٰن الرحیم کے نتائج ہیں وہ ان فی خلق السمٰوٰت میں بیان فرمائے ہیں۔ یعنی ان اشیاء کے پیدا کرنے کی ایک حکمت یہ ہے کہ ہر شئے اللہ تعالیٰ کی آیات کی مظہر ہو اور یہ ظاہر ہے کہ جو آیات ان اشیاء میں امانت کے طور رکھی گئی ہیں ان سے کوئی خاص مرتبہ نہیں ہوتا کیونکہ ان کا فائدہ انسان کی طرف لوٹتا ہے اس لیے کہ حضرت انسان سب کچھ سمجھتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وفی انفسہم حتی یتبین لہم انہ الحق۔

اس سے ثابت ہوا کہ تمام عالم حضرت انسان کی تبعیت میں پیدا کیا گیا ہے کیونکہ تمام عالم آیاتِ حق کا مظہر ہے۔ اور آیات انسان کی ذات کا آئینہ ہیں اور انسان معرفت حق کا خاص مظہر ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ای لیعرفون

یعنی عبادت بمعنے معرفت ہے اگر یہ انسان معرفت حق کے لیے نہ ہوتا تو اسے پیدا بھی نہ کیا جاتا اور یہ عالم حضرت انسان کے لیے نہ ہوتا تو اسے ہرگز نہ بنایا جاتا جیسا کہ حدیث قدسی میں فرمایا

لولاک لما خلقت الکون"

اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ نہ ہوتے تو میں اس عالم کو پیدا نہ فرماتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام عالم ایک آئینہ ہے کہ جس میں کمال حق اور اس کے جلال کے آیات کا ظہور ہوتا ہے۔ انسان جمال وجلال کی آیات کو آئینہ عالم میں مشاہدہ کرتا ہے اور انسان ایک ایسا آئینہ ہے کہ اس میں آئینہ عالم جو اس ظل پر ہوتا ہے کا ظہور ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وفی انفسکم افلا تبصرون

حدیث شریف من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کی یہی تحقیق ہے کہ انسان کا نفس اپنے رب کے جمال کا آئینہ ہے اور انسان کے سوا کوئی ایسا نہیں جو آئینہ حق کے ساتھ مرأۃ عالم کو بھی دیکھے اور اپنے آئینے کو بھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سنریہم آیتنا الخ

سبق انسان کو چاہیے کہ پہلے قدر پہچانے تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کا عرفان نصیب ہو آسمان وزمین اور ان کے اندر جو کچھ پیدا کیا گیا ہے یہ انسانی تخلیق کے تابع ہے۔ جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قیامت قائم نہ ہوگی جب تک اللہ اللہ کہا جائے گا یعنی انسان مرجائے گا اس لیے کہ جب تک انسان زندہ رہے تو قیامت نہیں آئے گی انسان کے مرنے کے بعد نہ آسمان رہیں گے نہ زمین۔ کیونکہ ان کا ہونا انسان کی وجہ سے تھا یہ تمام انسان کے وجود کے تابع ہیں جب متبوع یعنی انسان نہ رہے تو تابع کیسے رہ سکتا ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق سالک پر لازم ہے کہ ذکر حقیقی کے ذریعے مقصود اصلی کی طرف پہنچے کیونکہ توحید اغیار اور باطل کو مٹاتی ہے۔

حکایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوحصین سے پوچھا کہ آجکل تو کتنے معبودوں کی پرستش کرتا ہے۔ عرض کی سات معبودوں کی۔ ان میں چھ زمین میں ہیں اور صرف ایک آسمان پر آپ نے پوچھا انہیں کیسے رغبت و محبت سے پوجتا ہے عرض کی جو آسمان میں ہے آپ نے فرمایا۔ بس وہی تجھے کافی ہے پھر فرمایا اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تجھے ایسے دو کلمات سکھاؤں گا کہ تجھے ہمیشہ فائدہ دیتے رہیں گے جب وہ مسلمان ہوئے تو عرض کی یا رسول اللہ! مجھے وہ دو کلمات سکھائیے جن کا آپ نے وعدہ فرمایا آپ نے فرمایا وہ کلمات یہ ہیں۔

اللھم الھمنی رشدی واعذنی من شر نفسی اے اللہ مجھے میری ہدایت بتا دے اور مجھے نفس کی شر سے بچا لے۔

تفسیر عالمانہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اور ان میں بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالےٰ کے ماسوا کو معبود بناتے ہیں من دون میں منْ ابتدا الغایۃ کے لیے ہے اور دون دراصل ظرف مکان ہے لیکن یہاں پر مجازاً بمعنے غیر کے مستعمل ہوا ہے اور اتخاذ بمعنے القنع والعمل کے ہے اور وہ یہاں پر ایک مفعول کی طرف متعدی ہوا ہے اور اس کا مفعول انداداً ہے اس سے مراد بُت اس لیے کہ وہ ایک دوسرے کے ہم مثل تھے یا اس لیے کہ وہ اپنے ظن فاسد کی بنا پر انھیں اللہ تعالیٰ کا ہم مثل مانتے۔ یعنی ان سے ہی نفع اور نقصان کی امید رکھتے اور اپنی منذوبات انھیں پیش کرتے اور ان سے ہی قربت کے متلاشی رہتے تھے۔

ف اس سے معلوم ہوا کہ یحبونھم میں ضمیر عقلاء کی اسی لئے ہے کہ وہ مشرکین اپنے غلط خیال اور فاسد گمان کے تحت انھیں عقلاء سمجھ کر ان سے ذوی العقول جیسا معاملہ کرتے یا اس لیے کہ ضمیر ذوی العقول سے ان کے وہ لیڈر مراد ہیں کہ جن کی وہ اطاعت کرتے تھے

فائدہ صوفیانہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ دونوں تقریروں سے ایک اور تقریر بہتر ہے وہ یہ کہ انداداً سے ہر وہ شے مراد ہے جو اللہ تعالےٰ کے ذکر سے غافل کر دے اس تقریر پر یہ معنے ان دونوں سے اتم ہے اس لیے صوفیاء اور عارفین فرماتے ہیں کہ ہر وہ شے جو تیرے دل میں ذکر الٰہی سے غافل کر دے اس سے سمجھنا چاہیے کہ ہم نے اپنے دل میں نفسانی خواہشات اللہ تعالیٰ کے شریک کو بٹھایا ہوا ہے اس تقریر کی تائید آیت افرأیت من اتخذ الھہ ھواہ سے بھی ہوتی ہے

اَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ یہ جملہ انداداً کی صفت ہے یعنی ان بتوں کی تعظیم و تکریم کرتے اور ان کے سامنے جھکتے اور ان کی اطاعت ایسے کرتے ہیں جیسے محبوب کی اطاعت کی جاتی ہے كَحُبِّ اللّٰهِ یعنی ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ سے محبت کی جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بتوں کو اللہ تعالےٰ کے برابر مانتے ہیں طاعت و تعظیم میں اس تشبیہ سے مقصود صرف وہ وصف ہے جو قوت وضعف پر دلالت کرتی ہے لیکن اس سے مراد معبودوں کو اللہ تعالےٰ کے برابر کا شریک ماننا ہے

سوال اگر وہ معبودوں کو اللہ تعالےٰ کے برابر شریک مانتے تھے تو پھر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے قرار کا کیا معنے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ہے: ولئن سالتھم من خلق السموات والارض لیقولن اللہ۔

جواب معبودوں کو جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے برابر کا شریک تعظیم وعبادت میں مان لیا تو اب اللہ تعالےٰ کی ربوبیت کا اقرار کسی قسم کا فائدہ نہیں دے گا۔

ف حُبّ کا مادہ حَبّ (بفتح الحاء) بمعنے دانہ۔ جیسے کہا جاتا ہے حبۃ الحنطۃ (گندم کا دانہ) حبۃ الشعیر (جو کا دانہ)

سوال دانہ کو محبت سے کیا نسبت؟

جواب حبّ القلب سے قلب کی نقط مراد ہے اور اسے دانہ سے قوی مشابہت ہے بایں معنی کہ دانے میں نشاہ مبداء کا مادہ ہے اور قلب میں بھی آثار مجلیہ کے جمع رکھنے کا اثر ہے اسی لیے یہ لفظ اس کے لیے استعارہ کیا گیا ہے پھر اس سے مجازاً میلان القلب کے معنے میں آتا ہے کیونکہ قلبی میلان اس پر اثر انداز اور اس کے اندر راسخ ہوتا ہے ۔

مسئلہ محبۃ العبد کا معنے یہ ہے کہ وہ اپنے مطیع بندے کی تعظیم و اکرام اور اسے طاعت کی توفیق دینے اور اسے گناہوں سے بچانے کا ارادہ رکھے اس کے بعد بندوں کی محبت کی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے ۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ اور ایمان والے اللہ تعالیٰ سے بہت محبت کرتے ہیں بہ نسبت کفار کے۔ جو کہ وہ اپنے معبودوں سے محبت کرتے ہیں کیونکہ اہل ایمان کی اللہ تعالیٰ سے محبت غیر منقطع ہے بخلاف بت کے پجاریوں کی بتوں سے محبت کے کہ وہ ٹوٹ جاتی ہے اس لیے کہ ان کی محبت کسی غلط غرض اور فاسد مقصد کے تحت ہوتی ہے اور وہ معمولی سی ٹھوکر سے مٹ جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب انہیں مصائب و شدائد ستاتے تو وہ اپنے بتوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگ کر آجاتے اور یہ بھی ہوتا کہ ایک عرصہ تک کسی بت کو پوجتے جب کوئی دوسرا انہیں اچھا لگتا تو پہلے بت کو چھوڑ کر دوسرے کی پرستش میں لگ جاتے ۔

اعجوبہ باہلہ قبیلہ کے لوگوں نے خس سے بت تیار کیا لیکن قحط سالی کے دوران اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھا گئے

وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اور اگر جان لیں یہ لوگ جنہوں نے معبودان باطلہ کو اپنا معبود بنا کر ایک غیر مستحق کو اس کے غیر مقام میں رکھ کر ظلم کیا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ جب کہ اس عذاب کو دیکھیں گے جو قیامت میں ان کے لیے تیار کیا گیا ہے یہاں رویۃ بالعین مراد ہے اِنَّ الْقُوَّةَ بے شک قوت اور غلبہ و قدرت لِلّٰهِ جَمِيْعًا سب کی سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور جمیعًا جملہ سے حال واقع ہے اور جملہ یریٰ کے دو مفعول کے قائم مقام ہے وَاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ اور بے شک اللہ تعالےٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ اس کا عطف وان القوۃ للّٰہ الخ پر ہے۔ ایسی تاکید سے معاملہ کو سخت بتانے اور امر کو خوفناک بنانے میں مبالغہ مطلوب ہے اس لیے کہ اختصاص القوۃ بباری تعالیٰ اس کا مقتضی نہیں کہ خواہ مخواہ وہ سخت عذاب دینے والا ہو اس لیے کہ یہ بھی تو ہے کہ وہ معاف فرمادے باوجودیکہ اس کو قدرت ہے اور لو کا جواب محذوف ہے اب عبارت یوں ہو گی لو یعلم ھٰؤلاء الخ اگر انہیں نے یعنی جنہوں نے شرک کر کے ظلم کا ارتکاب کیا ہے علم ہوتا کہ تمام قوت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور وہ ہر شئے پر قادر ہے ثواب اور عذاب دینے میں ہر شئے پہ قادر ہے (نہ کہ معبودان باطلہ) اور اگر انہیں معلوم ہوتا کہ ظالموں کو کتنا سخت عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے جب کہ وہ قیامت میں عذاب کو دیکھیں گے تو بتوں کی پرستش سے نادم ہوتے اور حسرت کرتے اور جیسے اب وہ اپنے بتوں کو سمجھتے ہیں اس سے دور ہو جاتے اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا یہ اذ یرون سے بدل ہے۔ تبری بمعنے تخلص اور التفصی والتنصل کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے یعنی ہر اس چیز سے (کہ جس کے ساتھ رہنے سے طبیعت کو نفرت ہو) دوری اختیار کریں گے مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا ان لوگوں سے جنھوں نے ان کی تابعداری کی یعنی ان سے جن کے تابعدار

رب ہے اور وہ اپنے تابعداروں کے سامنے اعتراف کریں گے کہ جن باتوں کا ہم دنیا میں دعوے کرتے ہیں اسی طرح کفر کے مختلف اطوار اور گمراہی کی طرف بلاتے تھے اب وہ ہمارے تمام دعاوی اور امور باطل ہو گئے یہاں تک کہ وہ لیڈر اپنے تابعداروں کے ساتھ نہ صرف بیٹھنے سے نفرت کریں گے بلکہ ان پر لعنت کریں گے وَرَاَوُا الْعَذَابَ اور جب کہ عذاب دیکھیں گے۔ اس میں واؤ حالیہ ہے اور لفظ قد یہاں پر محذوف ہے یعنی اپنے تابعداروں سے عذاب کو دیکھتے ہی بیزار ہو جائیں گے۔ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ اس کا عطف تبرا پر ہے اور ان سے ان کے اسباب منقطع ہو جائیں گے۔

سوال معطوف و معطوف علیہ کے درمیان میں جملہ حالیہ لانے کا کیا فائدہ؟

جواب تاکہ ان سے بیزاری کی علت پر تنبیہ ہو یعنی ان سے وہ واسطے اور ذرائع ٹوٹ جائیں گے کہ جن سے وہ ایک دین پر تھے اسی طرح ان کی رشتہ داریاں اور محبت کی تعلق داریاں اور ایک دوسرے کی اتباع واستتباع ختم ہو جائے گی اور باء بھم میں بمعنے عن ہے جیسے اللہ کے ارشاد گرامی میں ہے کہ فاسئل بہ خبیرا ای فسئل عنہ الخ یہ باء سببیہ ہے اب معنے یہ ہو گا بسبب کفر کے یعنی ان کے آپس کے وہ تعلقات ختم ہو جائیں گے جن کی وجہ سے اس امید میں تھے کہ انھیں نجات نصیب ہو گی یا یہ باء تعدیہ کی ہے یعنی قطعتھم الاسباب جیسے کہ ہے تصرقت بھم الطریق میں ہے بمعنے فرقتھم الطریق كَمَا تَبَرَّؤُا مِنَّا جیسے آج وہ ہم سے بیزار ہو گئے یہ کاف منصوب المحل ہے اس لیے کہ یہ صفت ہے اور اس کا موصوف مصدر محذوف ہے كَذٰلِكَ یعنی ان کو خوفناک حالات دکھانا یعنی ان پر عذاب کا نزول اور ان کا ایک دوسرے سے بیزار ہونا يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ انھیں اللہ تعالٰی ان کے اعمال حسرتیں اور ندامتیں بنا کر دکھائے گا۔ الحسرۃ بمعنے شدۃ الندامت والکمد کو کہتے ہیں اور کمد بمعنے دل کا دکھ یعنی وہ باتیں کھل کر سامنے آجائیں گی جو ان کے دلوں کی جلن اور دکھ اور درد میں اضافہ کریں گی اور وہ اپنی حسرت میں نادم اور رسوا رہ جائیں گے جیسا کہ جانوروں میں ایک کمزور جانور کی حالت ہوتی ہے جبکہ اس کی قوت وطاقت نے جواب دے دیا ہو تو اب اس سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ دراصل الحسر الکشف کو کہتے ہیں اور ہر اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو اپنی مطلوبہ شئے سے محروم ہو اور ندامت لازم ہو جائے اگر رویت سے مراد رویت بصری ہے تو حسرات اعمالھم سے حال واقع ہے اب معنے یہ ہو گا کہ وہ اپنے اعمال حسرتوں سے نہ دیکھیں گے اور اگر رویت سے رویت قلبی مراد ہے تو حسرات یری کا تیسرا مفعول ہے اور علیھم یا تو حسرات کے متعلق ہے اور اس کا مضاف محذوف ہے یعنی وہ اپنی کوتاہی سے حسرت کریں گے یا اس کا متعلق محذوف ہے اور یا اپنے متعلق سے مل کر منصوب ہو گا اور حسرات کی صفت ہو گی۔ ای حسرات مستولیۃ علیھم یعنی ان پر حسرتیں غالب ہوں گی اس لیے کہ وہ نیکیاں جو انھوں نے کیں کفر کی وجہ سے ضائع ہو جائیں گی اس کے بعد وہ حسرت کریں گے اس پر جو وہ نیکیاں ان سے ضائع ہوں گی اور ان پر ان کے کردار کی ڈائری کھل جائے گی حسرت کرتے ہوئے کہیں گے کاش کہ ہم یہ عمل نہ کرتے ۔

ف حضرت سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہیں بہشت دکھائی جائے گی وہ بہشت کو اور اس کے اندر کے مکانات دیکھیں گے تو افسوس کرتے ہوئے کہیں گے کاش ہم بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے پھر انہیں کہا جائے گا کہ یہ محلات تمہارے تھے لیکن چونکہ تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اس لیے اب تمہارے محلات مؤمنوں پر تقسیم کر دیئے گئے ہیں یہ اس وقت کہا جائے گا جب کہ وہ ندامت و حسرت کریں گے

وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ النَّارِ ، اور وہ جہنم سے ہرگز نہیں نکلیں گے اس لیے کہ وہ اسی لیے پیدا کیے گئے ہیں

حدیث شریف میں ہے کہ دوزخیوں کو دوزخ کی طرف دھکیلا جائے گا تو دوزخ ان کے ہر عضو کو چمٹ جائے گی کوئی عضو بھی اس کی گرفت سے نہیں بچ سکے گا ایک طرف دوزخی کو سانپ ڈنس لگائے گا دوسری طرف فرشتہ چابک مارے گا جب اسے فرشتہ مارے گا تو جہنم کے گڑھے کے اندر چالیس روز کی راہ تک دھنس جائے گا ابھی وہ قرار نہ پائے گا تو پھر اسے فرشتہ چابک مارے گا پھر وہ جہنم میں دھنس جائے گا پھر جب وہ جہنم سے سر باہر نکالے گا تو اسی طرح پھر فرشتہ چابک مارے گا اور جب اس کا چمڑا جہنم کی آگ سے سڑ جائے گا تو از سر نو تیار ہو جائے گا۔ کما قال تعالیٰ ۔ کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلودا غیرھا لیذوقوا العذاب۔

جب ان کے چمڑے پک جائیں گے تو پھر ان کے دوسرے چمڑے تبدیل کر دیں گے تاکہ عذاب چکھیں اس پر کوئی کافر پیاسا ہو کر پانی مانگے گا تو اسے گرم پانی دیا جائے گا جب وہ گرم پانی اس کے منہ کے قریب لایا جائے گا تو پانی ایسا گرم ہو گا کہ اس کے چمڑے کو ادھیڑ کر رکھ دے گا اس کے باوجود کافر پانی منہ میں ڈالے گا تو پانی کی گرمی سے اس کی داڑھیں اکھڑ جائیں گی جب وہ پیٹ میں پہنچے گا تو اس کی آنتیں گل سڑ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی اور چمڑا ادھڑ جائے گا اسی طرح انہیں جہنم کی سزا ملے گی اس پر وہ نہ مریں گے نہ جئیں گے اور نہ ہی انہیں جہنم سے نکالا جائے گا۔

حدیث شریف حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں حکم فرمائے گا کہ جس نے اپنے جس کو بتوں کے لیے جلایا تھا وہ خود بتوں سمیت دوزخ میں داخل ہو تو وہ دوزخ میں نہیں جائیں گے صرف اس خطرہ سے کہ انہیں تو دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہنا ہے اس کے بعد اللہ تعالےٰ کفار کے سامنے اہل ایمان کو فرمائے گا تم اے مسلمانو جہنم میں داخل ہو جاؤ اہل ایمان سنتے ہی جہنم میں چھلانگ لگا دیں گے اس پر عرش الٰہی کے نیچے سے آواز آئے گی ۔

اہل ایمان اللہ تعالےٰ سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالےٰ اولاً ان سے محبت کرتا ہے پھر وہ اللہ تعالےٰ سے محبت کرتے ہیں جس کے لیے اللہ تعالےٰ نے محبت کی گواہی دی محبت میں کامل ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: والذین آمنوا اشد الخ

تفسیر صوفیانہ جو شخص ازل سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا اہل نہیں تھا اسے عزت و محبت اصنام کی طرف دھکیل دیتی ہے اسے محبت ماسوی اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جسے نفسانی محبت کے سپرد کیا جاتا ہے تو وہ اصنام میں سے ہوائے نفس کی محبت میں پھنس جاتا ہے جیسے کفار میں سے کوئی لات کی محبت میں گرفتار ہو کر اس کی عبادت میں مصروف تھا کوئی اولاد

باقی صہ ۶۲

يَاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ
مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا
قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ
اٰبَاۗؤُھُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا
يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

ترجمہ : اسے لوگوں کھاؤ جو کچھ زمین میں طیب حلال ہے اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے بے شک وہ تمھیں برائی اور بے حیائی کا حکم دے گا اور کہے گا کہ اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشی کرو جس کا تمھارے پاس علم بھی نہیں اور جب ان سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کسی شے کو سمجھتے اور نہ ہدایت یافتہ تھے اور کافروں کی کہاوت اس شخص جیسی ہے جو ایسے کو پکارے جو چیخ و پکار کے سوا کچھ نہیں سنتا۔ کافر بہرے، گونگے، اندھے ہیں وہ تو کچھ نہیں سمجھتے۔ ہے حلال

بقیہ صفحہ ۶۱

کی محبت میں مبتلا ہو کر گویا ان کی پرستش میں لگا رہتا اور قاعدہ ہے کہ اولاد و اموال اور ازواج کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت سے روکتی ہے اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے وہ ماسوی اللہ کی محبت کو عداوت سمجھتا ہے جیسے سیدنا خلیل علیہ السلام نے فرمایا فانھم عدو لی الا رب العالمین جو بھی ازل سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا اہل تھا تو اسے عنایت ربانی نے اپنی طرف کھینچا تو اس پر جلوہ حق متجلی ہوا جس سے اس محبت کے آثار اس کے قلب کے آئینہ پر منعکس ہو جاتے ہیں پھر اسے ماسوی اللہ سے کسی قسم کا تعلق نہیں رہتا کیونکہ ایسی محبت عالم وحدت سے ہوتی ہے اس لیے کہ وہ غیر کی شرکت کو قبول نہیں کرتی۔
دشمنوں نے فانی محبت سے بتوں سے محبت کی اور اللہ والوں نے باقی اور ربانی محبت سے اللہ تعالیٰ سے محبت کی بلکہ انہوں نے اپنے جمیع اجزا فانی اور باقی سے اللہ تعالیٰ سے محبت کی اللھم اوصلنا الی حقیقۃ المحبۃ والیقین التمکین اے اللہ ہمیں محبت اور یقین و تمکین کی حقیقت تک پہنچا۔ آمین۔

تفسیر عالمانہ يَاَيُّهَا النَّاسُ

شان نزول یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جنھوں نے اپنے اوپر بہترین خوراک و پوشاک کو حرام قرار دیا اے لوگو! كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ کھاؤ اس سے جو زمین میں ہے یعنی اس کے بعض اجزا کو جو کھانے کے اقسام میں سے ہیں کیونکہ زمین کے تمام اجزا کو نہیں کھایا جاتا حَلٰلًا یہ اسم موصول سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ شے جو حلال ہو۔ حلال ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس سے رکاوٹ کی

ہر عقد ہٹ جائے طَيِّبًا ہر شک و شبہ سے پاک ہو یہ حلالاً کی صفت ہے یا حلال ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جسے شرع اچھا سمجھے اور اچھی ہر وہ شے ہے جسے طبع مستقیم چاہے یعنی اس سے طبیعت کو لذت حاصل ہو ۔

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو الخطوۃ ۔ بالفتح المرۃ من نقل القدم یعنی قدم کو ایک بار اٹھانا اور بالضم ہر تو چلنے والے کے ہر دونوں قدموں کے بعد و مسافت کے معنی میں ہوگا مثلاً کہا جاتا ہے ۔ اتبع خطواتہ و وطی علی عقبہ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کی اقتدا کر کے اس کے طریقے کو اپنائے اب آیت کا معنٰی یہ ہوگا کہ اتباع ہوئی میں ان کے نشانات اور ان کے مذہب پر نہ چلو یعنی شیطان کے وساوس پر چل کر حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کرو ۔ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ بے شک وہ تمہارا دشمن ہے ۔ وَلَا تَتَّبِعُوا شیطان کی دشمنی کی علت ہے یعنی شیطان تمہارے ساتھ کھلی دشمنی رکھتا ہے اور یہ صاحب بصیرت کو معلوم ہے ہاں جو خواشات نفسانیہ میں غرق ہے اسے کوئی علم نہیں بلکہ وہ تو شیطان کا گہرا دوست ہے ۔ شیطان اسے نفسانی خواہشات کی طرف ابھار کر غلط ارادوں اور گندی لذتوں کی طرف لے جاتا ہے

ف : مبین ابان سے مشتق ہے بمعنے بان ظہر لیکن امام واحدی فرماتے ہیں کہ اَبَانَ خود متعدی ہے اب معنٰی یہ ہوگا کہ شیطان نے تمہارے لیے دشمنی ظاہر کر دی جب کہ اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور ان کے بہشت سے نکالے جانے کا سبب بنا

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بے شک وہ تمہیں حکم دیتا ہے یعنی وسوسہ ڈالتا ہے ۔

سوال : شیطان کے وسوسہ کو امر سے کیوں تشبیہ دی ہے

جواب : شیطان وسوسہ ڈال کر انسان پر مسلط ہو جاتا ہے گویا یہ اس کا حکم و امر ہے شیطان کے وسوسہ کو قبول کرنے اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ گویا یہ اس کا مطیع ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ شیطان کے تابع فرمان ہیں ۔ عقل و فکر کی دنیا سے گئے گزرے ہوگئے اس سے ان کے عقل کی کمزوری اور ان کی شان کی کمی کی طرف اشارہ ہے

بِالسُّوْٓءِ ۔ سُوْءٌ ہر اس خرابی کو کہتے ہیں جس کا انجام برا ہو پھر اس کا ہر گناہ پر اطلاق ہوتا ہے وہ اعمال جوارح سے ہوں یا قلوب سے کیونکہ ان ہر دونوں کے افعال انسان کو دکھ اور غم پہنچانے میں اشتراک ہے وَالْفَحْشَآءِ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے یعنی انواع معاصی میں زیادہ قبیح اور بہت زیادہ برا اس معنی پر زنا اور بخل وغیرہ فواحش میں داخل ہیں اسی طرح ہر قبیح گناہ فاحش ہے

ف : لغت کی اصل وضع میں الفحشاء مجاوزۃ القدر فی کل شیء کو کہتے ہیں

ف : قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ تعالے نے فرمایا کہ سُوء اور فحشاء میں بحسب المفہوم فرق ہے ورنہ ذاتی طور وہ ایک ہیں

سوال : گناہ کو سوء کیوں کہا جاتا ہے ۔

جواب : اس لیے کہ گناہ بندے کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے اور فحشاء کو بھی اسی لیے فحشاء کہا جاتا ہے کہ یہ انسان کو قبیح کر دیتا ہے اور ان دونوں یعنی سوء و فحشاء سے معصیت کو موصوف کرنا زید عدل کی طرح مبالغہ ہے ۔

وَ اَنْ تَقُوْلُوْا یعنی شیطان تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم افترا کرو عَلَی اللّٰہِ اللہ پر بایں طور کہو کہ فلاں فلاں شے کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا یا فلاں پر حرام کیا ہے ۔ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ہ وہ جو تم نہیں جانتے کہ نا معلوم اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یا نہ یہ شیطان کے قبائح سے قبیح تر ہے اس لیے کہ ان اوصاف سے اللہ تعالےٰ کو موصوف کرنا جو اس کی شان کے لائق نہیں بہت بڑا گناہ ہے جیسے فحشاء گناہوں کے انواع سے بہت قبیح ہے اسی طرح یہ

سوال : ہمیں شیطان ان برائیوں کا کیسے حکم دیتا ہے جب کہ نہ ہم اس کو دیکھتے ہیں اور نہ اس کا کلام سنتے ہیں اسی طرح اس کے وسوسہ کا کیا معنیٰ یا اس کا ہمارے دل میں پہنچنا کیسی بات ہے

جواب : اس کا ایک خفی کلام ہے جسے صرف قلب سنتا ہے اور سنتے ہی قلب اور طبع اس کی طرف جھک جاتی ہے بعض نے کہا کہ وہ بنو آدم کے اندر گھس جاتا ہے اس لیے کہ وہ جسم لطیف ہے جاتے ہی وسوسہ یعنی ردی افکار نفس پر ڈالتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یوسوس فی صدور الناس ۔

حدیث شریف : حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے ایک دعا یہ بھی تھی : اللہم اعمر قلبی من وساوس ذکرک واطرد عنی وساوس الشیطان اے اللہ میرا قلب اپنے ذکر کے افکار سے معمور اور میرے قلب سے شیطان کے غلط افکار کو دور فرما دے ۔

شیطان کے وسوسہ ڈالنے کے مراتب ستہ آکام المرجان میں ہے کہ شیطان انسان کو چھ باتوں میں مبتلا کرتا ہے

۱ ۔ سب سے پہلے انسان کے لیے یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ کفر و شرک اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں مبتلا ہو جائے جب شیطان ابن آدم پر اس کارروائی سے کامیاب ہو جاتا ہے تو شیطان اپنی جد و جہد کی تھکان اتارتا ہے اس لیے کہ وہ منزل مقصود کی آخری منزل تک پہنچ گیا ہے اور یہی اس کا پہلا کام ہے جو انسان پر گزرتا ہے اور اس کے لیے سر توڑ کوشش کرتا ہے ۔

۲ ۔ اگر کوئی اس کے اس حملہ سے بچ جاتا ہے تو پھر اسے بدعت (سیئہ) کی طرف کھینچ لانے کے در پے ہوتا ہے اور یہ شغلہ اس کے لیے دیگر فسق و فجور اور معاصی سے زیادہ محبوب ہوتا ہے اس لیے کہ فسق و فجور و دیگر معاصی کی توبہ منظور ہو جاتی ہے لیکن بدعت کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ بدعتی اپنی اس بدعت سیئہ کو حقیقت صحیحہ یقین کر کے اس کا دائمی طور مرتکب رہتا ہے جس کی وجہ سے اسے توبہ نصیب نہیں ہوتی ۔

۳ ۔ جب شیطان کسی سے بدعت (سیئہ) کے ارتکاب سے عاجز آ جاتا ہے کہ با وجود سعی بسیار کے وہ شخص بدعت سیئہ نہیں کرتا تو اسے گناہ کبیرہ کرنے پر مجبور کرتا ہے اور گناہ کبیرہ کے کئی اقسام ہیں ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب سہی ۔

۴ ۔ جب کوئی کبیرہ گناہ بھی نہیں کرتا تو اس کے متعلق صغیرہ گناہ کرنے کی کوشش کرتا ہے جو کہ چند صغائر کے اجتماع سے گناہ کبیرہ بن جاتا ہے ۔

ف : یاد رہے کہ گناہ کبیرہ مہلک شے ہے چنانچہ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : وایاکم ومحقرات الذنوب چھوٹے چھوٹے

گناہوں سے بچو اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص جنگل میں کسی مقام پر اترے تو اس نے اپنی ضروریات کے لیے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں جمع کی اس سے آگ جلائی اور اپنا طعام وغیرہ پکایا دیکھیے ان چھوٹی لکڑیوں سے ہی بڑی آگ تیار ہوئی اسی طرح صغائر کی کیفیت ہے کہ اس سے انسان کا بڑا نقصان ہوتا ہے

۵۔ جب کوئی انسان شیطان کے صغائر گناہ کرانے سے بچ جاتا ہے تو اسے مباح فعل میں مشغول کرتا ہے وہ صرف اس خیال پر کہ اس میں ثواب نہیں تو گناہ بھی نہیں لیکن اسے معلوم ہے کہ اس کا عذاب تھوڑا ہے کہ وہ ایک ثواب کی نعمت سے محروم ہو گیا۔

۶۔ اگر اس سے یہ بھی نہ ہو تو اسے افضل عمل سے محروم کر کے فاضل عمل میں مشغول کرتا ہے اسی طرح فاضل عمل سے مفضول میں۔ شیطان کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ انسان کو سستی و غفلت کی عادت پڑ جاتی ہے مثلاً افضل کو چھوڑ کر فاضل کو لے گا تو مرتبہ گھٹ گیا اسی طرح فاضل کو چھوڑ کر مفضول کو لے گا تو بھی مرتبہ کم ہو گیا اس کے بعد سستی سوار ہو گئی مشقت سے گھبرائے گا مثلاً جسے سو رکعت پڑھنے کی عادت ہے اسے ایک دوگانہ بڑی بات نہیں لیکن جب مشقت سمجھ کر سو کی بجائے ایک دوگانہ پڑھا تو شیطان کو گمراہ کرنے کا موقع مل گیا اس کے بعد سے عبادت سے نفرت کے مواقع ڈھونڈے گا پھر مشقت کے خطرے کے بعد نفرت میں مبتلا ہو گا جس سے شیطان اپنا کام بنا لے گا یعنی انسان کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

شیطان کی تخلیق کا موجب

شیطان کو صرف اس لیے پیدا کیا گیا تاکہ نیک اور بد میں امتیاز ہو حضرات انبیاء علیہم السلام کو پیدا کیا تاکہ نیک لوگ ان کی اقتدا کریں اور ابلیس کو پیدا کیا تاکہ بدبخت اس کی پیروی کریں اس طرح سے نیک اور بد کے درمیان امتیاز ہو گا ابلیس جہنم اور اختلافات کا رہبر اور دلال ہے اور اس کا سامان دنیا ہے جب اس نے اسے ... کے سامنے پیش کیا تو کفار نے پوچھا اس کا ثمن کیا ہے شیطان نے کہا اس کا ثمن ہے دین یعنی دنیا لو اور دین چھوڑ دو انھوں نے دین دے کر دنیا لے لی۔ زاہدوں نے دنیا دے کر دین کو حاصل کیا اور طالبین دنیا نے دنیا کو تو لے لیا لیکن دین کو نہ چھوڑا انھوں نے ابلیس سے کہا کہ تمھیں تو کچھ دنیا چکھنے کے لیے دیجیے اس نے کہا دیتا ہوں لیکن کوئی شے میرے پاس گروی رکھو انھوں نے کہا ہماری آنکھیں اور کان حاضر ہیں شیطان نے دنیا کے طالبین سے آنکھیں اور کان گروی رکھ کر دنیا صرف چکھنے کے لیے دے دی یہی وجہ ہے کہ طالب دنیا دنیوی باتوں کے سننے اور اس کی زیب و زینت کا عاشق ہوتا ہے اس لیے کہ اس کی آنکھیں اور کان شیطان کے ہاں گرو ہیں جب اس نے یہ دونوں چیزیں اس سے قبض کر لیں تو اب اہل دنیا نہ تو اللہ والوں سے دنیا کی مذمت سن سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے قبائح دیکھ سکتے ہیں بلکہ اس کے انہماک میں مست اور اس کے عجائبات اور اسباب میں پھنسے رہتے ہیں

حدیث شریف میں ہے تجھے جس سے محبت ہو جاتی ہے پھر اس کے عیوب دیکھنے سے اندھا اور نقائص سننے سے بہرہ ہو جاتا ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ دنیا کو ترک کرے اور اس سے روگردانی کر کے اس سے صرف لقمہ حلال حاصل کرنے کی کوشش کرے

مسئلہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حلال لقمہ وہ ہے کہ جس کے متعلق قیامت میں پرسش نہ ہو اور پرسش ہر اس عمل کے لیے نہیں ہوگی جس کے بغیر انسان کا گزارہ نہ ہو

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کی ضرورت کی اشیاء عنایت فرماتا ہے مثلاً کپڑا کہ جس سے بدن ڈھانپ سکے اور روٹی کہ جس سے پیٹ کی بھوک مٹا سکے اور گھر پرندے کے گھونسلے کی طرح بنائے کہ جس میں وہ زندگی بسر کر سکے عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمک کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے آپ نے فرمایا نمک کے متعلق بھی قیامت میں سوال ہوگا جب کہ ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے۔

تفسیر صوفیانہ حلال وہ ہے جس کا کھانا اللہ تعالیٰ نے مباح فرمایا اور طیب وہ ہے جس میں خلق خدا کے حقوق کا اشتباہ نہ ہو اور نہ ہی اس میں خطِ نفس کو دخل ہو اس سے معلوم ہوا کہ ہر طیب حلال ہے لیکن ہر حلال طیب نہیں اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ طیب ہے اور صرف طیب پاک اشیا کو قبول کرتا ہے کہ جن میں نہ تو عیب ہو اور نہ اس میں غیر کے حق کی ملاوٹ ہو اور یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ھُوَ حَلَالٌ نہیں کہا جاتا بخلاف اس کے کہ اسے کہا جاتا ہے ان اللہ طیب جیسے حدیث شریف میں گزرا۔

مسئلہ: جو شخص حلال کمائی کھانے کی عادت کرتا ہے اسے طاعتِ الٰہی کے لیے آسانی نصیب ہوتی ہے اور شیطان کے وساوس سے محفوظ ہو جاتا ہے لقمہ حلال کا عمل صالح کا مغز ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

علم و حکمت زاید از لقمہ حلال
عشق و رقت آید از لقمہ حلال

چون ز لقمہ تو حسد بینی و دام
جہل و غفلت زاید آنرا دان حرام

ہیچ گندم کاری و جو بر دھد
دیدۂ اسپ کہ کرہ خر دہد

لقمہ تخمست برش اندیشہا
لقمہ بحر و گوہرش اندیشہا

زاید از لقمہ حلال اندر دہان
میل خدمت عزم رفتن آن جہان

علم و حکمت لقمہ حلال سے پیدا ہوتی ہے عشق کی قوت بھی لقمہ حلال سے نصیب ہوتی ہے لقمہ سے حسد و مکر

اور جہل و غفلت پیدا ہو سمجھو وہ لقمہ حرام ہے ایسا کبھی نہیں ہو گا کہ گندم بوئی جائے اور جَو پیدا ہوں یہ بھی کہیں نہیں دیکھا گیا کہ گھوڑے کے نطفہ سے گدھا پیدا ہو لقمہ بیج ہے اور اس کا ثمر فکرات یا لقمہ دریا ہے اور اس کے موتی تفکرات نیک یا بد، لقمہ حلال منہ میں ہوتا ہے تو اس کی برکت سے آخرت کے امور کی طرف توجہ ہو جاتی ہے ۔

مسئلہ حلال رزق کے اسباب تلاش کرنا انبیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام کی سنت ہے

فوائد کسب حلال کسب حلال کے بہت سے فائدے ہیں

۱۔ اصل مال پر زیادتی جب کہ اس مال کو تجارت و زراعت اور باغات بونے میں خرچ کرتا ہے پھر اس میں صدقات ہی صدقات نصیب ہوتے ہیں مثلاً اس سے پرندے وغیرہ کھائیں گے

۲۔ لغویات و بکواسات سے حفاظت ہوتی ہے جب کہ کمانے والا اپنے کام میں مشغول ہوتا ہے

۳۔ کسر نفسی اور نفس بہت سی غلطیوں کے ارتکاب سے بچ جاتا ہے ۔

۴۔ کسب حلال فقر سے امان کا ذریعہ ہے وہ فقر جو کہ دارین میں روسیاہ بنانے کا سبب ہے

۵۔ جب بھی کوئی مزدور نیک مزدوری کے لیے چلتا ہے تو دو نگران فرشتے کہتے ہیں بارک الله لک فی حرکاتک الخ اللہ تعالیٰ تیرے جانے آنے اور کاروبار میں برکت دے اور تیرے ان معاملات کو تیرے لیے بہشت میں ذخیرہ بنائے نگران ملائکہ اور آسمان و زمین کے فرشتے آمین کہتے ہیں ۔

مسئلہ سب سے افضل کسب جہاد ہے اس کے بعد کھیتی باڑی، اس کے بعد صنعت ۔

تفسیر عالمانہ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ۔

شان نزول یہ آیت مشرکین عرب اور کفار قریش کے حق میں نازل ہوئی جب انہیں قرآن اور اللہ تعالیٰ کے باقی احکام کا حکم دیا گیا تو انکار کر گئے صرف یہ بات کہہ کر کہ ہمیں آباؤ اجداد کی تقلید کافی ہے آیت کا معنٰی یہ ہوا کہ جب مشرکین کو نصیحت و ارشاد کے طور کہا جاتا ہے کہ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ اس پر عمل کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا یعنی کتاب اللہ پر عمل کرو یعنی جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حلال فرمائی ہیں انہیں حلال اور جنھیں اس نے حرام کیا انھیں حرام سمجھو قَالُوا بَلْ کہتے ہیں یہ بل عاطفہ ہے اس کے متصل جو جملہ واقع ہے اس کا عطف اس جملہ محذوفہ پر ہے جو اس سے پہلے ہے نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا بلکہ ہم اس کی تابعداری کریں گے جس پر پایا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ط اپنے آباؤ اجداد کو وہ بتوں کو معبود بناتے اور طیبات کو حرام قرار دیتے رہے وغیرہ وغیرہ اس لیے کہ وہ ہم سے بہتر جانتے تھے اس لیے ہم اپنے آباؤ اجداد کی پیروی کو نہیں چھوڑ سکتے ۔

سبق اے عقلمندو ذرا دیکھو تو سہی ان احمقوں کو کہ حق کا کیا جواب دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے انکار و تعجب کا ہمزہ اور واؤ حالیہ سے تردید کرتے ہوئے فرمایا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ چونکہ ہمزہ صدارت اور واؤ اوسط کلام کا تقاضا کرتی ہے اسی لیے واؤ اور ہمزہ کے درمیان ایک جملہ لایا گیا تاکہ ہمزہ کی صدارت بحال رہے اب آیت کا معنٰی یہ ہوا کیا وہ اپنے آباؤ اجداد کی تابعداری

کرتے ہیں اس حال میں کہ ان کے آباؤ اجداد لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا دین کی کوئی بات بھی نہ جانتے ہوں اس لیے وہ تو صرف دنیا کی باتیں جانتے ہیں وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ۝ اور نہ ہی وہ حق اور صواب کی طرف راہ پا سکتے ہیں یعنی یہ تو نہایت ہی قبیح اور سخت غلط معاملہ ہے کہ جسے نہ کوئی عقل ہو اور نہ ہی طریق حق کی طرف راہ پا سکتا ہو اور نہ ہی کوئی صحیح بات اسے نصیب ہو تو اس کی تابعداری کی جائے۔ وَ مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اور کافروں اور ان کے داعی الی الحق کی مثال كَمَثَلِ اس راعی کی ہے الَّذِیْ یَنْعِقُ جو آواز دیتا ہے عرب کا مقولہ ہے نعق الراعی والمؤذن عین مہملہ کے ساتھ ہو تو معنے صوت اور عین معجمہ کے ساتھ کہا جاتا ہے نعق الغراب اب ینعق کا معنی ہوا یصوت یعنی آواز دیتا ہے بِمَا لَا یَسْمَعُ ساتھ اس کے کہ وہ نہیں سنتا جیسے بہائم یعنی وہ استماع کا ادراک بھی نہیں رکھتا اِلَّا دُعَآءً یعنی صرف آواز کو سنتا ہے وَّ نِدَآءً وہ صرف زجر و توبیخ کو سمجھتا ہے سوائے اس کے اسے اور کوئی سمجھ نہیں ہوتی اور نہ ہی اسے کچھ یاد رہتا ہے بخلاف عاقل کے کہ اسے سمجھ بھی ہوتی ہے اور وہ اس کا جواب بھی دیتا ہے

دُعا و نِدا میں فرق دعا قریب کے لیے ہوتی ہے اور ندا بعید کے لیے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ندا و دعا سے اعم ہے اور آیت مذکور میں تشبیہ مفرق ہے کافر کے داعی کو ناعق سے اور کافروں کے نفس کو بہائم منعوت بہا سے اور کفار کے داعی کو ناعق کی آواز سے (جو جانوروں کو آواز دیتا ہے) سے تشبیہ دی گئی ہے اب آیت کا معنیٰ یوں ہوگا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اور کفار: ان کو وعظ کرنے اور دعوت الی اللہ دیتے اور پھر ان کا ہدایت نہ پانے کی مثال اس راعی کی ہے جو بکریوں کو آواز دیتا اور ان سے کلام کرتا ہے اور انھیں کہتا ہے کھاؤ پیو اور چرو۔ حالانکہ وہ اس کی کوئی بات بھی نہیں سمجھتیں ایسے یہ کفار جانوروں کی طرح ہیں کہ وہ نہ آپ کی کوئی بات سمجھتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالےٰ کی۔

صُمٌّ وہ بہرے ہیں یعنی وہ حق کے سننے سے بہرے ہو چکے ہیں بُكْمٌ اور گونگے ہیں اس معاملہ میں کہ جس کی طرف انھیں بلایا جائے وہ اسے قبول نہیں کرتے عُمْیٌ اور وہ نابینا ہیں کہ وہ دلائل سے روگرداں ہیں گویا کہ وہ انھیں دیکھتے ہی نہیں۔

ربط جب انھیں ایسے لوگوں سے تشبیہ دی گئی جو ان تینوں (کلام، سمع و بصر) سے محروم ہیں اور ان کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان تمیز کر کے حق کو اختیار کیا جاتا ہے اب اس تشبیہ پر تفریع کرتے ہوئے فرمایا فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ پس وہ عقل نہیں رکھتے یعنی اس لیے کہ اکتساب حق نظر و استدلال سے ہوتا ہے اور جو شخص بہرے اور اندھے کی طرح ہو جائے کہ نہ دلائل دیکھے نہ سنے تو پھر وہ کیسے حق پر استدلال کر سکتا ہے اسی لیے کہاوت بن گئی من فقد حسا فقد فقد علما۔ جو حس کھو بیٹھتا ہے وہ دولت علمی سے محروم ہو جاتا ہے۔

ف آیت میں اصل عقل کی نفی نہیں کیونکہ اب کی بالکلیہ نفی ذم کی صلاحیت نہیں رکھتا اور دیتے سکھ نہیں وعظ فائدہ بھی نہیں دیگا کیونکہ ان لوگوں کے کان

؎ بمنے کوے نے کائیں کائیں کی۔

استماعِ حق سے مسدود اور ان کے اذہان قبولِ حق سے رکے ہوتے ہیں شیخ سعدی قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا ہے

فہم سخن چوں نکند مستمع
قوت طبع از متکلم مجو
فسحت میدان ارادت بیار
تا بزند مرد سخن گوی گو

ترجمہ سننے والا اگر سخن فہمی کی استعداد نہیں رکھتا تو اس سے بولنے والے کا کیا قصور اے مخاطب تم ہی اپنے ارادات کو بلند کرو تا کہ نصیحت کرنے والا کھلے دل سے نصیحت کر سکے یعنی عقل عزیزی سے حق کو حاصل کرتے

تفسیر صوفیانہ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۤؤُهُمْ میں اشارہ ہے کہ بڑے اسلاف سے منہ موڑنا چاہئے اور اہل ہوا قبیحہ اہل بدع سیئہ کی اتباع سے دور بھاگنا ضروری ہے اس لیے کہ وہ طریق حق میں سے کسی شے کو نہیں جانتے بلکہ وہ صحرائے دنیا کی محبت میں حیران و سرگردان پھرتے ہیں ان کا دعویٰ تو ہوتا ہے کہ اہل علم ہیں حالانکہ انھیں علم کی بو تک نصیب نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے علوم کو مال اور جاہ و جلال کا ذریعہ سمجھتے ہیں اہل طلب کے لیے وہ رہزن ڈاکو ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے بعض آسمانی کتب میں فرمایا کہ اس کے متعلق مت پوچھ جسے حب دنیا نے مخمور و مسحور کر ڈالا کیونکہ وہ تو میرے بندوں کے لیے رہزن اور ڈاکو ہیں ہاں جسے جادۂ حق اور شریعت کا راستہ نصیب ہے اسے طریقت کے مقامات کے راستے معلوم ہوتے ہیں ان کی اقتداء جائز ہے وہی اس کے اہل ہیں کہ ان کو حقیقت کی طرف راہ ملتا ہے نہ وہ جو کہ مدعی ہیں کہ انھیں آباء سے یہ وراثت ملی ہے انھیں راہ ہدایت سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اقتداء کے لائق ہیں۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

چوں کنعاں را طبیعت بے ہنر بود
پیمبر زادگی قدرش نیفزود
ہنر بنما اگر داری نہ گوہر
گل از خار است و ابراہیم از آزر

ترجمہ جب کنعان بن نوح نبی بے ہنر تھا تو پیغمبر زادگی سے اس کی قدر و منزلت بڑھ نہ سکی ہنر دکھا اگر کچھ تیرے پاس ہے دنیا دولت دکھانے کا کوئی فائدہ نہیں دیکھئے گل کانٹے سے اور ابراہیم علیہ السلام آزر کی برادری سے پیدا ہوئے ہیں۔

تاویلات نجمیہ کی صوفیانہ نفیس تفسیر ہے کہ عالم ارواح میں میثاق کے وقت کافروں کی مثال ایسی تھی جب اللہ تعالیٰ نے الست فرمایا تو انھوں نے اس آواز کو ایسے سنا جیسے جانور کو آواز دینے والا آواز دیتا ہے تو وہ کچھ نہیں سنتے کیونکہ وہ آخری صف میں تھے اس لیے کہ اس وقت ارواح بہت بڑے لشکر میں بٹے ہوئے تھے اس وقت ان کی چار

منقیں تھیں صف اول حضرات انبیا کرام علی نبینا وعلیہم السلام کی صف دوم حضرات اولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تیسری صف مومنین کی چوتھی کافروں کی۔ اس وقت وہ ذرات حاضر کیے گئے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں تھے ہر ذرہ کو اپنی روح کے بالمقابل کھڑا کیا گیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا الست بربکم حضرات انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کی مکمل آواز بلا واسطہ سنی اور اس کے جمال کے انوار کا بلا حجاب مشاہدہ کیا اسی وقت وہ نبوت و رسالت اور مکالمہ اور وحی کے مستحق ٹھہرے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ اللہ تعالیٰ جس سینے کو موزوں دیکھتا ہے وہاں رسالت رکھتا ہے اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور اس کے جمال کے انوار کا حجاب ارواح انبیاء علیہم السلام کے انوار سے مشاہدہ کیا اسی لیے انبیاء کرام علیہم السلام کی تابعداری کے لائق ٹھہرے اور متابعت کے حقوق کی ادائیگی کی بدولت کلام و الہام اگرچہ حجاب سے ہی کے مستحق ہوئے اور مومنیں نے بھی حق کا خطاب سنا لیکن حضرات انبیاء و اولیاء کے حجاب کے واسطہ سے اسی لیے وہ ایمان بالغیب سے نوازے گئے اور حضرات انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم السلام کی دعوت کو قبول کیا جب انہیں جبریل اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی رسالت کے پردے سے پیغامات الٰہی پہنچتے ہیں تو کہتے ہیں سمعنا و اطعنا ہم نے مانا اور اطاعت کی اس تقریر کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے ماکان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب یعنی حجاب کے واسطے سے اولیاء سے کلام کرتا ہے او یرسل رسولا یا رسول بھیجتا ہے مومنین کے لیے جب کافروں نے تین پردوں سے کلام سنا تو ان کی مثال ایسے ہوگئی جیسے کوئی آواز دے رہا ہو ایسی چیز کو کسی کی پکار کو سنتا ہی نہیں ان بیچاروں کو کمال حق کے انوار کا ذرہ بھر بھی مشاہدہ نہ ہوا اور نہ ہی وہ کلام حق کو کچھ سمجھ سکے ہاں انہیں مومنین کے ذرات کے حجاب کی آڑ میں بلیٰ کی آواز سنی گئی تو اس بنا پر اپنے آباؤ اجداد کی غلط تقلید میں پھنس گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، انا وجدنا علیہ آباءنا اور فرمایا، وانا علی آثارھم مقتدون پھر جب ان کی ارواح اجسام سے متعلق ہوئیں اور حواس کے میل کچیل اور قویٰ سے ملے اور صفات حیوانیہ کی ظلمات سے تاریکی میں پڑے اور حیوانی عادتوں اور شیطانی اخلاق کی عادت ڈالنے پر ان کے دلوں پر غفلت کا دھبہ چھا گیا اور لذات جسمانیہ میں منہمک ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھا اور بہرہ بنا دیا اس لیے اب وہ دعوت انبیاء علیہم السلام کو سماع قبول سے بہرے اور حق کی بات اور توحید کے اقرار سے گونگے اور آیات معجزات کے دیکھنے سے اندھے ہیں اس لیے اب وہ ہمیشہ ہمیشہ تک کچھ نہیں سمجھتے کیوں کہ اب انہیں اپنے عقول کی چمک کو غفلت کے دھبہ سے خراب کر دیا اور انوار روحانی کے فیوضات سے محروم ہو گئے۔

حضرت صائب نے فرمایا۔ ؎

چرا از غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب
ہمیشہ خانہ خراب خویشتنم

ترجمہ میں غیر سے کیوں شکایت کروں میری مثال حباب کی ہے کہ اس کا خانہ خراب اس کی اپنی ہوا نے کیا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

گرچہ ناصح را بُود صد داعیہ
پند را اذنے بباید واعیہ
تو بصد تلطیف پندش می دہی
او ز پندت میکند پہلو تہی
یک کس نامستمع ز استیز و رد
صد کس گوینده را عاجز کند
ز انبیا ناصح تر و خوش لہجہ تر
کے بود کہ رفت دمشاں در حجر
زانچہ کوہ و سنگ در کار آمدند
می نشد بدبخت را بکشادہ بند
آنچناں دلہا کہ بدشاں ماو منہ
نقشاں شد بل اشد قسوۃ

ترجمہ اگر ناصح کو نصیحت کے کئی اسباب حاصل ہوں لیکن اس کی نصیحت کے لیے بھی حق کو قبول کرنے والا کان ضروری ہے جب نہ ماننے والے کان ہو تو اسے کتنا بہتر نصیحت کرو وہ ہرگز نہ مانے گا ۔

سبق دانا پر ضروری ہے کہ رضائے الٰہی کے راستہ پر چل کر اپنے حال کا تدارک کرے اور گزشتہ زندگی پر ندامت کا اظہار کرے یہ محقق کامل کی ترتیب کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اس لیے عام انسان اپنے رب سے محجوب ہوتا ہے اور اس کا پردہ بھی غفلت ہے اور فضل ربانی کے بغیر یہ غفلت دور نہیں ہو سکتی ہاں اس کے ہٹانے کے اسباب بھی ہیں اور اس کا علاج سوائے تجربہ کار حکیم کے اور کوئی نہیں کر سکتا اور وہ حکیم مرشد کامل ہے جب یہ غفلت قلب سے ہٹ جاتی ہے اور غیب کے علاقہ کی طرف قلب کا دریچہ کھل جاتا ہے تو سالک توحید کا اقرار تحقیقاً کرتا ہے و تقلیداً اس وقت ان کی توحید تجرید و تفریداً ہوتی ہے اس کے بعد اس کا معاملہ برعکس ہو جاتا ہے بایںمعنی کہ محبوب حقیقی کے ماسوای کی خبروں سے وہ بہرہ لور حقیقت ۔۔ راز کے افشاء سے گونگا اور اس دار فانی میں اغیار کے دیکھنے سے اندھا ہو جاتا ہے اے اللہ ہمیں غلط تقلید سے بچا کر حقیقی ۔حید تک پہنچا دے تو

(نمیدہ بجید ہے)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○ اِنَّمَا حَرَّمَ
عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ
فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ
ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰۤئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ○ اُولٰۤئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَاۤ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ○ ذٰلِكَ
بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ○

ترجمہ اے ایمان والو! ہماری عطا کردہ پاک چیزیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر حرام کیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو پھر جو سخت مجبور ہو کر کھائے اس میں نہ اس کی نفسانی خواہش ہو اور نہ ضرورت سے زائد کھائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب سے چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی سی قیمت کے عوض بیچتے ہیں ایسے لوگ پیٹ کو جہنم کے انگاروں سے بھر رہے ہیں اور قیامت میں اللہ تعالیٰ ان سے کوئی بات نہیں کرے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب خریدا ایسے لوگ دوزخ کی آگ سے کیسے باہمت ہیں یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے اور بے شک جنھوں نے کتاب میں اختلاف کیا وہ پرلے درجے کے جھگڑالو ہیں ۔

تفسیر عالمانہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا اے ایمان والو رزق کھاؤ مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ان حلال رزقوں سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا ۔

سوال آیت میں حلال کی قید کیوں لگائی گئی ہے؟

جواب ما رزقنٰکم عام ہے حلال ہو یا حرام اور اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ حلال و حرام رزق کا رازق وہی ہے لیکن مومن کو حکم ہے کہ صرف حلال رزق کھائے ۔ یا طیبات سے لذیذ اشیاء مراد ہیں کیونکہ ما رزقنٰکم میں ہر قسم کا رزق شامل ہے لذیذ ہو یا ناپسندیدہ ۔

ف حضرت ابن الشیخ فرماتے ہیں یہی معنےٰ اس مقام کے لیے مناسب بلکہ اولیٰ ہے اس لیے کہ وہ اشتباہ سے پاک ہے اس کی وجہ یہ بتائی کہ یہ مقام مقام امتنان ہے اس نے لذائذ بطور احسان عنایت فرمائے ہیں اور شکر منعم منان کا بھی نہیں لہٰذا ذکر ضروری ہے ۔

ف طیب کے تین مراتب ہیں ۔

۱ ۔ طبعی طور لذیذ

۲ ۔ شرعاً مباح

۳ - وضعا پاک

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ قسم وقسم کے میٹھاجات سے نفع اٹھاؤ اس لیے کہ وہ طیبات ہیں لیکن اس کا ترک افضل ہے تاکہ سالک اپنے مرتبہ سے گر نہ جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اذھبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا

ف اکل طیبات کے امر میں دو فائدے ہیں۔

۱- ان طیبات کا کھانا امرالٰہی کی تعمیل ہو نہ کہ طبعی طور تاکہ دیگر حیوانات سے ممتاز ہوں اور نور شریعت کی برکت سے طبیعت کی تاریکی کے حجاب ہٹ جائیں۔

۲- طیباب کو امرالٰہی کی وجہ سے کھائیں اور ثواب پائیں۔

وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اس پر کہ اس نے تمہیں طیباب عنایت فرمائے اور یہ چیزیں تمہارے لیے حلال فرمائیں شکر، ظاہری اور باطنی، اعضا کو اسی پر صرف کرنا جن کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں۔

مسئلہ یہ امر وجوبی ہے استحبابی نہیں اس لیے کہ عاقل پر واجب ہے کہ یوں اعتقاد رکھے کہ وہ ذات کہ جس نے اسے پیدا کیا اور پھر لاتعد ولا تحصی نعمتوں سے نوازا وہ نہایت درجہ کی تعظیم کا مستحق ہے اور اسے زبان اور دیگر اعضا سے ظاہر کرے۔

اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو یعنی اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے اور صرف اسی کو عبادت کا مستحق سمجھتے ہو تو اس کا شکر کرو کیونکہ ایمان تو شکر کو واجب قرار دیتا ہے بلکہ یہ شکر ایمان کے شرائط میں سے ہے مثلاً کوئی شخص کہے مجھے تیرے ساتھ محبت ہے تو وہ اسے کہتا ہے ان کنت لی محبا فافعل کذا اگر تجھے میرے ساتھ محبت ہے تو تم ایسے کرکے دکھاؤ اس جملہ میں حرف شرط اسی لیے داخل کرتا ہے تاکہ محب کو اس کے حکم کردہ امر کی ادائیگی میں جوش آجائے اور ظاہر ہو جائے کہ محبت کی علامت ایک یہ بھی ہے کہ محبوب کے حکم کی تعمیل کی جائے۔

ف یہ بھی یاد رہے کہ یہ ان شرائط میں سے نہیں کہ انتفاء شرط سے مشروط کی نفی ہو اس لیے کہ اگرچہ بندہ عبادت نہیں کرتا تب بھی اس پر شکر لازم ہے۔

قدسی حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا اور انس وجن کا عجیب معاملہ ہے کہ ان کا خالق میں ہوں لیکن وہ میرے غیر کی پرستش کرتے ہیں اور انہیں رزق میں دیتا ہوں لیکن شکر میرے غیر کا کرتے ہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

مکن گردن از شکر منعم مپیچ
کہ روز پسیں سر برآری بہیچ

ترجمہ ایسا نہ کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے گردن نہ پھیر تیرے حکم سے بھی کوئی شے گردن نہیں پھیرے گی

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر مردار کو حرام کیا المیتۃ وہ جانور جو

ذبح کے لائق تھا لیکن ذبح کے بغیر مرگیا۔

مسئلہ عرف کی رُو سے ٹڈی اور مچھلی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں مثلاً کوئی کہے فلاں نے مردار کھایا تو یہ دونوں یعنی مچھلی اور ٹڈی ذہن میں آئیں گی بھی نہیں۔

مسئلہ شرعاً عادت کا اعتبار نہیں ہے مثلاً کوئی قسم کھائے کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا اس کے بعد مچھلی کھائی تو حانث نہ ہوگا اگرچہ اس نے حقیقۃً گوشت کھایا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لتاکلوا منہ لحما طریا تاکہ تم تازہ گوشت کھاؤ

مسئلہ مردار کی تحریم سے اس کے کھانے اور اس کے دودھ پینے اور اسے بیچ کر نفع اٹھانے کی حرمت مراد ہے کیونکہ احکام شرعیہ کا تعلق افعال سے ہوتا ہے نہ کہ اعیان سے۔

وَالدَّمَ اور بہتے ہوئے خون کو حرام فرمایا۔

مسئلہ: جگر اور تلی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں باعتبار عرف کے اس لیے کہ وہ دونوں حلال ہیں

وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ اور خنزیر کے گوشت کو حرام کیا۔

مسئلہ: اہل اسلام کا اجماع ہے کہ خنزیر نجس العین ہے اس لیے کہ اس کے جسم کے جمیع اجزا حرام ہیں۔

سوال: جب خنزیر کے تمام اجزا حرام ہیں تو پھر صرف گوشت کا نام کیوں لیا گیا؟

جواب: حیوان سے نفع اٹھانے کی سب سے اعلیٰ چیز گوشت ہے نیز حیوان کے اجزا کا اصل یہی ہے جب اصل کا ذکر ہو جاتا ہے تو فرع اس میں خود بخود شامل ہو جاتا ہے

وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ اور حرام کیا اللہ تعالیٰ نے وہ جو پکارا گیا ہے غیر اللہ کے لیے یعنی حرام کیا گیا ہے جو کہ بتوں کے لیے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہے

ف: اہلال کا اصلی معنیٰ رفع الصوت ہے اور بت کے پجاریوں کی عادت تھی کہ جب بتوں کے لیے جانور ذبح کرتے تو ان کے نام لے کر آواز کو بلند کرتے اور کہتے باسم اللات والعزیٰ پھر اس طرح سے ان کی ایسی عادت بن گئی کہ ہر ذابح کو مُہِل کہا جاتا اگرچہ وہ ذبح کے وقت بسم اللہ جہر سے نہ بھی کہتا۔

مسئلہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ کوئی مسلمان کسی جانور کو ذبح کرے اگرچہ اس پر بسم اللہ بھی پڑھے لیکن اس کا ارادہ تقرب الیٰ غیر اللہ یعنی غیر اللہ سے ثواب اور قربت کا طالب ہو تو وہ شخص مرتد خارج از اسلام اور وہ ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے۔

مسئلہ اہل کتاب کا ذبح کیا ہوا جانور ہمارے لیے حلال ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لهم اہل کتاب کے طعام تمہارے لیے حلال ہیں۔

مسئلہ جب یہ اہل کتاب جانور پر غیر اللہ کا نام لے تو وہ حرام ہے وہ اس آیت کے حکم سے خارج ہے اس لیے کہ وطعام الذین اوتوا الکتاب عام ہے اور یہ آیت وما اہل بغیر اللہ خاص ہے اور علم تفسیر کا قاعدہ ہے کہ خاص کو حکم میں عام سے مقدم کیا جاتا ہے

اضافہ اویسی:

ف اس آیت کو لے کر ہمارے دور کے معتزلہ دیوبندی وہابی وغیرہ طرح طرح کے مغالطے ڈالتے ہیں صاحب روح البیان علیہ الرحمۃ تعالٰی نے اگرچہ وضاحت فرمادی ہے لیکن ناظرین کے لیے چند اور حوالہ جات حاضر ہیں تاکہ مزید تسکین و تسلی ہو یاد رہے کہ یہ آیت قرآن پاک میں چار مقامات پر وارد ہوئی۔ (۱) پ۲ ع۵ (۲) پ۶ ع۵ (۳) پ۸ ع۵ (۴) پ۱۴ ع۲۱ انہی آیات کا مفہوم متقدمین نے جس طرح بیان فرمائے ہیں وہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ مزید تحقیق کے لیے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت سیدنا الحاج علامہ امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہٗ کی تصانیف اور امام الاولیاء مقدام العلماء اعلیحضرت سیدنا سید پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہٗ کی کتاب اعلائے کلمۃ اللہ کا مطالعہ کیجئے۔ فی الحال چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مفردات راغب اصفہانی صفحہ ۵۶۶ مطبع مصر۔

قولہ "وما اھل لغیر اللہ" ای ما ذکر علیہ غیر اسم اللہ وھو کان یذبح لاجل الاصنام الآیۃ

ما اہل بہ بغیر اللہ یعنی وہ جس پر غیر نام خدا ذکر کیا گیا یہ وہ جانور ہے جو بتوں کے لیے ذبح کیا جاتا تھا۔

وما اھل بہ بغیر اللہ۔ ای ذبح علی اسم غیرہ والاھلال رفع الصوت وکانوا یرفعونہ عند الذبح لالھتھم

ما اہل بہ بغیر اللہ یعنی جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا اور اہلال کا معنیٰ آواز بلند کرنا ہے اور مشرکین اپنے معبودوں کے لیے ذبح کرنے کے وقت آواز بلند کرتے تھے۔

۲۔ تفسیر مدارک تحت آیت مذکورہ بالا

وما اھل بہ لغیر اللہ ای ذبح للاصنام فذکر علیہ غیر اسم اللہ واصل الاھلال رفع الصوت۔ ای رفع بہ الصوت للصنم وذالک قول اھل الجاھلیۃ باسم اللات والعزیٰ

ما اہل بغیر اللہ یعنی جو بتوں کے لیے ذبح کیا گیا اس پر غیر نام خدا ذکر کیا گیا اور اصل میں ہلال آواز بلند کرنا ہے یعنی اس کے ساتھ بت کے لیے آواز بلند کی گئی اور یہ اہل جاہلیت کا بنام لات وعزیٰ کہلاتا تھا لات وعزیٰ مشرکین کے بتوں کے نام ہیں ان کے لیے جو جانور قربانی کرتے تھے ان کو بنام لات وعزیٰ کہہ کر ذبح کرتے تھے۔

۳۔ تفسیر لباب التاویل صفحہ ۱۱۵ ج ۱۔

وما اھل بہ لغیر اللہ یعنی ما ذبح للاصنام والطواغیت واصل الاھلال رفع الصوت وذالک انھم کانوا یرفعون اصواتھم بذکر الٰھتھم اذا ذبحوھا۔

ما اہل بہ بغیر اللہ یعنی جو بتوں اور باطل معبودوں کے لیے ذبح کیا گیا۔ اہلال اصل میں آواز بلند کرنا ہے اور یہ بات یوں ہے کہ مشرکین اپنے معبودوں کے ذکر کے ساتھ آوازیں بلند کرتے جس وقت کہ ان کو ذبح کرتے تھے۔

۴۔ تفسیر کبیر صفحہ ۱۳۰ ج ۲۔

وَمَا اھل بہ لغیر اللہ یعنی ما ذبح للاصنام وھو

ما اہل بہ بغیر اللہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ جو بتوں کے لیے ذبح کیا گیا ہو یہ قول

قیل مجاهد و ضحاک و قتادة وقال ربیع انس وابن زید یعنی ما ذکر علیه غیر اسم الله وهذا القول اولیٰ الله اشد مطابقه للفظ۔

مجاہد و ضحاک و قتادہ کا ہے ربیع ابن انس اور ابن زید نے کہا یعنی وہ جس پر غیر نام خدا ذکر کیا گیا ہو اور یہ قول اولیٰ ہے کیوں کہ اس میں مطابقت لفظی زیادہ ہے۔

۵۔ تفسیر علامہ ابی السعود صفحہ ۲۱ ج ۲

وما اهل به لغیر الله ای رفع به الصوت عند ذبحه الصنم

ما اہل بہ لغیر اللہ یعنی وہ چیز جس کو بت کے لیے ذبح کرنے کے وقت آواز بلند کی گئی ہو۔

ان تمام تفاسیر سے ثابت ہوا کہ وقت ذبح جس جانور پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے اس کا کھانا حرام ہے مشرکین عرب بتوں کی قربانی کے جانور پر وقت ذبح غیر خدا کا نام لیتے تھے اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ حلال ہے اگرچہ عمر بھر اس کو غیر نام سے پکارا ہو مثلاً یہ کہا ہو زید کی گائے عبدالرحمٰن کا دنبہ، عقیقہ کا بکرا، ولیمہ کی بھیڑ مگر وقت ذبح بسم اللہ اللہ اکبر کہا ہو اللہ کے سوا کسی اور کا نام نہ لیا گیا ہو تو وہ حلال طیب ہے اہل بہ لغیر اللہ میں داخل نہیں اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم الله علیه وانه لفسق اور نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا اور بے شک یہ حکم عدولی ہے تو جس پر اللہ کا نام لیا گیا اور وہ نام خدا پر ذبح کیا گیا ہو اس کو کون حرام کرے گا اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے فکلوا مما ذکر اسم الله علیه ان کنتم بایاته مؤمنین تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا۔ اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو اس کے بعد ارشاد فرمایا، وما لکم الا تاکلوا مما ذکر اسم الله علیه اور تمہیں کیا ہوا کہ اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔

تفسیر احمدی مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۳۴۔

وما اهل به لغیر الله به ذبح به لاسم غیر الله مثل لات وعزیٰ واسماء الانبیاء وغیر ذالک فان افرد به اسم غیر الله او ذکر معه اسم الله عطفا بان یقول باسم الله ومحمد رسول الله بالجر حرم الذبیحة وان ذکر معه موصولا لا معطوفا بان یقول باسم الله محمد رسول الله کره ولا یحرم وان ذکر مفصولا بان یقول قبل التسمیه وقبل ان یضجع الذبیحه او بعد الاباس به هکذا فی الهدایة من هاهنا علم ان البقرة المنذورة فلا اولیاء کما هو الرسم زماننا حلال طیب لانه لم

ما اہل بہ لغیر اللہ کے معنی یہ ہیں کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو مثلاً لات وعزیٰ وغیرہ بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو یا انبیاء علیہم السلام وغیرہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو تو اگر تنہا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا یا اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ عطف کر کے دوسرے کا نام ذکر کیا اس طرح باسم اللہ و محمد رسول اللہ کہا۔ لفظ محمد کے جر یعنی زیر کے ساتھ عطف کرے تو ذبیحہ حرام ہے اور اگر نام خدا کے ساتھ ملا کر دوسرے کا نام بغیر عطف کے ذکر کیا مثلاً یہ کہا باسم اللہ محمد رسول اللہ تو مکروہ ہے حرام نہیں اور اگر غیر کا نام جدا ذکر کیا اس طرح کہ باسم اللہ کہنے سے پہلے اور جانور کو لٹانے سے قبل یا اس کے بعد غیر کا نام لیا تو اس سے کچھ مضائقہ نہیں ایسا ہی ہدایہ میں ہے یہاں سے معلوم ہوا جو گائے اولیاء کے بے

بنکر اسم غیر اللہ علیہا وقت الذبح و ان کانوا ینذرونہا لہ ۔ نذر کی جاتی ہے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رسم ہے وہ حلال طیب ہے ۔ اس لیے کہ اس پر وقت ذبح غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ ان کے لیے نذر کرتے ہوں ۔

ان عبارات سے روز روشن کی طرح معلوم ہو گیا کہ ما اہل بہ لغیر اللہ سے اس ذبیحہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے جس کو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور وقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو اس کے علاوہ کوئی اور چیز یہ آیت حرام نہیں کرتی نہ فقیر والا آم جس پر ہمیشہ فقیہ کا نام لیا جاتا ہے اور نہ کوئی اور چیز جو کسی کے نام سے مشہور ہو نہ وہ ذبیحہ جس پر ذبح سے قبل یا بعد غیر خدا کا نام ذکر کیا گیا ہو حتیٰ کہ اگر ذبح میں خاص قربانی کے دن یہ کہا جائے کہ پہلے عبد الرب کی گائے ذبح ہو گئی پھر عبد الکبیر کی پھر رسول بخش کی اور اس کے بعد وہ گائیں صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کی جائیں تو وہ حلال ہیں قربانی مقبول ہے اور ایسے اطلاقات احادیث میں بکثرت ملتے ہیں لہٰذا فاتحہ و نیاز و صدقات و خیرات وغیرہ کو ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل کرنا قرآن کریم کے معنی کی تبدیلی اور تمام تفاسیر معتبرہ کی مخالفت ہے ۔ اویسی غفرلہ

فَمَنِ اس من کے متعلق احتمال ہے کہ شرطیہ و موصولہ ہو اضْطُرَّ پس وہ شخص جو محتاج اور مجبور ہو جائے اس شے کے کھانے پر جسے اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا کہ سوائے اس حرام کے اور کوئی شے میسر نہ ہو تو پھر کھا لی لے ۔

ف اضطرار کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس شے کو عمل میں نہیں لائے گا تو زندہ نہیں بچ سکے گا یا اس کا کوئی عضو تلف ہو جائے گا ۔

غَيْرَ اس غیر کا منصوب ہونا بہ بنائے حال ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب وہ الّا کے قائم مقام کھڑے ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس وقت وہ غیر حالیہ ہوتا ہے اگر وہ الّا کے معنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس وقت وہ استثنائیہ ہوگا اگر ان دونوں کے لائق نہیں تو وہ غیر صفت کا معنیٰ دے گا ۔ اور یہاں پر فعل محذوف کا فاعل ہے جو کہ اضطر کے بعد محذوف ہے اصل عبارت یوں تھی فمن اضطرہ احد امرین الی تناول شئی من ھذا المحرمات یعنی پس جس شخص کو ان حرام اشیاء کو عمل میں لانے پر ایک دو امروں سے مجبور کر دے ان دونوں میں سے ایک یہ کہ اسے سخت بھوک لاحق ہو اور اسے اس حرام شے کے سوا اور کوئی ایسی شے نہ ملے کہ جس سے قوت لایموت ہو سکے دوسرا یہ کہ اس حرام شے کے عمل میں لانے سے اسے جبر کیا جائے لیکن شرط یہ ہے کہ کھاتے وقت بَاغٍ بغاوت کرنے والا نہ ہو ۔ دوسرے مجبور و مضطر پر مثلاً کسی دوسرے مضطر کو بھی اس شے کی ضرورت ہے لیکن یہ اس سے چھین کر اپنی زندگی بچا لے حالانکہ وہ دوسرا اسی حالت میں مرجائے یہ بالکل حرام ہے کیونکہ دوسرے کو بھوکا مار دینا اور خود زندہ بچ جانا اچھا نہیں ۔

وَّلَا عَادٍ اور نہ ہی حد سے متجاوز کرنے والا ہو ۔ عادٍ عدو سے مشتق ہے بمعنی کسی امر کا حد سے بڑھ جانا اور اس سے تجاوز کرنا جب کہ اس امر کے متعلق حد مقرر کی گئی ہو یعنی کھاتے وقت بھوک کی جب ضرورت پوری ہو جائے تو اس کی حد سے تجاوز نہ کرے ۔

مسئلہ حرام شے بوقت اضطرار اتنا کھائے کہ جس سے جان بچا سکے یعنی معمولی طور بھوک رفع کرے

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ شدید ضرورت کے وقت حرام شے کو عمل میں لائے ۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے اس لیے کہ جس نے بوقت اضطرار کھایا ۔ رَّحِيْمٌ ۝ رحیم ہے اس کے رخصت دینے پر

سوال اس آیت میں باقی محرمات کا ذکر کیوں نہیں ہوا ؟

جواب یہ آیت حصر کے لیے نہیں بلکہ کفار کی غلط روی کے نمونے بیان کیے جو کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیا کو حلال سمجھ کر کھا جاتے تھے مثلاً مردار کو کھاتے ہوئے کہتے کہ جسے تم خود مارتے ہو وہ حلال ہے اور جسے اللہ تعالیٰ مار دے وہ کیوں حلال نہ ہو اسی طرح دم مسفوح پی جاتے اور خنزیر اور بتوں پر ذبح کیے ہوئے جانور کھا جاتے اللہ تعالیٰ نے ان کی حلال کردہ اشیا کو حرام کرکے واضح فرمایا۔

خلاصہ جواب یہ قصر اس معنٰی پر ہے کہ جن اشیا کو وہ حلال سمجھتے تھے یہ قصر مطلق نہیں۔

جواب۲ بعض نے اس سوال کا جواب یوں دیا ہے کہ "مَیْتَۃً" کے لفظ میں المتردیۃ بھی داخل ہے یعنی وہ جانور جو کنوئیں یا پانی میں یا اوپر سے نیچے گر کر مر جائے اور المنخنقۃ یعنی وہ جانور جس کا گلا گھونٹ کر مارا جائے اور الموقوذۃ یعنی وہ جانور جو لکڑی سے مارا جائے اور النطیحۃ وہ جانور جسے دوسرے جانور نے سینگ مار کر مارا ہو اور وہ جسے درندہ کھا جائے اور جس پر عمداً بسم اللہ ترک کی جائے وغیرہ وغیرہ سب المیتۃ کے حکم میں داخل ہیں۔

مسئلہ حلال جانور کی دس چیزیں مکروہ ہیں۔ ۱ خون ۲ غدود ۳ قبل ۴ دبر ۵ ذکر ۶ دونوں خصیے ۷ پتہ ۸ مثانہ ۹ پیٹھ کی ہڈی خون تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے۔ کما قال حرمت علیکم المیتۃ والدم الخ اور باقی اس لیے کہ یہ تمام خون سے بنتے ہیں۔

حدیث شریف شیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال جانور کی تلی کبھی نہیں کھائی اور نہ ہی گردہ اور نہ ہی تھوم اگرچہ ان کے کھانے سے روکا بھی نہیں بہتر یہی ہے کہ یہ اشیاء نہ کھائی جائیں تا کہ آپ کی تابعداری صحیح معنٰی پر نصیب ہو۔

ف بعض لوگ کہتے ہیں کہ پتہ نہ کھانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ منی خروج کرتی ہے تو سب سے پہلے اسی پتے میں پہنچ کر پھر یہاں سے خارج ہوتی ہے اور تلی نہ کھانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جہنمیوں کا کھانا ہے۔ کذا فی واقعات الہدائی قدس سرہ۔

مسئلہ جو شخص سخت بھوک میں مبتلا ہو اور مردار کے سوا کوئی شے بھوک ہٹانے والی نہیں اور اس نے بقدر ضرورت مردار نہیں کھایا اور مر گیا تو گنہگار ہوگا اگرچہ اس میں اس کی روزہ کی بھی نیت ہو۔

مسئلہ حرام شے سے علاج جائز نہیں اگرچہ اس کے استعمال سے شفا ممکن بھی ہو اگر حرام شے کو استعمال نہیں کیا اور مر گیا تو گنہگار نہیں ہوگا کیوں کہ حرام شے کے استعمال سے شفا ظنی ہے یقینی نہیں اس لیے ممکن ہے کہ اسے اس شے کے استعمال کے بغیر بھی شفا ہو جائے۔

مسئلہ الاشباہ والنظائر میں ہے کہ نجاستوں اور شراب سے مریض کا علاج کرنا جائز ہے۔ بہ بنائے احد القولین۔

مسئلہ قاضیخان میں ہے کہ نجاسات وغیرہ سے علاج کرنا نا جائز ہے اور قاضیخان نے اس کو مختار بتایا۔

مسئلہ طبیب کو غیر کے ستر کو دیکھنا علاج کی خاطر جائز ہے اسی طرح بیگانی عورت اور مخصوص اعضا کو بھی۔

مسئلہ خانیہ میں تصریح فرمائی ہے کہ پیاسے کو بحالت اسطرار شراب بقدر ضرورت پینا جائز ہے۔

سوال حضرت صدر الشہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں الاستشفاء بالحرام حرام۔ یعنی حرام شے سے علاج کرنا حرام ہے۔

جواب یہ ان کا ضابطہ کلیہ نہیں نہ وہ اپنے اطلاق میں ہے کیونکہ حرام شے سے علاج کرنا اس وقت حرام ہے جب کہ ہمیں معلوم نہ ہو کہ اس سے شفا ہوگی یا نہ لیکن جب یقین ہو کہ اس علاج سے شفا ضرور ہوگی تو حرام نہیں مگر اس میں شرط ہے کہ یہ معلوم ہو کہ اس کے سوا اس کا کوئی اور علاج نہیں ہے تب جائز ہے۔

سوال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ان اللہ لم یجعل شفاءکم فیما حرم علیکم بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام اشیاء میں تمھاری شفا مقدر نہیں فرمائی

جواب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی مطلب ہے کہ جس بیمار کے متعلق معلوم ہو کہ اس کا علاج حلال شے سے ہو سکتا ہے تو پھر اس وقت حرام شے سے علاج کرنا حرام ہے اس لیے کہ اس وقت حلال سے روگردانی کر کے حرام شے کی طرف رجوع کرنا لازم آتا ہے اور وہ ناجائز ہے البتہ جب یقین ہو کہ اس بیماری کا علاج اسی حرام شئے معین ہے تو پھر بامر مجبوری حرام شے سے علاج کرنا جائز ہے۔

مسئلہ تہذیب میں ہے کہ جس کی بیماری لاعلاج ہو اور اسے کوئی مسلمان طبیب بتا دے کہ تیری شفا پیشاب یا خون پینے میں ہے تو اسے پیشاب یا خون پینا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مباح شے اس کا عوض اور بدل نہ مل سکے۔ کذا فی شرح حدیث لعلامۃ الروم ابن الکمال رحمہ اللہ تعالیٰ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے یہ ظاہری اشیا حرام فرمائی ہیں اسی طرح تمھارے لیے چند باطنی امور بھی حرام فرمائے ہیں وہ ہیں غیر اللہ کے مشاہدات۔ مثلاً المیتۃ سے دنیا مراد ہے دم سے شہوات نفسانیہ۔

حدیث شریف حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان الشیطان لیجری فی ابن ادم مجری الدم۔ بے شک شیطان ابن آدم خون کے مجاری میں ہے اس لیے کہ اگر خون میں شہوات پوشیدہ نہ ہوتیں تو شیطان کو انسان کے گمراہ کرنے کی طاقت نہ ہوتی اس لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دد مجاری الشیطان بالجوع۔ شیطان کی گذرگاہوں کو بھوک سے بند رکھو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بھوک شہوات کے غلیظ مادہ کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے اور الخنزیر میں خواہشات نفسانیہ کی طرف اشارہ ہے۔ نفس کو خنزیر سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ خنزیر میں چار گندی عادتیں ہیں:

۱۔ حرص

۲۔ لالچ

۳۔ کمینہ پن

۴۔ ظاہری خباثت کا مجمع۔ اور یہی عادات نفس میں پائی جاتی ہیں۔

وما اھل بہ لغیر اللہ سے وہ عبادات و اطاعات اور قربات الٰہی کے اعمال مثلاً خیرات بدنیہ و مالیہ مراد ہیں۔ جو بغیر خلوص کے ادا کیے جائیں۔

اور ین میں رضائے الٰہی مطلوب نہ ہو بلکہ ریاء اور سمعۃ مقصود ہو فمن اضطر الخ یعنی مجبور ہو جائے حاجت نفسانیہ کی ضرورت کی وجہ سے یا امر شرعی سے یعنی وہ امور جو اس نے بطور وجوب کے قائم کر لیے ہیں وقت مجبوری انہیں عمل میں لائے لیکن غیر باغ یعنی دنیا کے حرص اور اس کے جمع کرنے سے ، بطریق حلال کے یا حرام کے ، پاک وصاف اور نہ ہی شہوات سے حرام کی طرف جھک کر اور حفوظ نفس فی الحلال والحرام کی طرف متوجہ ہو کر اور نہ ہی طاعات وخیرات ، سنن ہوں یا بدعات حسنہ ، میں ریا کرتا ہوا ولا عاد یعنی دنیوی ضروریات میں قناعت کی حد سے آگے بڑھ کر اور حد قناعت یہ ہے کہ کھائے اتنا کہ سد رمق ہو اور پہنے ایسا کہ صرف ستر عورت ہو فلا اثم علیہ اس پر کوئی گناہ نہیں یعنی اس شخص پر جو ان شرائط کا پابند ہے ان اللہ غفور رحیم بخشا ہے عالمین کے گناہ آثار رحمت سے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ انوار رحمت سے قائم اور اوصاف رحمت سے موصوف ہو کر اس میں فانی ہو گئے ہیں ۔

تاویلات نجمیہ کی صوفیانہ نفیس تفسیر: الغفور والغفار وہ ہے جو حسن وجمال کو ظاہر کرے اور قباحتوں وگناہوں کو چھپائے یعنی بندہ کے تمام گناہ جو اس سے صادر ہوتے ہیں دنیا میں انہیں چھپانے اور آخرت میں انہیں معاف فرما دے اور بندے کو اس اسم سے فیوض وبرکات ملنے کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کے عیوب چھپا کر درگزر کرے ۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے مسلم بھائی کے عیوب ڈھانپتا ہے یوم قیامت میں اللہ تعالےٰ اس کے عیوب چھپائے گا ۔

مسئلہ: غیبت کرنے والا اور دوسرے کے عیوب تلاش کرنے والا اور برائی کا بدلہ برائی سے دینے والا اس اسم کے فیوض وبرکات سے محروم ہوگا ہاں وہ شخص اس صفت غفوری سے موصوف ہو سکتا ہے جو خلق خدا کے عیوب چھپاتا ہے اور اس کی نیکیاں بیان کرتا ہے ۔

حکایت: سیدنا عیسیٰ علی نبینا علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک مردہ کتے کے قریب سے گزرے جس کی بدبو سے دماغ باہر نکلنے کو آجاتا آپ نے ساتھیوں سے فرمایا کتے کی بدبو کتنی خراب ہے آپ نے فرمایا اس کتے کے دانت کیسے عجیب ہیں ۔

سبق: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس طرح سے تنبیہ فرمائی کہ شے گندی کیوں نہ ہو لیکن ہمیں اس کی گندگی سے آنکھ چرا کر اس کی بھلائی کو دیکھنا چاہیے ۔ (کذا فی شرح اسماء الحسنیٰ للامام الغزالی قدس سرہ)

تفسیر عالمانہ: اِنَّ الَّذِيْنَ :

شان نزول: یہ آیت یہود کے علماء کے حق میں نازل ہوئی جن کو یہ امید تھی کہ وہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم جن کی خوشخبری تورات میں ہے ان کی قوم سے ہوں گے لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور وہ عربوں میں بنی ہاشم اور قریشیوں سے ظہور پذیر ہوئے تو انھوں نے حضور نبی اکرم کے اوصاف اور تعریف کی تقریریں تورات میں بدل لیں جب ان کے جیلے تورات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت وصورت کو دیکھتے تو برعکس پاتے اس لیے وہ آپ کی اتباع کی بجائے مخالفت پر تل گئے تاکہ ان کے جلال میں آنچ نہ آئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ان الذین بے شک وہ لوگ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ چھپاتے ہیں وہ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا کتاب میں سے یہ حال ہے عائد محذوف سے ای انزلہ اللہ حال منہ من الکتٰب اس سے مراد ہی تورات ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پر

مشتمل تھی۔ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ اور حضور علیہ السلام کی نعت کے چھپانے کے عوض خریدتے ہیں ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ تھوڑا ثمن یعنی اپنے سے
کم مرتبہ لوگوں سے دنیا کی حقیر اشیاء یعنی کھانے پینے کی چیزیں حاصل کرتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ
یعنی وہ لوگ ہیں جو نہیں کھاتے اپنے پیٹ میں سوائے نار کے آخرت میں تو نار کا کھانا ظاہر ہے کہ آخرت میں آگ کے انگارے ان کے پیٹ
میں بھر دیئے جائیں گے اور دنیا میں ان کے نار کھانے کا معنٰی یہ ہے کہ نار میں جہنم کے انگارے کھانے کے سبب کو کھاتے تھے اس لیے کہ اپنے
سے کم مرتبہ لوگوں سے جو کچھ لیتے رہے وہ جہنم کے انگاروں کا سبب بن کر انہیں جہنم میں کھینچ لے گیا۔

ف اس پر نار کا اطلاق از قبیل اطلاق المسبب علی السبب کے ہے اور فی بطونہم کا معنٰی یہ ہے کہ ان کے پیٹ بھر دیئے جائیں گے۔ کما قال۔
اکل فی بطنہ و اکل فی بعض بطنہ بطونہم کے ذکر سے مقصود اسے متعلق بنانا ہے یاکلون کا کہ اکل کا محل اور قرارگاہ وہی پیٹ ہے پھر جب کہ بعض،
بطونہم نہیں فرمایا بلکہ فی بطونہم فرمایا ہے تو اس سے مقصود یہی ہے کہ ان کے پیٹ بھرے ہوئے ہوں گے اس میں مبالغہ ہے کہ وہ گویا پیٹ پر ہلکا
کر کے نہیں کھاتے بلکہ اسے کھلا رکھ کر کھاتے تاکہ وہ پورے طور بھر جائے۔

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ قیامت میں غضب ناک ہو کر کلام کرے گا

سوال اس میں کفار سے اللہ تعالیٰ کے کلام کی نفی ہے حالانکہ دوسرے مقام پر اثبات ہے کما قال تعالیٰ فوربك لنسئلنهم اجمعين وغیرہ
جواب آیت وَلَا يُكَلِّمُهُمْ میں کلام کی بالکلیہ نفی نہیں بلکہ ایک قسم کے غضب سے کنایہ ہے کیونکہ عرف کا قانون ہے کہ کسی سے کلام
نہ کرنے کا معنٰی ہے ناراضگی کا اظہار اور بادشاہوں کی عادت ہے کہ جب کسی سے ناراض ہوتے ہیں تو مغضوب علیہ سے اعراض کرتے اور
ان سے ہمکلام نہیں ہوتے اور کسی سے راضی خوشی کے وقت اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں مہربانی اور لطف و کرم سے۔

وَلَا يُزَكِّيْهِمْ اور نہ ہی انہیں صاف اور ستھرا کرے گا یعنی ان کی تعریف نہ کرے گا اور نہ ہی ان کو قیامت میں گناہوں سے صاف و
ستھرا کرے گا جیسے مومنین کی مغفرت فرما کر انہیں گناہوں سے پاک اور ستھرا کرے گا۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور ان کے لیے عذاب دردناک ہوگا یعنی دائمی درد و الم کے حقدار ہوں گے اُولٰٓئِكَ یعنی وہ لوگ جو کتاب
اللہ کو ثمن قلیل لے کر بیچنے والے تھے وہ قلیل ثمن لینے والے نہیں تھے بلکہ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا جنہوں نے خریدا جیسے دنیا میں خرید و فروخت کا
کاروبار ہوتا ہے الضَّلٰلَةَ گمراہی کو۔ وہ گمراہی کہ جس کا خریدنا بالکل ناممکن ہے بِالْهُدٰى ہدایت کے عوض۔

ف ہدایت بظاہر ایسی شے نہیں کہ اس پر کوئی دنیا کی شے اگرچہ بہت ہو خرچ کر کے لیا جا سکے۔ وَالْعَذَابَ اور عذاب کو یعنی انہوں
نے عذاب خریدا۔ اور یہ بھی ایسی شے نہیں کہ اسے دنیوی اعتبار سے خریدا جا سکے بِالْمَغْفِرَةِ مغفرت کے عوض وہ مغفرت کہ جس کے
حصول کے لیے لوگ بڑی رغبت رکھتے ہیں فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ پس کس چیز نے انہیں جہنم پر صبر دلایا ہے یعنی وہ کون سا امر ہے
جو انہیں اہل نار کے اعمال پر کشاں کشاں لے جا رہا ہے جب کہ وہ راہ ہدایت چھوڑ کر گمراہی کے راستوں پر چل رہے ہیں اور نار سے مراد
اس کا سبب ہے ان کے آپس کی ملابست کی وجہ سے نار بول کر اس کا مسبب مراد لیا گیا ہے اور یہ تعجب بندوں کی طرف راجع ہے یعنی بندوں
کو تعجب میں ڈالا گیا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو تعجب سے پاک ہے اور نہ اس کی شان ہے کہ تعجب کرے کیونکہ تعجب تو جہل سے ہوتی ہے۔

قاعدہ ہے کہ تعجب نفس کو اس لیے لاحق ہوتی ہے کہ نفس سے شے کا سبب مخفی ہوتا اور وہ اپنے نظائر کے خلاف آتا ہے اس لیے نفس کو تعجب لاحق ہے اور رب تعالیٰ ایسے معاملہ سے پاک ہے ۔

ذٰلِكَ یعنی انہیں جہنم سے عذاب دینے کا بِاَنَّ اللّٰهَ کا سبب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے نَزَّلَ الْكِتٰبَ کتاب مطلق کو اتارا بِالْحَقِّ حق کے ساتھ یعنی اس حال میں کہ وہ کتاب منزل من اللہ حق کے ساتھ متلبس ہے پھر لا محالہ جو بھی تکذیب کر کے حق کو چھپا کر جہل و گمراہی کی سواری پر سوار ہو کر چھوٹے گا تو وہ جہنم کے عذاب میں مختلف طریق سے مبتلا ہو گا ۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ اور بے شک وہ لوگ جنہوں نے کتاب کے بارے میں اختلاف کیا یعنی جنس کتاب کے متعلق اختلاف یوں کیا کہ اس کتاب اللہ کے بعض مضامین پر ایمان لایا اور بعض سے کفر کیا یا اس کتاب سے مراد تورات ہے اس کا معنیٰ بھی یہی ہو گا کہ وہ کتاب تورات کے بعض مضامین پر ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر مثلاً ان آیات پر ان کا ایمان نہیں تھا جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف پر مشتمل تھیں یا آپ کی تشریف آوری کے متعلق مضامین تھے ۔ یا الکتاب سے قرآن مجید مراد ہے کہ کافروں نے کفر کیا بایں معنیٰ کہ بعض کہتے تھے کہ یہ شعر ہے بعض نے کہا یہ جادو ہے بعض نے کہا یہ کہانت ہے لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝ البتہ وہ بہت بڑے اختلاف میں ہیں یعنی ایسا اختلاف جو حق اور صواب سے بعید اور بہت بڑے عذاب کا موجب ہے ۔

مسئلہ ان آیات سے بہت بڑی وعید ہے ہر اس شخص کے لیے جو کسی دنیاوی یا غلط حرص کی وجہ سے حق کو چھپاتا ہے ۔

سبق علماء کرام کو چاہیے کہ وہ کتمان حق کی خرابیوں سے بچیں جب وہ حق کو جانتے ہیں تو پھر اسے کیوں چھپاتے ہیں ۔

کتمان حق کے اسباب

بادشاہوں اور امراء وزراء اور ارباب دنیا سے حق چھپانے کے چند وجوہ ہوتے ہیں ۔

۱ ۔ خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ مرتبہ چھن نہ جائے جس پر وہ ہے اور وہ قدر و منزلت کم نہ ہو جائے جو ان کی طرف سے اسے حاصل ہے ۔

۲ ۔ ان حضرات کے احسانات کی وسعت حق گوئی سے باز رکھتی ہے ۔

۳ ۔ وہ حضرات خود ان کے ساتھ حب دنیا اور دنیا جمع کرنے کی حرص وہوا وغیرہ میں شریک ہوتے ہیں اب شرم کے مارے انہیں کچھ نہیں کہہ سکتے ۔

۴ ۔ چونکہ ماکول و مشروب اور ملبوس و مرکوب اور مکانات اور دیگر زیب و زینت مثلاً مکانات کے اندر بہترین برتن و دیگر ساز و سامان جمع کرنا اور خدام کی خدمات اور سواریوں کے مشاغل وغیرہ میں ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ انہیں حق گوئی کا موقع نہیں ملتا انہی وجوہ سے حق گوئی سے چشم پوشی بلکہ ان سے بسا اوقات کھانے پینے کی خاطر غلط باتیں تقویت کے طور کہہ دیتے ہیں ۔

ف وہ نار حرص اور شہوت اور حسد کے انگارے کھا رہے ہیں جو کہ ان کے دلوں پر جا کر انہیں جلا دیتے ہیں اور یہ امور ان کی نیکیوں کو ایسے کھا جاتے ہیں جیسے آگ سوکھی لکڑیوں کو کھا جاتی ہے ۔

تفسیر صوفیانہ

ہر وہ بندہ کہ جس سے وہ فعل اور فعل و قول صادر ہو جو خلاف شرع ہوتا ہے وہ انگارے کی طرح اس پر اثر کرتا ہے جیسے وہ جہنم کی آگ میں دھونس دیتا ہے اس وجہ سے فوراً ہی اس کے قلب کو جلا کر راکھ بنا دیا جاتا ہے اسی

طرح جس بندے سے نیکی سرزد ہوتی ہے تو اس پر بھی وہ انگارے کی طرح اثر کرتی ہے جیسے وہ محبت کی آگ میں دھونس دیتی ہے جس کا اثر قدرتی اس وقت بھی ظاہر ہوتا ہے اور ایسا کہ اس کے قلب کو ہر محبوب، جو اللہ تعالےٰ کے ماسوا ہو، کو جلا دیتی ہے پھر جیسے نار سعر کہ وہ قلب میں منات اور اخلاق حمیدہ کو جلا دیتی ہے اسی طرح یہ ماسوی اللہ کو جلا دیتی ہے پھر وہ آگ کو فوراً کما نے لگ جاتے ہیں۔

سوال، مَا یاکلون فی بطونھم نارا کیوں فرمایا ہے؟

جواب اس لیے کہ ان کا فساد باطن میں تھا اس لیے ان کو عتاب بھی ہوگا

لا یکلمھم یوم القیٰمۃ ، کیوں فرمایا؟

جواب؛ اس لیے کہ وہ عالم دنیا میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام چھپایا اور حق کی بات ظاہر نہ کی اسی لیے اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہ کرے گا تاکہ برائی کی سزا برائی سے ہو۔

سوال: انھیں صاف ستھرا کیوں نہیں کیا جائے گا؟

جواب تزکیۂ نفس انسان کے لیے اس کے ایمان اور اعمال صالحہ بصدق النیۃ اور تہذیب الاخلاق بآداب شریعت کی وجہ سے مقدر ہوا جب انھوں نے اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی تو پھر ان کا تزکیہ نفس کیسا۔

ف روگردانی کرنے والے علماء تھے جنھوں نے حبِّ دنیا لے کر اظہار حق جیسی نعمت کو بیچ ڈالا اور حق تعالیٰ پر خلق کو ترجیح دی اور افضل جہاد سے روگردانی کی۔

حدیث شریف : افضل الجہاد کلمۃ الحق عند سلطان جائر ظالم بادشاہ کے سامنے حق کہنا بہت بڑا جہاد ہے

مسئلہ دلائل اور براہین قائم کرنا جہادِ اکبر ہے بخلاف تلوار اور نیزوں کے ساتھ جہاد کرنے کے کیونکہ یہ جہاد اصغر ہے۔

نسخہ روحانی کتمان حق کا دار و مدار حبِ دنیا پر ہے اور قاعدہ ہے دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے

بے عمل علماء و حفاظ کی سزا کا نمونہ قیامت کے دن قرآن پاک کے بے عمل حفاظ کو دوزخ کی آگ تیزی سے گرفت کرے گی بہ نسبت بتوں کے پجاریوں کے۔ حفاظ عرض کریں گے یا اللہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہمیں سخت سزا مل رہی ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا عالم اور جاہل میں فرق ہے جو شخص دین دے کر دنیا خریدتا تھا اسے وہ سودا گھاٹے میں پڑا جس کی سزا آج مل رہی ہے اور ایسا شخص ہمیشہ شیطان کے جھگڑے میں معاون رہتا ہے۔

حکایت کسی شخص نے شیخ ابو الدین سے پوچھا کہ شیطان کو ہمارے سے کیا شکایت ہے شیخ نے فرمایا وہ تمھارے آنے سے پہلے تھا جب کہ اسے معلوم ہوا کہ یہ لوگ میری شکایت کریں گے وہ کہتا ہے میرا کام تو صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا کا مالک بنا دیا مجھ سے جو بھی میری دنیا چھینتا ہے تو میں اسوقت تسلی اور آرام سے بیٹھتا ہوں جب تک اس سے اس کا ایمان نہ چھین لوں۔

سبق مبارکبادی کا مستحق ہے ہر وہ انسان جو دنیا اور اس کی زیب و زینت سے ہاتھ دھو بیٹھا اور دنیا کے گورکھ دھندوں سے جی چرا گیا۔

حکایت حضرت سکندر ذوالقرنین کا ایک ایسی قوم پر گذر ہوا جنھوں نے دنیا کو ایک لخت طلاق دے دی اور اپنے گھروں کے دروازے

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ
الْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ۚ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَ
السَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ
فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝ يَا أَيُّهَا
الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ
مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَ
رَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

ترجمہ: مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنا تمھاری کوئی نیکی نہیں ہاں اصل نیکی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اور قیامت کے دن اور فرشتوں اور کتابو
اور نبیوں پر ایمان لائے اور اللہ تعالےٰ کی محبت میں اپنے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں کو گردنیں
آزاد کرانے میں اپنا مال دے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور اپنے وعدے پورے کرے اور مصیبت اور سختی میں اور جنگ کے
وقت صبر کرنے والے یہی لوگ ہیں جنھوں نے سچ کہا اور یہی لوگ متقی ہیں۔ اے ایمان والو تمھارے اوپر مقتولوں کے عوض خون کا بدلا
فرض ہے آزاد انسان کے عوض آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت ہاں جسے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ
معافی ہو جائے تو خون بہا کا تقاضا بھلائی سے ہو اور احسان و مروت سے اس کی ادائیگی ہو یہ تمھارے رب سے تمھارے لیے تخفیف اور
رحمت ہے پھر جو شخص اس کے بعد زیادتی کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے اور خون کے بدلہ لینے میں تمھاری زندگی ہے اے
عقل والو تاکہ تم پرہیز رکھو۔

بقیہ صفحہ گذشتہ:

گورستان کی طرف کر دیے اور خوراک کے لیے ساگ اور پتوں پر گذارہ بنا لیا اور صرف طاعت الٰہی میں مصروف تھے حضرت سکندر نے ان کے
سردار کی طرف پیغام بھیجا کہ تمھیں سکندر ملنا چاہتا ہے انھوں نے کہا ہمیں سکندر کی کوئی ضرورت نہیں پھر خود سکندر ان کے پاس حاضر
ہوئے اور عرض کی تمھارے پاس سونا چاندی کیوں نہیں؟ انھوں نے کہا ہمارے ہاں ان کا کوئی طالب ہے نہیں پھر وہ ہمارے پاس کیوں
ہو اور نہ ہی دنیا کسی کا پیٹ بھر سکتی ہے اس لیے ہم نے اہل قبور سے دوستی جوڑ لی ہے تاکہ ہم کسی وقت بھی موت نہ بھولیں اس کے بعد
ان نیکوں کے سردار نے ایک کھوپری نکالی اور سکندر کو کہا یہ سر ایک بادشاہ کا ہے جو رعایا پر ظلم کرتا تھا اور دنیا کے تمام اسباب اس
کے پاس موجود تھے لیکن جب اللہ تعالےٰ نے اسے موت کے گھاٹ اتارا تو اس پر گناہوں کی سزا کے سوا کچھ بھی نہیں اس کے بعد دوسری
کھوپری دکھائی اور کہا یہ اس بادشاہ کا سر ہے جو رعایا سے عدل و انصاف کرتا تھا اور رعایا کے لیے بڑا شفیق تھا لیکن موت نے آنا تھا آ گئی
مگر اب وہ بہشت کی خوش فضاؤں میں گزار رہا ہے اور اس کے درجات بھی بہت بلند ہیں۔ اس کے بعد اس اللہ والے نے سکندر کے سر پر

بقیہ صفحہ گذشتہ ۔
ہاتھ رکھ کر پوچھا بتایئے تیرا سران دونوں میں سے کونسا ہے یہ بات سن کر سکندر رو پڑے اور عرض کی حضرت جی مجھے اپنے پاس رہنے کی عرض قبول کیجیے میں آپ کو اپنی بادشاہی لکھ دیتا ہوں بلکہ وزارت عظمٰی کا قلمدان آپ کے سپرد کرتا ہوں ۔ اللہ والے نے کہا توبہ توبہ ذوالقرنین نے کہا کیوں حضور! اُس اللہ والے نے فرمایا ۔ کہ تمام لوگ تیرے صرف اس لیے دشمن ہیں کہ تیرے پاس جاہ وجلال اور مال واسباب ہے اور یہ سب کے سب میرے دوست ہیں کہ میرے پاس جاہ وجلال اور مال واسباب نہیں ۔
حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

درگوشۂ قناعت نان پارۂ ویست
درپیش اہل معنی بہتراز عدہ خزینہ

ترجمہ اہل حقیقت کے نزدیک قناعت کے گوشہ میں باسی روٹی کا ایک ٹکڑا سو خزانوں سے بہتر ہے ۔

تفسیر عالمانہ لَيْسَ الْبِرَّ ہر وہ نیک عمل جو مال کو بہشت میں لے جائے اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ یعنی اے اہل کتاب نماز میں تم اپنے مونہوں کو پھیر دو قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ مشرق اور مغرب کی طرف یعنی ان کے مقابلہ میں یہ ظرف مکان ہے ۔ ان تولوا کا اور البر لیس کی خبر مقدم کی وجہ سے منصوب ہے اور ان تولوا مؤول بالمصدر ہو کر اسم مؤخر ہے ۔

سوال ان تولوا کو اسم مؤخر اور البر کو خبر مقدم بنانے میں کیا حکمت ہے باوجودیکہ البر معرف باللام اسم بن سکتا ہے ؟

جواب نحو کا قاعدہ ہے کہ اسم خبر سے اعرف ہونا چاہیے اور ان تولوا البر سے اعرف ہے اس لیے کہ اسے ضمیر سے مشابہت ہے کہ جس طرح ضمیر نہ موصوف بن سکتی ہے اور نہ صفت اسی طرح ان تولوا مؤول بالمصدر بھی ۔ فلہٰذا اس کا اسم ہونا زیادہ اہم ہے ۔

شانِ نزول جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ شریف کو قبلہ بنایا تو یہود و نصاریٰ چہ میگوئیاں کرنے لگے اپنے اس گمان فاسد پر کہ نیکی تو اس کا نام ہے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے عبادت کی اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور فرمایا نیکی اس کا نام نہیں کہ جس نظریے پر تم ہو اب تو بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم منسوخ ہو گیا اور منسوخ الحکم پر عمل کرنا نیکی نہیں ۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ لیکن نیک وہ ہے جو نیکی کے لیے اہتمام اور جد وجہد کرے ۔ من یہاں پر بر کا مضاف محذوف ہے ۔

سوال مضاف محذوف ماننے کی کیا حکمت ہے ؟

جواب لکن کا اسم اسمائے معانی سے ہے اور خبر اسمائے اعیان سے ہے اگر مضاف محذوف نہ مانا جائے تو اسم کا خبر محمول ہونا ممتنع ہو جاتا ہے بنابریں مضاف ماننا پڑا ۔

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ منی نیکی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ پر ایمان ہو کہ جس میں شرک کا شائبہ بھی نہ رہے جیسے یہود و نصاریٰ کا غلط عقیدہ ہے کہ حضرت عزیر علیٰ نبینا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں ۔

سوال ایمان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر پہلے کیوں لایا گیا ؟

جواب یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا جمیع کمالات علمیہ و عملیہ کا اصل ہے۔

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ یعنی قیامت کے دن پر ایمان ہو اس لیے کہ اس میں اعمال کی جزا دی جائے گی اور وہ لامحالہ واقع ہونے والا ہے نہ یہود و نصاریٰ کے گمان فاسد پر کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں صرف چند دن جہنم میں ڈالا جائے گا اور ہمارے آبائی انبیاء علیہم السلام ہماری سفارش فرمائیں گے

سوال آخرت پر ایمان لانے کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد کیوں ذکر کیا گیا۔

جواب آخرت پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ پر متفرع ہے اس لیے کہ جب تک ہم یقین نہ کریں کہ وہ عبادت کا مستحق ہے اور وہ تمام ممکنات پر قادر ہے اس وقت تک ہمیں بعث و نشر یعنی قیامت پر ایمان لانا ناممکن ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اس بات کا محرک و موجب ہے کہ اس کی رحمت پر امید اور اس سے خوف کرکے اس کی عبادت کی جائے اور جن امور سے اس نے روکا ہے ان سے بچا جائے

وَالْمَلٰٓئِكَةِ تمام ملائکہ پر ایمان ہو۔ اس طریق پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں نہ وہ مرد ہیں نہ وہ عورتیں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی اولاد۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے مابین واسطہ ہیں یعنی القائے وحی اور انزال کتب پر مامور ہیں یہود نے غلطی کھائی کہ وہ جبریل علیہ السلام کے لیے کہتے کہ وہ ان کے دشمن ہیں وَالْكِتٰبِ یعنی کتابوں پر ایمان ہو یہاں پر الکتاب جنس کتاب مراد ہے یعنی فرقان حمید اور یہود نے اپنی عادت کے مطابق قرآن مجید کو کتب الٰہیہ نہیں مانا اگرچہ انہیں دلائل سے سمجھایا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے لیکن انہوں نے یہ قبول کرنے سے انکار کر دیا وَالنَّبِيّٖنَ اور تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان ہو بایں طور کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مخلوق کی طرف بھیجے جاتے اور حق پر قائم امر و نہی اور وعد و وعید بتانے میں سچے ہوتے ہیں ہمارا سب پر بلا تفریق ایمان ہے لیکن بنی اسرائیل کی بدقسمتی کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو شہید کر ڈالا اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکار کر دیا۔

سوال ملائکہ اور کتب پر ایمان لانا انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کے بعد کا عقیدہ ہے لیکن یہاں ان دونوں کو نبیوں پر ایمان لانے سے پہلے ذکر کر دیا گیا

جواب صرف اس بات کو ملحوظ رکھ کر کہ وجود میں ملائکہ اور کتب پہلے ہیں اس لیے کہ ملائکہ کرام پہلے وجود میں آئے پھر ان کے واسطہ سے کتابیں نازل ہوئیں بعد میں انبیاء علیہم السلام نے دعوت حق کے احکام سنائے

عقیدہ جو امور پانچ مذکور ہوئے انہیں دین کے اصول اور عقائد کے قواعد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وَاٰتَى الْمَالَ اور جس نے مال یا صدقہ اپنی کمائی سے دیا عَلٰى حُبِّهٖ یہ اٰتی کی ضمیر سے حال ہے اور حُبِّهٖ کی ضمیر مال کی طرف لوٹتی ہے اب عبارت یوں ہوگی واتی المال کائنا علی حب المال یعنی باوجودیکہ مال سے محبت ہے تب بھی اللہ تعالیٰ کے نام پر دیتا ہے۔

حدیث حضور علیہ السلام نے فرمایا جب آپ سے پوچھا گیا ای الصدقۃ افضل یعنی کونسا صدقہ افضل ہے آپ نے فرمایا:

تؤتیہ وانت صحیح شحیح تامل العیش وتخشی الفقر ولا تمهل حتی اذا بلغت الحلقوم قلت بفلان کذا ولفلان کذا وقد کان بفلان یعنی مال اسے تجھے صحت ہو اور بخل دامنگیر ہو جس میں تجھے عیش کی خواہش اور فقر کا خطرہ ہو اور اسے اس انتظار تک نہ چھوڑے رکھے یہاں تک کہ روح حلق سے نکل رہی ہو اور تم کہہ رہے ہو کہ فلاں فقیر کو اتنا دو اور فلاں کو اتنا اور میں نے فلاں کو اتنا دینا تھا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

پریشان کن امروز گنجینہ چست
کہ فردا کلیدش نہ در دست تست

کنوں بر دست نہ بہ چیز ہست
کہ فردا بدنداں گسزی پشت دست

ترجمہ آج ہی اپنا خزانہ جلد خرچ کر دے اس لیے کہ چند روز کے بعد اس خزانہ کی چابی تیرے ہاتھ میں نہ ہوگی جو کچھ ہے آج ہی اپنے ہاتھ پر رکھ کر خرچ کر دے اس لیے کہ کل کو پریشانی سے ہاتھ کو چبائے گا

آتی کا مفعول بہ ہے بدلالۃ الحال

سوال دوسرے مستحقین پر اسے کیوں مقدم کیا گیا ہے

جواب اس لیے کہ دوسرے مستحقین سے اسے ترجیح حاصل ہے

حدیث حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
عام مسلمانوں پر صدقہ کرنے سے ایک ثواب اور اپنے عزیز رشتہ دار کو صدقہ دینا دوہرا ثواب ہے اس لیے کہ اس میں صدقہ کے علاوہ صلہ رحمی کا ثواب بھی شامل ہے۔

حدیث فرمایا: افضل الصدقۃ علی ذی الرحم الکاشح۔ بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنے عزیز رشتہ دار کو دیا جائے

وَالْيَتٰمٰى یتیم سے وہ یتیم مراد ہے جو مفلس ہو نہ کہ دولت مند۔

سوال یتیم کو دوسرے مستحقین پر کیوں مقدم کیا گیا ہے۔

جواب اس لیے کہ وہ یتیم جو صغیر ہو اور پھر فقیر بھی تو ضرورت کے لحاظ سے دیگر مستحقین سے زیادہ محتاج ہے

وَالْمَسٰكِيْنَ مسکین کی جمع ہے مسکین دو قسم ہے ایک وہ جو کسی سے کچھ نہ مانگے اور یہاں بھی یہی مراد ہے دوسرا وہ جو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا پھرے اور یہ دوسرا مسکین سائلین کے زمرہ میں داخل ہے مسکین لفظ ساکن کا مبالغہ ہے چونکہ مسکین کو اپنی ضرورت کی مقدار کے لیے لوگوں کے ہاں سکون ملتا ہے اس لیے اسے مسکین کہا جاتا ہے۔

وَابْنَ السَّبِيْلِ یعنی وہ مسافر جو اپنے مال سے بعید ہو چونکہ مسافر سفر کا التزام رکھتا ہے بنا بریں اسے ابن السبیل کہا جاتا ہے جیسے ڈاکو کو ابن الطریق اور بوڑھے کو ابن اللیالی اور پانی کے پرندے کو ابن الما کہا جاتا ہے۔ ضیف یعنی مہمان کو بھی ابن السبیل کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ راستہ کو طے کر کے آتا ہے گویا یہ اس سے پیدا ہوا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ مہمان کی عزت کرے۔

حدیث اور فرمایا: اکرموا الضیف ولو کان کافرا مہمان کی عزت کرو اگرچہ کافر ہو۔

وَالسَّآئِلِيْنَ یعنی وہ لوگ جنہیں ضرورت سوال پر مجبور کرے۔

حدیث شریف: للسائل حق وان جاء علی فرس۔ سائل کا تم پر حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

نہ خواہندہ بر در دیگراں
بشکرانہ خواہندہ از در مراں

تم دوسروں کے دست نگر نہیں ہو اس لیے بطور شکریہ سائل کو اپنے دروازہ سے خالی نہ لوٹا۔

وَفِي الرِّقَابِ: گردنیں آزاد کرانے میں یعنی مکاتبین کی معاونت کرکے۔ رقاب، رقبہ کی جمع ہے در اصل رقبہ گردن کے پچھلے حصہ کو کہتے ہیں مراقبہ سے مشتق ہے اس لیے کہ یہ جگہ قوم کے منتظر رقیب کی انتظار گاہ ہے جب کہا جائے کہ اعتق اللہ رقبتہ اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کفار کے یعنی اس عذاب سے خلاصی دی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں یہاں پر وہ عبید مراد ہیں جنہیں دولت مند لوگ آزاد کرانے کے لیے خریدتے ہیں بعض کہتے ہیں وہ قیدی مراد ہیں یا جنہیں دولت مند لوگ رقم دے کر قید سے چھڑاتے ہیں یہی وہ مقامات ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے حسب الحکم اپنی جائداد اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کی جاتی ہے لیکن یہود نے ان مصارف میں بھی خیانت کی کہ لوگوں کے ناحق مال کھائے اسلام کی حقیقت کے دلائل لوگوں سے چھپائے اور لوگوں سے معمولی رقم لے کر دین کو بیچا جیسے کہ ان کی عادت تھی کہ اپنے سے کم درجہ کے لوگوں سے مال لیا کرتے۔ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ اور فرض نماز ادا کرے۔ اس کا عطف من کے صلہ یعنی امن وآتی پر اور یہود اس کے برعکس لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ سے روکتے ہیں۔ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ اور زکوٰۃ دے یعنی مذکورہ مصارف پر مال خرچ کرے

سوال فرضی صدقہ کو نفلی صدقہ سے کیوں مؤخر کیا؟

جواب ان لوگوں پر خرچ کرنے کی ترغیب میں مبالغہ کیا گیا ہے پہلے زکوٰۃ کے مصارف کا ذکر کیا اب وجوب ادا کا ذکر ہے۔

وَالْمُوْفُوْنَ اس کا عطف من امن پر ہے در اصل عبارت یوں تھی ومن اوفوا ۔ بِعَهْدِهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرنے والے ہیں یعنی اس کے اوامر و نواہی یا منتیں پوری ادا کرنے والے ہیں اِذَا عَاهَدُوْا یعنی ان کے اور اللہ تعالیٰ کے یا ان کے اور لوگوں کے مابین وعدے ہیں جو وعدہ کرتے ہیں تو پورا کرتے ہیں یا جب منت مانتے ہیں تو اسے ادا کرتے ہیں اور جو بات کرتے ہیں تو سچ بولتے ہیں اور جب کسی کی امانت رکھتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں۔

حدیث شریف: ومن اعطی عهد الله ثم نقضه فالله ینظر الیه یعنی جو اللہ تعالیٰ کا عہد دے کر توڑ دیتا ہے قیامت میں اللہ تعالیٰ اس پر نظر عنایت نہیں فرمائے گا۔

حدیث شریف: ومن اعطی ذمة رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم غدر فالنبی خصمه یوم القیمة۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ دے کر دھوکہ کرتا ہے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ کا نبی اس سے جھگڑے گا یہود نے اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وادفو بعہدی اوف بعہدیکم یعنی تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔

مثنوی شریف میں ہے۔

چوں درخت است آدمی و بیخ عہد

بیخ را تیمار می باید بجہد

عہد فاسد بیخ بوسیدہ بود

وز ثمار و لطف ببریدہ بود

شاخ و برگ نخل گرچہ سبز بود

چوں تبہ شد بیخ سبزے نیست بود

ور ندارد برگ و سبز و بیخ چست

عاقبت بیروں کند صد برگ دست

ترجمہ: آدمی درخت اور اس کا عہد بمنزلہ جڑ کے ہے جڑ کو مضبوط کرنا لازم ہے جب عہد کمزور ہو سمجھو جڑ کمزور ہے تو درخت بے کار پھر اسے سوائے کاٹنے کے چارہ نہیں ہوتا کوئی کھجور سرسبز تازہ ہو لیکن جب اس کی جڑ کھوکھلی ہو جائے تو اسے کاٹ لیا جاتا ہے اگرچہ پتے سبز اور جڑ سوکھ جائے تو اس درخت کی ہستی ختم ہو جاتی ہے۔

وَالصّٰبِرِيْنَ یہ مدح کے طور منصوب ہے یعنی یہاں لفظ امنی محذوف ہے اور اس کا درحقیقت مثنوی علیٰ من آمن پر عطف ہے تاکہ صبر کی فضیلت پر تنبیہ ہو اب عبارت یوں ہوگی: مذین صبروا۔ فِي الْبَاْسَآءِ یعنی وہ لوگ فقر و شدت میں صبر کرنے والے ہیں۔ وَالضَّرَّآءِ اور مرض و تکلیف میں وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط یہ الصابرین کی وجہ سے منصوب ہے یعنی وقت الشدۃ والباس یعنی سختی خصوصاً جنگ کی سختی دراصل باس مطلق شدت کو کہتے ہیں اور پھر حین کے اضافہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ جنگ کا خوف کبھی کبھی ہوتا ہے اور پھر جلد ہی ختم ہو جاتا ہے اہل کتاب اس صفت میں بھی ناقص ہیں کہ انہیں جنگ سے نہایت درجہ کا خوف ہوتا ہے اور بے حد بزدل ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اہل کتاب نے تحویل قبلہ کے بعد ڈھونگ رچا رکھا تھا کہ نیکی صرف مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے کا نام ہے اور کہتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کو منسوخ کرنے سے نیکی کا کام نہیں کیا گویا انہوں نے نیکی کا دار و مدار استقبال قبلہ کو سمجھ رکھا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا نیکی صرف استقبال قبلہ کا نام نہیں نیکی کے لیے دوسرے ارکان بھی ہیں فلہٰذا تمہیں چاہیے کہ جہاں استقبال قبلہ کو نیکی سمجھتے ہو وہاں دوسرے ارکان کو بھی عمل میں لاؤ۔

اُولٰٓئِكَ یعنی وہ لوگ جو مذکورہ اوصاف سے موصوف ہیں۔ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین میں سچ کہا اور حق کی تابعداری کی اور نیکی میں جد و جہد کی تو ان کو حالات کی تبدیلی نقصان پہنچاتی ہے اور نہ ہی حالات کے بدلنے سے اپنے حال کو

بچتے ہیں۔ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ اور یہ وہی لوگ ہیں جو کفر اور دیگر تمام رذیل کردار سے بچتے ہیں

سوال اولئك کا تکرار کس لیے ؟

جواب تاکہ معلوم ہو کہ ان لوگوں کی شان بلند ہے۔

سوال درمیان میں ھم ضمیر لانے کا کیا فائدہ ؟

جواب تاکہ اشارہ ہو جائے کہ تقویٰ صرف انہی اوصاف سے موصوف ہونے کا نام ہے۔

تفسیر صوفیانہ : یہ آیت تمام کمالاتِ انسانیہ کی جامع ہے اور اس کے کمالات کو صراحۃً اور ضمناً تمام پر دلالت کرنے والی ہے

ف : معلوم ہا کہ کمالات انسانیہ جو کثیر اور ان کے مختلف شعبہ جات ہونے کے باوجود صرف تین چیزوں میں منحصر ہیں۔

۱۔ اچھا معاشرہ

۲۔ اعتقاد صحیح

۳۔ تہذیب نفس

من اٰمن سے النبیین تک پہلے کی طرف اور اٰتی المال سے وفی الرقاب تک دوسرے کی طرف اور اقام الصلوٰۃ الخ تک تیسرے کی طرف اشارہ ہے اسی لیے صحت ایمان اور اعتقاد کی وجہ سے انہیں صدق سے اور جو جامع صفت ہے اور خلق سے حسن معاشرہ اور حق سے نیک معاملہ کی وجہ سے انہیں تقویٰ سے موصوف کیا گیا۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا من عمل بھذہ الاٰیۃ فقد استکمل الایمان جس نے اس آیت پر عمل کیا اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی۔

ف ہمارے شیخ ابقا اللہ تعالیٰ بالسلامۃ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے دل میں القا ہوا کہ مرد کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہترین اخلاق تسلیم و رضا ہیں اور خلق سے بہترین معاملہ عفو و سخا ہے

ف مال کی محبت نفس کے عادات سے ہے اور بخلت اخلاق رذیہ میں شمار ہوتی ہے اسی لیے کہا گیا یعنی صبر شکر سے افضل ہے۔

حدیث شریف قیامت میں اعلیٰ شاکر کو لایا جائے گا اور اسے شکر گذار لوگوں کی طرح جزا دی جائے گی پھر صابر انسان کو لایا جائے گا اسے اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ انعام تجھے عطا کر رہا ہوں تو اس کا شکر ادا کر اس لیے کہ میں نے تجھے مصیبت میں مبتلا تو تو نے صبر کیا میں تجھے دوگنا اجر دیتا ہوں اس کے بعد اسے شکر گذار لوگوں کا اجر دیا جائے گا۔

ف حقیقت یہ ہے کہ تہذیب النفس توحید بطریق المخصوص سے حاصل ہوتی ہے جیسے کہ ایمان توحید و شہادت سے۔

تفسیر عالمانہ : يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ط یہ خطاب مومنین کے امہ کو ہے ... اللہ تعالیٰ نے امام یا اس کے قائم مقام پر واجب فرمایا ہے کہ وہ قصاص کے حدود قائم کرے اصل عبارت یوں تھی۔

یا ایها الائمۃ الخ یعنی اے ائمہ تم پر قصاص کے حدود قائم کرنا فرض ہے جب کہ ولی الدم اس کا مطالبہ کرے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ خطاب قاتلین کو ہو۔ اب معنی یوں ہوگا کہ اے عمداً قتل کرنے والو تمہارے اوپر اپنے نفسوں کا حدود کے لیے پیش کر دینا واجب ہے جب کہ تم سے ولی الدم اس کا مطالبہ کرے یہ اس لیے کہ قاتل کو قصاص سے روگردانی درست نہیں اس لیے کہ یہ حقوق العباد میں سے ہے بخلاف زانی اور شرابی کے کہ وہ حدود سے روگردانی کریں تو کر سکتے ہیں اس لیے کہ وہ حقوق اللہ سے گمراہ ہیں ۔

ف قصاص یہ ہے کہ انسان کے ساتھ اسی طرح کیا جائے جس طرح اس نے کیا۔ اگر کسی کو قتل کیا تو اسے قتل کیا جائے اگر کسی کی آنکھ نکالی تو اس کی بھی آنکھ نکالی جائے ۔ وغیرہ وغیرہ دراصل قصاص برادری اور مماثلت فی الانفس والاطراف والاعضا کو کہا جاتا ہے۔ قتلیٰ قتیل کی جمع ہے اور فی سببیہ ہے یعنی فی القتلیٰ میں اسی سبب قتل القتلیٰ ۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے: ان امراۃ دخلت النار فی ھرۃ ربطھا ای بسبب ربطھا ایاھا یعنی ایک عورت دوزخ میں جائے گی ایک بلی کی وجہ سے کہ اس نے اسے باندھ رکھا تھا۔ یہاں فی سببیہ ہے اور وقف لفظ القتلیٰ پر بہتر ہے **اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ** یہ دونوں مبتدا خبر ہیں یعنی آزاد آدمی آزاد آدمی کی طرح ماخوذ اور مقتول ہے ۔ **وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی**

شان نزول عرب کے دو قبیلوں کے زمانہ جاہلیت کے قصاص یوں تھے کہ ان میں ایک کو دوسرے پر فوقیت و فضیلت حاصل تھی اس بنا پر آپس میں معاہدہ کر رکھا تھا فوقیت والے کے عبد کے عوض میں آزاد اور عورت کے عوض مرد اور ایک کے عوض دو کو قتل کیا جائے جب اسلام کا دور آیا تو انہوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہی فیصلہ پیش کیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپس میں عدل و انصاف قائم کرو ۔

ف الحر بالحر حصر کے لیے نہیں کہ قصاص صرف دو آزاد مردوں یا دو عبدوں یا دو عورتوں پر ہی جاری ہو۔ بلکہ اس سے صرف یہ ثابت ہو رہی ہے کہ مذکور لوگوں پر بھی قصاص واجب ہے قطع نظر اس کے کہ اس میں دیگر اقسام کی طرف اشارہ ہے یا نہیں اس لیے کہ کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ یہ مستقل جملہ ہے اور الحر بالحر جملہ مذکورہ کے جزئیات میں سے ایک جزئی ہے اور قاعدہ ہے کہ جملہ کے بعض جزئیات کا ذکر اس کے باقی جزئیات کی نفی نہیں کرتا بلکہ ممکن ہے کہ یہ تخصیص کسی اور فائدے کے لیے ہو کہ جس میں اس کے باقی اقسام کی نفی مقصود نہ ہو اور وہ فائدہ یہی ہے کہ زمانہ جاہلیت کی بری رسم مٹ جائے کہ وہ ایک قبیلے کے عبد کی بجائے دوسرے قبیلہ کے آزاد کو قتل کرتے وغیرہ وغیرہ اس میں اس بات کی بھی نفی نہیں کہ حر و عبد اور مرد و عورت کے مابین قصاص جاری نہ ہو بلکہ اس میں اس سے روکا گیا ہے کہ قاتل کے بجائے غیر قاتل سے قصاص نہ لیا جائے ۔

مسئلہ امام ابوحنیفہ اور امام ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبد کا آزاد سے اور کافر کا مومن سے قصاص لیا جائے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس یعنی ہم نے ان پر فرض کیا تھا کہ نفس کا نفس کے عوض قصاص ہے اس آیت میں عموم ہے مومن کافر آزاد اور عبد کی کوئی تخصیص نہیں اور قاعدہ ہے کہ سابقہ شرائع کے احکام کے لیے جب ناسخ نہ ہو تو احکام ہماری شریعت میں بھی جاری رہتے ہیں فلہٰذا یہ حکم بھی ہم پر جاری ہوگا دوسرے یہ کہ مسلمان کی شان ہے کہ وہ ایک کے خون کی پاسداری کرے

تیسرا یہ کہ تفاصل فی النفس غیر معتبر ہے اس لیے کہ شریعت نے حکم دیا ہے کہ اگر جماعت نے ایک کو قتل کیا تب بھی جماعت پر قصاص واجب ہے چوتھا یہ کہ قصاص مساوات کو چاہتا ہے تاکہ جان و مال کی حفاظت ہو۔

مسئلہ امام شافعی و امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ مومن کو کافر کے عوض قتل نہیں کراتے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ے

خذوا مدلی هذا الغزال فانه
رمانی بسهمی مقلتیه علی عمد

ولا تقتلوا انی انا عبده
وفی مذهبی لا یقتل الحر بالعبد

ترجمہ اسی غزال کو میرے خون کے عوض پکڑو کہ جس نے عمداً اس کی دو آنکھوں کے تیروں نے مجھے عمداً قتل کیا ہے لیکن اسے قتل مت کرنا اس لیے کہ میں اس کا عبد ہوں اور میرا مذہب ہے کہ حُر کے عوض قتل نہیں کیا جاتا۔

فَمَنْ پس وہ شخص جس سے مراد قاتل ہے خواہ مَنْ شرطیہ ہو یا موصول **عُفِيَ لَهُ مِنْ اَخِيْهِ** اس جملہ کی دونوں ضمیریں قاتل کی طرف راجع ہیں **شَیْءٌ** یعنی معافی کا کچھ تھوڑا سا حصہ۔

سوال شئی مرفوع کیوں ہے؟

جواب عفی کے فاعل کا قائم مقام ہے اس لیے کہ شئے مصدر کے حکم میں ہے اب عبارت یوں ہوگی ۔

سوال عفی تو فعل لازم ہے پھر اس کا مفعول کیسا؟

جواب فعل لازم کا مفعول مطلق آتا ہے بنا بریں ہونے شئی کو مصدر کے معنی میں کر کے فاعل کے قائم مقام بنانا پڑا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں فاذا نفخ فی الصور نفخة یعنی صور کو پھونکا جائے گا۔ یہاں پر نفخہ نفخ کا مصدر نائب فاعل ہے اور اہل عرب کہتے ہیں سیر بزید بعض السیر وشی من السیر یعنی سیرہ بعض یہاں پر بھی بعض السیر وشی من السیر تاویلاً نائب فاعل ہے

ف شئی میں اس طرف اشارہ ہے کہ قاتل سے جب تھوڑا سا حصہ معاف کیا جائے یا مقتول کے ورثا میں سے کوئی ایک اپنا حق معاف کر دے تو قاتل سے قصاص معاف ہو جائے گا البتہ دیت ادا کرنی پڑے گی ۔

قاعدہ لفظ عفی ذنب اور جانی کی طرف متعدی ہوتا ہے پھر جب یہ ذنب کی طرف سے متعدی ہو تو ذنب پر عن داخل ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عفا الله عنه اور جب جانی کی طرف متعدی ہو تو جانی پر لام داخل ہوگا جیسے عفوت لفلان۔ جانی کو معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے جنایت کا موجب چھوڑ دیا جائے یہاں پر جنایت کا موجب قصاص ہے گویا یوں فرمایا گیا ہے کہ جب قاتل کو اس کا وارث یعنی مقتول کا بھائی معاف کر دے خواہ مکمل معافی ہو بایں طور کہ تمام ورثہ مقتول کے حق کا مطالبہ نہ کریں خواہ معافی غیر مکمل ہو کہ بعض ورثہ معاف کریں اور بعض کا مطالبہ ابھی قائم ہو ان ہر دونوں صورتوں میں قاتل سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔

شان نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس لیے نازل ہوئی ہے کہ قصاص کی صلح مال پر ہو یعنی قاتل مقتول

کے ورثہ کو مال دے کر راضی کر کے اپنے سے قصاص ساقط کرائے۔

س ۱۰۱ اللہ تعالیٰ نے دیت الجنایۃ کو رسائی سے کیوں تعبیر فرمایا؟

جواب تاکہ اسے قاتل کے لیے احسان سمجھ آئے اور اس پر نرمی کرے اور اس میں لطیف اشارہ ہے کہ قتل جیسے بڑے گناہ سے بھی اخوت اسلام باقی رہتی ہے اس میں معتزلہ کی بھی تردید ہو گئی وہ کہتے ہیں کہ انسان کبیرہ گناہ کرنے سے خارج از ایمان ہو جاتا ہے۔

فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے دراصل عبارت یوں تھی۔ واذا احصل شیئ من العفو وبطل الدم بعفو البعض فالامر اتباع بالمعروف یعنی جب قاتل کو معاف کیا جائے یا بعض ورثہ کی وجہ سے اس سے قصاص ساقط ہو جائے تو مقتول کے ورثہ پر لازم نیکی کا اتباع کریں یعنی مقتول کے ولی پر لازم ہے کہ قاتل سے صلح کے وقت جائز طور پر مطالبہ کرے اس کے ساتھ تنگی و تلخی سے پیش نہ آئے اور جب معاملہ صلح پر طے ہو تو شئے زائد کا مطالبہ نہ کرے۔

وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ اس میں معفو عنہ یعنی قاتل کو تنبیہ ہے کہ مال کو احسان و مروت کے طور ادا کرے یعنی قاتل پر لازم ہے کہ معاف کرنے والے مال کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور نہ ہی کھوٹا مال دے اور نہ ہی اسے ستائے کہ اس کا معاف کرنا اس پر عظیم احسان ہے کہ اس نے اس کی جان بچائی۔ **ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ** یعنی معاف کرا دینا اور قصاص کے عوض دیت ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی اور توسیع ہے **وَرَحْمَةٌ** اور اس کی کمال مہربانی ہے کہ نہ ہی تو علی الاطلاق معافی کا حکم دیا اور نہ ہی علی الاطلاق دیت لینے کا حکم صادر فرمایا بلکہ ہمیں تین امور میں سے ایک کا اختیار بخشا۔ ۱۔ قصاص ۲۔ دیت ۳۔ معافی۔ اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں صرف قصاص ہی واجب تھا تاکہ قاتل و مقتول کا پورا انصاف ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں معافی کا حکم تھا اور یہ فضل و احسان پر مبنی تھا۔ لیکن ہماری شریعت میں بہترین امور کو روا رکھا گیا ہے کہ اگر مقتول کے ورثہ کا دل ٹھنڈا یوں ہوتا ہے کہ قاتل کو مقتول کے عوض قتل کیا جائے تو قصاص لازم اور اگر مقتول کے ورثہ قاتل پر نرمی کرنا چاہیں تو دیت واجب ہے اگر مقتول کے ورثہ کرم و احسان کا مظاہرہ کریں تو سرے سے قاتل کو معاف ہی کر دیں **فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ** جو شخص معاف کر دینے کے بعد کسی قسم کی زیادتی کرے مثلاً قاتل کی بجائے اس کے کسی عزیز کو قتل کر دے یا خود قاتل کو قتل کر دیا جائے **فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ** پس اس کے لیے اس زیادتی کی وجہ سے دردناک عذاب ہے دنیا میں تو قتل کا قصاص لے کر اور آخرت میں جہنم کی آگ کا عذاب ہے۔

شانِ نزول زمانہ جاہلیت میں عادت تھی کہ قاتل سے دیت لے کر اسے معاف کر دیا جاتا اور اسے ہر طرح سے مطمئن کیا کر جب بھی موقعہ ملتا تو اسے قتل کر دیتے پھر مال اس کے ورثہ کو لوٹا دیتے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ یعنی اس قسم کے حکم یعنی قصاص میں بڑی زندگانی حاصل ہوگی۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت کی رسم تھی کہ ایک کے عوض جماعت کو قتل کر دیتے جیسے مہلہل بن ربیعہ نے اپنے بھائی کے عوض میں قلب قبیلہ کو مار ڈالا یا یوں ہوتا کہ قاتل کے بجائے کسی دوسرے کو قتل کر دیا جاتا تو اس کے فتنہ کی آگ بھڑک اٹھتی اس سے ان کا اختلاف لڑائی جھگڑا طول پکڑ جاتا یہاں تک کہ اسلام تشریف لایا تو قصاص شروع فرمایا جس سے ان لوگوں کو چین نصیب ہوا جو ان کے لیے ایک بڑی زندگانی ہے کیونکہ جب قاتل کو معلوم ہوگا کہ اگر میں کسی کو قتل کروں گا

تب میں اس کے عوض قتل کر دیا جائے گا تو وہ کسی دوسرے کو قتل کرنے سے رک جائے گا اسی طرح دوسروں کو بھی عبرت ہوگی اسی وجہ سے
قصاص سے دو نفسوں یا بہت زیادہ نفوس کی جان بچ جائے گی ۔

ف یہ کلام فصاحت و بلاغت میں کمال اعلیٰ درجہ کا رکھتا ہے اس حیثیت سے کہ ایک شے کو اپنی ضد کے قائم مقام کھڑا کیا گیا بایں طور کہ ایک
کا تحقق دوسرے کو مٹا دے مثلاً قصاص حیوٰۃ کو ختم کرنے کا نام ہے لیکن باوجود اس کے حیوٰۃ کا سبب ہے نیز قصاص کو حیوٰت کا ظرف بنا
کر ظرف حقیقی سے تشبیہ دی گئی ہے بایں طور کہ ظرف جب مظروف کو جاری ہوتا ہے تو مظروف کو ہر طرح کے فساد و نقصان سے محفوظ کر لیتا
ہے اسی طرح قصاص (ظرف) نے مظروف (حیوٰت) کو ہر طرح کی خرابیوں سے بچا لیا اس طریق سے قصاص حیوٰۃ کے لیے
ظرف ہے اس سے کلام کی لطافت واضح ہوگئی کہ شے کی ضد کو اس کا حامی و حافظ بنایا یہ بلاغت کے طریق میں سے ایک احسن طریقہ ہے
يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ایسے عقل والوں کہ جن کی عقل پر ایک غلط خیال و وہم کے اختلاط سے محفوظ ہے ان کو اس لیے ندا فرمائی کہ ان کو
غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے قصاص کا حکم دے کر کس عجیب حکمت سے ارواح و نفوس کو بچا لیا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ تاکہ تم اہل تقویٰ کا عمل یعنی
قصاص پر محافظت اور اس کا یقین کے ساتھ حکم دو یا قصاص کے خوف سے دوسرے کو قتل کرنے سے بچ جاؤ اس میں ناحق قتل کرنے کے فعل سے
خوف دلایا گیا ہے اس لیے کہ حقوق العباد میں سے سب سے بڑا حق کسی کو ناحق قتل کرنا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے سب سے بڑا حق نماز ہے۔

حدیث شریف قیامت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقتول حاضر ہوگا ایک ہاتھ میں اپنا سر لیے ہوئے اور دوسرے ہاتھ میں قاتل کی گردن
میں پکڑ ڈالا ہوگا اور اس کی رگیں خون سے بہہ رہی ہوں گی دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور میں ٹھہرے ہوں گے مقتول
عرض کرے گا یا اللہ اس نے مجھے مار ڈالا تھا اللہ تعالیٰ قاتل کو جھڑک دے کر فرمائے گا کہ اسے جہنم میں لے جاؤ پھر اسے جہنم میں ڈالا جائے گا ۔

ف گناہ تین قسم ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے بندے کے متعلق جیسے زنا اور طوالت اور غیبت اور بہتان ۔

مسئلہ اگر اس کا گلہ کیا ہے لیکن اس کو معلوم نہ ہو جب اس کو معلوم ہو جائے اور گلہ کی اس سے معافی لے لے اور اس گناہ سے توبہ کر لی ہو تو امید
ہے شاید اللہ تعالیٰ اسے بخش دے ۔

مسئلہ زانی نے کسی شخص کی عورت سے زنا کیا ہو اگر اس کا شوہر زندہ ہے اور اس نے معافی بھی نہیں دی تو اللہ تعالیٰ زانی کو ہرگز نہیں بخشے
اس لیے کہ قیامت میں زانی کا خصم بندہ ہے ہاں اگر زانی توبہ کرے اور وہ شخص اس زانی کو معاف بھی کر دے تو اللہ تعالیٰ بخش دے گا ۔

مسئلہ زانی اس شخص سے اس طرح معافی حاصل کر سکتا ہے مثلاً کہے جو تیرے حقوق میرے اُوپر ہیں وہ معاف کر دے وہ کہے کہ میں نے معاف
کر دیے اسے صلح المعلوم علی المجہول کہتے ہیں اور یہ جائز ہے اور یہ طریقہ صرف اسی امت سے خاص ہے سابقہ امتوں کے گناہ معاف نہیں ہو سکتے
تھے جب تک کہ اپنے گناہوں کی تفصیل نہ سنائی جاتی اللہ تعالیٰ کے حقوق بندے پر جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی توبہ کا مطلب یہ ہے کہ اس
نماز کی قضا دے یا کفارہ (اسقاط) کیا جائے، کیونکہ اس قسم کی توبہ کا معنی یہ ہے کہ جس عمل کو ترک کیا ہے اسے عمل میں لائے جب تک اسے عمل میں نہ
لائے گا گویا اس نے توبہ ہی نہیں کی بندے کے بندے پر حقوق مثلاً اس کا مال غصب کر لیا یا اسے ضرب ستم کرے یا اسے قتل کر دے اس میں توبہ قبول
نہیں ہوتی جب تک خصم معاف نہ کرے یا اپنی نیکیاں کرے کہ قیامت میں خود ان کی آپس میں صلح کرا دے کیونکہ جب بندہ سچے دل سے توبہ کرتا ہے کہ اگر

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ
بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ
إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ
إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ
قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ
يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۚ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

ترجمہ تم پر فرض ہوا کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے اگر کچھ مال چھوڑے تو اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے دستور شرع کے موافق وصیت کر جائے یہ پرہیزگاروں پر واجب ہے پس جو شخص دوسرے کی وصیت سن کر تبدیل کرے تو یہ گناہ ان لوگوں کو ہوگا جو وصیت کو تبدیل کرتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ سمیع علیم ہے پھر جسے وصیت کرنے والے سے بے انصافی اور گناہ کا خوف ہوا تو اس نے ان کی صلح کرا دی اس کا اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ وہ روزے چند گنتی کے دنوں میں رکھنے ہوں گے اور جن لوگوں کو روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ان پر واجب ہے کہ وہ ایک مسکین کے کھانے کا فدیہ بدلہ دیں پس جو شخص اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو وہ اس کے لیے اور بہتر ہے اور روزہ رکھنا تمہارے لیے زیادہ اچھا ہے اگر تمہیں کچھ خبر ہے ۔

بقیہ صفحۂ گذشتہ ۔

اس پر بندوں کے حقوق ہوتے ہیں اولاً تو اسے چاہیے کہ ارباب حقوق کو ان کے حقوق لوٹا دے اگر حقوق نہ لوٹا سکا تو اگر اللہ اس کی بخشش کا ارادہ فرمائے گا تو اس کے خصم کو بلا کر اس کے سامنے شاندار بلڈنگ کھڑی کر دے گا بندہ عرض کرے گا یا اللہ یہ بلڈنگ کس کی ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اس کو حاصل کر سکتا ہے اس کا ثمن صرف یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کو اپنے حقوق معاف کر دے عرض کرے گا یا اللہ میں نے اپنے حقوق اپنے اس بھائی کو معاف کر دیے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر دونوں بہشت میں چلے جاؤ ۔

تفسیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہارے لیے فرض کیا ہے کہ کسی کو قتل کرنے پر قصاص ہے جس طرح اپنے ذمہ کرم فرمایا ہے کہ جس شخص سے میں محبت کرتا ہوں تو اسے قتل کر دیتا ہوں اور جسے قتل کرتا ہوں تو اسے ہمکلامی کا شرف بخشتا ہوں مثنوی شریف میں ہے ۔ ؎

گر یکے سر را ببرد از بدن
صد ہزاراں سر برآرد در زمن

اقتلونی یا ثقاتی لائما
ای فی قتلی حیاتی دائما

ان فی موتی حیاتی یا فتیٰ

لم افارق موطنی حتی متیٰ

شیر دنیا جوید اوشکار و برگ

شیر مولیٰ جوید آزادی و مرگ

چونکہ اندر مرگ بیند صد وجود

ہمچو پروانہ بسوزد اندر وجود

کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ جب تمہارے ایک کو موت آئے تو تمہارے اوپر فرض ہے یعنی جب موت کے آثار ونشانات پائے جائیں مثلاً سخت بیماری ہو اور کوئی تکلیف ہو یہ اس لیے کہ موت کے وقت تو وصیت کی طاقت مفقود ہو جاتی ہے اذا کا عامل کتب کا مدلول ہے کیونکہ کتاب بمعنی ایجاب ہے اس لیے کہ ایجاب موت کے حاضر ہوئے وقت نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق مکلف کے ساتھ ہوتا ہے گویا یوں کہا گیا اللہ تعالیٰ کا ایجاب اور اس کا اقتضا تمہارے لیے متوجہ ہوا تو جہ ایجاب اور اس کے تعلق کو۔

نکتہ کتب سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ بات ازل سے لکھی جا چکی ہے۔

اِنْ تَرَكَ خَيْرًا اگر خیر چھوڑ جائے یعنی مال قلیل یا کثیر۔ مال کثیر کو کہا جاتا ہے فلاں ذو مال یعنی فلاں مال کثیر کا مالک ہے یہ استعمال قلیل مال کے لیے نہیں آتی۔

حکایت مرتے وقت کسی ایک مرد نے وصیت کا ارادہ کیا تو بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا تیرا کتنا مال ہے عرض کی تین ہزار آپ نے پوچھا تیرے عیال میں کتنے فرد ہیں عرض کی چار آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان ترک خیرا یعنی بہت مال چھوڑے اور تیرا یہ مال بہت تھوڑا ہے فلہٰذا یہی مال اپنے ورثا کے لیے چھوڑ کر جا۔

ف اصل میں خیر اس شئے کو کہتے ہیں جس کی طرف طبائع راغب ہوں اور وہ نافع بھی ہو کیونکہ یہ شر کی ضد ہے۔

ف اخوان الصفا کتاب میں فرمایا کہ خیر ہر اس فعل کو کہا جاتا ہے جو مناسب وقت میں ہو کہ اس وقت اس کا ہونا لائق مناسب ہے

اَلْوَصِيَّةُ کتب کا نائب فعل ہے۔ ای فرض الایصاء یعنی وصیت فرض کی گئی ہے۔ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ والدین اور ان رشتہ داروں کے لیے جو وراثت کے حق دار ہیں یا نہ بِالْمَعْرُوْفِ یہ حال ہے یعنی وصیت عدل کے طور پر ہو تو ثلث سے زائد ہو اور نہ ہی صرف دولتمند کے لیے کہ فقیر کا نام تک نہ لے۔

شانِ نزول اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ وصیت دور کے رشتہ داروں کے لیے کرتے صرف ریا اور شہرت اور فخر کے پیش نظر اور قریبی رشتہ دار اگرچہ نہایت مفلس اور غریب ہوتے تو اپنی وصیت سے انہیں محروم رکھتے اللہ تعالیٰ نے ان

کی اس بُری رسم کا پہلو تبدیل فرمایا کہ والدین کے ساتھ ان رشتہ داروں کے لیے وصیت کرو جو قریبی ہوں اس میں صلاح و حکمت کا واضح پہلو ان کے سامنے رکھا ۔

ف یہ حکم آیت میراث سے منسوخ ہو گیا جو سورت النساء میں موجود ہے یہ حکم کسی قریبی یا بعیدی رشتہ دار کے لیے وصیت نہ کرے ۔

مسئلہ اگر وصیت کرے تو قریبی بعیدی سب کو مدِ نظر رکھے لیکن جسے وراثت کا حق حاصل ہے اس کے لیے وصیت جاری نہ ہو گی ۔

حَقًّا ای لازمًا مفعول مطلق ہے، اصل عبارت یوں تھی (احق ھٰذہ الوصیۃ حقا) **عَلَى الْمُتَّقِيْنَ** یعنی یہ وصیت ان لوگوں پر واجب کر تا ہوں جو مال کو ضائع کرنے اور قریبی رشتہ داروں کو محروم کرنے سے بچتے ہیں یعنی اے لوگو اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو تو اس عمل کو نہ چھوڑو ۔

سوال ابن الشیخ اپنے حواشی میں فرماتے ہیں علی المتقین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف متقین کو ہے حالانکہ اجماع سے ثابت ہے کہ تمام واجبات و تکالیف (امور) متقین و غیر متقین سب پر واجب ہیں !

جواب حقا علی المتقین سے مراد یہ ہے کہ یہ حکم ہر اس شخص پر واجب ہے جو تقویٰ کے نشانات و طہارت کا عاشق اور اس کے حصول میں کوشاں اور اس کو اپنا مشغل سمجھتا ہے اس لحاظ سے ہر ایک کو یہ حکم شامل ہو گا ۔

فَمَنْ بَدَّلَهٗ پس وہ شخص جو وصیت کو تبدیل کرے ۔

سوال وصیت مؤنث ہے اور ہُ ضمیر مذکر ہے ؛

جواب وصیت مؤوّل بہ الیصاء ہے یعنی وصیت کے بجائے غیر وصیت جو شرعی کے خلاف بتاتا ہے مشہور یہی ہے کہ وصیت کا تبدیل کرنا وصی تحصر جس پر موت کے آثار ہیں یا گواہ کا کام ہے وصی تو اس معنیٰ پر کہ وہ ناجائز طور نصیحت لکھے یا تقسیم کے وقت غلط طریقہ اختیار کرے ۔ اور گواہ بایں معنیٰ کہ وہ شہادت غلط دے یا اسے سرے سے بیان نہ کرے ۔

ف یہ تبدیلی تمام لوگوں سے سرزد ہونے کا امکان ہے کہ وصیت کا مال مستحق کو نہ دیں اس معنے پر آیت عام ہو گی اور ہر ایک کو یہ حکم شامل ہو گا ۔

بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ سننے کے بعد یعنی جب انھیں یہ حکم پہنچا اور اس کی اسے تحقیق ہو چکی ۔ **فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ** یعنی یہ گناہ صرف ان لوگوں پر ہے جنھوں نے اس وصیت کو تبدیل کیا کیوں کہ انھوں نے ہی خیانت اور خلاف شرعی امر کا ارتکاب کیا یہ گناہ موصی یعنی وصیت کرنے والے میت پر نہیں وہ ایسے گناہ سے بری ہے ۔ **اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ** بے شک وہ اللہ سمیع ہے وصیت کرنے والے اور وصیت تبدیل کرنے والے کو جانتا ہے اس کے ثواب و جزا وغیرہ کو کہ وہ قیامت میں ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا دے گا ۔ **فَمَنْ خَافَ** پس وہ شخص جو خوف کرتا اور جانتا ہے یہاں لازم کا ملزوم پر اطلاق ہے ؛

مِنْ مُّوْصٍ یعنی اس شخص سے کہ جس نے وصیت کی ہو سکتا ہے کہ اس کا متعلق خاف ہو کیوں کہ یہ من ابتدائیہ غایت کے لیے ہے اور اس کا متعلق محذوف اور جنفا سے حال ہو ۔

سوال اسے مقدم کیوں کیاگیا۔
جواب دراصل یہ جنفاً کی صفت تھی لیکن چونکہ صفت اپنے موصوف سے مقدم نہیں ہوسکتی اور حال ذوالحال سے مقدم ہوسکتا ہے اس لیے
سے مقدم کیاگیا۔
جَنَفًا یعنی وصیت میں خطا کر کے حق سے روگردانی کرے اَوْ اِثْمًا یعنی یا عمداً حق سے روگردانی کریں یعنی یا تو وصیت کرنے والا وصیت
کے مقام کو بھول کر وصیت کر دے یا وصیت کی مقدار کو بڑھا دے یا ایسے شخص کے لیے وصیت کرے جس کے لیے اسے وصیت جائز نہیں۔
فَاَصْلَحَ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وصیت کرنے والا ہو کیونکہ وصیت کو اس سے زیادہ تعلق ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے صرف
وصی مراد نہ لیا جائے بلکہ ہر وہ شخص جس سے میت کی وصیت کے متعلق فساد کا ذمہ حاصل ہو خواہ وہ ولی ہو یا والی یا وصی خواہ وہ نیکی کا حکم دے
یا وہ مفتی ہو یا قاضی یا وارث۔ بَیْنَهُمْ یعنی موصٰی لہم یعنے اس کے والدین اور اس کے اقربا کے مابین اصلاح کرے یعنی میت کی وصیت کو
تبدیل کر دے لیکن شرع کے مطابق۔ فَلَا اِثْمَ عَلَیْهِ اس تبدیلی کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ اس میں باطل کو حق کی طرف لانا
مطلوب ہے اور یہ جائز ہے بخلاف پہلی بات کے کہ اس میں حق کی تبدیلی تھی۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔
اس میں صلح کے لیے رب کا وعدہ ہے اور اثم کی وجہ سے مغفرت کا ذکر کیا گیا یہ وہ فعل ہے جو لفظاً اثم ہے ہاں بعض تبدیلیاں گناہ ہوتی ہیں اور یہ
تبدیلیاں وہ ہیں جو حق کو باطل کی طرف پھیر دیں یہ ظاہرہ طور اثم ہے حقیقۃً اثم نہیں کیونکہ خیر کی طرف تبدیلی گناہ نہیں ہاں صرف لفظاً اثم ہے

مسئلہ وصیت کرنا مستحب ہے کیونکہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے اس لیے کہ انسان اپنی امیدوں کا فریب خوردہ ہے یعنی اسے مدت
طویل کی ہمیشہ ہی امید رہتی ہے اور عمل سے ہمیشہ کوتاہی کرتا رہتا ہے پس جب اسے موت دکھائی دیتی ہے اور سمجھتا ہے کہ
اب میں نہیں بچنے والا تو وہ اپنے مال کو کسی جائز جگہ خرچ کرنے کی فکر کرتا ہے تاکہ اگر وہ اس حالت میں مر بھی جائے تو مال کے بارے میں اس کا مقصد
پورا ہو اور اگر اسے موت چھوڑ دے تو پھر بھی مال کو اپنے مقصد پر خرچ کر سکے۔

حدیث شریف ان اللہ تصدق علیکم بثلث اموالکم فی اٰخر اعمارکم زیادۃ لکم فی اعمالکم تفعلونھا حیث شئتم
بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری آخری عمروں میں تمہارے تہائی اموال کو تمہارے اوپر صدقہ فرمایا ہے تاکہ تم اپنے اموال کو
بڑھا سکو اس وصیت کے مالوں کو جہاں چاہو خرچ کرو۔

ثبوت اسقاط ہر نماز اور ہر روزے کے لیے گندم کا نصف صاع وصیت کرے اسی لیے ہر وتر کے لیے بھی نصف صاع ضروری ہے
اسی طرح رمضان اور نذر کے روزہ کا حکم ہے (کذا فی تفسیر الشیخ)

مسئلہ جس شخص پر حج یا کفارہ فرض ہے تو اسے وصیت کرنا ضروری ہے اگر واجب نہیں تو پھر وصیت کرنے میں مختار ہے اور اسی پر
فتویٰ ہے۔

مسئلہ اپنے خصماؤں اور قرضداروں کو راضی کرنے کے لیے وصیت کرے۔

حکایت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا جب انتقال ہونے لگا تو فرمایا جب میں مر جاؤں تو فلاں کو میرے غسل کا کہنا جب ان کا انتقال ہوگیا

تو اسی شخص کو بلایا گیا تو اس نے آتے ہی کہا امام صاحب کا وصیت نامہ دکھاؤ اسے وصیت نامہ دکھایا گیا تو اس پر تھا کہ شافعی رحمۃ اللہ پر میرا قرض ہے اس شخص نے کہا کہ اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور امام صاحب نے بھی غسل سے یہی مراد لی تھی اور میرے غسل دینے کا بھی یہی مطلب

حدیث شریف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قال من لم یوص لم یوذن له فی الکلام مع الموتی قیل یارسول الله وھل تتکلم الموتی قال نعم ویتزاورون حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا جو وصیت کرکے نہیں مرتا تو اہل اموات سے اسے کلام کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی عرض کیا گیا اہل اموات آپس میں ہم کلام ہوتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں بلکہ وہ تو ایک دوسرے کی ملاقات کو بھی جاتے ہیں۔

ف امام صاحب بعض ائمہ اعلام سے نقل کرکے فرماتے ہیں کہ ارواح دو قسم ہیں (۱) انعام والے (۲) عذاب والے۔ عذاب والے تو عذاب میں مبتلا ہیں انہیں نہ تو کہیں جانے دیا جاتا ہے اور نہ ہی وہ کسی کی ملاقات کو جاتے ہیں اور انعام والوں کو کسی قسم کی رکاوٹ نہیں وہ ملاقات کے لیے آتے جاتے ہیں اور ملتے ملاتے ہیں اور دنیا میں آکر دنیا کے معاملات کو دیکھتے ہیں اور جو باتیں اہل دنیا سے ہوتی ہیں ان کا مشاہدہ کرتے ہیں ہر روح ہر اس شخص کے ساتھ رہتی ہے جو شخص اس کے عمل کے مشابہ ہوتا ہے اور یہ رفاقت عالم برزخ میں بھی ثابت ہے اور دار الجزا میں بھی اور ہر دان تین داروں میں ہر مقام پر اس کے ساتھ رہتا ہے جس سے اسے محبت ہے۔

سبق دانا کو چاہیے کہ وہ نیک بزرگوں کی صحبت اختیار کرے رات دن اسی مشغلہ میں گزارے مال و منال میں مغرور نہ ہو اور نہ ہی عمر بھر اللہ کے ذکر سے غافل رہے کیونکہ یہ دنیا فانی ہے اور جو بھی اس میں آیا وہ فنا ہوکر رہا بلکہ چاہیے کہ ہر لمحہ اور ہر گھڑی اللہ تعالی کا خوف دل میں ہو۔ صائب نے فرمایا ہے

دو سرائے غافلاں طول امل دانی کہ چیست
آشیاں کر دست ماری در کبوتر خانہ

ترجمہ غفلت کی سرائیں تمہیں معلوم ہے کہ لمبی آرزوئیں کیا ہیں یہ سانپ ہیں جنھوں نے کبوتر خانہ میں رہائش رکھ لی ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اغنیا پر وصیت فرض ہے مال دینے کے لحاظ سے اور اللہ والوں پر حال کی وجہ سے دولتمند تو اپنی آخری عمر میں تہائی مال کو وصیت کرتے ہیں لیکن اللہ والے ابتداء سے ہی تمام ماسوی اللہ سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اذا حضر احدکم الموت جب تمہارے کسی ایک کا دل اللہ تعالی کے حضور میں ہو اور صفات طبعیہ حیوانیہ سے ارادۃً موت کے گھاٹ اتر جائے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا موتوا قبل ان تموتوا یعنی مرنے سے پہلے مر جاؤ اور خیر و شر کو خیر باد کہہ دے اور دنیا و عقبے کے گورکھ دھندے سے فارغ ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ اپنے والدین کے لیے وصیت کرے یعنی روح علوی اور جسم سفلی کے لیے اس لیے کہ روح اور جسم کے اجتماع سے نفس کا تولد ہوا اور اقربین کے لیے یعنی قلب اور سر اور باقی خواہشات بشریہ کو ترک کی وصیت کرے یعنی ان کے مشارب کو خواہ مشارب روحانیہ باقیہ ہوں یا مشارب فانیہ ہوں کی وصیت کرے لیکن حد اعتدال پر اسراف سے ہٹ کر جو اس کے احوال کو کسی ایک شہوات کی طرف جھکا دے اور ایسے اعمال کا ذریعہ بنے جو بری رسوم و اعمال پر مشتمل ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: بعثت لرفع العادات وترك الشهوات

یعنی میں بُری عادات اور ترک شہوات کو ہٹانے کے لیے مبعوث ہوا ہوں اور فرمایا: بعثت لاتمم مکارم الاخلاق میں اس لیے مبعوث ہوا ہوں تاکہ اچھے اخلاق کی تکمیل کر دوں بایں طور کہ تمام مشارب کو چھوڑ کر ایک مشرب کو اختیار کیا جائے اور تمام محبوبوں سے ہٹ کر ایک محبوب بنایا جائے اور تمام مذاہب کو ترک کر کے ایک مذہب کو اختیار کیا جائے۔ حقا علی المتقین یعنی جو شرک خفی سے بچنے والے ہیں ان پر یہ مجموعہ احکام واجب ہے اسی لیے فرمایا: علی المتقین۔ علی المسلمین یا علی المومنین نہیں فرمایا کیونکہ وہ اہل ظواہر ہیں اور متقین اہل بواطن اور حضور علیہ السلام نے دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا التقویٰ یہاں ہے۔

ف جیسے قرآن اہل ظواہر کے لیے نازل ہوا ہے اسی طرح اہل بواطن کے لیے بھی کما قال علیہ السلام ان للقرآن ظھراً وبطناً یعنی قرآن کے ظاہری احکام بھی ہیں اور باطنی بھی ظاہری احکام تو اہل ظواہر کے لیے ہیں اور ان میں بعض احکام منسوخ ہو جاتے ہیں جیسے اس آیت میں وصیت کا حکم منسوخ ہے اور حکم باطنی وہ حقائق ہیں جو ہمیشہ کے لیے منسوخ نہیں یعنی اگرچہ اس کے ظاہر حکم میں منسوخ کا حکم ہے لیکن اہل بواطن کے لیے کوئی نسخ نہیں ہوتا بلکہ ان میں بدستور مواعظ و اسرار و حقائق موجود ہوتے ہیں۔ حقا علی المتقین متقی پر اس لیے واجب ہے کہ وہ لوگ متقین والی ہدایت سے مختص ہے جیسے ھدی للمتقین خلاصہ یہ کہ اہل حق کے لیے وصیت کا حکم منسوخ نہیں (کذا فی تاویلات نجمیہ)

تفسیر عالمانہ: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو

ف اہل نکتہ کہتے ہیں کہ حرف یا محبوب کی ندائے محبت کے لیے اور ایہا محبوب کی تنبیہ محبوب کے لیے اور لفظ آمنوا محبوب کی شہادت محبوب کے لیے آتا ہے۔

ف حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ سے یا ایھا الذین کا ارشاد سنائی دے تو غفلت کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اس لیے اس کے بعد یا تو وہ کسی امر کے لیے مامور فرمائے گا یا کسی بُرے عمل سے روکے گا۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حرف ندا کی لذت عبادت کی تکلیف کو دور کرتی ہے اور اس میں ایک لطیف اشارہ بھی ہے کہ محب کو چاہیے کہ اپنے محبوب کا ہر حکم مانے خواہ وہ فرمائے کہ اپنے آپ کو آگ میں ڈال دے تو محب کو چاہیے کہ فوراً آگ میں چلا جائے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ یعنی تمہارے اوپر ماہ رمضان کا روزہ فرض ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ اور فرمایا: فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ اور اس سے قبل فرمایا: شھر رمضان۔

روزہ کے اصطلاحی معنیٰ (۱) اہل شرع کے نزدیک دن کو کھانے پینے اور جماع سے باز رہنے کا نام ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں نیت بھی روزہ کی ہو اور روزہ میں ان روکاوٹوں میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان اشیاء کو نفس خوب چاہتا ہے اس کی مخالفت کی بنا پر ان اشیاء سے روکا گیا یہ عوام کا روزہ ہے (۲) خواص کے نزدیک تمام منہیات سے رکنے کا نام روزہ ہے (۳) اخص الخواص کا روزہ ترک ماسوی اللہ کا نام ہے۔

كَمَا كُتِبَ جیسے فرض کیا گیا

ترکیب کما منصوب ہے اس لیے کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے دراصل عبارت یوں تھی: کتب کتبا کائنا مثل ما کتب اور ما مصدریہ ہے یا الصیام سے حال ہے اور اس وقت ما موصولہ ہو گا اب عبارت یوں ہو گی۔ کتب علیکم الصیام مشبھا بالذی کتب

تمھارے اوپران لوگوں کی طرح روزہ فرض ہے ۔

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور اوپران لوگوں کے جو تم سے پہلے تھے یعنی دیگر انبیا علیہم السلام اور ان کی امتیں یعنی سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اس میں حکم کی تاکید اور اس کی ترغیب اور نفوس کو خوش کرنا ہے اس لیے کہ روزہ ایک مشقت بھری عبادت ہے اور قاعدہ ہے کہ جب مشقت بھری عبادت عام ہو جائے تو وہ آسان معلوم ہوتی ہے اس کی ادائیگی میں ہر ایک کو رغبت ہوتی ہے ۔

ف یہ تشبیہہ اصل روزہ میں ہے نہ کہ اس کی مقدار میں اور نہ ہی وقت کے تعین میں کیونکہ آدم علیہ السلام کے زمانہ میں ایام بیض کے روزے فرض تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں عاشورا کے روزے فرض تھے اور یہ بھی ہے کہ تشبیہہ میں من کل الوجوہ برابری نہیں ہوتی جیسے ہم دعا میں کہتے ہیں، اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم اسی طرح انکم سترون ربکم کالقمر لیلۃ البدر اس میں تشبیہہ رویت کی رویت سے ہے کہ مری کی مری سے

ف مری صیغہ مفعول از رویت ہے

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ تاکہ تم گناہوں سے بچو۔ اس لیے کہ روزہ شہوات کو توڑتا ہے

حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ الصوم فان الصوم لہ وجاء اے نوجوانو! تم میں سے جس کی طاقت زوروں پر ہو تو اسے چاہیے کہ وہ نکاح کرے کیونکہ نکاح سے آنکھ برائی سے بچ جاتی ہے اور فرج زنا سے محفوظ ہو جاتا ہے اور جسے نکاح کی طاقت نہیں تو اس پر لازم ہے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ صرف اسی لیے مقرر کیا گیا ہے ۔

ف الشباب شاب کی جمع ہے شاب اسے کہتے ہیں جو بالغ ہو جائے اور تیس سال کی عمر کو نہ پہنچے (کذا قال النووی)

ف الباءۃ بمعنی بیاہ اور نکاح کرنا یہ للباءۃ فی المنزل سے ماخوذ ہے یعنی گھر تیار کر دینا کیونکہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو وہ اسے گھر تیار کر دیتا ہے الوجاء خصی ہونے کی ایک قسم ہے وہ یہ کہ کسی کے خصیے کی رگوں کو سست کیا جائے لیکن خصیوں کو کچھ نہ کیا جاوے یہ بھی تشبیہہ کی بنا پر ہے کہ جس طرح خصی ہونے سے شہوت کا اندفاع ہو جاتا ہے اسی طرح روزہ رکھنے سے شہوت نفسانیہ کمزور پڑ جاتی ہے ۔

ف حدیث میں امر وجوب کے لیے ہے کیونکہ روزہ کا حکم اس وقت ہے جب کہ شہوت کا غلبہ ہو جیسے یا شباب سے معلوم ہوتا ہے یعنی نوجوان اپنی فطری صحیح سالم عادت سے تجاوز کر جاتا ہے ۔

رُوحانی نسخے علماء کرام فرماتے ہیں کہ شہوت چند ایک چیزوں سے سست پڑ جاتی ہے ۔
(۱) دن کو روزہ رکھنا ۔ (۲) رات کو نماز کے لیے کھڑا ہونا ۔ (۳) شہوات بھری اشیاء کو چھوڑ دینا ۔ (۴) شہوانی اشیاء کا تصور دل سے مٹا دینا ۔ (۵) نفس امارہ کو شہوانی خیالات سے دور رکھنا۔

سوال اگر کوئی شخص سوال کرے کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو باوجودیکہ روزہ رکھتے ہیں رات کو نماز کے لیے بھی کھڑے ہوتے

ہیں اور کھانا پینا بھی ترک کرتے ہیں لیکن شہوات نفسانیہ کا شکار ویسے ہی رہتے ہیں اس کا کیا علاج ہے۔
جواب یہ بیماری دراصل اس کی شہوت کی وجہ سے ہے جو اس کے اندر خوب گھسی ہے اس کے چند علاج ہیں۔

۱۔ نفس کو غم والم کی خبروں میں ہر وقت مبتلا رکھے۔
۲۔ موت کا ذکر ہر وقت سامنے رکھے۔
۳۔ نفس کو سمجھائے کہ موت کا وقت بالکل قریب ہے تو کب تک یہ خرابیاں کرتا رہے گا۔
۴۔ آہستہ آہستہ آرزوئے نفس کو گھٹاتا جائے
۵۔ نفس پر عبادت واطاعت کے ذریعے کنٹرول کرے۔

اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ط یعنی دن نہایت قلیل اور گنتی کے ہیں یعنی جو مال گنتی کا ہو اسے گنا جاتا ہے اور جو مال ان گنت ہو اسے ایسے ہی ڈالا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہم پر زندگی بھر کا روزہ فرض نہیں فرمایا اور نہ ہی کثیر التعداد روزے واجب فرمائے ہمارے لیے تخفیف اور رحمت بہ نسبت دوسری امتوں کے سہولت فرمائی اور ایامًا کا منصوب ہونا فعل محذوف کی وجہ سے ہے جو اس کا مابعد یعنی صیامًا دلالت کرتا ہے یعنی دراصل عبارت یوں تھی: صوموا ایامًا اس اعتبار سے ایامًا یا ظرف ہوگا یا بطریق توسع کے مفعول قرار پائے گا۔

فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا پس تم میں جو مریض ہو یعنی ایسا مرض کہ اسے روزہ نقصان پہنچائے یا روزہ کے ہوتے اسے نقصان ہو۔ اَوْ عَلٰی سَفَرٍ یا سفر میں ہو لفظ علیٰ سے تعبیر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ گویا مسافر سفر پر ہوتا ہے۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ دن کے کسی حصہ میں سفر کا آغاز کرے تو روزہ رکھے کیونکہ اس لیے ابھی سے سوار ہونے کا مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سفر سے ایک قسم کی ملابست حاصل ہوئی اور رخصت اس وقت ہے جب کہ ہر طرح سفر پر سوار ہونے کا مفہوم حاصل ہو

اس آیت میں لفظ استعارۃ تبعیہ ہے کہ سفر اور مسافر کی سواری اور سوار سے مشابہت دی گئی ہے جس طرح سوار اپنی سواری پر جیسے چاہے تصرف کرے اسی طرح مسافر بھی اپنے سفر کو جس طرح چاہے استعمال کرے اس معنیٰ کی دلالت کی وجہ سے اسم سے عدول کیا ورنہ فرماتے او مسافر کیونکہ اس میں وہ مفہوم نہیں جو عَلٰی سَفَرٍ میں سوار ہونے کا مفہوم ادا ہوتا ہے۔

فَعِدَّۃٌ پس گنتی چاہیے یعنی کہ مرض اور سفر کے دن گن کر دوسرے ایام میں روزے رکھے فعدۃ سے ہے بمعنے معدود وہ جماعت جو لوگوں میں شمار ہوا سے عِدت کہتے ہیں

مِنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ط یعنی اس کے سفر اور مرض کے ایام کے بغیر۔ چاہے مسلسل قضا کرے یا غیر مسلسل آیت کا مطلب یہ ہے کہ تندرست لوگوں پر ان گنتی کے ایام میں روزے فرض ہیں نہ باقی رہے بیمار اور مسافر سو وہ ان ایام کے بغیر بعد میں جب چاہیں قضا کرلیں۔

وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ اور اوپر ان لوگوں کے کہ جنھیں طاقت ہے اکثر مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ الذین یطیقونہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو تندرست اور مقیم ہیں لیکن ابتدائے اسلام میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیار دیا تھا کہ چاہے روزہ رکھیں چاہے فدیہ دیں تاکہ ان کو دکھ نہ ہو کیونکہ اس سے قبل ان کی روزہ رکھنے کی عادت نہ تھی پھر یہ آیت منسوخ ہوگئی اور لازم کیا گیا کہ جب ہی رمضان کا مہینہ ہو روزہ رکھنا فرض

ہے اس آیت کی ناسخ یہ آیت ہے فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ یعنی جن لوگوں کے پاس رمضان شریف کا مہینہ آجائے تو ان پر لازم ہے کہ روزے رکھیں فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ط یعنی ایک مسکین کا فدیہ گندم سے ایک صاع اور گندم کے سوا پورا صاع ادا کرنا ہوگا فدیہ جزاء کے معنیٰ میں ہے دراصل فدیہ کہتے ہیں کسی کا قائم مقام ہوکر بدل بن جانا شیخ کی تفسیر میں ہے یطیق اطاق فلاں سے بنے

یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس فلاں سے طاقت چھن جائے یہاں ہمزہ سلب کے لیے ہے یعنی وہ لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے یعنی یہی وہ لوگ تھے کہ جوانی کے وقت تو انہیں روزہ رکھنے کی طاقت تھی لیکن اب بڑھاپے میں انہیں طاقت نہیں رہی. فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا پس وہ شخص جو احسان کرتا ہے ساتھ بھلائی کے یعنی فدیہ کا اضافہ کردیتا ہے یا نیکی کا کوئی عمل کرتا ہے فَهُوَ پس وہ نیکی خَيْرٌ لَّهٗ اس کے لیے بہتر ہے خیر متطوع میں تین وجہیں ہو سکتی ہیں۔

۱. ایک مسکین پر ایک اور مسکین کا اضافہ کرے یعنی ایک کے بجائے دو مسکینوں یا اس سے زائد کو طعام دے۔

۲. مسکین واحد کو قدر واجب سے زائد دے۔

۳. فدیہ بھی دے اور روزہ بھی رکھے یہ سب کی سب بھلائی ہی بھلائی ہے

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ بتاویل مصدر مرفوع بالابتدا ہے یعنی اے مسافرو اور وہ لوگو جنہیں روزہ رکھنے کی طاقت نہیں ہے۔ خیر لکم تمہارے لیے فدیہ سے بہتر ہے۔ ان كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تمہیں معلوم ہوتا کہ روزے کے کتنے بڑے فضائل ہیں اس جملہ کا جواب محذوف ہے اس کے واضح طور پر ظاہر ہونے کی وجہ سے وہ محذوف اختر اتھوتا ہے یعنی تم اسے اختیار کرتے۔

مسئلہ الاشباہ میں ہے کہ سفر میں روزہ افضل ہے ہاں جب اسے خوف ہوکر روزہ رکھنے سے بہت تکلیف ہوگی یا اس کے دوست اس کے زاد راہ میں شریک ہیں لیکن نہیں رکھتے تو پھر روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔

سوال مسافر کو روزہ رکھنا افضل کیوں ہے؟

جواب اس لیے کہ روزہ رکھنا عزیمت ہے اور نہ رکھنا رخصت اور عزیمت پر عمل کرنا افضل ہے۔

سوال حدیث شریف میں ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لیس من البر الصیام فی السفر سفر میں روزہ رکھنا نیکیوں میں سے نہیں اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا گناہ ہے۔

جواب یہ حدیث شریف محمول ہے اس معنیٰ پر جب کہ سفر میں روزہ نقصان دیتا ہو یہاں تک کہ اسے مرجانے کا خطرہ ہوجائے، کذا فی شرح المجمع الابن الملک،

مسئلہ روزے کی معافی ہر اس شخص کو ہے جسے نماز قصر کی اجازت ہے یعنی تین شب و روز کا سفر جو بتحقیق اعلیٰ حضرت سیدنا احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ ۵۷ ۱/۲ میل ہے یہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کے مطابق ہے

نکتہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ماہ رمضان کے روزوں کا حکم اس لیے دیا ہے کہ بندے کو سال کی گنتی کے مطابق ثواب نصیب ہو اور یہ اس کا وعدہ ہے کما قال، من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا : اور ماہ کامل میں دنوں کل ہوتا ہے اس حساب سے تین سو روزوں کا ثواب ملا۔

پھراس کے ساتھ ماہ شوال کے چھ روزے ملالیے گئے جو ساٹھ روزے بنے اس طرح بندے کو سارے سال کے تین سو ساٹھ روزے نصیب ہوئے
مسئلہ کسی ماہ کے ایک دن کی کمی سے روزوں کی کمی نہیں کی جاتی ۔
حدیث شریف حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی مبارک میں کل آٹھ ماہ رمضان کے روزے رکھے ان میں پانچ روزے انتیس دنوں کے ہوئے اور تین تیس دنوں کے ۔
ف رمضان کے روزے کا حکم نبوت کے پندرہ سال اور ہجرت کے تین سال بعد ہوا ۔
ف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم اظہار نبوت کے بعد کلمۂ شہادت کا اعلان فرمایا جب اس کی مکمل تصدیق ہوگئی تو پھر نماز کا حکم فرمایا جب اس کی تصدیق ہوگئی پھر زکوٰۃ کا اعلان فرمایا جب اس کی تصدیق ہوگئی پھر روزے کا اعلان فرمایا جب اس کی تصدیق ہوگئی پھر حج کا اعلان فرمایا جب اس کی تصدیق ہوگئی پھر جہاد کا اعلان فرمایا اس کے بعد دین مکمل ہوگیا ۔
ف فقراٗ کی وجہ سے دولتمندوں پر سب سے پہلے روزے کا حکم طہورث بادشاہ کے زمانے میں فرض ہوا جو نبی آدم کے بادشاہوں میں تیسرا بادشاہ ہوگزرا ہے ۔

روزے کی فرضیت کا سبب روزے کی فرضیت کا سبب یوں ہوا کہ بادشاہ طہورث کے زمانہ میں سخت قحط پڑا اس نے دولتمندوں کو حکم فرمایا کہ غروب شمس کے بعد ایک ایک مسکین کو کھانا کھلائیں اور دن کو سارا دن بھوکے رہیں تاکہ فقراٗ کے حال پر شفقت کا موقع ملے اور دولت مندوں کے دن کا طعام فقراٗ کو نصیب ہو اور پھر اس سے عبادت الٰہی بجالاکر اس کے سامنے تواضع انکسار کا اظہار کریں ۔

فائدہ رُوحانیہ روزہ رکھنے سے انسان جسمانیت کے تاریک و تنگ گوشہ (جسے نشاءۃ ثانیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے) سے خارج ہو کر ملکوت السموات میں داخل ہوجاتا ہے ۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ کوئی بھی ملکوت السموات میں ہرگز داخل نہیں ہوسکتا جب تک اس کی ولادت نہ ہو بلکہ مجاہدہ صوم تو مشاہدہ ربانی کا بہترین رابطہ ہے اسی کی طرف (حدیث قدسی کا بھی اشارہ ہے) روزہ میرے لیے اور میں ہی اسے جزا دُوں گا یعنی میں ہی اس کی جزا ہوں نہ اس میں زیادتی ہوگی اور نہ کمی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زیارت کی رویت کو بھوک سے معلق فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا کہ جب عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ السلام نے خطاب فرمایا کہ تجوع ترانی بھوکے رہو تب مجھے دیکھو گے ۔
حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ ع

ندارند تن پروراں آگہی
کہ پُر معدہ باشد ز حکمت تہی

ترجمہ تن پرور شہوت پرستوں کو کسی قسم کی آگاہی نصیب نہ ہوگی اس لیے کہ جو پیٹ بھر کر کھائے گا وہ حکمت سے محروم رہے گا ۔
سوال روزے کو حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کیا گیا ؟
جواب روزہ دار ریا سے پاک ہوتا ہے اس لیے کہ وہ ایک مخفی عمل ہے سوائے خدا تعالیٰ کے اسے کوئی نہیں جانتا لیکن شرط یہ ہے کہ

بندہ روزہ کے وقت اپنے قلب اور سِرّ اور رُوح کو ماسوی اللہ سے پاک رکھے اور خواص کے ہاں حقیقی روزہ بھی یہی ہے۔
حضرت مولانا روم قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ہر کرا دارد ہوسہا جان پاک
زُود بیند حضرت و ایوان پاک

ترجمہ جو اپنی رُوح کو خواہشات سے پاک رکھتا ہے وہ بہت جلد ذاتِ حق کا مشاہدہ کرے گا۔

تفسیر صوفیانہ جیسے ظاہر کا روزہ ہوتا ہے اسی طرح باطن کا بھی ہوتا ہے اور باطن کا خطاب اشارہ کرتا ہے کہ مومن کے قلب روح اور سِرّ کا روزہ یہ ہے کہ بندہ کو انوار الحضور مع اللہ کا شہود حاصل ہو قلب کا صوم یہ ہے کہ قلب معقولات کے مشربوں کے حصول سے رک جائے اور روح کا روزہ یہ ہے کہ رُوح روحانیت کے مشاہدات سے دور رہے اور سِرّ کا روزہ یہ ہے کہ وہ غیر اللہ کے شہود سے محفوظ ہو جو صرف کھانے پینے کی اشیاء وغیرہ سے روکا ہوا ہے اس کے روزے کی انتہا صرف یہ ہے کہ رات آئے گی اور وہ خوش ہوگا اور جو غیر اللہ سے رکا ہوا ہے اس کے روزے کی انتہا مشاہدۂ حق ہے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صوموا الرؤیۃ وافطروا الرؤیۃ اس کا مطلب حقیقۃً یہ ہے۔ رویت سے مراد مشاہدۂ حق ہے یعنی روزہ رکھو تو صرف مشاہدہ حق کی آرزو کے لیے اور افطار کرو تو مشاہدۂ حق کی تمنا میں روزے دار کو چاہیے کہ وہ ظاہراً و باطناً ہر طرح کا روزہ رکھے مثلاً زبان کا روزہ جھوٹ اور فواحش اور غیبت سے اور آنکھ کا روزہ یہ ہے کہ غفلت اور شک و شبہ سے بچے اور کان کا روزہ یہ ہے کہ مناہی وملاہی کے سننے سے محفوظ رہے اسی طرح باقی اعضاء کا قیاس کیجیے۔ مثلاً نفس کا روزہ ہے کہ وہ غلط تمنا اور حرص وشہوات سے بچے اور قلب کا روزہ یہ ہے کہ حُبِّ دنیا اور اس کے نقش ونگار میں نہ پھنسے اور رُوح کا روزہ یہ ہے کہ وہ آخرت اور اس کی لذات کے نشہ میں نہ رہے اور سِرّ کا روزہ یہ ہے کہ غیر اللہ کے وجود و اثبات کو معدوم کرے کما کتب علی الذین الخ میں اشارہ ہے کہ وجود انسان کے اجزاء جسمانیہ وروحانیہ کی ترکیب سے قبل مشارب وغیرہ سے روزہ دار تھے جب جسم روح سے متعلق ہوا تو ارواح کی ا... دے جسم اور روح کو حظوظ حیوانیہ ونفسانیہ کی آرزو پیدا ہوئی اس کے بعد جسم کے قالب کے حواس کی وجہ سے رُوح کو مشارب حیوانیہ وروحانیہ کی ضروریات محسوس ہوئیں اس پر اللہ تعالیٰ نے روزہ فرض فرمایا جیسے کہ وہ عالم ازل میں روحانیت میں فرداً فرداً ان پر روزے کا حکم تھا: لعلکم تتقون تاکہ تم مشارب مرکبات سے بچ جاؤ اور روزے رکھو تو شراب ظہور کی استعداد کے ساتھ اور ان مشارب سے افطار کریں جن کے لیے خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یشرب بہا عباد اللہ الخ کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو پلائے گا جب کہ انھیں شراباً طہوراً سے نواز کر انھیں پورے طور پاک کر دے گا یہ شراب حظوظ حیوانیہ وروحانیہ کی آلائش سے پاک کر دے گا جیسا کہ فرمایا: ولکن یرید لیطھرکم۔ اور اللہ تعالیٰ کا تمھارے متعلق پاک کرنے کا ارادہ ہے پھر جب بندے کے حظوظ کی تمنا کا ستارہ گم ہوگا تو مطلع بقائے ربانی سے شمس لقاء طلوع فرمائے گا اس وقت الیفائے وعدہ ہوگا جو حضور علیہ السلام نے روزہ داروں کے لیے فرمایا: للصائم فرحتان الخ روزے دار کو دو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ
شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ
بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ○ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا
لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ○

ترجمہ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا وہ لوگوں کے لیے ہدایت اور راہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں ہے پس تم میں جو شخص اس مہینہ میں موجود ہو تو اس کے روزے رکھے اور جو بیمار اور سفر میں ہو تو اس کے بدلے اتنے روزے اور دنوں میں رکھے اللہ تعالیٰ تمھارے لیے آسانی چاہتا اور تم پر دشواری کا ارادہ نہیں رکھتا اور وہ اس لیے تاکہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمھیں ہدایت بخشی اور تاکہ کہیں تم اس کا شکر ادا کرو اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو آپ انھیں فرما دیں کہ میں قریب ہوں میں پکارنے والے کی دعا قبول کر لیتا ہوں جب وہ مجھے پکارے پس بندوں پر واجب ہے کہ میرے احکام قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ کہیں وہ راہ ہدایت پائیں۔

بقیہ صفحہ

۱۔ افطار کے وقت

۲۔ دیدار ربانی کے وقت۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو گنتی کی قلت کی خوشخبری سنائی یعنی اے میرے بندو تمھارے روزہ رکھنے کے ایام تو بالکل معمولی اور گنتی کے ہیں لیکن تمھارے روزوں کے ثمرات ان گنت ہیں پس روزے کا نام سن کر گھبراؤ نہیں۔

(کذا فی التاویلات نجمیہ)

تفسیر عالمانہ شَهْرُ رَمَضَانَ

یہ مبتدا اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے اس کے ذکر سے بندے کو رمضان شریف کی فضیلت اور اس کے علو مرتبہ پر تنبیہ کرنا مقصود ہے اور اشارہ ہے اس طرف کہ یہ مہینہ دوسرے مہینوں سے خصوصی شان رکھتا ہے کہ اس کا روزہ فرض فرمایا۔ فمن شهد منكم الشهر اس آیت سے مراد ماہ رمضان ہے اور روزے کی فرضیت فليصمه سے فرمائی۔

سوال ماہ کو شہر کیوں کہا جاتا ہے؛

جواب اس کی شہرت کی وجہ سے جب شروع ہوتا ہے تو سب کے ہاں مشہور ہو جاتا ہے۔

حل لغات رمضان رمض کا مصدر ہے بمعنی احتراق شہر کو رمضان کی طرف مضاف کرکے مجموع کو علم اور غیر منصرف مانا جاتا ہے اس میں دو سبب ہیں معرفہ اور الف نون زائدتان۔ رمضان کو اس لیے رمضان کہا جاتا ہے کہ اس میں بھوک اور پیاس کی وجہ سے

بگرکر زور اور جل جاتا ہے یا اس وجہ سے کہ روزوں سے گناہ جھڑ جاتے ہیں یا اس وجہ سے کہ جب اس ماہ کے نام رکھنے کی باری آئی تو اس وقت سخت گرمی تھی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مہینوں کے اسماء لغات قدیمہ سے منقول ہوئے ہیں پس جس ماہ کے نام رکھنے کی باری آئی تو جو موسم تھا اسی کے مطابق اس کا نام رکھا گیا ماہ رمضان کے نام رکھنے کی باری آئی تو موسم گرما تھا جیسے ربیع الاول والآخر کا نام رکھتے وقت موسم بہار تھا اسی طرح جمادی الاولیٰ والاخریٰ کی باری آئی تو پانی کے جم جانے کا موسم تھا۔

ف رمضان اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک نام ہے اب شہر اس کی طرف مضاف ہے اسی لیے مروی ہے، لا تقولوا جاء رمضان و ذہب رمضان نہ کہو کہ رمضان آیا اور گیا۔ بلکہ کہو ماہ رمضان آیا اور گیا اس لیے کہ رمضان اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہے۔

الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن پاک نازل ہوا یعنی پہلے یک بارگی بیت العزۃ (جو کہ آسمان دنیا میں واقع ہے) میں نازل ہوا اس کے بعد تیئس سال کی عمر میں آہستہ آہستہ نازل ہوتا رہا جیسے مشیتِ ایزدی کا تقاضا ہوتا۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ صحف ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام اوّل رمضان مبارک میں نازل ہوئے اور توراۃ رمضان المبارک کی چھٹی تاریخ کو نازل ہوئی اور انجیل تیرہ تاریخ رمضان میں نازل ہوئی اور قرآن پاک چوبیس رمضان کو نازل ہوا قرآن پاک قرء سے مشتق ہے بمعنی الجمع کیونکہ قرآن پاک میں علوم اوّلین و آخرین جمع ہیں۔

هُدًى لِّلنَّاسِ یعنی وہ قرآن نازل ہوا ہے اس کا حال یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے اعجاز وغیرہ کے ذریعے جو لوگوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى اور اس کا یہ حال ہے کہ اس میں آیات واضحات ہیں جو ان سے حق کی طرف راہ دکھاتا ہے اور حق و باطل کے مابین فرق کرتا ہے۔ اس اعتبار سے کہ اس میں حکمتیں اور احکام ہیں۔

ف ہدایت دو قسم ہے (۱) جو بالکل واضح اور کھلی ہو (۲) اتنی واضح اور کھلی نہ ہو۔ پہلی قسم دوسری سے افضل ہے پہلے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی جنس عمومی طور بیان فرمائی اس کے بعد جو اشرف واعلیٰ کا ذکر فرمایا بلکہ اس میں مبالغہ فرمایا گویا کہا گیا ہے کہ وہ قرآن ہدایت ہے بلکہ کھلی اور واضح ہدایت ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی عبارت میں انتہا درجے کا مبالغہ ہے کیونکہ یہ مرتبۂ ثالث میں ہے یعنی ادنیٰ سے اوسط پھر اعلیٰ، اس کا عطف بینات پر از قبیل تشریف ہے۔

فَمَنْ یہ فا تفریع و ترتیب کی ہے شَهِدَ پس وہ جو حاضر ہو اس کا استعمال وہاں ہوتا ہے جو کسی کو کسی شہر یا گاؤں میں اقامت حاصل ہو مِنْكُمُ الشَّهْرَ شہر کا منصوب ہونا علی الظرفیہ ہے ای فی الشہر یہ مفعول بہ نہیں اس لیے کہ مقیم و مسافر شہر میں حاضر ہوتے فَلْيَصُمْهُ پس چاہیے کہ اس میں روزہ رکھے۔ اس میں حرف جار محذوف ہے اصل عبارت فلیصم فیہ تھی اور حرف جار کے بغیر پہنچانے میں اتساع مطلوب ہے اور شاہد سے عاقل بالغ تندرست مراد ہے کیونکہ صبی مجنون اگرچہ موضع میں حاضر ہوں تب بھی ان پر روزہ فرض ہے اس سے روزہ رکھنا یا نہ رکھنا یا اس کے بدلے فدیہ دینے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اور وہ شخص جو مریض ہو اگرچہ مقیم یعنی گھر میں ہو اَوْ عَلٰى سَفَرٍ یا سفر میں ہو اگر تندرست ہو یہاں پر علیٰ معنی فی ہے۔

قاعدہ ہے کہ حروف جارہ ایک دوسرے کے قائم مقام کھڑے ہو سکتے ہیں۔

فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ پس گنتی کے اور دنوں میں یعنی ان اعذار کی وجہ سے یہ لوگ دوسرے دنوں میں روزے رکھ لیں۔
سوال ؛ حرف تخییر یعنی حرف او عاطفہ کو دوبارہ کیوں لایا گیا ؛
جواب ؛ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں جب تندرست مقیم اور مسافر اور مریض کے متعلق روزے رکھنے اور نہ رکھنے کا اختیار دے کر دوسری آیت میں اس حکم کو منسوخ فرمایا اگر صرف اسی منسوخ کے مضمون تک بات محدود رہتی تو حکم کی یکسانیت کا احتمال رہتا اس لیے ضرور ہوا کہ منسوخ کے بعد پھر مقیم و مسافر اور مریض کی وضاحت ہو تاکہ معلوم ہو کہ ان احکام سابقہ میں بعض اپنے اصل پر ہیں۔
يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق آسانی کا ارادہ فرماتا ہے کہ سفر میں اور بحالت مرض روزہ نہ رکھنے کی اجازت بخشی ہے یسر بمعنے آسانی۔ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ اور تمہارے متعلق دکھ کا ارادہ نہیں رکھتا یعنی یہ نہیں فرماتا کہ دکھ کے وقت بھی روزے رکھو یعنی سفر اور مرض میں روزے رکھنے کی اجازت نہیں بخشی یہ اس کی نہایت درجہ کی مہربانی اور بے حد درجہ کی رحمت ہے۔
ف امام محمد بن علی الترمذی (صاحب نوادر الوصول) قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ الیسر ایک بہشت کا نام ہے کہ تمام آسانیاں اسی میں رکھی گئی ہیں اور العسر ایک جہنم کا نام ہے جس میں ہر قسم کے دکھ رکھے گئے ہیں اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں روزے رکھنے کا حکم دیتا ہے تاکہ تمہیں بہشت میں داخل کرے اور دوزخ سے بچائے۔
ف ہمارے شیخ العلامہ الفضلی قدس سرہٗ اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے روزے رکھنے کے حکم میں تمہاری دارین کی سعادت کا ارادہ رکھتا ہے نہ کہ دارین کی بدبختی۔
ف دنیا کی سعادت کا یہ معنیٰ ہے کہ بندے کو ملکیت و روحانیت کی طرف ترقی اور تیقظ و معرفت کی جانب پہنچنا نصیب ہوتا ہے اور دنیا میں بدبختی کا یہ معنے ہے کہ انسان اپنی بشریت و حیوانیت میں محدود رہے اور اوصاف طبیعہ و انسانیہ میں مقید رہے اور یسر یعنی آخرت کی سعادت کا یہ مطلب ہے کہ اسے جنت و نعمت اور قرب و وصال اور رؤیت حق نصیب ہو اور آخرت کی بدبختی کا یہ معنیٰ ہے کہ اسے جہنم اور اس کے عذاب اور اس کے مختلف درکات نصیب ہوں

تفسیر صوفیانہ

شیخ نجم الدین قدس سرہٗ اپنی تاویلات نجمیہ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے یُسر کے ساتھ عُسر کا ارادہ رکھتا ہے بایں معنے کہ تعمیل ارشاد میں بندے کو اس کا انتظار بھی نہ ہو کہ مجھے اس کی وجہ سے عُسر سے نجات ملے گی۔ (گویا نیکی کر اور دریا میں ڈال کا مصداق بن جائے)، ہاں اس آسانی کے خیال میں رہے کہ جس سے دکھ ٹل جاتے ہیں تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ جب دانا کو طبیب کڑوی سے کڑوی دوائی مرض کی تکلیف کی وجہ سے پلاتا ہے (جو وہی دوائی تندرستی لانے والی ہوتی ہے) تو دانا دوائی پیتے ہوئے دوا کے کڑواپن کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کی نگاہ اس کڑواپن سے تندرستی کی چاشنی پر لگی ہوتی ہے اس پر اسے دوائی کے کڑواپن کی پرواہ نہ کرتے ہوئے قوتِ ہمت سے کڑوی دوائی پی جاتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس نے فرمایا ؎

دوا لست داون بر بخور قند
کہ دارو ئے تلخش بود سودمند

زعلت مداری خردمند ہم
چو دارو ئے تلخت فرستد حکیم

ترجمہ بیمار کو میٹھا کھلانا نقصان ہے اس لیے کہ اسے کڑوی دوائی مفید ہے بیماری سے دانا کو خوف نہیں کرنا چاہیے جب حکیم کڑوی دوائی دے تو فوراً پی لینی چاہیے۔

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ اور تاکہ تم اپنی گنتی پوری کرو یعنی اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے واجب کرنے کے بعد گنتی کی رعایت اس لیے دی ہے تاکہ تم سفر یا مرض کی وجہ سے جتنے دن تم نے روزے نہیں رکھے اتنی مقدار دوسرے دنوں میں مکمل کر لو چنانچہ فرمایا۔ فعدۃ ای فعلیکم عدۃ ما افطرتم۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو یعنی ہم نے جو تمھیں روزوں کی قضا کا حکم (جو من ایام اخر سے معلوم ہو رہا ہے) دیا مطلق ہے خواہ وہ مسلسل رکھو یا مختلف ایام میں تاکہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کرو حمد کرتے ہوئے عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ جس پر اس کے کہ اس نے تمھیں ہدایت بخشی ہے یہاں پر ما مصدریہ ہے ای علی ھدایتہ ایاکم۔ —— یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں تکلیف سے عہدہ برا ہونے کے لیے سید ھے راستے بتائے وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ یعنی ہم نے تمھیں سفر اور مرض میں روزے نہ رکھنے کا حکم فرمایا تاکہ تم شکر کرو اس نعمت کا، زبان اور قلب اور بدن ...

احادیث

حدیث شریف ۱ میں ہے کہ جس نے تین چیزوں کی حفاظت کی وہ یقیناً ولی اللہ ہے۔ اور جو ان تینوں کو ضائع کر دیتا ہے۔ یقین جانو وہ اللہ کا دشمن ہے۔

۱۔ نماز

۲۔ روزہ

۳۔ جنابت کا غسل

حدیث شریف ۲: اللہ تعالیٰ کی تمام بہشتیں چار آدمیوں کی مشتاق رہتی ہیں۔

۱۔ رمضان کے روزے رکھنے والا۔

۲۔ قرآن پاک تلاوت کرنے والا۔

۳۔ زبان کی حفاظت کرنے والا۔

۴۔ بھوکے ہمسایوں کو کھانا کھلانے والا۔

ف اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کے تمام گناہ بخش دیتا ہے جو روزہ افطار کراتا ہے خواہ اس نے وہ گناہ پاؤں سے چل کر کیے یا ہاتھوں یا آنکھوں سے کیے اور کانوں سے سنا اور زبان سے کیے یا اس کے قلب سے صادر ہوئے

حدیث شریف جب قیامت میں اللہ تعالیٰ اہل قبور کو قبروں سے اٹھنے کا حکم دے گا تو اللہ تعالیٰ ملائکہ کو فرمائے گا کہ اے رضوان میرے روزے داروں کو آگے چل کر ملو کیونکہ وہ کافی عرصہ بھوکے پیاسے رہے اب تم بہشت کی خواہشات کی تمام اشیاء لے کر ان کے پاس پہنچ جاؤ اس کے بعد وہ رضوان روزے پکار کر کہے گا اے جنت کے غلمان و ولدان نور کے بڑے بڑے تھال لاؤ اس کے دنیا کے ریت کے ذرات اور بارش کی بوندوں کے اور آسمان کے ستاروں اور درختوں کے پتوں کے برابر میوہ جات اور کھانے پینے کی لذیذ اشیاء جمع کر کے روزہ داروں کے سامنے رکھ دی جائیں گی اور ان سے کہا جائے گا جتنا مرضی ہو کھاؤ پیو یہ ان روزوں کی جزا ہے جو تم نے دنیا میں رکھے۔

ایک عجیب الخلقت فرشتہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شب معراج سدرۃ المنتہیٰ پر ایک فرشتہ دیکھا جسے میں نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا اس کے طول و عرض کی مسافت لاکھ سال کے برابر تھی اس کے ستر ہزار سر تھے اور ہر سر میں ستر ہزار منہ اور ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں اور ہر سر پر ستر ہزار نورانی چوٹی تھی اور ہر چوٹی کے سر پر بال میں لاکھ لاکھ موتی لٹکے ہوئے ہر ایک موتی کے پیٹ کے اندر بہت بڑا دریا ہے اور ہر دریا کے اندر بہت بڑی مچھلیاں ہیں اور ہر مچھلی کا طول دو سال کی مسافت کی مقدار کے برابر ہے اور ہر مچھلی کے پیٹ پر لکھا ہوا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اس فرشتے نے اپنا سر اپنے ایک ہاتھ پر رکھا ہے اور دوسرا ہاتھ اس کی پیٹھ پر ہے اور وہ حظیرۃ القدس یعنی بہشت میں ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتا ہے تو اس کی خوش آواز سے خوشی سے عرش الٰہی کانپ جاتا ہے میں نے جبریل علیہ السلام سے ان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ یہ وہ فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا تھا پھر میں نے کہا اس کی لمبائی چوڑائی کہاں سے کہاں تک ہے انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے بہشت میں ایک چراگاہ بنائی ہے اور یہ اسی میں رہتا ہے اس جگہ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ آپ کے اور آپ کی اُمت کے ہر اس شخص کے لیے تسبیح پڑھتے جو روزہ رکھتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس فرشتہ کے آگے دو صندوق دیکھے اور ہر صندوق پر ہزار نورانی تالہ تھا میں نے پوچھا اے جبریل علیہ السلام! یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا اس فرشتہ سے پوچھئے میں نے اس سے پوچھا یہ صندوقیں کیسی ہیں اس نے کہا اس میں آپ کی روزہ رکھنے والی اُمت کی برأت کا ذکر ہے آپ کو آپ کی اُمت کے روزہ رکھنے والوں کو مبارک ہو۔

مسئلہ ہر عمل میں نیت ضروری ہے خصوصاً روزہ میں۔

مسئلہ نیت کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم دل سے جانتا ہو کہ آج میرا روزہ ہوگا اور یہ تقریباً رمضان کی سحری سے خیال ہی ہوتا ہے۔

سوال روزہ میں نیت کو کیوں ضروری قرار دیا گیا۔

جواب کھانے پینے وغیرہ سے رک جانا کبھی عادۃً اور کبھی بھوک کے نہ ہونے کی بنا پر اور کبھی مرض کی وجہ سے اور کبھی ریاضت کی بنا پر اور کبھی عبادت کے طور پر ہوتا ہے اس لیے ضروری ٹھہرا کہ نیت کرلے تاکہ خالص عبادت متعین ہو۔

مسئلہ یہ نیت ہر روزہ کے لیے علیحدہ شرط ہے کیونکہ ہر دن کا روزہ ایک علیحدہ فرض ہے کیا تمھیں معلوم نہیں کہ جو شخص روزہ رکھ کر توڑ دے تو وہی روزہ ٹوٹے گا یہ نہیں کہ اس کے تمام روزے خراب ہو گئے بخلاف تراویح کے کہ اس میں تمام کے لیے ایک ہی نیت کافی ہے اس لیے کہ وہ تمام (بیس رکعات) گویا ایک ہی نماز ہے یہی صحیح تر ہے۔

مسئلہ روزے رمضان کی نیت دوپہر سے پہلے ہوسکتی ہے اگر کھایا پیانہ ہوتو روزہ ہوجائے گا۔

سوال احادیث تو اس کے خلاف ہیں!

جواب وہ احادیث مبارکہ جو اس کے خلاف آئی ہیں ان میں فضیلت کی نفی ہے کہ جو رات کو روزہ کی نیت نہیں کرتا اس کا روزہ نہیں یعنی (اس کو روزہ) فضیلۃ۔ حاصل نہیں ہوگی۔ جیسا کہ شریعت کا قاعدہ مشہور ہے۔

مسئلہ قضا اور کفارات اور نذر مطلق میں رات کو نیت ضروری ہے کیونکہ ان امور کے لیے اوقات متعین نہیں اسی لیے ضروری ہے کہ رات کو نیت کی جائے تاکہ دوسرے اعمال کی مزاحمت ہوسکے۔

مسئلہ یہ جو کہا گیا ہے کہ رمضان کے روزے کی نیت دوپہر سے پہلے جائز ہے اس سے نصف النہار مراد ہے یعنی صبح صادق سے لے کر ضحوۂ کبریٰ یعنی چاشت کے وقت تک اس وقت سے پہلے نیت کا ہونا ضروری ہے تاکہ اکثر وقت اس کا روزہ میں گزرے اس میں کل کا حکم ہوگا یہاں تک کہ اگر کسی نے اس کے بعد نیت کی تو روزہ نہ ہوگا لیکن اس کا اکثر وقت روزہ کی نیت سے خالی گزرا ہے اس میں اکثریت کے غلبہ کا اعتبار کیا گیا ہے۔

مسئلہ تراویح میں احتیاط اسی میں ہے کہ ان میں تراویح یا قیام اللیل یا سنۃ الوقت یا قیام رمضان کی نیت کرے۔

مسئلہ تراویح سنت مؤکدہ ہے اسی پر خلفاء راشدین نے مواظبت فرمائی ہے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمھارے اوپر ماہ رمضان کے روزے فرض فرمائے ہیں اور میں تمھارے لیے اس کی راتوں کا قیام سنت مقرر کرتا ہوں۔

سوال حدیث مذکورہ سے تو تراویح کا سنت ہونا ثابت ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اسے نعمت البدعۃ ہذا یعنی رمضان کی راتوں میں قیام اچھی بدعت ہے) فرماکر بدعت کہا ہے (بدعت اور سنت میں تضاد ہے)

جواب حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح چند راتیں پڑھ کر پھر ترک کر دیں آپ نے ان پر مواظبت نہیں فرمائی اور نہ ہی ان کے لیے لوگوں کو جمع فرمایا البتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے ان کی مخالفت فرمائی اور ان کے لیے لوگوں کو جمع بھی فرمایا اسی ہیئت کذائیہ کی بنا پر انھوں نے اسے بدعت سے تعبیر فرمایا اور اگر وہ بدعت بھی ہے تو بدعت محمودہ و ممدوحہ وحسنہ ہے (اور بدعت حسنہ سنت کے منافی نہیں ہوتی۔ کذا فی تفسیر القرطبی تحت قولہ تعالیٰ " و بدیع السموٰت والارض جلد اول"

فضائل رمضان حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان مبارک کی تشریف آوری سے اپنے صحابہ کرام کو خوشخبری سناتے ہوئے فرماتے تمھارے ہاں ماہ رمضان آیا اور یہ ماہ بہت بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ نے تمھارے اوپر اس کے روزے فرض فرمائے ہیں اور اس ماہ میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطانوں کو باندھ دیا جاتا ہے اور اس ماہ میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار ماہ سے افضل ہے جو اس کی برکت سے محروم گیا اس جیسا محروم دنیا میں نہیں ہوگا۔

مسئلہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے مسئلہ استنباط کیا ہے کہ خوشی کے وقت ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کرنا اسی حدیث سے

ثابت ہے جب کہ بعض مقامات پر رواج ہے کہ رمضان شریف کی تشریف آوری کے وقت ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کرتے ہیں[ؔلہ] ۔

امام سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ مقاصد حسنہ میں لکھتے ہیں کہ مہینوں اور عیدوں کی آمد پر مبارکباد پیش کرنا لوگوں کی عادت ہے ورنہ کوئی مسئلہ نہیں ۔

حدیث شریف حضرت ابن عباس مرفوعاً روایت فرماتے ہیں کہ بھائی کو حج کی واپسی پر ملو اور اسے کہو تقبل اللہ منا و منک اللہ تعالیٰ ہم تم سب سے قبول فرمائے ۔ (یہ بھی ایک خوشی پر مبارک باد ہے ۔)

حدیث شریف و مسئلہ مرفوع حدیث میں ہے کہ ہمسایہ کے حقوق میں سے ایک حق یہ ہے کہ اس کو خوشی کے وقت مبارک باد پیش کرو اور اس کے غم کے وقت اس کے پاس تعزیت کے لیے جائے اور وہ بیمار ہو جائے تو اس کی طبع پرسی کرے ۔

مسئلہ روزے کے مستحبات میں سے ہے کہ اپنے ظاہری اعضا کو گناہوں سے بچائے اور خواطر باطنہ کی نگرانی کرے اور اللہ تعالیٰ کا قرب ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو ترک نہ کرے ۔

ف حضرت شمس الدین دارانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں دن کو روزہ رکھوں اور رات کو حلال لقمہ سے افطار کروں مجھے زیادہ محبوب ہے کہ رات دن نوافل پڑھتے گزاروں ۔

تفسیر صوفیانہ شمس توحید پر حرام ہے کہ بندے کے قلب پر حرام کا لقمہ اثر کرے ۔ خصوصاً روزے کے افطار کے وقت سالک کو چاہیے کہ حرام لقمے سے اجتناب کرے اس لیے کہ یہ دین کے لیے زہر قاتل ہے ۔

مسئلہ افطار کی تعجیل اور سحری میں تاخیر سنت ہے کیونکہ رات کا روزہ رکھنا بدعت ہے جس نے افطار میں تاخیر کی وہ اس گھڑی میں روزہ دار پایا جائے گا جو رات کی ساعات میں ایک ساعت ہے اس اعتبار سے وہ بدعت کا مرتکب ہوا اگرچہ تھوڑی دیر سہی (کذا فی شرح عیون المذاہب) ۔

مسئلہ ہم اہل اسلام کی تین عیدین ہیں ۔

۱ عید الافطار اور یہ طبعی عید ہے ۔

۲ عید الموت جب کہ خاتمہ ایمان پر ہو بہت بڑی عید ہے ۔

۳ عید التجلی آخرت میں تو پھر تمام عیدوں سے بہت بڑی عید ہے ۔

حدیث شریف اور مسئلہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں اور اس روایت کی تصحیح بھی فرمائی حضرت زید بن حارث سے مروی ہے کہ جس نے روزہ دار کو کھانا کھلایا تو اسے روزہ دار کے روزہ کا ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ روزہ دار کے روزہ میں کمی آئے ۔

حکایت حضرت امام حافظ حماد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رمضان کی ہر رات میں پچاس آدمیوں کو روزہ افطار کراتے تھے جب

لہ جیسا کہ ہمارے ہاں مروج ہے ۱۲ - اویسی غفرلہٗ

عیدالفطر کی رات آئی تو پچاس آدمیوں کو علیحدہ علیحدہ پوشاک عنایت فرمائی اسی لیے انھیں ابدال اولیاء میں سے شمار کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف حضرت امام سیوطی جامع صغیر میں اور امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ہر زمانہ میں پچاس برگزیدہ انسان اور چالیس ابدال ہوتے ہیں نہ ان پچاس میں کمی آتی ہے اور نہ ہی ان چالیس میں۔ جب ان میں سے کوئی ایک فوت ہوتا ہے تو اس کے عوض دوسرے کو مقرر کیا جاتا ہے تاکہ تعداد مکمل رہے صحابہ کرام نے عرض کی حضور! ہمیں ان کے اعمال سے آگاہ کیجیے آپ نے فرمایا وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو معاف کرتے ہیں اور انھیں جو تکلیف پہنچاتا ہے تو وہ اس کے ساتھ احسان کرتے اور اسی پر راضی ہوتے ہیں جو انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوتا ہے

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے بھوکے کو کھانا کھلایا اور ننگے کو کپڑا پہنایا اور مسافر کو پناہ دی تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کی تکالیف سے محفوظ رکھے گا۔

حکایت حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالےٰ فقراء اور طلبائے اسلام پر ہر سال لاکھ درہم خرچ فرماتے اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے فرماتے اگر تم لوگ نہ ہوتے تو میں کبھی تجارت نہ کرتا اور ساتھ ہی انھیں یہ فرماتے اے طالب علمو! دنیا کے کسی معاملہ میں مشغول نہ ہو تا صرف طلب علم میں بسر کرو تاکہ تمھارے ضروریات پورا کرنے میں کافی ہوں۔

حکایت حضرت یحییٰ برکی رحمہ اللہ تعالےٰ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ پر ہر ماہ ہزار درہم خرچ کرتے اور حضرت یحییٰ برکی کے لیے حضرت سفیان سر سجدہ میں رکھ کر یوں دعا کرتے اے اللہ تعالیٰ یحییٰ نے دنیا میں میری ضروریات کا ذمہ اٹھایا ہے تو آخرت میں اسے اپنے ذمہ لے لے جب یحییٰ برکی کا انتقال ہوا تو انھیں بعض دوستوں نے خواب میں دیکھکر پوچھا کہ تمھارے ساتھ کیسی گزری انھوں نے کہا حضرت ابوسفیان کی دعا سے میری بخشش ہوگئی۔ حضرت صائب مرحوم نے فرمایا ؎

تیرہ روزان جہان را بصحرا دریاب
تا پس از مرگ ترا شمع مزارے باشد

ترجمہ ان کمزور لوگوں کو تاریکیوں میں تلاش کر وجو روزی سے عاجز ہیں ان کی برکت سے تیری قبر روشن ہو۔

یا اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی کتاب کے مقتضیٰ اور اپنے خطاب کے مدلول کے مطابق بنائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ۔

ربط اس مضمون کا سابق مضمون سے ربط یوں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ماہ رمضان کے روزے رکھنے اور اس کی گنتی کی تکمیل کا حکم فرمایا اور ساتھ اس کی راتوں کے جاگنے اور ان میں عبادت کرنے کی ترغیب فرمائی کہ ان ایام میں بندے اس کی عظمت و بڑائی بیان اور اس کا شکر ادا کریں تو اس کے بعد اس آیت کو ذکر کیا تاکہ بندوں کو معلوم ہو کہ رب تعالیٰ ان کے حالات سے باخبر اور ان کے ذکر و شکر پر مطلع اور ان کی باتوں کو سنتا ہے اور ان کی دعاؤں کو قبول کرتا اور ان کے اعمال کی انھیں جزا دینے والا ہے۔

شانِ نزول اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اعرابی نے سوال کیا کہ کیا ہمارا رب ہمارے قریب ہے تاکہ ہم اس سے مناجات کریں یا بعید ہے تاکہ اسے پکار کر معروضات پیش کریں اس کے جواب میں فرمایا کہ مجھ سے میرے بندے جب بھی کوئی بات عرض کرتے ہیں تو میں ان کے سوال کی اجابت بہت جلد کرتا ہوں۔

فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میرے ان بندوں کو فرما دیجئے کہ میں بھی علم کے لحاظ سے قریب اور محیط ہوں۔

ف: اس میں اللہ تعالیٰ کے علمی کمال کی تمثیل ہے کہ وہ کریم بندوں کے تمام افعال و اقوال کو جانتا ہے اور ان کے تمام احوال پر مطلع ہے جیسے کوئی کسی کے قرب مکانی کے لحاظ سے قریب ہوتا ہے

ف اس اعتبار سے قرب کا لفظ استعارۃ تبعیہ تمثیلیہ ہوگا

سوال یہاں پر قرب حقیقی یعنی قرب مکانی کیوں مراد نہیں لیا جاتا۔

جواب اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے قرب مکانی ممتنع ہے کیونکہ اگر وہ کسی مکان میں ہو تو پھر وہ سب کے ساتھ قریب نہ ہوگا اس لیے کہ اگر وہ عرش کے حاملین کے قریب ہوگا تو اہل زمین سے بعید ہوگا اور اہل مشرق کے قریب ہوگا تو اہل مغرب سے بعید ہوگا اسی طرح برعکس۔

حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو لوگ ایک بلند وادی پر چڑھ کر پکارنے لگے: لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی آوازوں کو پست کرو اس لیے کہ تم کسی بہرے اور غیب کو نہیں پکار رہے بلکہ جسے تم پکارتے ہو وہ تو سمیع اور قریب اور تمہارے ساتھ ہے۔

مسئلہ یہ باعتبار مشارب و مقامات کے ہے ورنہ اہل غفلت کے لیے تو ذکر بالجہر مناسب ہے تاکہ دل کا انتشار دور ہو اور حضورِ قلب کے لیے ذکر خفی مناسب ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔ ع

دوست نزدیکتر از من بمنست

وِیں عجبتر کہ من ازوے دورم

ترجمہ دوست تو میرے نزدیک تر ہے لیکن افسوس کہ میں اس سے دور ہوں۔

اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ط دعا مانگنے والا جب مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔

ف اس میں قرب مجازی کی تقریر ہے یعنی جہاں اللہ تعالیٰ کے بے کیف قرب کو قرب مکانی سے تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ علم معانی میں ہے کہ مستعار منہ کے مناسبات کو مستعار لہ کے لیے ثابت کرنا جس سے استعارہ کی ترشیح بلکہ اس مستعارہ کو ثابت کرنا مطلوب ہوتا ہے

مسئلہ اس آیت میں دعا مانگنے والے کو اجابت دعا کا وعدہ ہے:

سوال ہم نے بہت سے دعا مانگنے والوں کو دیکھا کہ باوجودیکہ دعا میں عجز و انکسار کرتے ہیں لیکن ان کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

جواب یہ آیت مطلق ہے اور دوسری جگہ مقید اور قاعدہ ہے کہ مطلق مقید پر محمول ہوتا ہے چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا بل ایاہ تدعون) فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء۔ اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ میں بندے کی دعا قبول کرتا ہوں اگر چاہوں۔

ورنہ نہیں۔

دُعا کے شرائط دعا کی قبولیت کے لیے چند شرطیں ہیں۔

۱۔ مشیتِ ایزدی

۲۔ قضا و قدر کی موافقت

۳۔ کسی محال بات کا سوال نہ ہو۔

۴۔ اس کے لیے دعا کی قبولیت مفید بھی ہو۔

ف اجابت کا معنی یہ ہے جیسے کوئی مانگے ویسے دینا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا سوال پورا کرتا اس کی دعا قبول کرتا اور مجبور لوگوں کی ضروریات کی کفایت فرماتا ہے۔

فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي بندوں کو چاہیے کہ وہ بھی میری بات کو مانیں یعنی جب میں انھیں ایمان واطاعت کے لیے بلاؤں تو وہ اسے قبول کریں جیسے میں ان کی بات مانتا ہوں جب کہ وہ اپنے مقاصد کے لیے مجھے پکارتے ہیں۔

ف استجابہ واستجاب لہ واجابہ ایک ہی ہیں یعنی بندے کے سوال کو ختم کر کے اپنے مقصد تک پہنچانا یہ دراصل الجوب سے ہے بمعنے کاٹنا۔ **وَلْيُؤْمِنُوا بِي** ایمان پر ثابت قدم رہنے کا امر ہے حضرت ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ الاستجابۃ بمعنے الانقیاد والاسلام اور ایمان قلب کی صفت ہے

نکتہ استجابت کو ایمان پر مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ کو رونق اور نورانیت نصیب نہیں ہوتی جب تک پہلے طاعات وعبادات ادا نہ کی جائیں

نکتہ اس جملہ کی فَا میں اشارہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تیری دعا قبول کرتا ہوں باوجودیکہ میں بے پرواہ اور غنی ہوں پھر اے میرے بندے تو بھی میرے بلانے پر سر جھکا دے اور میرے کہنے پر چل۔ باوجودیکہ ہر لحاظ سے تو میرا محتاج ہے سبحان اللہ کیسا ہی کریم ہے اس کریم کا کہ اپنے بندے کو اپنے پاس کیسے محبت اور پیار سے بلاتا ہے

لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ○ انھیں رشد کی امید میں رہنا چاہیے رشد بمعنے ہدایت پانا دنیا کی مصالح ہوں یا آخرت کی اب آیت کا معنے یوں ہوگا کہ بے شک انھوں نے جب اللہ تعالیٰ کے احکام کو قبول کیا اور ایمان لائے دین دنیا کے مصالح سے ہدایت پا گئے کیونکہ ہدایت پانے والے کے یہی علامات ہیں۔

مسئلہ دکھ کو ٹالنے کے لیے دعا مانگنا مذموم ہے اہل شریعت بھی یہی کہتے ہیں اور اہل طریقت بھی کیونکہ دعا نہ مانگنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ کرنے کے مترادف۔۔۔ اور دکھ درد کو سر پر رکھنے کا دعویٰ کرنا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

تا فرود آید بلا بے دافع

چوں نباشد از تضرع شافع

ترجمہ واقع کے بعد بلا ٹل جائے جب زاری بیا شافع نہ ہو۔

مسئلہ عوام اور مبتدی سالکوں کو اسباب کی تلاش ضروری ہے اور اوسط درجہ کے سالکوں کو توکل مناسب ہے اور کاملین کے احوال کی تو کوئی انتہا نہیں ان کے لیے اسباب اور توکل برابر ہیں۔

حکایت مروی ہے کہ سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ السلام کو جب نار میں ڈالا جا رہا تھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کو ہوا میں اڑتے ہوئے یعنی آگ میں پہنچنے سے پہلے ملاقی ہوئے اور عرض کی کہ حضرت کوئی ضرورت ہو تو فرمائیے آپ نے فرمایا تمہارے ہاں تو مجھے ضرورت نہیں ہے جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیجیے آپ نے فرمایا وہ میرے سوال کو جانتا ہے میں اسے کیوں عرض کروں۔

ف دراصل یہ مقام کامل و مکمل حضرات کا ہے جو انانیت سے فارغ ہیں بلکہ وجود کے متعلقات سے بھی جدا یعنی ہر حال میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہیں اے سالک ذرا غور کر تو کس حال میں ہے تجھے اللہ تعالیٰ سے عفو اور مغفرت مانگنی چاہیے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ان کے اپنے مراتب کی مقدار کے مطابق گفتگو فرماتے اس لیے اعرابی سے فرمایا۔

حکایت ایک اعرابی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اپنے اونٹ کو باندھے بغیر حاضر ہوا صرف اس خیال سے کہ یہ بھی توکل ہے آپ نے اسے فرمایا اونٹ کو باندھ اور اس کے بعد اللہ پر توکل کر۔

شرح الحدیث اس حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعرابی کو اونٹ کا باندھنا ہی توکل فرمایا جب کہ اس نے اونٹ کو چھوڑ کر چلے آنے کو توکل سمجھا اس پر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعرابی کو توکل پر برانگیختہ کیا جیسے پرندوں کی حالت ہے کہ وہ توکل کے عامل ہیں اور انہیں روزی کی تنگی نہیں۔

ف توکل کا یہ معنیٰ اس لیے ہے جیسے قضاء و قدر پر تو ایمان ہے لیکن تسکین و تسلی کی نعمت سے محروم ہے۔

ف اجابت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ایسا وعدہ کرے جس کا خلاف محال ہے۔

حل اشکال جس نے دعا مانگی لیکن فوراً اجابت نہ ہوئی تو اس کے چند وجوہ ہوتے ہیں بندے کو یقین رکھنا چاہیے کہ دعا مانگنے پر دعا قبول تو ضرور ہوتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اسے منہ مانگی بات ملے اس لیے کہ منہ مانگی بات کا نام اجابت نہیں اور نہ ہی منہ مانگی بات کو اجابت کہا جاتا ہے بلکہ اجابت اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے جو بندے کے مناسب حال ہو اس کا کام کر دیتا ہے۔

ف اجابت دعا کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ عرض کرے اے میرے رب اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے لبیک حاضر ہوں اے میرے بندے تو کیا کہتا ہے یہ وعدہ ہر دعا مانگنے والے اور ہدایت پانے والے اور توجہ کرنے والے کے لیے ہوتا ہے اور دعا کی اجابت کا یہی معنیٰ ہے کہ بندے کا مقصد پورا کر دیا جائے اور اسے اس کی مراد تک پہنچایا جائے اور یہ کبھی جلد تر ہوتا ہے اور کبھی دیر بعد اور کبھی آخرت میں۔

ف کبھی اجابت دعا یوں ہوتی ہے کہ اس کی مانگی شے کے بجائے اور شے عنایت کی جائے ۔ اجابت صرف ایک وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ اس کے مختلف طریقے ہوتے ہیں ۔

حدیث شریف مسلمان کی دعا صرف چھ وجہوں سے رد ہوتی ہے ۔

۱ ۔ گناہ کی دعا مانگے ۲ ۔ یا اس سے قطع رحم لازم آتی ہے ۔

۳ ۔ اس کی دعا کو اعمال نامہ میں ثواب بنا کر اس کے لیے ذخیرہ بنایا جاتا ہے ۔

۴ ۔ اجابت اللہ تعالیٰ کی مشیت سے مقید ہوتی ہے جیسا کہ گزرا ہے ۔

۵ ۔ اس اجابت کو بندے کے قبول کرنے سے مشروط فرمایا ہے چنانچہ گذرا ۔

۶ ۔ اجابت دعا کے لیے چند شرائط اور آداب ہیں جو دراصل دعا کے قبول ہونے کے اسباب ہیں جو انہیں مکمل کرے گا تو وہ باب اجابت سے ہوگا جو ان میں ایک میں خلل کرے گا تو وہ اہل اعتداً سے ہوگا یعنی حد سے گزرنے والوں سے ہوگا اور نہ ہی وہ طلب کا مستحق ہوگا اور وہ اسباب جو عوام سے متعلق ہوں ان کی تو کوئی حد اور حساب نہیں اور ان کے ذکر میں بہت طوالت ہے یہاں انہیں لکھا نہیں جا سکتا اور ان میں بعض خواص سے تعلق رکھتے ہیں جو چند ایک یہ ہیں ۔

تزکیہ صفائی ۔ اس لیے کہ دعا مانگنے والے کے لیے صفائی کا ہونا ضروری ہے دعا مانگنے والے کو چاہیے کہ پہلے اپنے بدن کو صاف کرے یعنی لقمہ حلال سے اصلاح کرے اس لیے کہا کہ دعا آسمان کی کنجی ہے لیکن اس کنجی کے دندانے لقمہ حلال ہے ۔

حدیث شریف کوئی بہت بڑا لمبا سفر کر کے مسافری میں ہاتھ پھیلا کر اگرچہ بال بکھرے ہوئے اور غبار آلودہ ہوتے ہوئے عرض کرتا ہے اے میرے رب میرا کام بنا دے لیکن اس کا کھانا پینا اور لباس حرام کا ہوتا ہے اور اس کی غذا حرام کی ہوتی ہے پھر اس کی دعا قبول کیسے ہو ۔

حکایت کوفہ میں ایک جماعت ایسی تھی جن کی ہر دعا مستجاب ہوتی جب بھی کوئی حاکم کوفہ میں آتا اس کے لیے بد دعا کرتے تو وہ ہلاک ہو جاتا حجاج بن یوسف ظالم نے ان کے لیے ایک تدبیر کی ، جب کہ مروان کی طرف سے وہ کوفہ کا حاکم بنا تو ان تمام حضرات کو دعوت دی جب وہ دعوت کھا بیٹھے تو کہا اب میں ان کی بددعا سے محفوظ ہو گیا اس لیے کہ اب ان کے پیٹ میں حرام کا طعام داخل ہو گیا ہے چنانچہ ایسے ہی ہوا

سبق سالک کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کو اوصاف بشریہ اور اخلاق ذمیمہ سے پاک وصاف رکھے اس لیے کہ دعا کی اجابت کو اوصاف بشریہ وغیرہ روکنے والے ہیں اسی طرح قلب کو بھی تعلقات انسانیہ جو انسانی و روحانی طریق سے متعلق ہوتے ہیں سے پاک رکھے قلب کو اذکار سے صاف کرے اور اسے اخلاق حمیدہ کے نور سے نورانی بنائے اس لیے کہ یہ اجابت کے اسباب ہیں اور انہیں کے ذریعے سے دعا بارگاہ الٰہی میں پہنچتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ اور روح کو التفات الی غیر اللہ کی میل وکچیل سے دھوئے تاکہ الطاف ربانی کے نفحات کو حاصل کر سکے اور سِر کو شرک کی آلائش سے بچائے بایں طور کہ سِر کو دعا کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ رکھے اور صرف طلب بھی حق کی ہو اور غیر حق کو سِر میں جگہ نہ دے ۔

تاکہ اس کی دعا قبول ہو اور خائب خاسر ہو کر نہ لوٹے چنانچہ حدیث قدسی میں ہے خبردار جو مجھے طلب کرتا ہے وہ مجھے ضرور پالے گا اور جو میرے غیر کا طالب ہے وہ مجھے ہرگز نہیں پا سکے گا۔

ف اللہ تعالیٰ نے اپنی اجابت کا وعدہ کیا ہے جو اسے دعا سے طلب کرتا ہے چنانچہ

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

خلاف طریقت بود کا ولیا ر
تمنا کنند از خدا جز خدا

ترجمہ یہ خلاف طریقت ہے کہ اولیاء اللہ غیر خدا کی تمنا کریں۔

سبق جو شخص بھی ان شرائط میں سے کسی ایک کو چھوڑے گا وہ اجابت کو ہرگز نہیں پا سکے گا جیسا ارکان نماز میں سے کسی ایک رکن کو چھوڑ دے تو نماز قبول نہیں ہوتی ہاں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے بندے کے ہر نقصان اور کمی پورا کرے تو وہ علیحدہ بات ہے۔

مسئلہ اللہ تعالیٰ کا فضل بندے کے اعمال سے مقدم ہے کیونکہ وہ سوال کیے بغیر بھی دیتا ہے سوال کرنے پر تو عطا کرتا ہے

ف دعا دو قسم ہے۔ (۱) نیت دعا سے دعائیہ کلمات کہنا۔ (۲) دعائیہ کلمات صرف زبان سے بولنا۔ جو دعا کی نیت سے کلمات دعائیہ کہتا ہے تو اس کے لیے تمام آسمانوں کے دروازے کھل جاتے اور اس کی دعا عرش معلیٰ تک پہنچ جاتی ہے اور صرف دعائیہ کلمات منہ سے نکلتے رہیں تو وہ دعا آسمانوں تک نہیں پہنچتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت نہ ہو۔

ف تفسیر فاتحہ میں امام فناری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دعا کے وقت تصور اور حضور قلب کو دعا کی قبولیت میں بڑا اثر ہے خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل کرتے اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر ترغیب دلائی جب کہ انہیں دعا مانگنے کا طریقہ سکھایا اور وہ دعا یہ ہے۔ اللھم اھدنی وسددنی مجھے راہ ہدایت پر سیدھا چلا اور فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں ہدایت سے ہدایت طریق کا خیال رکھنا اور ایسی سیدھی راہ کے تصور میں بیٹھنے جیسے تیر سیدھا ہوتا ہے۔

ف اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعا کے وقت ان دونوں باتوں کی خصوصی ہدایت فرمائی۔

نکتہ انبیاء مرسلین اور اولیاء کاملین اور پیران جیسے اور بزرگوں کی دعاؤں کی قبولیت میں یہی راز ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دعا مانگتے وقت توجہ خاص اور ندا کا ہونا شرط اولین ہے جس نے دعا کے وقت خصوصی توجہ رکھی اور دعا کے وقت اس کی نگاہ اولین و آخرین کے طریقوں پر رہی بالخصوص اس وقت دعا مانگے جب اسے دعا مانگنے کا حکم ہے تو بفضلہ تعالیٰ اس کی دعا قبول ہو جائے گی اور جو شخص بلا تصور وقت ارادہ تو زید کا رکھتا ہے لیکن گفتگو دوسرے سے کرے اس کا مقصد حاصل نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو ملامت کرے جب کہ اللہ کو دعا کی اجابت کے طریق سے نہ پکارے وہ اس وجہ سے کہ اس کا یہ خیال اس کے تصورات کے

صفات سے پیدا ہوا ہے جو اس کی حالت پر غالب آگیا ہے یاد رہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے میں اگرچہ خطا کر رہا ہے تو اسے بھی کسی ایک وجہ سے فائدہ حاصل ہوگا۔ جیسے مجتہد مخطی کو اجر و ثواب ملتا ہے اسے محروم نہیں رکھا جاتا۔

حدیث شریف رسالہ قشیری میں لکھتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس بندے سے محبت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کو فرماتا ہے کہ اے جبریل علیہ السلام میرے بندے کی ضرورت کو چند دن کے لیے تاخیر کی جائے کیونکہ مجھے بندے کی دعا پیاری لگتی ہے اور جس بندے سے غصہ ہو تو اس کے لیے جبریل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے جبریل اس کی دعا جلدی پوری کیجیو کیونکہ اس کی آواز مجھے پسند نہیں۔

حکایت بغداد میں ایک وقت سخت قحط واقع ہوا تو بادشاہ نے صرف اہل اسلام کو استسقا کے لیے شہر سے باہر نکلنے کا حکم دیا شاہی حکم سے تمام مسلمان شہر سے باہر نکل کر استسقا کی دعائیں پڑھتے رہے لیکن بارش نہ ہوئی۔ اس کے بعد بادشاہ نے صرف یہود کو حکم دیا کہ اب وہ بارش کے لیے دعا کریں چنانچہ جب یہودیوں نے دعا مانگی تو بارش ہوگئی اس سے بادشاہ حیران ہوگیا علماء کرام کو بلا کر اس کے متعلق پوچھا کہ ماجرا کیا ہے کہ مسلمان دعا مانگیں تو قبول نہ ہو اور یہودی مانگیں تو فوراً قبول ہو جائے یہ عقدہ علماء سے حل نہ ہو سکا حضرت سہیل بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور فرمایا اے بادشاہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام کی وجہ سے ہم مسلمانوں سے محبت کرتا ہے اور اس کی مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں راہ ہدایت بخشی وہ ہماری دعا مانگنے اور تضرع وزاری سے پیار رکھتا ہے اسی لیے ہمارے دینے میں تاخیر فرماتا ہے اور چونکہ یہودیوں سے ناراض ہے اور ان پر اس کی لعنت برستی ہے اس لیے ان کی دعا مانگنے پر انہیں دینے میں جلدی کرتا اور اپنے دروازے سے ہٹاتا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا دنیا کا نظام چار چیزوں پر ہے:۔

۱۔ علماء کرام کے علم پر
۲۔ بادشاہوں کے انصاف پر
۳۔ دولت مندوں کی سخاوت پر
۴۔ فقراء کی دعاؤں پر۔ بندے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگے اس کے اسماء الحسنیٰ کے صدقے سے اور ادعیہ ماثورہ کی برکت سے اور وہ ادعیہ ماثورہ جو نیک لوگوں سے منقول ہیں اور لائق ہے کہ اپنی دعا میں انبیاء اولیاء صالحین کو وسیلہ بنائے۔

دعا کے چند ایسے مقامات ہیں جہاں قبولیت یقینی ہے

۱۔ کعبۃ اللہ
۲۔ مساجد ثلاثہ یعنی بیت اللہ، بیت المقدس، مسجد نبوی کو دیکھتے وقت۔
۳۔ سورہ انعام کے جلالتین کے مابین۔
۴۔ طواف میں

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ
كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ
لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ
الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ تِلْكَ
حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ
بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

ترجمہ : روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمھارے لیے حلال کیا گیا ہے وہ تمھاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو اللہ تعالیٰ نے جانا کہ تم اپنے آپ کو خیانت میں ڈال رہے تھے سو تمھاری توبہ قبول کر کے تمھیں معاف کر دیا پس اب ان سے صحبت کرو اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمھارے نصیب میں لکھا ہے تم اسے طلب کرو اور اس وقت تک کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کے سفید دھاگے سے رات کا سیاہ دھاگہ علیحدہ ہو جائے پھر رات آنے تک روزے پورے کرو اور عورتوں سے مباشرت نہ کرو جب مسجد میں تم اعتکاف بیٹھو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں فلہذا ان کے قریب بھی نہ جاؤ یونہی اللہ تعالیٰ لوگوں کو اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں وہ پرہیزگاری سیکھیں اور ایک دوسرے کا ناحق مال نہ کھاؤ اور نہ ہی حکام کے پاس انھیں اس غرض سے لے جاؤ کہ ناجائز طریقہ سے لوگوں کا کچھ مال جان بوجھ کر کھاؤ۔

بقیہ صفحہ

۵۔ ملتزم کے وقت

۶۔ بیت اللہ کے اندر

۷۔ زمزم کے نزدیک

۸۔ زمزم کا پانی پیتے وقت

۹ صفا پر

۱۰ مروہ پر

۱۱ سعی میں

۱۲ مقام ابراہیم کے پیچھے۔

۱۳ عرفات میں

۱۴ مزدلفہ میں۔

۱۵ منیٰ میں

۱۶ ۔ تینوں دن کنکریوں کو پھینکتے وقت

۱۷ حضرات انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے مزارات کے نزدیک ۔

ف بعض نے کہا سوائے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کے باقی کسی نبی علیہ السلام کے مزار کے نزدیک دعا مانگنا صحیح نہیں یہ قول ضعیف ہے ۔

ف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار کعبہ کی چار دیواری کے اندر ہے لیکن یقینی نہیں ۔

اولیائے کرام کی مزارات پر دعا مستجاب ہوتی ہے اہل اللہ کے نزدیک چند شرائط اواکرنے پر اولیاء اللہ کے مزارات پر دعا یقیناً مستجاب ہوتی ہے اور وہ شرائط صرف اللہ والے جانتے ہیں اللھم افض علینا من برکات الصالحین اے اللہ ہمارے اوپر نیک لوگوں کی برکات نازل فرما ۔

تفسیر عالمانہ : اُحِلَّ لَکُمْ

سوال فاعل کے قائم مقام پر ظرف کی تقدیم کیوں ؟

جواب شوق دلانے کی وجہ سے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس چیز کا ذکر پہلے کرنا تھا اسے موخر کیا جائے تو نفس اس کے لیے منتظر اور شائق رہتا ہے پھر اس کا ذکر آتا ہے تو دل پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے یعنی تمہارے لیے حلال یعنی مباح کیا گیا ہے ۔

لَیْلَۃَ الصِّیَامِ روزے کی رات میں " یہ وہ رات ہے کہ جس کی صبح کو اٹھتے ہی بندہ روزہ دار ہوتا ہے اَلرَّفَثُ رفث معنی قول فحش اور قبیح بات بولنا اور عرف میں نام ہے اس بات کا جو عورتوں کے سامنے میل جول وغیرہ کی گفتگو کی جائے پھر کنایہ ہوتا ہے جماع سے کیونکہ جماع نہیں ہوتا مگر تفریح سے کہ جس کے لیے لائق ہوتا ہے کہ اسے الفاظ فاحشہ سے کنایہ کیا جائے ۔

ف حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رفث ایسا جامع کلمہ ہے کہ جو عمل بھی مرد اپنی عورت سے کرے وہی رفث کہلائے گا مثلاً اشارہ یا بوسہ لینا وغیرہ ۔

اِلٰی نِسَآئِکُمْ

سوال رفث تو ہمیشہ باء سے متعدی ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "رفثت بالمراۃ" اور یہاں الیٰ کے ساتھ کیوں ؟

جواب رفث افضاء کو متضمن ہے اور افضاء الیٰ سے متعدی ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے "قد افضٰی بعضکم الیٰ بعض" یہاں افضٰی سے مراد جماع ہے ۔

شانِ نزول ابتدائے اسلام میں دستور تھا کہ روزہ میں شام کے وقت افطار کا کھانا پینا و جماع وغیرہ صرف عشا کی نماز تک جائز تھا یا جب تک نیند نہ آتی اس کے بعد کھانا پینا جماع وغیرہ حرام ہو جاتا ، جب عشا کی نماز پڑھ لی جاتی یا کوئی

سو جاتا تو اس کے اس پر کھانا پینا اور جماع وغیرہ آئندہ شام تک حرام ہو جاتا ۔

ایک روز سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز عشا کے بعد اپنی عورت سے جماع کر لیا جب غسل کیا تو رونے لگے اور اپنے نفس کو ملامت کرتے ہوئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ تعالیٰ کی طرف معذرت کرتا ہوں اور اپنے گناہ کی معافی چاہتا ہوں اس لیے کہ میں عشا کی نماز کے بعد گھر گیا تو میں نے اپنی عورت کو دیکھا اس سے ایک عجیب خوشبو صادر ہوئی مجھ سے رہا نہ گیا آخر جماع ہو گیا حضور علیہ السلام نے فرمایا: اے عمر! یہ بات تیرے لائق نہ تھی اس پر چند آدمی اُٹھ کھڑے ہوئے اور اسی غلطی کا اعتراف کیا ۔ تو یہ آیت نازل ہوئی ۔

نکتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کی یہ غلطی تمام امت کے لیے رحمت بن گئی

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ یہ نیا جملہ ہے اس میں اپنی عورتوں کے ساتھ میل جول کی علت کا سبب بیان کیا گیا ہے اور ان کے ساتھ میل جول رکھ کر اور اکٹھے رہ کر بچ جانا بہت مشکل ہے ۔

سوال عورت مرد کا اور مرد عورت کا لباس کیوں؟

جواب ۱ گاہے دونوں بوقت نیند ننگے ہو کر اور گلے لگا کر سوتے ہیں

جواب ۲ یا بوقت جماع ایک دوسرے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے

جواب ۳ یا اس لیے کہ ایک دوسرے کا حال چھپاتے ہیں

جواب ۴ یا اس لیے کہ ایک دوسرے کو غلط کاری سے بچاتے اور ایسی خرابیوں سے ایک دوسرے کو محفوظ رکھتے ہیں کہ جن کا صدور ان سے نامناسب ہے ۔

حدیث شریف جس نے نکاح بیاہ وغیرہ کر لیا اس نے اپنے دین کا دو تہائی حصہ بچا لیا ۔

جواب بطرز دیگر آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی عورتوں کا سکون ہو اور وہ تمہارا سکون ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور یہ بھی مشاہدہ ہے کہ جتنا مرد عورت کو آپس میں سکون ملتا ہے ایسے کسی اور رشتے سے انہیں سکون نصیب نہیں ہوتا بشرطیکہ ان کی آپس میں محبت اور اچھا سلوک ہو ورنہ پناہ بخدا ۔

عَلِمَ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ نے ازل سے جان لیا اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ بے شک تم اپنے نفسوں کے ذریعے خیانت کرو گے یعنی اپنے نفسوں کی خیانت کرو گے با ایں معنیٰ کہ اپنے نفسوں پر ظلم کر کے اپنے آپ کو عذاب کے لیے پیش کرتے ہو پھر رمضان کی راتوں میں جماع کر کے اپنے نفس کے ثواب کو گھٹاتے ہو اور الخیانۃ امانت کی ضد ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اوامر و نواہی سے نواز کر احسان فرماتا ہے لیکن جب بندے پوشیدگی میں گناہ کرتے ہیں تو وہ گویا اپنے آقا کی خیانت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ، ولا تخونوا الله والرسول وتخونوا اماناتكم

حضرت صاحب نے فرمایا ۔ ے

ترا گوہر دل کردہ اند امانت دار
ز دزد امانت حق نگاہ دار مکتسب[1]

ترجمہ اے انسان تیرے دل کا گوہر رب کریم اللہ تعالیٰ نے اپنا امانت دار بنایا ہے لہٰذا تم اس امانت کی خوب حفاظت کرو۔

فَتَابَ عَلَيْكُمْ اس کا عطف علم پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کرتا ہے اور جو گناہ تم سے سرزد ہوئے ہیں انہیں معاف فرماتا ہے وَعَفَا عَنْكُمْ یعنی گناہ کے نشانات تمہارے سے مٹاتا ہے فَالْـٰٔنَ یعنی اب۔ جب کہ اس کی حرمت منسوخ ہو چکی۔ یہ ظرف ہے اس کے قول بَاشِرُوْهُنَّ کا الآن اصل میں یہ فعل ہے بمعنے حان اب زمانہ حاضر کا نام بن گیا ہے اس کے بعد اس پر الف لام تعریف کا داخل ہونے لگا اور اس کی اصلی فتح اپنے مقام پر باقی رہی دالمباشرۃ لغت میں چمڑے کو چمڑے سے چمٹانے کو کہتے ہیں اب جماع سے کنایہ ہے چونکہ جماع میں چمڑے سے چمڑے کا چمٹنا لازمی امر ہے۔

ف اس کے تمام توابع اس میں داخل ہیں۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ کتاب اللہ حدیث رسول اللہ کی ناسخ ہو سکتی ہے جب کہ کھانا پینا و جماع حدیث سے ثابت ہو اور اگر اس کا ثبوت پہلی شریعتوں سے ہو تو پھر یہ نسخ اس قانون میں داخل نہ ہوگا۔ جیسے بعض کا مذہب ہے۔

وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ اور اسے طلب کرو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے اولاد لوح محفوظ میں مقدر فرمائی ہے

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ جماع کرتے وقت یہ نیت ہو کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد بنائے اور نسل انسانی میں اضافہ ہو۔

نکتہ شہوت کی تخلیق اور نکاح کی مشروعیت میں ایک حکمت یہی ہے یعنی اولاد بڑھے اور نسل انسانی میں اضافہ ہو نہ صرف شہوت رانی۔

حدیث شریف نکاح کر کے نسل انسانی بڑھاؤ اور انسانی افراد کی کثرت کرو تاکہ میں تمہاری وجہ سے قیامت میں امتوں پر فخر کر سکوں۔

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا اس کا عطف باشروھن پر ہے حَتّٰى يَتَبَيَّنَ یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ تمہارے لیے سفید دھاگہ۔ اس سے مراد وہ سفیدی ہے جو صبح صادق کے آغاز میں ظاہر ہوتی ہے اور وہ باریک دھاگے کی طرح ابتداءً پھیلتی ہے مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ کالے دھاگے سے رات کی وہ سیاہی مراد ہے جو دن کے غروب کے بعد سپیدی میں مل کر آسمان میں پھیل جاتی ہے۔ اس لیے کہ جب صبح صادق کا آغاز ہوتا ہے تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا سفید دھاگہ افق آسمان میں پھیلا ہوا ہے اور اس میں شک نہیں کہ صبح صادق کے وقت رات کی سیاہی سپیدی میں ملی ہوئی ہوتی ہے ایسے معلوم ہوتا ہے گویا سیاہی سفیدی میں ہے اور سفیدی سیاہی میں اس لیے کہ صبح کا نور رات کی اندھیریوں کو چیر کر نکلتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے دو دھاگوں یعنی سفید اور سیاہ دھاگے سے تشبیہ دی ہے مِنَ الْفَجْرِ یعنی صبح کے طلوع کا انشقاق یہ من بیانیہ ہے

سوال خیط ابیض کا بیان تو کر دیا خیط اسود کا بیان کیوں نہیں کیا۔

جواب خیط ابیض کے بیان سے ضمناً خیط اسود کا بیان بھی ہو گیا اصل عبارت یوں تھی، حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الفجر

من الخیط الاسود من اللیل امور ثلاثہ مذکور یعنی :

۱۔ مباشرہ

۲۔ اکل

۳ شرب کے لیے غایت ہے

مسئلہ جماع کو صبح صادق سے تھوڑا پہلے جائز رکھنے سے ثابت ہوا کہ اگر غسل میں تاخیر ہو تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ اس طرح اس شخص کے روزے میں بھی کوئی فرق نہیں آئے گا جو صبح کو جنب ہو کر اٹھتا ہے اس لیے کہ جب صبح صادق سے تھوڑا پہلے جماع کرنا جائز رکھا گیا تو پھر اس کے بعد غسل کا موقعہ بھی نہیں ملے گا لامحالہ ثابت ہوا کہ صبح کے بعد جنب کو غسل کرنا جائز ہے ورنہ ایسے شخص کو صبح صادق سے اتنی دیر پہلے جماع کرنا حرام ہو جسے صبح صادق سے پہلے غسل کرنے کا موقعہ نہ ملے اور یہ کلمہ حتّٰی کے استعمال کے خلاف ہے۔

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ یعنی نہار دن، کے تمام اجزاء میں کھانے پینے اور جماع سے رک جاؤ اِلَی غایت کے لیے ہے اللَّیْلِ یعنی رات کے داخل ہونے کے وقت تک اور سورج کے غروب کے بعد رات شروع ہو جاتی ہے اور اتمام معنی شئے کو مکمل طور ادا کرنا۔ ۔

حدیث شریف میں ہے جب رات آئے اور دن چلا جائے اور سورج پورے طور چھپ جائے تو اب روزہ دار اپنا روزہ افطار کرے۔

نکتہ رات کے جانے اور دن کے آنے کے سورج کے چھپ جانے میں یہی نکتہ ہے کہ روزہ افطار کرنا ہوگا جب کہ سورج پورے طور چھپ جائے تاکہ کوئی گمان نہ کرے کہ سورج غروب ہوا یا نہ۔ سورج کے غروب کے متعلق جب پورا اطمینان ہو جائے پھر روزہ افطار کرے

نکتہ اس کی دوسری وجہ ایک اور بھی ہے وہ یہ کہ کسی وقت وادی میں ہو اور سورج نظر نہیں آتا اسے ضرورت ہے کہ سورج کے یقینی گم شدگی کی کوئی دلیل ملے اس کے لیے یہی بتایا گیا کہ سورج کے چھپ جانے کا پورا اطمینان کر لے۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ رمضان کے روزے کی نیت دن کو بھی کر سکتے ہیں۔

مسئلہ صوم وصال کی کراہت بھی یہاں سے معلوم ہوئی پہلے مسئلہ کی وجہ ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے صبح صادق تک کھانے پینے جماع کی اجازت بخشی ہے تو روزے کی نیت اس کے بعد ہوگی اور وہ دن کی گھڑی ہے اب عبارت یوں ہوگی: اتموا انما ابتدؤا بالصوم واتموا الی اللیل یعنے مکمل کر کے پھر روزے کو شروع ہو جاؤ اور اسے رات تک مکمل کرو اس سے نتیجہ نکلا کہ روزے کا حکم فجر کے بعد ہوگا روزہ صرف کھانے پینے سے رک جانے کا نام نہیں بلکہ اس کے ساتھ نیت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ دوسرے مسئلہ کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالے نے روزے کی غایت رات بتائی ہے اور قاعدہ ہے کہ غایۃ الشئ مقطعہ یعنے شئے کی غایت شئے کے اختتام پر ہوتی ہے جب روزہ رات کے ابتدائی حصہ میں بتایا گیا تو اس کے بعد روزہ نہ رکھنے کا حکم ہوا یہی ہم کہتے ہیں کہ صوم

وصال نہ ہونا چاہیئے بعض نے فرمایا کہ رات روزے کے وجوب کی انتہا کا نام ہے جب رات داخل ہوجائیگی روزے کا وجوب نہیں رہے گا بہرحال رات کی گھڑیوں میں روزہ نہ ہونا چاہیےاس سے یہ ثابت نہیں کہ صوم وصال مکروہ ہے اس لیئے ان جیسے اوامر سے یعنی (باشروھن) اور کلوا واشربوا اباحت اور رخصت کے لیے ہیں، وجوب کے لیے نہیں، اس سے صوم وصال کی نفی کا ثبوت نہیں۔

ربط گمان پڑتا تھا کہ اعتکاف کا حال بھی روزے کی طرح ہوگا یا بمعنی کہ مباشرت یعنی اپنی عورت سے جماع دن کو تو حرام ہو لیکن رات کو جائز اس کی وضاحت فرمائی کہ اعتکاف والے کو جس طرح دن کو جماع حرام ہے اس طرح رات کو بھی۔ چنانچہ فرمایا وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ اور عورتوں سے جماع نہ کرو وَاَنْتُمْ جب کہ تم لوگ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ جب کہ تم اعتکاف کی نیت سے مساجد میں ٹھہرے ہوئے ہو۔

مسئلہ اعتکاف شریعت میں اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اس کے تقرب کے لیے مسجد میں ٹھہرنے کو کہتے ہیں اور یہ شرائع قدیمہ سے ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان طھر بیتی للطائفین والعاکفین۔

شان نزول یہ آیت اس شخص کے حق میں نازل ہوئی جو مسجد میں اعتکاف بیٹھتا لیکن جب اسے جماع کی خواہش ہوتی تو مسجد سے نکل کر اپنی عورت سے جماع کر لیتا اور غسل کر کے مسجد میں لوٹتا اس آیت کے بعد مسلمان اعتکاف کی حالت میں جماع سے روکے گئے۔

مسئلہ معتکف پر جماع حرام ہے بلکہ جماع سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

مسئلہ لفظ مساجد سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف بیٹھنا جائز ہے لیکن جامع مسجد میں افضل ہے تاکہ اسے جمعہ کے لیے کہیں جانا نہ پڑے۔

مسئلہ اعتکاف افضل الاعمال ہے جب کہ خالص نیت سے ہو اس لیے اس میں قلب ماسوی اللہ سے فارغ ہو جاتا ہے۔

نکتہ حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں معتکف اس شخص کی طرح ہے جسے کسی سے کوئی کام نہ ہوا اور وہ جا کر اس کے دروازے پر بیٹھ جائے اور کہے کہ یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک میرا کام پورا نہ ہو اسی طرح معتکف بھی اللہ تعالیٰ کے گھر میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہے اے الہ العالمین میں تیرے دروازے سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک میرے گناہ بخش نہ دیے جائیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص کسی بھائی کے کام کے لیے جاتا ہے گویا وہ بیس سال اعتکاف بیٹھا یعنی بیس سالہ اعتکاف کا ثواب پائے گا۔

فضائل اعتکاف ۱۔ جو شخص صرف ایک دن اعتکاف بیٹھتا ہے اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں حائل کی جائیں گی ہر خندق کے درمیان کی مسافت ایسی ہے جیسے مشرق و مغرب کے مابین کی مسافت۔

۲۔ لوگوں سے تنہائی میں اور خلوت میں رہنے کے بڑے فوائد ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے لوگوں کے غلط رویوں سے بچ جاتا ہے اور لوگ اس سے

۳۔ نفس کشی نصیب ہوتی ہے۔

۴۔ دنیا سے اعراض کا سبق ملتا ہے۔

۵۔ اعتکاف طریق صدق اور اخلاص کا پہلا باب ہے۔

۶ - اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

۷ - توکل علی اللہ۔

۸ - قناعت پر راضی رہنا نصیب ہوتا ہے قاعدہ ہے جو شخص لوگوں سے میل جول رکھتا ہے وہ معیشت میں تکلف کا شکار ہو جاتا ہے اسے پھر حرام و حلال کی تمیز نہیں رہتی جس کی وجہ سے ہلاکت کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔

۹ - تنہا رہنے والا لوگوں کے لڑائی جھگڑے سے بچ جاتا ہے۔

۱۰ - بہت بڑے گناہوں میں مبتلا نہیں ہوتا جو کہ عام طور لوگوں کے اختلاط سے صادر ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت الشیخ الشہیر بافادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہر اس امر سے بچ جانا جس میں حرام کا معمولی سا اشتباہ ہو اور زبان کو لغویات سے روکنا اور لوگوں کے میل جول سے دور رہنا اسے ہم تصوف کہتے ہیں چلہ کشی میں بھی یہی بات ہوتی ہے کہ کثرت کے تخیلات سے ہٹ کر وحدت میں محو ہو جانا اور خلوت کا مقصد عظیم بھی یہی بات ہے اور کثرت میں ان باتوں کا حصول تو اعلیٰ درجہ ہے اس لیے کہ جو بھی خلوت میں ہوتا ہے لوگوں کے میل جول سے بچ جاتا ہے لیکن ان کی خدمات سے محروم ہوتا ہے ہم تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہیں اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی طریقہ تھا اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چلہ کشی کا طریقہ متعین نہیں فرمایا بلکہ آپ کا طریقہ یہی تھا کہ رمضان المبارک کے آخری دس دن اعتکاف میں گزارتے ہاں یہ چلہ کشی کا طریقہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا چلہ کشی کرنے والوں نے اپنے طریقے کا استدلال اسی آیت سے کیا ہے۔ کذا فی واقعات الہدائی قدس سرہٗ

تفسیر عالمانہ تِلْكَ یہ احکام آیت صیام سے لے کر یہاں تک مذکور ہوئے حُدُوْدُ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں

ف حدود۔ حد کی جمع ہے دو چیزوں کے درمیان کی آڑ کو حد کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے اپنے احکام حدود مشروع فرمائے تاکہ وہ حق و باطل کے درمیان آڑ بنیں اور اس لیے کہ ان حدود کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت اور ان حدود سے تجاوز کرنے سے بچ جائے۔

فَلَا تَقْرَبُوْهَا پس ان حدود کے قریب بھی نہ جاؤ نہ یہ کہ ان سے آگے تجاوز کر جاؤ۔

ف بندے کو اس آڑ (جو حق و باطل کے درمیان واقع ہے) کے قریب بھٹکنے سے روک دیا تاکہ باطل سے دور رہے نہ یہ کہ ان حدود سے آگے قدم رکھے۔

حدیث شریف میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہر شے کی آڑ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی آڑ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے روکے ہوئے امور کے قریب نہ جائے جو شخص بھی اس آڑ کے قریب بھٹکتا ہے پھر لا محالہ وہ اس کے اندر چلا جاتا ہے۔ فلا تقربوھا میں فلا تعتدوھا سے زیادہ مبالغہ ہے۔

رَبط جب اللہ تعالیٰ نے ان مختصر الفاظ میں روزے کے مکمل احکام بیان فرمائے اور یہ بیان شافی وافی ہے تو اس کے بعد فرمایا: کَذٰلِكَ

اس طرح یعنی ایسا بیان جسے تم نے پڑھا اور سُنا جو کہ وافی اور واضح ہے۔

ف یہ کاف محل نصب میں ہے اس اعتبار سے کہ مصدر محذوف کی صفت واضح ہوتی ہے۔

يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ اللہ تعالیٰ اپنے آیات لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے۔

ف آیات دین کے دلائل اور احکام کے نصوص کو کہا جاتا ہے بیان کی عظمت ظاہر کرنے سے بندوں کو ہدایت دینا اور ان پر رحمت کرنا مقصود ہے

تقوی کے تین مرتبے ہیں۔

۱۔ شرک سے بچنا۔

۲ معاصی و سیئات سے۔

۳ شہوات سے بچنا۔ اس کے بعد پھر فضول باتوں سے بھی بچنے کی کوشش کرے۔

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی مخالفت سے ڈرو۔

حدیث شریف میں ہے کہ بندہ متقین کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ معمولی سے معمولی فضول بات سے نہ بچے اس خوف سے کہ کہیں کسی گناہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔

سیدنا شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

ترا آنکہ چشم و دہاں داد و گوش
اگر عاقلی در خلافش مکوش

چو پاک آفریدت بہش باش و پاک
کہ ننگ است ناپاک رفتن بخاک

ترجمہ تجھے جب تک اللہ تعالیٰ نے آنکھ، منہ اور کان عطا فرمائے ہیں اگر تم عاقل ہو تو اس کے خلاف کوشش مت کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہوش کے ساتھ اور پاک پیدا فرمایا تو نہایت شرم کی بات ہے کہ تم ناپاک ہو کر قبر میں جاؤ یعنی ان حدود تک رک جاؤ۔

مرو زیر بار گنہ اے پسر
کہ حمال عاجز بود در سفر

مکن عمر ضائع بافسوس و حیف
کہ فرصت عزیز است والوقت سیف

ترجمہ قبر میں گناہوں کا بوجھ اٹھا کر مت جا اس لیے کہ بوجھ اٹھانے والے سفر میں تنگ ہو جاتے ہیں افسوس و حیف کے ساتھ

ع ضائع نہ کر فرصت کو عزیز سمجھو اس لیے کہ وقت تلوار کی طرح تمہاری زندگی کو کاٹتا جا رہا ہے

اللہ ہم سب کو اہل یقظہ و یقین سے بنائے ۔ آمین !

وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اور آپس میں باطل سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ یعنی آپس میں ایک دوسرے کا اس طریقے سے مال نہ کھاؤ کہ جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی اور نہ ہی اس طریق سے مباح فرمایا ہے جیسے

۱۔ غصب کر کے ۔ ۲۔ چھین کر

۳۔ چوری کر کے ۴۔ جھوٹی قسم کھا کر

۵۔ قمار بازی کے ذریعے سے ۶۔ رشوت لے کر

۷۔ کاہن کے پاس جا کر ۸۔ سرود بجا کر

۹۔ سود کر کے ۱۰۔ غلط حیلوں سے ۔

۱۱۔ اور خیانت کر کے مختلف طریقوں سے اسی طرح سینما وغیرہ کی کمائی اور بلیک وغیرہ کی کمائی وغیرہ وغیرہ ۔

ف : بینکم منصوب علی الظرفیۃ ہے لاتاکلوا کے متعلق ہے اب معنی یوں ہوا کہ ایک دوسرے کو لینا دینا صرف ایک دوسرے کو کھانے کے لیے ہو

مسئلہ ۔ آیت میں صرف کھانے کی اشیاء مراد نہیں بلکہ اسباب باطلہ کے ذریعے سے جتنے معاملات ہوں سب حرام ہیں اسے کھانا عرف عام میں بولا جاتا ہے لیکن اس سے ہر قسم کے تصرفات مراد ہوتے ہیں علاوہ ازیں ان امور میں مقصود اعظم کھانا ہوتا ہے اس لیے اس کا نام لیا گیا ۔

بالباطل بھی فعل مذکور کے متعلق ہے (یعنی لاتاکلوا کے) یعنی اموال کو باطل کے سبب نہ کھاؤ ۔

شان نزول ان دو شخصوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی جن کا آپس میں زمین کا جھگڑا تھا ان دونوں کو خیال ہوا کہ جھوٹی قسم کھا کر زمین پر قابض ہو جائیں چنانچہ دونوں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں نصیحت کے طور فرمایا کہ سن لو میں تمہاری طرح بشر ہوں[1] میری طرف اللہ تعالیٰ سے وحی آتی ہے تم لوگ میرے پاس فیصلے کے لیے آتے ہو اور تم میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ چالاکی سے حجت قائم کر لیتے ہیں اور میں بھی ان کی حجت پر فیصلہ کر دیتا ہوں اور اس کے ساتھی سے مال لے کر اس کی حجت کے مطابق اس کے قبضہ میں دے دیتا ہوں کیونکہ میں تو ویسے ہی فیصلہ کروں گا جیسے تم سے سنوں گا لیکن یاد رکھو جس کے لیے میں ظاہری طور فیصلہ کر دوں اور حق دوسرے بھائی کا ہو تو پھر یوں سمجھ لو کہ آگ کا ٹکڑا اسے دے رہا ہوں وہ دونوں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت سن کر رو پڑے اور ہر ایک کہنے لگا حضور !

---

[1] ایسی حدیثوں سے وہابیوں دیوبندیوں نے غلطی کھائی کہ وہ نبی علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر سمجھنے لگے حالانکہ حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی حقیقت بشر نہیں اگرچہ ظاہر میں ہماری طرح بشر ہیں ہمارا اور ان کا اختلاف حقیقت کے متعلق ہے ہم کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی حقیقت نور ہے اور وہ اسی بشریت کی حقیقت کہتے ہیں مزید تفصیل فقیر کی کتاب نور و بشر میں دیکھئے ۔ ۱۲ ۔

میں اپنی یہ زمین اپنے بھائی کو دینا چاہتا ہوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جاؤ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی حاضری کو سامنے رکھ کر قرعہ اندازی کرو اس طرح ایک دوسرے کو اپنا حق حلال کرد

حدیث شریف مذکور کے بعض مشکل الفاظ کی تشریح الحس الحجۃ ای اقوم بھا وافقد علیہا منہ یعنی خصم کی دلیل سن کر مال اس کے قبضہ میں دے دوں اور اس کے ساتھی سے چھین کر مال کا مالک بنا دوں التوحی ای تقصد الحق یعنی توحی بمعنے حق کا ارادہ کرنا الاستھلم ۔ الاقتراع یعنی قرعہ اندازی ۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ قاضی کو اپنے علم پر فیصلہ نہ کرنا چاہیے چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے ۔

مسئلہ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف اموال واملاک تک محدود رکھتے ہیں کہ ظاہر پر فیصلہ کرنا جائز ہے لیکن عقود النکاح اور اس کا فسخ اس سے مستثنیٰ ہوں گے اس کے مکمل مسائل ودلائل فقہ کی کتاب القضاء میں ہیں ۔

وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ اور انھیں حکام کی طرف نہ لگاؤ اس کا عطف نہی عنہ پر ہے یعنی ولا تاکلوا الخ پر اسی وجہ سے یہ ناہیہ مذکورہ کی وجہ سے مجزوم ہے بواسطہ حرف عطف کے اور یہ الادلاء سے ہے بمعنے الالقاء اور ضمیر بہا کی اموال کی طرف لوٹتی ہے ساتھ مقدر کرنے مضاف کے

ہے جیسے ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ میں (باء زائدہ) ہے اب معنی یہ ہوا کہ اموال کے معاملات کو نہ لگاؤ اور فیصلہ نہ لے جاؤ حکام کی طرف ۔

لِتَاْكُلُوْا تاکہ تم کھاؤ حکام کی طرف فیصلہ لے جانے سے فَرِيْقًا ایک حصہ کو اور بعض اموال سے مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ لوگوں کے مالوں سے گناہ کے سبب سے یہ باسببیہ ہے لتاکلوا کے ساتھ متعلق ہے یعنی بسبب اس کے جو گناہ کو واجب کردے جیسے شہادۃ الزور جھوٹی قسم اور صلح کرانا جب کہ معلوم ہو کہ جسے مال دلایا جارہا ہے وہ ظالم ہے اور جس سے لیا جارہا ہے وہ حق پر ہے بعض نے اس کا معنے یوں کیا ہے کہ ان کے فیصلے ایسے حکمرانوں کی طرف مت لے جاؤ جن کا کام ظلم ہو اور رشوت لے کر غلط فیصلہ کی عادت ہو

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ حالانکہ تم جانتے ہو کہ بے شک تم باطل پر ہو ۔

مسئلہ گناہ کو گناہ جانتے ہوئے اس کا ارتکاب بہت زیادہ قبیح ہے اور اس کے ترکیب کو توبیخ زیادہ ضروری ہے

ف دنیا میں تین چیزیں ہوتی ہیں ۔

۱ حلال

۲ حرام

۳ مشتبہ

حرام ہزا کا مستحق بناتا ہے اور مشتبہ عتاب کا سبب بنتا ہے اور حلال ثواب کا موجب ہوتا ہے ۔

حضرت حکیم سنائی فرماتے ہیں ؎

این جہاں بر مثال مردار است
کرگسان اندوں ہزار ہزار

ترجمہ: یہ جہاں مردار کی مثال ہے اس میں بے شمار گدھ ہیں

ایں مرآں را ہمی زند مخلب
واں مریں را ہمی زند منقار
آخر الامر بگذرند ہمہ
واز ہمہ باز ماند ایں مُردار

ترجمہ: کوئی گدھا سے چنگل مارتی ہے تو کوئی اسے اپنی چونچ سے کھاتی ہے یہ تمام کھا کر چلی جاتی ہیں لیکن وہ مردار جوں کا توں پڑا ہوتا ہے۔

سبق دانا کو چاہیے کہ وہ حقوق العباد اور ظلم کے معاملات سے اجتناب کرے

حکایت نوشیرواں جب فوت ہوا تو اس کی وصیت کے مطابق اس کے جنازے کو اٹھا کر گلی کوچوں اور شہر بازار جنگل اور دیہات میں پھرایا گیا اور اعلان ہوتا رہا کہ جس کا کوئی حق نوشیرواں پر ہو تو وہ آکر شاہی خزانے سے لے باوجود کافی دیر تک اعلانات ہونے کے بعد کوئی ایک بھی نہ آیا کہ جس نے کہا ہو کہ نوشیرواں کے پاس میرا کوئی حق ہے۔

حکایت حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مجوسی نے قرضہ دینا تھا آپ اس سے قرضہ وصول کرنے کے لیے اس کے گھر تشریف لے گئے جب اس کے گھر کے قریب پہنچے تو آپ کے جوتے کو نجاست لگ گئی آپ نے جوتا جھاڑا تو نجاست مجوسی کے مکان کو جا لگی آپ حیران تھے کہ اگر نجاست رہنے دیتا ہوں تو مجوسی کا مکان بدزیب ہوتا ہے اگر نجاست کو کھرچ دوں تو نجاست کے ساتھ مکان کی دیوار کی مٹی بھی ساتھ نکل کر نیچے گرے گی یہ بھی مجوسی کی حق تلفی ہے آپ نے مجوسی کو بلایا مجوسی کی لونڈی آئی آپ نے اسے فرمایا مجوسی کو کہو کہ امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) بلا رہے ہیں مجوسی نے سمجھا شاید قرضہ مانگنے کے لیے تشریف لائے ہیں اسی فکر میں باہر آتے ہی معذرت کرنے لگا آپ نے فرمایا معذرت چھوڑیئے مجھے اس مخمصے سے بچائیے کہ نجاست دیوار کو لگ گئی ہے ایسے کیسے پاک کیا جائے مجوسی کے دل پر اس واقعہ کا گہرا اثر ہوا کہنے لگا حضرت میں اپنے دل کو کفر کی نجاست سے پاک کرتا ہوں فوراً کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

سبق سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب معولی سے ظلم سے احتراز کیا تو مجوسی کو آپ کے اس نیک عمل کی برکت سے سعادت ابدی نصیب ہوئی ورنہ ہمیشہ کی بے دینی کی خرابی میں رہتا۔

حکایت ایک نصرانی اپنی عورت کو گدھے پر بٹھا کر کہیں جا رہا تھا مسلمانوں کے گاؤں سے اس کا گذر ہوا تو وہاں کے ایک بے حیا نے گدھے کی دم کاٹ دی جس سے گدھا تڑپنے لگا اور نصرانی کی عورت گر پڑی اور اس بچاری کے دونوں

ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ حاملہ تھی اس حادثہ سے اس کا حمل بھی گر گیا نصرانی نے وقت کے قاضی سے فریاد کی قاضی رشوت خور تھا اس نے اسی ظالم مسلمان کو کہا اس نصرانی کا گدھا لے جا جب تک گدھے کی دم اس پیمانہ پر نہ ہوگی گدھے کو تم اپنے پاس رکھو اور اس کی عورت کو بھی اپنے قبضے میں لے لو جب تک حاملہ ہو کر اتنے ماہ کا حمل نہ ہو اور اسی طرح جب تک اس کی عورت کے دونوں ہاتھ صحیح اور درست نہ ہو جائیں نصرانی کو واپس نہ دینا نصرانی نے رو کر کہا مسلمانو! کیا تمھاری شریعت پاک کا یہی حکم ہے نصرانی آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہنے لگا اے الہ العلمین! تو حلیم تو ہے ہی لیکن میرے صبر کا جام چھلک پڑا ہے یہ قاضی کا فیصلہ ہے سراسر ظلم ہے تو ہی فیصلہ فرما اے عاجزوں کو دیکھنے والے اور مظلوموں کی مدد کرنے والے خدا۔ نصرانی کی فریاد آسمان کی چھت کو چیرتی ہوئی بارگاہِ حق میں پہنچی اور داد انصاف لائی۔ کہ قاضی رشوت خور کی شکل فوراً گدھے کی صورت میں تبدیل ہو گئی۔

سبق اس واقعہ سے دو سبق حاصل ہوئے ۱، قاضی رشوت خور پر ظلم کی اعانت کی وجہ سے ایک بڑے عذاب میں مبتلا ہوا۔ ۲، ظلم سے بچنا ضروری ہے اگرچہ مظلوم کافر ہو کیونکہ کافر کی دعا بھی کبھی قبول ہو جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اموال قوام نفس کی مصالح کی خاطر پیدا کیے گئے ہیں اور نفوس کو مراسم عبودیت کی ادائیگی کے لیے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ اموال و نفوس صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے سوا کوئی تصرف نہیں کر سکتا ولا تاکلوا اموالکم بینکم کا مطلب یہ ہے کہ خواہش نفسانی اور حرص و شہوت اور غفلت میں پھنس کر اموال نہ کماؤ ہاں حق اور قناعت اور تقویت علی الطاعۃ اور قیام بالعبودیت کو مدنظر رکھ کر کھاؤ۔ و لا تدلوا بہا الی الحکام یہاں پر حکام سے مراد نفس امارہ ہے لتاکلوا فریقا من اموال تاکہ ایک حصہ اموال سے کھاؤ اور وہ اموال جو عبادت کی استعانت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں بالاثم سے دنیا کا پھنس پھنساؤ اور غفلت مراد ہے یعنی اموال کو گناہ پر مدد دینے کی خاطر نہ کھاؤ جیسے حیوانات اور بہائم نری غفلت میں رہتے ہیں تم ان کی طرح نہ ہو جاؤ اگر ایسا طریقہ کرو گے تو پھر تمھارا ٹھکانا اور رہنا سہنا جہنم میں ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کھانے پینے میں ایسے مست نہ ہو جاؤ جیسے جانور کھانے پینے میں مست ہیں۔ و انتم تعلمون یعنی اس کے انجام کو جانتے ہوئے بھی لاعلمی میں گزار رہے ہو ۔ کذا فی التاویلات النجمیہ۔ ۱ے

لے اس کا انجام برا نکلیگا انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے لیے آخرت کے لیے نیک انجام کا ہر وقت خیال رکھے بلکہ میر اتو مسلمان بھائیوں کو یہی مشورہ ہے کہ اس آرزو میں مست ہوتے رہو کہ مرنے کے بعد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار نصیب ہو، صحابہ کرام کا یہی مشغلہ تھا صرف دو واقعے ملاحظہ ہوں۔

۱، حضرت خالد بن صفوان رضی اللہ تعالےٰ عنہ جب کام کاج سے فارغ ہو کر بستر پر سونے کے لیے آتے تو ان کا وظیفہ یہ تھا) وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے مہاجر و انصار صحابہ کا نام لے لے کر ان کی یاد میں روتے اور کہتے میرا سب کچھ وہی ہیں میرا دل (ہر وقت) انہی کی یاد میں تڑپتا رہتا ہے لیکن ہجر و فراق کی گھڑیاں لمبی ہوتی جا رہی ہیں۔ اے میرے رب میری روح کو جلدی قبض فرمالے (تاکہ میں ان سے جا ملوں) انہی حسین یادوں میں محویت کے عالم

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ؕ وَ لَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَ اْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ۝ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ۝

ترجمہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے نئے چاندوں کے متعلق سوالات کرتے ہیں آپ فرمائیں کہ وہ لوگوں اور حج کے لیے وقت کی علامات ہیں اور یہ کوئی نیک کام نہیں کہ تم گھروں میں ان کی پیچھے کی طرف سے آؤ ہاں نیک وہ ہے جو پرہیزگار ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان سے لڑو جو تمہارے ساتھ لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور کافروں کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور ان کی شرارت تو قتل سے بھی سخت تر ہے اور مسجد حرام کے نزدیک ان سے نہ لڑو جب تک وہ تمہارے ساتھ وہاں نہ لڑیں اور اگر وہ تم سے لڑیں تو تم انھیں قتل کر دو ایسے ہی کافروں کی سزا ہے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ تعالیٰ بے شک بخشنے والا مہربان ہے اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ

بقیہ از حاشیہ صفحہ ۱۳۱

ہیں سسکیاں لیتے لیتے بالآخر سو جاتے۔

۲۔ حضرت زید بن اسلم سے حضرت فاروق اعظم کے بارے میں مروی ہے ایک رات آپؓ نے ایک گھر میں دیکھا کہ چراغ جل رہا ہے اور ایک بوڑھی خاتون اُون کاتتے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہی ہے۔ محمد پر اللہ کے تمام ماننے والوں کی طرف سے سلام ہو اور تمام متقین کی طرف سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راتوں کو اللہ کی یاد میں کثیر قیام اور سحری کے وقت آنسو بہانے والے تھے ہائے افسوس اسباب موت متعدد ہیں۔ کاش مجھے یقین ہو جائے کہ روز قیامت مجھے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہو سکے گا یہ اشعار سن کر حضرت فاروق اعظم کو اپنے آقا کی یاد شدت سے آئی جس پر وہ زار و قطار رو دیئے اور دروازے پر دستک دی۔

خاتون نے پوچھا کون ہے۔ آپ نے کہا عمر بن الخطاب "خاتون نے کہا" رات کے ان اوقات میں عمر کو یہاں کیا کام؟ آپ نے فرمایا اللہ تجھے جزائے خیر دے دروازہ کھولا اور آپ اس کے پاس بیٹھ گئے اور کہا کہ جو اشعار تو پڑھ رہی تھی اُن کو دوبارہ پڑھ اس نے جب دوبارہ اشعار پڑھے تو آپ خوب روئے ۔ اویسی غفرلہ

رہے اور ایک اللہ تعالیٰ کا دین یعنی عبادت ہو پھر اگر وہ باز آجائیں تو کوئی زیادتی نہیں مگر ظالموں پر۔

تفسیر عالمانہ: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ[1]

شانِ نزول معاذ بن جبل انصاری اور ثعلبہ بن غنم انصاری نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کی کیا وجہ ہے کہ پہلے دھاگے کی طرح ہوتا ہے پھر بڑھتا ہوا مکمل ہو کر گھٹنے لگ جاتا ہے یہاں تک کہ آخر میں اس طرح کا ہو جاتا ہے جیسے پہلی شب کا تھا ایک ہی حالت پر کیوں نہیں رہتا اللہ تعالیٰ نے یہی آیت اتاری کہ آپ سے چاند کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

حل لغات اھلۃ۔ ہلال کی جمع ہے ہلال بننے پہلی رات سے تیسری رات تک چاند کی روشنی۔

سوال ہلال کو ہلال کیوں کہتے ہیں؟

جواب چونکہ پہلی دوسری راتوں میں چاند کو دیکھ کر آواز بلند کرتے ہیں چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں استھل الصبی یہ اس وقت بولتے ہیں جب نومولود بچہ پیدائش کے وقت چیخ مارے اور کہتے اھل القوم بالحج یہ اس وقت بولتے ہیں جب حج کے ایام لوگوں کو تلبیہ پڑھتے ہوئے سنتے۔

قُلْ اے محبوب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے **هِيَ** یعنی چاند کا گھٹنا بڑھنا اوقات ہیں۔

حل لغات: مواقیت وقت سے مشتق ہے۔

ف: وقت اور مدت اور زمان میں فرق یہ ہے کہ مدت فلک کی حرکات کا امتداد از مبدا تا منتہا کا نام ہے اور زمان ان گھڑیوں کو کہا جاتا ہے جو ماضی، حال استقبال میں منقسم ہیں اور وقت اس زمانہ کو کہتے ہیں جو کسی امر کے لیے فرض کیا گیا ہو۔

لِلنَّاسِ لوگوں کے لیے یعنی ان امور کے لیے چاند گھٹتے بڑھتے ہیں جو ان کی ضروریات اور مصالح اور معاملات اور حج کے لیے یعنی وہ امور جو اوقات مخصوصہ سے متعلق ہیں۔

سوال: جب پہلے بتایا گیا ہے کہ چاند کا گھٹنا بڑھنا انسان کو ان اوقات کے بتانے کے لیے ہے جو اسے اپنی ضروریات و معاملات کی وجہ سے متعلق ہیں اور حج بھی منجملہ بعض سے ہے پھر اسے علیحدہ ذکر کرنے کا کیا معنیٰ۔

---

[1] اس آیت سے ثابت ہوا کہ اگر سائل میں استعداد نہ ہو تو اس کے سوال کے مطابق جواب نہ دینا لاعلمی اور عدم اختیار کی دلیل نہیں جیسے یہاں ہے کہ سائلوں نے تو سوال کیا ہے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا لیکن جواب مطابق نہیں اس لیے کہ اس کا گھٹنا بڑھنا علم ہیئت سے متعلق ہے اور اس کی استعداد عوام میں کہاں اسی لیے جواب کے طرز کو بدل دیا اسی قاعدہ پر ہم سینکڑوں سوالات وہابیہ کا جواب دیتے ہیں کہ جہاں حضور علیہ السلام نے سوالات کے جوابات مطابق نہیں دیئے وہاں بھی استعداد کی کمی یا کوئی اور مصلحت ہوگی (اویسی غفرلہٗ)

جواب: یہ قاعدہ عامہ الورود ہے کہ عام کے بعد خاص کا ذکر ہوا کرتا ہے دوسرا اس سے تنبیہ بھی مقصود ہے کہ حج باقی امور سے فضیلت
رکھتا ہے اس لیے کہ حج ایک ایسی مخصوص عبادت ہے کہ اس کی ادائیگی مخصوص اوقات میں ہوتی ہے اور قضا ہو جائے تو اس کی ادائیگی
بھی ان مخصوص اوقات کے بغیر نہیں ہو سکتی بخلاف باقی عبادات کے کہ ان کی ادائیگی میں خصوصی اوقات کی کوئی پابندی نہیں۔ خلاصہ
کلام یہ ہوا کہ چاند صرف تمہارے مصالح اور ضروریات کی وجہ سے گھٹتا بڑھتا ہے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ چاند جتنا سورج کے قریب
ہوگا اتنا نورانیت میں گھٹ جائے گا اور جتنا دور ہوگا اتنا اس کی نورانیت زیادہ ہوگی جیسا کہ فن ہیئت میں مفصلاً مذکور ہے۔

ف: تفسیر تیسیر میں ہے کہ سورج ایک ہی حالت پر رہتا ہے اس لیے کہ اس سے صرف عوام کو روشنی پہنچانا اور اس سے لوگوں کے
مصالح کا قیام مقصود ہے اور چاند گھٹتا بڑھتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ہی انسانی ضروریات و معاملات کو متعلق فرمایا ہے
اور وہ معاملات و ضروریات پورے نہیں ہو سکتے جب تک کہ چاند میں اسی طرح تغیر و تبدل نہ ہو اسی لیے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ضروریات پورا
کرنے کے لیے چاند کو ایسے ہی بنایا ہے۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا اور یہ نیکی نہیں کہ تم گھروں کی پچھلی طرف سے آؤ۔

شانِ نزول: انصار کی عادت تھی کہ جو مرد حج یا عمرے کا احرام باندھتا تو وہ باغ اور گھر اور حویلی کے دروازے سے داخل نہ ہوتا اگر اس
کا گھر مٹی کا ہو تو بجائے دروازے کے گھر کے پچھلے جانب سے نقب لگا کر داخل ہوتا اور وہاں سے نکلتا یا مکان کی پچھلی طرف سیڑھی
لگا کر مکان کے اوپر چڑھ کر آتا جاتا اگر اس کا مکان خیمہ نما ہوتا تو پھر خیمے کی پچھلی جانب سے آمد و رفت ہوتی۔

بہرحال ان کا یہی طریقہ تھا کہ احرام سے فراغت پر گھر کی پچھلی طرف سے آنا جانا ہوتا تھا گھروں کے عام دروازوں سے آنا ان کے لیے حرام
تھا اسی طریقہ کو وہ اپنے لیے نیکی سمجھتے تھے تمام اہل عرب کا یہی طریقہ تھا سوائے حمس کے یعنی قریش کا طریقہ اور تھا اس گمان پر کہ احرام
کے وقت اپنی تمام عادات کو بدلنا چاہیے اس لیے انھوں نے احرام کے دوران اپنی عادات کو لباس اور خوشبو وغیرہ کے بارہ میں بدل
دیا وہ کہتے تھے ہم اپنے گھروں کے دروازوں سے ہرگز داخل نہیں ہوں گے جب تک اللہ تعالیٰ کے گھر داخل نہ ہو لیں۔ ان میں بعض
تو ایسے تھے کہ انہیں احرام کی حالت میں مکان کی چھت کے سایہ تلے بیٹھنا گوارا نہ تھا اور نہ وہ پنیر بنا کر کھاتے اور نہ ہی ان دنوں بکریوں
کے بال کاٹتے اور یہ باتیں اپنی طرف سے گھڑلی تھیں انہیں کسی شریعت سے یہ امور معلوم نہیں ہوئے ان کی ان غلط عادتوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ
نے بتایا کہ یہ سختیاں جو تم نے احرام کی حالت میں مقرر کر رکھی ہیں نہ نیکی ہے اور نہ ان سے قربِ الٰہی نصیب ہو سکتا ہے۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ لیکن نیک وہ ہے مَنِ اتَّقٰى جو ڈرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیا اور خواہشات نفسانی سے بچنے کا نام نیکی ہے
اور احرام کی حالت میں گھروں میں پشت کی طرف سے آنے کو نیکی نہیں کہا جاتا۔

ربط: کشاف میں سوال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس مضمون کو سابق مضمون سے کیا رابطہ ہے پھر اس کا خود جواب دیتے ہیں کہ جب انہیں
ان کے چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کے سوال کا جواب بتایا گیا اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت بھی بتائی گئی ویسے ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ
کا ہر فعل بہت بڑی حکمتوں کا حامل ہوتا ہے اور اس میں بندوں کے لیے کئی مصلحتیں مضمر ہوتی ہیں اس لیے ان کو حکم ہوا کہ سوال کو چھوڑ دو اور
غور کرو کہ احرام کے دوران گھروں میں دروازوں سے نہ آنا کوئی نیکی ہے حالانکہ وہ کوئی نیکی نہیں فلہٰذا:-

وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا حالت احرام اپنے گھروں میں دروازوں کی طرف سے آؤ کیونکہ اس کے برعکس دروازوں کی بجائے پیٹھ کی طرف سے آنا کوئی نیکی نہیں۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اس کے احکام کو تبدیل اور اس کے افعال پر اعتراض کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ تاکہ تم نیکی اور ہدایت پانے میں کامیاب ہو جاؤ۔

دوسرا شان نزول حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی عادت تھی کہ کسی کو سفر کے لیے جانا ہوتا یا کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتا تو وہ جب تک اپنی منزل مقصود تک نہ پہنچتا مکان کے دروازے سے نہیں بلکہ اس کی پیٹھ سے آتا۔

تیسرا شان نزول قریش اور قبائل عرب کی عادت تھی کہ جس کا سفر کا ارادہ ہوتا یا کسی کام کو جاتا اور ناکام ہو کر لوٹتا تو اسے بدفال سمجھ کر بجائے مکان کے دروازے سے داخل ہونے کے اس کی پیٹھ سے آتا اللہ تعالیٰ نے انہیں اس غلط روی سے روکا اور فرمایا کہ بدفالی کوئی نیکی نہیں بلکہ حقیقی نیک وہ ہے جو غیر اللہ سے نہیں ڈرتا اسے بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہے۔

حکایت جاحظ نے فرمایا کہ ابراہیم بن سیار جو نظام کے نام سے مشہور و معروف ہیں بدفالی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ اس نے کہا کہ میں ایک دفعہ بہت بھوکا ہوا یہاں تک کہ میں مٹی کھانے لگا تب بھی بھوک ستاتی رہی میں نے سوچا یہاں کسی آدمی کو ملوں جو مجھے طعام کھلائے میں اس ارادہ پر اہواز کی طرف روانہ ہوا (اہواز فارس کے شہروں سے ایک شہر ہے) میرا کوئی وہاں واقف نہ تھا اور نہ ہی میرے پاس کوئی ایسی شے تھی جس سے اس پریشانی کو دور کر سکتا۔ آگے چلا تو دریا کا کنارا ملا لیکن کشتی نہیں کرایہ پار کر سکوں اسے میں نے بدفالی پر محمول کیا آگے دیکھا ایک کشتی ہے جس کے اندر سوراخ ہے یہ دوسری بدفالی ہوئی میں نے اس کے ملاح کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس کا نام دیوزادہ ہے فارسی لفظ ہے جسے عربی میں شیطان کہا جاتا ہے یہ تیسری بدفالی تھی آخر میں اس کشتی پر سوار ہو گیا جب ہم دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچے تو میں نے چیخ کر پکارا۔ یا حمال اے بوجھ اٹھانے والے مزدور میرا سامان لے جا اس وقت میرے پاس پرانا لحاف اور ایک ضروری سامان تھا جس مزدور نے مجھے جواب دیا وہ اعور کانا تھا میں نے کہا یہ چوتھی بدفالی ہے ارادہ ہوا اب یہاں سے واپس لوٹ جاؤں اسی میں سلامتی ہے لیکن چونکہ آچکا تھا اس لیے ارادہ ہوا کہ کسی سے کم از کم اپنا مقصد تو ظاہر کروں جب میں نے کسی سے کہا کہ میں کئی روز سے بھوکا ہوں یہاں تک کہ بھوک کے مارے مٹی کھا رہا ہوں اب میں موت کے گھاٹ اتر چکا ہوں اس کے بعد میں ایک سرائے میں چلا گیا لیکن حیران تھا کہ اب کیا کروں ابھی اس حال میں تھا کہ جس گھر میں تھا اس کا دروازہ کھٹکا میں نے کہا تو کون ہے اس نے کہا میں تجھے بلانے آیا ہوں میں نے کہا یہ نام ابراہیم بن سیار ہے نظام کے نام سے معروف ہوں اس کے بلانے پر مجھے یہ خیال گزرا کہ یہ کوئی دشمن ہے یا بادشاہ کا قاصد ہے میں نے دروازہ کھولا اس نے کہا مجھے تیرے بلانے کے لیے ابراہیم بن عبدالعزیز نے بھیجا اور انہوں نے فرمایا ہے اگرچہ ہم اور آپ بعض باتوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن ہمیں حقوق الاخلاق والحریۃ کی ادائیگی ضروری ہے ہم نے تمہاری داستان سنی اور تمہارا در بدر کی ٹھوکریں کھانا ہمیں ناگوار گزرا ہے اس لیے ہمارے لیے اولیٰ و واجب ہے کہ ہم تمہاری ضروریات کی کفالت کریں اب اگر آپ یہاں ہمارے ہاں ایک یا دو ماہ قیام فرمائیں تو آپ کی زندگی بھر کی کفالت کے متعلق کچھ سبب بنا

لیں گے اگر آپ جانا چاہتے ہیں تو لیجیے تیس دینار ہیں انہیں اپنی ضروریات پر خرچ کیجیے اور تشریف لے جائیے آپ کی معذوری ہے ہمیں انکار نہیں میں نے سوچا کہ اس وقت تک بہت سی پریشانیاں لاحق ہیں فلہذا واپس جانا مناسب ہے اس لیے کہ مجھے اس سے قبل تین دینار تک میسر نہیں ہوئے اب بالفضلہ تعالیٰ تیس دینار ملے ہیں بہت کافی ہیں زیادہ کا حرص کیوں اور گھر اور بال بچوں سے جدا ہوئے کافی وقت ہوا ہے مزید زیادہ دیر ٹھہرنا نامناسب ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ بدفالی نہایت ہی مذموم ہے ورنہ مجھے اتنا مال اور سہولت میسر نہ ہوتی ۔ (کذا فی شرح رسالۃ الوزیر بن زیدون)

سبق اس سے ثابت ہوا کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض امور طبع کو ناگوار گزرتے ہیں لیکن ان میں بہت بھلائی ہوتی ہے ۔

حکایت شیخ وقت کے دور میں قحط پڑا۔ انھوں نے اپنے طلبا کے لیے قرعہ اندازی فرمائی کہ کس کام میں بھلائی ہے چنانچہ ان کے ایک کے نام ڈاکہ زنی کا قرعہ پڑا وہ طالب علم چل پڑا۔ اس کا ڈاکوؤں کے ایک گروہ سے واسطہ پڑا۔ وہ ان کے ساتھ ایک تاجروں کے گھر میں نقب زنی کرنے لگا بعد فراغت کے ڈاکوؤں نے تاجروں کو قید کر کے اس شخص کو کہا جا کر انہیں ذبح کر دے اس کے دل میں خیال گزرا کہ انھیں مارنے میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ یوں چاہیے کہ انھیں چھوڑ دوں اور ہتھیار لے کر ڈاکوؤں کو قتل کر دیا جائے تا کہ آئندہ ہمیشہ تک ڈاکہ زنی کی لعنت ختم ہو جائے چنانچہ انھیں تمام ماجرا سنایا تاجروں نے اس کے مشورہ کو قبول کر لیا وہ لوگ ڈاکوؤں کے پاس پہنچے وہ غفلت کے نشہ میں چور چور تھے ان پر یکبارگی حملہ کر دیا انھوں نے ڈاکوؤں پر قابو پا لیا انھوں نے ماجرا پوچھا تو اس نے کہا کہ میں فلاں بزرگ کا شاگرد ہوں ڈاکوؤں نے کہا اب ڈاکہ زنی سے ہماری توبہ ہے ہمیں اپنے شیخ کے پاس لے جائیے ہم تمام گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور لوٹا ہوا مال و اسباب بھی واپس کرتے ہیں چنانچہ ایسے ہی کیا گیا وہ ڈاکو سب کے سب شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہو گئے اور ان کے غلاموں اور شاگردوں میں شمار ہوئے ۔

سبق سالک کو چاہیے کہ ہر معاملہ میں صبر اور سکون سے کام لے تا کہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو ۔

حضرت صائب فرماتے ہیں ۔ ع چوں سرو در مقام رضا استادہ ام

آسودہ خاطرم ز بہار و خزانِ خویش

ترجمہ سرو کی طرح مقام رضا پہ پا آرام کھڑا ہوں اب نہ مجھے بہار سے خوشی ہے اور نہ خزاں کا خطرہ ۔

تفسیر صوفیانہ دلیس ایہ میں اشارہ ہے کہ ہر شے کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے کہ اس شے تک اس سبب کے بغیر پہنچنا ناممکن ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ، و اٰتینٰہ من کل شیءٍ سببا فاتبع سببا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچنے کا ایک ذریعہ اور سبب ہے اور اس کا نام ہے تقویٰ اور تقویٰ کا لفظ ایسا جامع ہے کہ اعمال ظاہرہ و باطنہ اور جملہ امور بہا پر عمل کرنا اور تمام منہی عنہا سے بچنے، اسی طرح قلوب کی صفائی اور سرائر کا مراقبہ سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے ۔

فائدہ مراتب تقویٰ میں جتنا مرتبہ بندے کو نصیب ہوتا ہے اتنا قدر وہ بارگاہ ربوبیت تک باریاب ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : علیکم بتقوی اللہ فانہ جماع کل خیر

تقویٰ حاصل کرو اس لیے کہ وہ تمام نیکیوں کا جامع ہے اب آیت کا معنٰی یہ ہوا کہ نیکی اسے نہیں کہا جاتا کہ مکانوں کی پیٹھ سے آؤ یعنی شے کے سبب کے بغیر شے کو حاصل کرو کہ اعمال ظواہر کو پابندی سے ادا کرو اور تقویٰ کا دامن چھوڑ کر ان اعمال کے بواطن کی پرواہ نہ کرو۔ بلکہ نیک وہ ہے جو تقویٰ کا عامل ہو چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا: اتقوا اللہ حق تقٰتہٖ آیت کا معنی یہ ہے کہ بندہ فرمانبرداری میں ایسا منہمک ہو کہ اس سے نافرمانی کی بُو تک نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو ایسا یاد کرے کہ کبھی بھولنے کا نام نہ لے اور شکر گزار ایسا ہو کہ اسے ناشکری کا وہم نہ ہو واتوا البیوت من ابوابھا یعنے امور کو ان کے اسباب سے حاصل کرو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے منزلِ مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ بتایا ہے وہ یہ کہ واتقوا اللہ یعنی اللہ تعالٰے سے ڈرو۔ یعنے ماسوی اللہ سے دور ہو جاؤ۔ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے فلان تقی بترسہ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب ڈھال کو سامنے رکھ لے تاکہ دشمن کے حملوں سے بچ جائے بندے کو چاہیئے کہ وہ اپنے مولیٰ سے ہی ڈرے اور اس کی پناہ کو اپنی پناہ سمجھے اور اسی کو اپنا ملجاؤ ماویٰ بنالے اور اسی کی طرف رجوع دار ہے۔ جیسے حضور نبی اکرم کی عادت کریمہ تھی آپ فرمایا کرتے اعوذ بك منك اے اللہ تعالیٰ تیری مدد سے تیرے ماسوا سے پناہ مانگتا ہوں۔ لعلکم تفلحون تاکہ تم اپنے رب تعالیٰ کی اعانت سے نفوس سیئہ کی ہلاکتوں سے چھٹکارا پاؤ۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَقَاتِلُوْا اور جہاد کرو فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ تعالٰے کے راستہ کے لیے اور اس کے اعزاز میں آیت میں سبیل اللہ سے اللہ کا دین مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی رضا کا راستہ یہی ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ ان لوگوں سے جو تمھارے ساتھ لڑتے ہیں یعنی قریشیوں سے۔ یہ آیت اس حکم سے پہلے کی ہے جو کہ تمام مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم نازل ہوا یعنی ان لوگوں سے جہاد کرو جو تمھارا مقابلہ کرتے اور جو تمھیں دین کے راستے سے روکتے ہیں۔

ف جہاد کے متعلق مدینہ طیبہ میں سب سے پہلی آیت نازل ہوئی جب یہ آیت اتری تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان سے جہاد کا حکم دیتے جو ان کا مقابلہ کرتے یا جو آپ کے دینی امور میں آڑے ہوتا جو آپ کا نہ مقابلہ کرتا اور نہ ہی آڑے آتا تو اس کے مقابلہ کا حکم نہ فرماتے اگرچہ کفار کا ہر معاملہ آپ سے لڑائی اور دین سے رکاوٹ کا تھا چنانچہ روایت ذیل اس مضمون کی تائید کرتی ہے۔

شانِ نزول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰے عنہم کو لے کر مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ میں صرف عمرہ کے لیے تشریف لے گئے آپ کا تشریف لے جانا ذیقعدہ ۶ھ میں ہوا اس وقت آپ کے ساتھ کل تعداد ایک ہزار چار سو صحاب کی تھی آپ جیسے مکہ شریف کو جاتے ہوئے حدیبیہ میں قیام فرمایا حدیبیہ ایک مقام کا نام ہے جو کہ مکہ معظمہ کے قریب ہے یہاں پر پانی کی فراوانی اور درختوں کی کثرت تھی لیکن مشرکین نے آپ کو مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے روک دیا آپ یہیں پر ایک ماہ قیام فرما رہے اور مشرکین سے چند شرائط پر صلح فرمائی وہ شرائط یہ تھیں ہم اس سال واپس لوٹ جاتے ہیں اور انشاء اللہ آئندہ سال مدینہ طیبہ سے بیت حرام کی زیارت کے لیے آکر عمرہ کریں گے یہ شرائط مشرکین کی طرف سے تھیں آپ نے قبول فرمالیں اور اپنے ارادہ مبارک کو بدل کر واپس لوٹنے کا ارادہ فرمایا لیکن صحابہ کرام کو یہ بات ناگوار تھی کہ وہ مشرکین سے شہر حرام اور حرم شریف میں لڑیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وقاتلوا الخ یعنے جب میرا حکم ہے تو بیشک شہر حرام اور حرم

کا ذکر کیوں۔

وَلَا تَعْتَدُوْا حد سے نہ بڑھو یعنی حرم میں جب کہ تم احرام باندھ کر آؤ تو جنگ و جدال کا آغاز تمہاری طرف سے نہ ہو۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا یعنی ان کے لیے بھلائی کا ارادہ نہیں رکھتا۔

وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ انہیں قتل کرو جہاں بھی ملیں، حرم ہو یا حل یعنی غیر حرم۔ خواہ ماہ حرام ہو اس لیے کہ حرم اور ماہ حرام کی توہین کا آغاز انہیں سے ہوا ہے پھر تم بھی اتنا قدر ان کے ساتھ کر لو۔

حل لغات ثقف دراصل الحذق فی ادراک الشی علما کان او عملا کو کہتے ہیں یعنی شے کو علماً یا عملاً پورے طور پا لینا اور یہ غلبہ کے معنی کو متضمن ہے۔

وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ اور انہیں وہاں سے نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا یعنی مکہ معظمہ سے۔ اس لیے کہ مشرکین نے اہل اسلام کو ابتدائے اسلام میں مکہ معظمہ سے نکالا تھا پھر فتح مکہ کے موقعہ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ معظمہ سے ہر اس شخص کو نکال دیا جس نے اسلام سے روگردانی کی۔

حل لغات دراصل فتنہ کہتے ہیں سونے کو آگ پر ڈالنے کو تاکہ آگ کے جوش سے اس کے اندر سے کھوٹ دور ہو جائے اب اس کا استعمال ہر اس اسم پر ہوتا ہے جو آزمائش کا سبب ہو اس لیے کہ اس کو سونے کو آگ پر رکھنے سے مشابہت ہے یعنی وہ محنت و مشقت بھرا فعل کہ جس سے انسان کی آزمائش کی جائے مثلاً اسے اپنے وطن سے نکال دینا وغیرہ۔

اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ اور آزمائش قتل سے زیادہ سخت ہے کہ اس کی تکلیف دائمی ہے اور نفس کو اس کی مشقت ہر لحظہ ستاتی رہتی ہے یہ جملہ واخرجوھم من حیث اخرجوکم سے تعلق رکھتا ہے تاکہ اس کے مضمون کا تمہ بن کر کفار کو مکہ معظمہ سے نکالنے پر برانگیختگی کا سبب بنے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے مسلمانو! تمہارا کفار کو مکہ معظمہ سے خارج کرنا ان کے قتل سے آسان نہیں بلکہ قتل کرنے کے بجائے انہیں مکہ معظمہ سے نکالنا زیادہ سخت ہے یہ بہترین سزا ہے کہ ان کے کفر پر اصرار کرنے اور تمہارے ساتھ ان کا مقابلہ بازی سے ہے۔

ف کسی دانا سے پوچھا گیا کہ موت سے بھی کوئی اور شے زیادہ سخت ہے اس نے فرمایا ہاں وہ امر موت سے زیادہ سخت ہے کہ جس کی وجہ سے موت کی تمنا کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وطن سے نکالنے کو آزمائش سے تعبیر فرمایا ہے اس لیے کہ اس میں موت کی آرزو کی جاتی ہے۔

ف دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ آیت واقتلوھم حیث ثقفتموھم سے تعلق رکھتی ہے اب اس کا مطلب یہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مشرکین کو حرم میں قتل کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ اے مسلمانو! اس کی کچھ پرواہ نہ کرو کہ مشرکین کو ہم حرم میں قتل کر رہے ہیں اس میں حرج ہی کیا ہے جب کہ میرا حکم ہے تو لہٰذا جہاں بھی وہ تمہیں ملیں انہیں قتل کر دو۔ کیونکہ انہوں نے کون سی کمی کی ہے انہوں نے تمہیں حرم شریف میں قتل کرنا روا رکھا اور پھر تمہیں مکہ معظمہ کی حاضری سے روک دیا یہ امور بہت بڑے ہیں یہ نسبت انہیں حرم میں قتل کرنے سے۔

وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی تم مسجد حرام کے قریب مشرکین کے قتل کرنے کا آغاز نہ کرنا

حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْہِ ۚ جب تک کہ وہ حرم میں جنگ کرنے کا آغاز نہ کریں اور یہ جملہ صرف اسی مقام پر جنگ کی کیفیت کے ساتھ مخصوص ہوگا ورنہ واقتلوھم حیث ثقفتموھم کا حکم عام ہے۔ فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ اگر وہ لوگ اس مقام یعنی بیت اللہ شریف میں بھی تمہارے ساتھ لڑنے لگ جائیں۔ فَاقْتُلُوْھُمْ تو تم بھی ان کے ساتھ لڑو۔ یہ پرواہ نہ کرو کہ بیت اللہ تو امن کی جگہ ہے ہم کیسے لڑیں۔ اس لیے کہ یہاں کی لڑائی کا آغاز اور بیت اللہ کی ہتک کا سلسلہ مشرکین نے شروع کیا ہے فلہٰذا اب وہ سخت سے سخت عذاب کے مستحق ہیں اور عذاب کی ایک صورت یہ ہے کہ تم انہیں جہاں پاؤ مار ڈالو کَذٰلِکَ یعنی اس جزا کی مثل یہ کاف محل الرفع بالابتداء ہے جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ ۝ کفار کی جزا ہے یعنی ان کے ساتھ وہی کیا جائے جو انہوں نے اپنے غیروں سے کیا۔

فَاِنِ انْتَھَوْا پس اگر وہ جنگ سے یا کفر سے رک جائیں اس سے معلوم ہوا کہ ان سے جنگ روک دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اب وہ مغفرت کے مستحق ہوگئے ہیں چہ جائے کہ انہیں رحمت کا مستحق ٹھہرایا جائے فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ان کی گزشتہ غلطیاں بخش دے گا۔ وَقٰتِلُوْھُمْ اور مشرکین سے جنگ کرو حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ یہاں تک کہ نہ پایا جائے یا نہ باقی رہے فتنۃ یعنی شرک ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

مسئلہ: بت پرست کو اسلام پیش کیا جائے اگر بت پرستی سے پورے طور تائب ہو کر اسلام قبول کرلیں تو درست ورنہ اسے قتل کر دینا جائز ہے۔

وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ؕ اور ہو جائے دین خالص اللہ تعالیٰ کے لیے شیطان کو اس میں ذرہ بھر بھی کچھ نصیب نہ ہو۔

فَاِنِ انْتَھَوْا پس اگر وہ شرک کرنے سے اور تمہارے جنگ کرنے سے رک جائیں۔ فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۝ پس نہیں تجاوز مگر ظالمین پر یعنی جو لوگ شرک کرنے سے رک گئے ہیں ان کو کچھ نہ کہو۔ کیونکہ ایسی سختی اس پر ہونی چاہیے جو کفر وغیرہ کا ارتکاب کرتا ہے ظلم صرف ظالم پر کیا جائے اس سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اس جملہ میں نفس جزا کو محذوف کر کے جزا کی علت کا ذکر کیا گیا ہے اور چونکہ علتِ حکم کو مستلزم ہے اسی لیے علت بول کر حکم سے کنارہ کیا گیا ہے گویا یوں کہا گیا فان انتھوا فلا تعدوا علیھم اس لیے کہ عدوان ظالموں کے ساتھ خاص ہے اور چونکہ شرک کرنے سے رکنے والے ظالمین نہیں ہیں فلہٰذا ان پر عدوان بھی نہ ہو۔

سوال: کفار کو جن امور سے سزا دی جائے گی اسے عدوان اور ظلم سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ اس کے ساتھ جو کچھ کیا جائے گا وہ سراسر حق اور عدل و انصاف پر مبنی ہوگا کیونکہ وہ ظلم کی سزا ہے؟

جواب: صرف لفظی مشارکت کی وجہ سے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا اس آیت میں برائی کی سزا کو سیئہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ
بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ
وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ
الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ
اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۥ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ
فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ
اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

ترجمہ: ماہ حرام کے بدلے ماہ حرام ہیں اور یہ حرمت کی چیزیں تو بدلہ ہیں جو تمہارے اوپر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو لیکن اتنا قدر جتنا اس نے زیادتی کی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور بھلائی کرو بے شک اللہ تعالیٰ بھلائی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور حج و عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کرو پھر اگر حج وغیرہ سے روک دیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو اسے بھیجدو اور تم سر نہ منڈاؤ جب تک کہ قربانی اپنے موقعہ پر نہ پہنچے پھر تم میں جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو فدیہ (بدلہ) دے روزہ رکھ کر یا خیرات کر کے یا قربانی دے کر پھر جب تم امن پاؤ تو جو بھی حج کو عمرہ سے ملانے کا فائدہ اٹھائے اس پر قربانی ہے جیسی بھی میسر ہو بس جسے قربانی میسر نہیں تو وہ تین روزے حج کے ایام میں رکھے اور سات روزے اور رکھے جب تم گھر کو واپس لوٹو یہ کل پورے دس روزے ہوئے یہ حکم اس کے لیے ہے جو مسجد حرام یعنی مکہ کا رہنے والا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔

تفسیر عالمانہ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ حرام کے مہینے عوض بنتے ہیں بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ حرام مہینوں کے اللہ تعالیٰ کی معظمات کی ہتک اور توہین ہے جیسے مشرکین نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذیقعد میں بیت اللہ شریف کی زیارت سے روکا۔

شان نزول حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معاہدے کے مطابق دوسرے سال یعنی ساتویں سنہ ہجری کو عمرۃ القضاء کے لیے تشریف لائے جب حرم شریف میں داخل ہوئے تو مشرکین نے تیروں اور پتھروں کا نشان بنایا صحابہ کرام ان کی جوابی کارروائی سے خاموش تھے کہ ماہ حرام اور حرم شریف میں ان کا کیا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور فرمایا ماہ حرام ماہ حرام کے عوض ہو گیا اور بیت اللہ کی ہتک اور توہین اس کا بدلہ بن جائے گی بے فکر ہو کر تم بھی تیر چلاؤ۔

وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ یعنی جو بھی اللہ تعالیٰ کی معظمات کی ہتک کرتا ہے جیسی معظمات ہوں وہ ماہ حرام ہو یا حرم شریف

اس کا بدلہ لینا جائز ہے اس بیان حرمات کی رعایت اس وقت ضروری ہے جو ان کی رعایت کرتا ہے اور اس کے ساتھ رعایت ضروری ہے جو ان کی رعایت نہیں کرتا پھر ان کی ہتک کرتا ہے تو تم بے شک ان کا بدلہ لے سکتے ہو اس کے ساتھ وہی کر سکتے ہو جیسے اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے ۔

مسئلہ زیادہ واضح یہ ہے کہ حرمات سے ہر حرمت مراد ہے اور حرمت ہر وہ شے کہ جس کی محافظت ضروری ہے خواہ وہ نفس ہو یا عرض یعنی جس میں قصاص کے احکام جاری کیے جاسکیں ۔

آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ اے مسلمانو ! جس طرح مشرکین نے تمہیں مکہ شریف کی حاضری سے روکا جو جنگ کرنے کا پیش خیمہ اور ماہ حرام کی توہین ہے تو تم بھی ان کے ساتھ اسی قدر کر لو اور ان پر جبر و قہر آزما ہو جاؤ اور اگر وہ اس سال بھی تمہیں قضاء العمرہ جنگ وغیرہ کر کے روکتے ہیں تو تم بھی انہیں بے شک قتل کرو چنانچہ فرمایا :

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ پس جو بھی تمہارے اوپر ماہ حرام میں جنگ کر کے زیادتی کرتا ہے ۔ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ پس تم بھی اس پر اتنا کرو جتنا قدر اس نے تمہارے اوپر زیادتی کی ہے یعنی جزا مماثلت کے طور پر تاکہ انہیں تجاوز کرنے کی سزا حاصل ہو اور یہ تجاوز بمنزلہ قصاص کے ہوگا اسی طرح اس کی حرم شریف اور ماہ حرام میں اجازت دی گئی لیکن اسی قدر کہ جس قدر مشرکین کارروائی کریں ورنہ ابتداءً تو ویسے ہی حرام ہے بلکہ ظلم عظیم ہے یہی مراد اللہ تعالٰی کے اس ارشاد گرامی کی ہے چنانچہ فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ جاء قدس سے ڈرو اور یقین کرو کہ اللہ تعالٰی متقین کے ساتھ ہے

ف معیت سے قرب معنوی مراد ہے اس کی تائید یوں ہوتی ہے کہ اللہ تعالٰی اپنے بندوں کی نگرانی کرتا ہے ان کے امور میں انہیں قدرت اور فتح و نصرت دیتا ہے ۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اسی سال مکہ معظمہ میں آئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا قربانیاں بھی کیں لیکن مشرکین نے آپ سے شرط کر لی تھی کہ آپ تین دن قضاء العمرہ کے بعد واپس چلے جائیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالٰی عنہا سے نکاح کیا تھا آپ چاہتے تھے یہاں مکہ معظمہ میں قیام فرمائیں تاکہ صحابہ کرام کو دعوت ولیمہ دی جائے لیکن مشرکین آپ کو مکہ سے تشریف لے جانے کا مطالبہ کر رہے تھے اور کہتے کہ آپ نے معاہدہ فرمایا تھا وہ پورا کریں چنانچہ آپ ایفائے عہد کے مطابق مکہ سے چل پڑے اور مقام سرف پر پہنچ کر بی بی کے لیے صحابہ کرام کو دعوت ولیمہ دی اور وہاں پر رسم بیاہ ادا فرمائی اور مندرجہ ذیل تقریر فرمائی ۔

فوائد اور جامع تقریر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالٰی نے اپنی راہ میں ہمیں جنگ کرنے کا حکم فرمایا تاکہ اللہ تعالٰی کی راہ میں اپنی جان خرچ کرنے والے مدعی کا دعوی ظاہر ہو اسی طرح ہمیں مال خرچ کرکے زکوۃ کا حکم ہے تاکہ اس مدعی کو جو اللہ تعالٰی کی محبت کا دعوی کرتا ہے معلوم ہو جائے اللہ تعالٰی کی راہ میں جنگ کرنا محبت الٰہیہ کا معیار ہے کیونکہ انسان جبلی طور حیات اور مال کی محبت میں مبتلا ہے اس لیے قطعی طور جنگ اور زکوۃ فی سبیل اللہ سے آزمائش کی گئی ۔

تاکہ مدعی کا دعوی سچا یا جھوٹا ثابت ہو ۔ کیونکہ ہر ایک اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے جہاد کے حکم میں ایک راز یہی ہے ۔

ف سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا سب سے بہترین خصلت شجاعت وسخاوت ہے اور یہ دونوں جڑواں کی طرح ہیں یعنی ہر بہادر سخی بھی ہوتا ہے ۔

ف حضرت عبداللہ بن عمر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سرور عالم سے پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا اچھا کلام کرنا ، بھوکے کو طعام کھلانا ، اور السلام علیکم کی عادت ڈالنا ۔ پھر پوچھا گیا مسلمانوں میں افضل کون ہے ؟ آپ نے فرمایا اچھا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ ہوں پھر عرض کیا گیا کونسی نماز بہتر ہے آپ نے فرمایا جس نماز میں قیام لمبا ہو پھر پوچھا گیا بہترین صدقہ کون سا ہے آپ نے فرمایا جس کی آمدنی قلیل ہو اور خرچ زائد ہو پھر اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کرے ۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ کون سا ایمان افضل ہے آپ نے فرمایا صبر اور مروت ۔ پھر سوال ہوا کون سا جہاد افضل ہے فرمایا وہ کہ جس کی سواری ماری جائے اور خود بھی خون سے لت پت ہو جائے پھر سوال ہوا کون سی گردن آزاد کرنا افضل ہے آپ نے فرمایا وہ جو قیمت کے لحاظ سے مہنگی ہو ۔

ف جہاد دو قسم کا ہے ۔ (۱) ظاہری (۲) باطنی ۔ ظاہری تو یہ ہے کہ کفار ومشرکین سے لڑنا ۔ باطنی نفس وشیطان کی مخالفت کرنا یہ جہاد ظاہری جہاد سے زیادہ سخت ہے کیونکہ کافر کبھی اپنے ارادہ سے باز آجاتا ہے مثلاً جنگ سے یا صلح کرکے یا مر جائے گا یا مال دے کر جان چھڑا جائے گا ان وجوہ سے کوئی نہ کوئی وجہ اس کے مقابلہ میں پیش آئے گی لیکن شیطان تو جب تک کسی کے دین کو برباد نہیں کر لیتا اس کی جان نہیں چھوڑتا ۔

مثنوی شریف میں ہے ۔ ؎

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں
ماند خصمی زو بتر در اندروں

کشتن ایں کار عقل و ہوش نیست
شیر باطن سخرہ خرگوش نیست

سہل شیری دان کہ صفہا بشکند
شیر آنست کہ خود را بشکند

ترجمہ عزیزو ! ہم اپنے ظاہر دشمنوں سے بہت بڑے ہیں لیکن باطنی دشمن اندر میں ہیں اور وہ بہت برا دشمن ہے اس دشمن کو مارنا معمولی کام نہیں اور وہ تو ایک بہت بڑا شیر ہے فلہذا بہادر وہ ہے جو اس اندر والے شیر کو مار ڈالے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات قاشانیہ میں ہے ، وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ ان لوگوں سے جہاد کرو جو شیطان اور نفس امارہ کے حامی بن کر تمہارے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں وَلَا تَعْتَدُوا جنگ کرنے میں حد سے نہ بڑھو نفس کے حقوق کی کمی کرکے اسے یک لخت نہ مٹا دو کہ جس سے وہ اپنی حدود پر قائم نہ رہ سکے پھر اس سے قصور وفتور اور کوتاہی سرزد ہو ان اللہ لا یحب المعتدین بے شک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اس

لیے کہ یہ لوگ ظل محبت اور وحدت جو کہ دراصل عادل ہے سے خارج ہیں واقتلوھم حیث ثقفتم یعنی انھیں یکسر مٹا دو اور انھیں ان کی خواہشات سے روکو وہ خواہشات ان کی روح میں جہاں بھی ہوں واخرجوھم اور انھیں مکہ صدر سے نکالو جب کہ وہ حملہ کریں کما اخرجوھم جیسے انہوں نے تمھیں بقعۂ نفس میں اتارا اور مقر قلب سے تمھیں دور پھینکا ہے۔

والفتنۃ فتنہ سے ان کی خواہشات کی پرستش اور لذات وشہوات کے بتوں کی عبادت مراد ہے اور یہ زیادہ سخت ہے بہ نسبت خواہشات کو جڑ سے نکالنے اور خواہشات کو یکسر ختم کرنے سے یا یہ مطلب ہے کہ تمھارا محنت اور بلا میں مبتلا ہونا جب کہ ان کا حملہ ہوتا ہے تمھارے لیے زیادہ سخت ہے قتل سے جو کہ اسے مارنے اور بالکل مٹانے سے کیونکہ درد والم کا ضرر بہت زیادہ ہے ولا تقتلوھم عند المسجد الحرام مسجد حرام کے ہاں انھیں قتل نہ کرو یہاں مسجد حرام سے مقام قلب یعنی حضور قلبی کے وقت ان سے لڑائی نہ کرو جب کہ وہ توجہات کے موافق ہو جائیں کیونکہ وہ تمھارے سلوک کے لئے تمھارے معین و مددگار ہیں حتی یقاتلوکم فیہ یہاں تک کہ تمھارے ساتھ لڑائی کریں یعنی تمھارے سلوک کے مطالب میں تمھارے ساتھ جھگڑیں اور تمھیں حیات قلب اور دین حق سے کھینچ کر مقام نفس کی طرف پہنچا دیں اور ان کے دین سے ان کے بچھڑے کی پرستش مراد ہے۔ وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے ان کے جھگڑنے اور ان کے اسباب کی طرف کھینچ لے جانے اور خواہشات کی پرستش سے ویکون الدین کلہ للہ پھر سب کا سب اللہ کا دین ہو جائے تمام توجہات کو جناب قدس کی طرف پھیرنا اور ان خواہشات کو راز الٰہی کے حصول کے لیے توجہ حق میں صرف کرنا تاکہ شیطان اور نفسانی خواہشات کو کسی قسم کا حصہ نہ ہو۔

پس اگر وہ رک جائے ان پر کوئی زیادتی نہ کرو ہاں تجاوز ان پر ہونا چاہیے جو حد سے بڑھنے اور تجاوز کرنے والے ہیں

حضرت شیخ نجم الدین رحمہ اللہ کی صوفیانہ تقریر الشھر الحرام الخ میں اشارہ ہے کہ وہ جو تمھارے نفس کی سستی اور اس کی خرابیوں سے اوراد و وظائف میں کمی واقع ہوئی تو اس کے پورے کرنے میں کوشش کرو مہینے کی غلطیاں مہینوں سے اور دن کی دن سے گھڑی کی گھڑی سے اور وقت کی وقت سے اور اوراد کی اوراد سے غرضیکہ جو اعمال فوت ہوئے ان کی قضا کرو اور ہر ایک کے حقوق ادا کرو نفس کی کوئی بری عادت بھی جب غلبہ پا جائے تو اس کی ضد سے علاج کرو۔ مثلاً بخل کی عادت ہو تو سخاوت کی عادت ڈالو اور غیظ وغضب کی عادت ہو تو حوصلہ سیکھو حرص کا غلبہ ہو تو ترک ارادات کرو شہوات غالب ہیں تو نفس کو ریاضت و مشقت میں ڈالو اسی طرح تمام امور کو سمجھئے واتقوا اللہ حد سے بڑھتے وقت اللہ تعالیٰ کا خوف مد نظر رکھو اور یہ بھی ہے کہ کثرت مجاہدات سے نفس کو ہلاک نہ کر ڈالو واعلموا ان اللہ مع المتقین اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو نفس کی شرارت کو دبانے میں مدد دیتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ انفاق بمعنے مال کو ضروریات میں خرچ کرنا اور سبیل سے مراد دین ہے جو اللہ تعالیٰ کے ثواب اور عطیہ رحمت کی طرف پہنچائے۔

مسئلہ ہر وہ امر جو اللہ تعالیٰ نے اعزاز دین یا اس کے قائم کرنے کی خاطر خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے وہ تمام اس آیت میں داخل ہیں خواہ وہ حج کا معاملہ ہو یا عمرہ کا۔ جہاد کفار کے امور ہوں یا صلہ رحمی کے متعلق ہو۔ مساکین اور فقرا کے ضعفا کی مدد کرنا ہو یا اہل و عیال اور آل و اولاد کے حقوق کی رعایت۔ غرضیکہ قرب الٰہی میں خرچ کے جو معاملات ہیں وہ تمام اس آیت میں داخل ہیں۔

ف پہلے اللہ تعالیٰ نے نفس سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے بعد مال خرچ کرنے کا۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ خرچ کرو اپنے مالوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور انہیں پورے طور رو کے نہ رکھو۔

وَلَا تُلْقُوْا یہ القاء سے مشتق ہے یعنی شے کو ایسے مقام پر پھینکنا جہاں پر وہ نظر آرہی ہو عرف میں ہر پھینکنے پر بولا جاتا ہے یہ الیٰ کے ساتھ متعدی ہوتا ہے متضمن بمعنی الانتہاء۔ **بِاَیْدِیْکُمْ** مفعول بہ ہے اور یہ باء زائدہ ہے کیونکہ القٰی کا فعل بلا واسطہ متعدی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا والقی موسیٰ عصاہ۔ ان القی بیدہ وہاں مستعمل ہوتا ہے جہاں شر کا معنیٰ مطلوب ہو۔

ف آیت میں ایدی سے مراد نفوس ہیں کیونکہ ید نفوس کو مستلزم ہے تمام اعضاء سے صرف ید کی تخصیص اسی لیے ہے کہ نفس کو ید للازم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر اعمال ہاتھ کے ذریعہ سے صادر ہوتے ہیں اب معنیٰ یہ ہوا اپنے نفسوں کو نہ پھینکو۔

اِلَى التَّهْلُكَةِ فضول خرچی کرکے اور ماتش کے اسباب کو ضائع کرکے ہلاکت میں۔ یہ آیت دوسری آیت کی نظیر ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما یا یہ معنٰی ہے کہ اے لوگو اپنے نفسوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو غزوات میں رک کر اور جنگ کی ضروریات میں خرچ کم کر کے کیونکہ اس طرح سے تمہارے دشمن کو تقویت ملے گی سو وہ تمہارے سر پر مسلط ہو جائے گا اس ترجمہ کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے۔ یعنی مندرجہ ذیل شان نزول سے۔

شانِ نزول حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب دین اسلام کو غلبہ دیا اور اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی تو ہم آپس میں سوچنے لگے کہ ہم اپنے اہل و عیال مکہ میں چھوڑ آئے اور ہمارے مال و اسباب بھی وہاں رہ گئے اب بفضلہ تعالیٰ اسلام ہر جگہ پھیل گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی ہے اگر ہم واپس اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کی طرف لوٹ جائیں وہاں جا کر قیام کریں اور جو ہمارے سے ضائع ہوا اس کو اپنے قبضہ میں کر کے اس کی اصلاح کریں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ مہاجرین کی گفتگو کی نقل ہے ورنہ ان کا کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے وہ تو انصاری تھے) یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ پر خرچ کرو اور نہ ڈالو اپنے ہاتھوں کو ہلاکت کی طرف یعنی ایسے اسباب میں جو تمہاری ہلاکت کا سبب بنیں مثلاً یہ خیال آجائے کہ کاش ہم اپنے وطن میں مقیم رہتے اور مال و اسباب کی نگرانی کرتے اس سے جہاد تمہارے سے رک جائے گا۔

حکایت حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کو سننے کے بعد جہاد فی سبیل اللہ میں زندگی بسر کی یہاں تک کہ آخری لمحات بھی آپ کے مسافری اور جنگ میں ختم ہوئے جب آپ کا وصال ہوا تو اس وقت قسطنطنیہ کی جنگ لڑی جا رہی تھی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ بزمانہ خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں قسطنطنیہ میں لڑتے لڑتے فوت ہوئے اور وہاں ہی آپ کو دفن کیا گیا یعنی آپ کو قسطنطنیہ کے قلعہ کے نیچے دفنایا گیا اور وہاں کے لوگ آپ کے مزار شریف پر حاضری دے کر آپ کو

ف حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا وصال ۵۲ھ میں ہوا چونکہ اس غزوہ کی قیادت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی اسی لیے مفسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکا لکھا ہے اور خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قسطنطنیہ کی پہلی جنگ لڑی تھی اسی لیے مفسر سے ایسا سہو ہوا اور قسطنطنیہ میں قیادت یزید کی مگر محل نظر اور تفصیل طلب ہے۔ اویسی غفرلہٗ

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا وسیلہ بنا کر اپنی حاجات پوری کراتے ہیں۔ (اس سے وہابی دیوبندی سوچیں کہ مزارات کی حاضری اور انھیں قضائے حاجات کا وسیلہ بنانا تمھارے نزدیک شرک کیوں؟)

حدیث شریف میں ہے جو شخص مرجائے اور اسے جہاد فی سبیل اللہ کا خیال تک نہ ہو تو وہ منافقت کے کھاتے میں لکھا جائے گا۔

وَاَحْسِنُوْا اور احسان کرو یعنی فقراء پر کرم واحسان کرو۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ تمھاری بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے۔

حکایت مروی ہے کہ جب حجاج عراق کا حاکم مقرر ہوا تو ہر روز ہزار دسترخوان طعام کا تیار کرتا اور ہر دسترخوان پر دس آدمی کھانا کھاتے اور لوگوں کو دعوت کا اعلان کرتا اس کی دعوت پر لوگ بکثرت جمع ہوتے۔ حجاج نے ایک دن کہا اے لوگو! اب کے بعد سورج میرا قاصد ہے یعنی سورج کے طلوع ہوتے ہی کھانا کھانے آجایا کرو اور جب سورج غروب ہو تو شام کا کھانا بھی میرے ہاں آکر کھاؤ۔ اسی طرح ہوتا رہا ایک دن لوگ بہت کم جمع ہوئے۔ حجاج نے پوچھا آج لوگ تھوڑے کیوں جمع ہوئے ایک مرد نے کہا تو نے لوگوں کو یہاں کی حاضری سے بے پرواہ کر دیا ہے اس لیے کہ لوگوں کے گھروں میں آپ کی طرف سے طعام پہنچ جاتا ہے حجاج نے کہا تیری اس اطلاع دینے کا شکریہ۔ اللہ تعالیٰ تجھے خوش رکھے۔

سبق باوجودیکہ حجاج بہت بڑا ظالم تھا لیکن دیکھئے اس کا لوگوں پر کتنا احسان اور فضل وکرم تھا۔

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

کرم کن کہ فردا کہ دیوان نہند
منازل بمقدار احسان نہند

ترجمہ سخاوت کیجیے اس لیے کہ کل قیامت میں ہر ایک کو مراتب احسان ومروت کے مطابق عطا ہوں گے۔

حکایت بدائی حکایت کرتے ہیں کہ چند ایک سوار قبیلہ بنی اسد اور قیس یعنی نعمان حاتم کو ملے اور وہ سخاوت میں بہت بڑا مشہور تھا آنے والے لوگوں نے کہا کہ اے حاتم تیری سخاوت کا بڑا شہرہ ہے لوگوں نے تیری طرف خط بھیجا ہے اگر اجازت ہو تو پیش کیا جائے حاتم نے کہا کیوں نہیں اسدیوں نے نابغہ کے اشعار پڑھ کر سنائے جب اشعار پڑھ لیے تو کہنے لگے کہ ہمیں شرم آتی ہے کہ آپ سے کوئی سوال کریں صرف ایک ضرورت درپیش ہے وہ یہ کہ ہمارے ساتھی کی سواری گم ہو گئی ہے اگر از راہ عنایت عطا فرمادیں تو زہے کرم۔ حاتم نے اپنی سواری پیش کر دی اور کہا اسے لے جائیے گھوڑی لے کر چلے تو لونڈی نے گھوڑی کا بچہ کپڑے کے ساتھ بندھا لیکن وہ بچہ لونڈی کا کپڑا لے کر اپنی ماں کے پیچھے بھاگا۔ لونڈی نے ہر چند کوشش کی لیکن وہ بچہ گھوڑی کے پیچھے بڑھتا رہا حاتم کو معلوم ہوا تو پکار کہا اے بھائیو! جو شے تمھارے پیچھے آرہی ہے وہ تمھاری ہے یعنی گھوڑی اور اس کا بچہ بلکہ لونڈی بھی میں نے تمھیں دی۔ (کذا فی شرح رسالہ ابن زیدون الموید)

حکایت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج پہ تشریف لے گئے جہنم کے طبقات کو ملاحظہ فرمایا تو ان میں ایک جہنم کا طبقہ دیکھا۔

جس میں ایک سر وہ ہے جسے آگ نہیں لگتی آپ نے پوچھا اسے آگ مس کیوں نہیں کرتی جبریل علیہ السلام نے عرض کی یہ حاتم طائی ہے اللہ تعالیٰ نے اسی لیے اس کی جود و سخا کی وجہ سے جہنم کی آگ سے دور رکھا ہے۔ (کذا فی انیس الوحدۃ وجلیس الخلوۃ)

حدیث قدسی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ السلام سے فرمایا اے عیسیٰ (علیہ السلام) اگر تم چاہتے ہو کہ تم آسمان پر ملائکہ مقربین کے ساتھ اڑتے رہو تو شفقت میں سورج کی طرح ستر عیوب میں رات کی طرح اور تواضع میں زمین کی طرح اور غصہ میں مردہ کی طرح اور سخاوت میں نہر جاری کی طرح ہو جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ اہل حقیقت فرماتے ہیں اور یہی قول نہایت ہی احسن ہے کہ وانفقوا فی سبیل اللہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنی ارواح کو خرچ کرو ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ اور اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ پڑو کہ تم شہادت فی سبیل اللہ سے رک جاؤ دراصل یہی شہادت حیات ابدیہ ہے اور اگر فوت کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔
اور نیکی کرو اپنے نفسوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر کے جو اس نے تمہارے نفسوں کو تم سے خریدا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ۔ مرگ بے مرگی بود مارا حلال

برگ بے برگی بود مارا نوال

ظاہرا مرگ وبباطن زندگی

چوں مراسوئے اجل عشق و ہوست

زانکہ نہی از دانہ شیریں بود

تلخ را خود نہی حاجت کی شود

دانہ کش تلخ باشد مغز و پوست

تلخی و کرد ہیش خود نہی اوست

دانہ مروں مرا شیریں شد است

بل ھم احیاء پے من آمد ست

ترجمہ بقا کی موت ہمارے لیے حلال ہے بے سامانی ہمارا سامان ہے اس لیے کہ ایسی موت ظاہرا موت لیکن حقیقۃ بقا ہوتی ہے اسی طرح بے سروسامانی بظاہر ذلت اور بباطن خوش منظر ہے میری اجل کی منزل عشق ہے لا تلقوا کی نہی ہمارے لیے بھی اسی لیے ہے اس لیے کہ نہی کا ذائقہ بہت بڑا میٹھا ہے اگر تلخ ہوتا تو اس کے لیے نہی نہ ہوتی جو تے کڑوی ہوس کی وہی تلخی نہی ہے بہشت کا دانہ میٹھا ہے اس لیے وہیں جا کر ہر کس زندہ ہوگا۔

تاویلات نجمیہ کی صوفیانہ تقریر تاویلات نجمیہ میں ہے وانفقوا فی سبیل اللہ اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنے اموال اور نفوس کو خرچ کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ اور

نہ ڈالو اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں ساتھ روک دینے بیع کے سپرد کرنے سے اس طرح تم ہلاک ہو جاؤ کہ تمھیں اس کا کچھ نہیں ملے گا اور وہ جنت بہشت ہے اور حد سے بڑھ کر یعنی جہاد بالنفس میں کوتاہی کر کے اور زیادتی یعنی ایک ہی بہت بڑی جماعت پر حملہ کر دینا اور کوتاہی کر کے کافروں کے جہاد سے کوئی ایک مجاہد بھاگ جائے واحسنوا اور اپنے نفسوں کے ساتھ نیکی کرو انھیں شہوات کی آگ سے بچا کر اور اپنے قلوب کے ساتھ غفلتوں کے زنگ سے محفوظ کر کے اور اپنی روحوں کے ساتھ تعلقات کے حجابات سے بچا کر اور اپنے اسرار کے ساتھ مکونات کے ملاحظہ سے غفلت کر کے اور مخلوق کے ساتھ ان سے اذیات دفع کر کے اور ان پر احسانات کر کے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اظہار عبودیت مامورات و منہیات میں اور دکھ دینے والی چیزوں اور بلیات سے صبر کر کے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور راحت دینے والی اشیاء سے شکر کر کے اور تمام حالات میں اللہ تعالےٰ پر بھروسہ کر کے اور جزئیات و کلیات کے تمام امور اس کی طرف سپرد کر کے اور تمام احکام ازلیہ میں تسلیم اور اس کے اولیات کے فیصلوں پر رضا اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ قدیم کے سامنے اپنے جمیع نئے ارادوں کو فنا کر کے اسی ذات کو مدِ نظر رکھ کر۔ ان اللہ یحب المحسنین بے شک اللہ تعالیٰ ان نیکوں سے محبت کرتا ہے جو اللہ تعالےٰ کی عبادت میں بوصف مشاہدہ نیکی کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ حج اور عمرہ کو پورا کرو۔

مسئلہ حج اس شخص پر فرض ہے جو حج کے راستہ پر خرچ کرنے کی طاقت رکھتا ہو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک عمرہ سنت ہے۔

مسئلہ عمرہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب کوئی اپنے اوپر واجب کر دے۔ جیسے نفل اس وقت واجب ہوتی ہے جب شروع کر دے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک کو شروع کرے تو وہ اسے تمام کرے۔

مسئلہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابتداءً کسی شے کو شروع کرنا واجب نہیں لیکن جب شروع ہو جائے تو اس کا اتمام اس پر واجب ہے۔

لِلّٰہِ یہ اتموا سے متعلق ہے اور یہ لام مفعول کی ہے یعنی اتمام حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہو

شانِ نزول اس میں وجہ تخصیص یہ ہے کہ اہل عرب حج کو اس لیے جاتے تھے کہ وہاں اجتماع ہو گا ایک دوسرے سے ملیں گے بازاروں کا چکر لگائیں گے یہ حج اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں تھا۔ نہ ہی اس کی اطاعت اور نہ ہی اس میں قرب الٰہی نصیب۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ تم حج کو جاؤ صرف اس غرض پر کہ اللہ تعالیٰ کا فرض اور حق ادا کریں گے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ حج اور عمرہ کے ارکان اور شرائط اور ان کے وہ جمیع افعال جو شرعاً مشہور ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے شروع فرمائے ہیں صرف اسی کو راضی کرنے کے لیے مکمل کرو ان میں کسی قسم کا خلاف نہ ہو صرف عبادت سمجھ کر ادا کرو ان میں کسی قسم کی غلط نیت نہ ہو مثلاً تجارت کا خیال۔ اسی طرح دیگر دنیوی امور کے ارادے اور حلال مال سے خرچ کرو۔

حج کے ارکان پانچ ہیں۔

(۱) احرام (۲) عرفات میں ٹھہرنا

۴ - سعی بین الصفا والمروہ

۵ - سر کے بال منڈوانا یا کٹوانا -

ف حج کے رکن کا مطلب یہ ہے کہ جب تک یہ ادا نہ ہوں بندے کو حج کی دولت نصیب نہ ہو گی -

واجب وہ ہے کہ جو کسی غلطی سے ترک ہونے پر دم دینی پڑے -

سنن حج کی وہ ہیں کہ جن کے ترک سے کوئی شے لازم نہ آئے -

عمرہ کے لیے بھی یہی تین امور ہوتے ہیں - عمرہ کے ارکان چار ہیں -

۱ - احرام

۲ - بیت اللہ شریف کا طواف -

۳ - سعی بین الصفا والمروہ -

۴ - حلق - حج کے دو تحلل ہیں اور تحلل کے اسباب تین ہیں - (۱) دسویں کے دن جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنا - (۲) طواف زیارت - (۳) حلق - جب ان تینوں میں سے دو ادا ہو جائیں تو احرام سے فراغت ہو گی - ان میں سے تیسرے کی ادائیگی دوسرا تحلل ثابت اور پہلے سے تمام رو کے ہوئے افعال مباح ہو جاتے ہیں یعنی وہ رکاوٹیں جو احرام کی حالت ہیں - سوائے اپنی عورت کے ساتھ جماع کے، پھر دوسرے سے اپنی عورت سے جماع بھی جائز ہو گا -

تمام امت کا اجماع ہے کہ حج اور عمرہ کی تین اقسام ہیں - (۱) افراد - (۲) تمتع - (۳) قران

افراد حج کی صورت یہ ہے کہ افراد کی نیت سے احرام باندھے - اس کی فراغت کے بعد حل سے یعنی مواقیت وحرم کے درمیان سے عمرہ کرے

۱ - کی صورت یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھے اور اس کے تمام مناسک ادا کر کے احرام چھوڑ دے پھر حج کا احرام مکہ شریف سے باندھے اور حج کے ایام میں مناسک ادا کرے -

۲ - کی صورت یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا ہی احرام باندھے اور نیت کے وقت دونوں کا ارادہ کرے پھر حج کے مناسک

۳ - ادا کرنے سے عمرہ کے بھی ادا ہو جائیں گے کیونکہ حج اور عمرہ کے ایک ہی مناسک ہیں اور بالعکس نہیں یعنی حج کے مناسک عمرہ کے نہیں بلکہ حج کے مناسک عمرہ کے مناسک سے زائد ہیں اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ عمرہ کا احرام باندھ کر پھر اس میں حج کا احرام داخل کر دے لیکن طواف سے پہلے کر سکتا ہے بعد میں نہیں اس وجہ سے اسے قارن کہا جائے گا -

اگر کسی نے حج کا احرام باندھا پھر عمرہ کا بعد کو تو اس طریق سے عمرہ کا احرام منعقد نہ ہو گا -

ہم احناف کے نزدیک قران، تمتع اور افراد سے افضل ہے -

حدیث شریف حج کے ساتھ عمرہ کو ملاؤ اس لیے کہ دونوں افلاس اور گناہ کو ایسے مٹاتے ہیں جیسے لوہار کی بھٹی لوہے اور چاندی اور سونے کے زنگ کو کاٹتی ہے -

مسئلہ حج مبرور کی جزا بہشت ہی ہے

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ پس اگر تم روکے جاؤ حج اور بیت اللہ شریف تک پہنچنے سے بوجہ مرض یا دشمن یا بڑھاپا یا خرچ ختم ہونے یا سواری نہ ہونے سے یا کسی اور عوائق سے احرام کے بعد حج وعمرہ میں نے کسی ایک کی ادائیگی سے۔

مسئلہ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہ حکم عام ہے یعنی تمام لوگوں کے لیے ہے اگرچہ یہ خطاب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہے جو اس وقت دشمن کی وجہ سے حج وعمرہ سے روکے گئے لیکن اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے۔

فَمَا اسْتَيْسَرَ پس جو آسان ہو یعنی جس طرح تجھے آسانی ہو مِنَ الْهَدْيِ قربانی سے یہ مِنْ تبعیضیہ یا بیانیہ ہے یعنے دراں حالیکہ قربانی کا بعض ہو یا کل حصہ۔ ھدی، ھدیۃ کی جمع ہے جیسے تمر، تمرۃ کی جمع ہے یعنی ہر وہ شے جو اللہ تعالیٰ کی قربت کے لیے جانوروں کی قسم دی جائے اس کا ادنیٰ درجہ بکری کا ہے درمیانہ گائے اور سب سے اعلیٰ اونٹ ہے اور اسے اس لیے ہدیٰ کہتے ہیں کہ یہ عوض ہے بندے کی اس عبادت کا جو بندہ اپنے مولیٰ تعالیٰ کی طرف یعنی بیت اللہ شریف بھیجتا ہے۔

مسئلہ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ محرم کو جب روک دیا جائے اور چاہتا ہے کہ وہ احرام سے فارغ ہو جائے تو اسے چاہیے جس طرح اسے آسانی ہو اونٹ یا گائے یا بکری جہاں روکا گیا یعنی جس جگہ روکا گیا ہے وہاں انہیں ذبح کرے یہ امام شافعی کا مذہب ہے ہم احناف کے نزدیک اس قربانی کو حرم شریف میں بھیج دے اور بھیجے ہوئے کے ہاتھ میں نشانی دے تاکہ وہ حرم میں پہنچ کر اس کی قربانی خیرات کرے جب اندازہ لگائے کہ اب میری قربانی حرم شریف میں پہنچ کر ذبح ہو گئی تو اب احرام سے فارغ ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ یعنی احرام سے فراغت نہ پاؤ سر کے بال منڈوا کر حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ (پ۲، ع۸) تک کہ قربانی اپنی جگہ تک پہنچ جائے یعنی یہاں تک کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ بھیجی ہوئی قربانی حرم شریف میں اس جگہ تک پہنچ گئی ہو گی جہاں جا کر قربانی کو ذبح کیا جاتا ہے۔

المحل (بکسر الحاء) الحلول سے مشتق ہے بمعنے النزول اس کا اطلاق زمان و مکان ہر دونوں پر ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ محل الدین قرضہ ادا کرنے کے وجوب کا وقت اور محل الھدی یعنی وہ جگہ جہاں قربانی کو ذبح کیا جائے گا اور وہ ہم احناف کے نزدیک حرم شریف ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثم محلھا الی البیت العتیق یعنے اس قربانی کے ذبح کی جگہ عزت والا گھر ہے۔

مسئلہ حرم سے اس کا تمام احاطہ مراد ہے کیونکہ وہ تمام احاطہ حرم شریف کے تابع ہے۔

مسئلہ یہ حکم ہر قسم کے حاجی کے لیے ہے مفرد ہو یا متمتع یا قارن اور اسی طرح عمرہ کرنے کے لیے بھی یعنی اسے یہ جائز نہیں کہ وہ قربانی کی جگہ پر پہنچنے سے پہلے سر منڈائے۔

مسئلہ احرام کے بعد سر منڈانا سر کترانے سے افضل ہے

مسئلہ صرف چوتھائی حصہ سر کا منڈانا بھی جائز ہے لیکن سالم سر منڈوانا افضل ہے تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا نصیب ہو اور یہ مسئلہ حق کے متعلق ہے

مسئلہ حج کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ سر کے بال نہیں منڈواتے تھے گنتی کے چند ایک بار منڈوایا بھی تھا ۔ لیکن اکثر اوقات سر مبارک کے بال رکھوائے[1]۔

مسئلہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بال اکثر منڈوایا کرتے جب سے حضور نبی اکرم سے سنا کہ ہر بال کے بُن میں جنابت ہے۔

فَمَنْ یہ من شرطیہ ہے اور موصولہ بھی کَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا پس وہ جو مریض ہو یعنی اسے ایسا مرض ہے جو ادائیگی فرض کے لیے احرام کے وقت حرج پیدا کرتا ہے ۔ مریضا کان کی خبر اور منکم حال ہے ۔ یہ دراصل صفت ہے لیکن مقدم واقع ہوا ہے اسی لیے اب اسے محلاً منصوب حال قرار دیا جائے اَوْ بِهٖٓ اَذًى یا اسے درد ہے جو ہونے والا ہے مِّنْ رَّاْسِهٖ اس کے سر سے یعنی سر میں زخم ہو جاویں یا سر میں جوئیں پیدا ہو جائیں یا سر کا درد ہو یا شقیقہ ہو ۔ اب آیت کا معنٰے یہ ہوگا کہ حج کرنے والا اپنے احرام میں ثابت رہے سر نہ منڈائے یہاں تک کہ اس کی قربانی ذبح کی جائے ہاں سر کے بال منڈانے کے لیے اگر مجبور ہو کہ سر کے بال منڈانے بغیر چارہ کار نہیں ۔ فَفِدْيَةٌ تو اس پر فدیہ لازم ہے مِّنْ صِيَامٍ روزہ سے یعنی اس پر تین دن کے روزے واجب ہیں اَوْ صَدَقَةٍ یا صدقہ دینا ۔ یعنی چھ مسکینوں کو صدقہ دے ہر مسکین کے لیے نصف صاع گندم کا ہونا چاہیے ۔ اَوْ نُسُكٍ بضمتین نسیکۃ کی جمع ہے بمعنے ذبیحہ اس کے تین درجے ہیں ۔ (۱) اعلیٰ اونٹ (۲) متوسط گائے (۳) ادنیٰ بکری ۔ اَوْ تخییر کے لیے ہے ۔ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ جب تمہیں خوف سے امن ملے اور تندرست ہو جاؤ اور وسعت میسر ہو جائے یا بندش ابھی تک موجود ہو فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ پس جو شخص کہ تقرب الی اللہ کا نفع پانے عمرہ سے قبل نفع اٹھاتے تقرب الی اللہ یعنی حج سے اس کے مہینوں میں یا وہ شخص جو کہ عمرہ کے احرام سے فراغت پاکر احرام کے ممنوعات کے مباح ہونے سے نفع پائے حتیٰ کہ وہ حج کا احرام باندھ سکے ۔ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ پس وہ جو آسان ہو قربانی سے یعنی اس پر دم ہے جسے وہ آسانی سے ادا کر سکے بسبب تمتع کے اس سے تمتع کی قربانی مراد ہے ۔

مسئلہ سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نزدیک یہ وہ قربانی ہے جو دسویں کے دن کی جاتی ہے اور اس کے گوشت کا حکم عید کی قربانی جیسا ہے ۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ پس وہ شخص کہ جسے قربانی میسر نہیں فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ تو اسے تین دن روزے رکھنے چاہئیں صیام مصدر ہے اپنے ظرف کی طرف معنیً مضاف ہے اگرچہ علے الاتساع لفظاً مفعول بہ ہے یعنی اسے تین روزے رکھنا ضروری ہیں ۔ فِى الْحَجِّ یعنے حج کے ایام میں اور اس کے مہینوں میں دو احراموں یعنی عمرہ اور حج کے درمیان ۔

مسئلہ یہ روزے چاہے متفرق کرکے رکھے چاہے پے درپے ۔

مسئلہ مستحب ہے کہ یہ روزے ساتویں ، آٹھویں ، اور نویں ذوالحج کو رکھے ۔

---

[1] دیوبندی وغیرہ اہلسنت کی سنت پر عمل کرنے کے مدعی ہیں لیکن سر کے بالوں کے دشمن ہیں اس سے ان کی "محمد بن عبدالوہاب" کی سنت سے پیار کی محبت جھلکتی ہے تفصیل فقیر کی کتاب الاحادیث النبویہ فی علامات وہابیہ میں ہے ۔ ۱۲ ۔

مسئلہ دسویں ذوالحج اور ایام تشریق یعنے ذوالحج کی گیارہ، بارہ، تیرہ کو روزہ رکھنا ناجائز ہے۔

وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ اور سات روزے رکھو جب تم واپس لوٹو یعنی جب اعمال حج سے فارغ ہو جاؤ۔

ف اس پر رجوع کا اطلاق مسبب بول کر سبب خاص کے ارادہ کے قبیل سے ہے یعنی رجوع سے واپس اور فارغ ہو جانا مراد ہے اور یہ رجوع کے سبب ہیں۔

تِلْكَ وہ تین اور سات روزے عَشَرَةٌ کل میزان دس روزے ہوئے۔

ان کو علیحدہ ذکر کر کے پھر کل دس کی گنتی سے کیا فائدہ؟

تاکہ کوئی وہم نہ کرے کہ واؤ بمعنے اَو کے ہے جیسے مثنیٰ وثلاث ورباع میں واؤ بمعنے اَو ہے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جیسے اس عدد کو اجمالاً معلوم کر لیا ہے تفصیلاً بھی معلوم کر لیا جائے۔ اور قاعدہ ہے کہ دو ایک سے افضل ہے تیسرا فائدہ اکثر اہل عرب حساب نہیں جانتے تھے عام طور پر عادت تھی کہ جو کوئی اپنے کسی ساتھی سے اعداد متفرقہ سے گفتگو کرتا تو اسے مجموعی طور حساب لگا کر گفتگو کرتا تاکہ اسے سمجھنے میں آسانی ہو۔

ف: یہاں سبعۃ سے پورے سات مراد ہیں اس سے کثرت مراد نہیں اگرچہ اس کا استعمال ہر دونوں کے لیے ہوتا ہے۔ كَامِلَةٌ۔ عشرہ کی صفت موکدہ ہے کیونکہ کبھی وصف تاکید کے لیے بھی آتی ہے جب موصوف اسی معنٰے کا فائدہ دیتا ہو جیسے والٰہین اثنین میں۔ اور تاکید اس وقت مطلوب ہوتی ہے جب کہ اس حکم موکدہ میں اہتمام اور اس کی محافظت مقصود ہو اور یہاں پر موکدہ یہ ہے کہ اس روزے میں عدد کی رعایت رہے اس کی اس پے تاکید کی کہ اس کے اہم مقاصد سے یہ ہے کہ انھیں پورا کیا جائے اور انھیں ہرگز ہرگز ترک نہ کیا جائے۔ ذَالِكَ یہ اشارہ ہم احناف کے نزدیک نفس تمتع کی طرف ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمتع کے حکم کی طرف ہے یعنی متمتع کو اگر قربانی میسر ہے تو اس پر قربانی لازم ہے اگر قربانی میسر نہیں تو اس پر روزے لازم ہیں لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یہ اس کے لیے ہے جو مسجد حرام کے قرب وجوار کا نہیں حاضر بمعنی لازم ہے یعنی وہ جو کہ مکہ میں اقامت پذیر نہیں اہل سے شخص کے اخص لوگ مراد ہیں اہل کا ذکر اس لیے ہے کہ عموماً انسان جہاں بھی ٹھہرتا ہے تو اس کے اہل وعیال بھی ساتھ ہوتے ہیں۔

مسئلہ جس شخص کا مسکن مواقیت کے اندر ہے اس کے لیے تمتع ہے نہ قران۔

مسئلہ جو شخص بھی ان میں سے تمتع یا قران کی نیت کرے گا اس پر دم لازم آئے گی اور اس کا گوشت بھی نہیں کھا سکے گا۔

مسئلہ مکہ شریف کے قرب وجوار کے لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ حج کے مہینوں کے سوا وہ کسی دوسرے مہینہ میں عمرہ کریں اور افراد کا حج کریں صرف حج کے ایام میں۔

مسئلہ قران اور تمتع صرف آفاقیوں یعنی مکہ شریف سے دور رہنے والوں کے لیے ہیں ان کی قربانی کا حکم عام نسک کا ہے یعنی ایسے لوگ قربانی کا گوشت کھا سکتے ہیں۔

مسئلہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حاضری المسجد الحرام سے اہل حرم اور وہ لوگ مراد ہیں جن کی نماز قصر نہیں ہوتی۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اللہ تعالیٰ سے اس کے اوامر ونواہی کے محافظت کے بارہ میں خصوصاً حج کے مسائل میں ڈرو۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے اس کے لیے جو اس سے نہیں ڈرتا تاکہ اس کا علم اسے گناہ کرنے سے روکے۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ؎

مرو زیر بارے گنہ اے پسر
کہ حمال عاجز بود در سفر

تو پیش از عقوبت در عفو کوب
کہ سودے ندارد فغان زیر چوب

ترجمہ اے عزیز گناہ کے بوجھ تلے جانے کی کوشش نہ کر اس لیے سفر میں بوجھ تکلیف دیتا ہے سزا سے پہلے ہی اپنی غلطیوں کی معافی مانگ لے اس لیے کہ لکڑی جب سر پر پڑتی ہے تو اس وقت آہ وفغان کوئی فائدہ نہیں دیتی۔

ف جیسے تمام الحج ظاہری طور ہوتا ہے۔ اسی طرح باطنی طور بھی ہوتا ہے۔

حکایت بعض بزرگوں کا واقعہ ہے کہ وہ حج کو گئے جب حج سے فارغ ہوئے تو ساتھی سے پوچھا کیا ہم نے حج مکمل کر لیا حالانکہ اس طرح حج تو نہیں ہوتا کیا تم نے ذی الرمہ کا قول نہیں سنا۔ ؎

تمام الحج ان تقف المطایا
علی خرقاء واضعۃ اللثام

حل لغات خرقاء شاعر کی محبوبہ کا نام ہے واضعۃ اللثام یعنی کھلے طور آمنے سامنے آنا۔ شاعر نے محبوبہ کے سامنے سواریوں کے کھڑے ہونے کو مناسک حج کے وہ امور مراد لیے جن کے بغیر حج نامکمل ہوتا ہے۔ ترجمہ۔ حج اس وقت مکمل ہوتا ہے جب کہ ہمارے حج کے بعد ہمارا محبوب ہمارے آمنے سامنے ہو۔

حقیقی حج بزرگ کی بات حق ہے کہ جو کوئی حج کو جانے تو غبطے کرتا ہوا جب بیت اللہ اس کے حرم میں پہنچے تو وہ اپنی تمام خواہشات کو ٹکڑے کرے اور قلب کے تمام پردے اٹھ جائیں یہاں تک کہ مشاہدہ کے مقام میں پہنچ جائے اور حرم سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کے کرم کے آثار آنکھوں سے ملاحظہ کرے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ عوام کا حج یہ ہے کہ وہ بیت اللہ شریف کا قصد اور اس کی زیارت کا ارادہ رکھتے ہیں اور خواص کا حج یہ ہے کہ رب البیت اور اس کے شہود کا ارادہ رکھتے ہیں چنانچہ سیدنا خلیل اللہ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: انی ذاھب الی ربی سیھدین یا اس شخص کی طرح کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا قصد رکھے اور اس کی طلب میں رہے

اور بالکلیہ اسی کی طرف متوجہ ہو اور اپنے نفس مال و اولاد کو اس پر قربان کر دے اور ماسوی اللہ کو اپنا دشمن سمجھے چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا: فانہم عدولی الا رب العالمین حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے پورے پابند تھے یہی سبب کے سب حقیقی حج کے مناسک ہیں اور اسی لیے انھیں اللہ تعالےٰ نے یہی وہ پہلا انسان پیدا کیا جس نے اللہ تعالیٰ کے گھر کی بنیاد رکھی اور اس کا طواف کیا اور حج بھی پڑھا اور پھر لوگوں کو حج کی دعوت دی اور طریقۂ مناسک حج کا آغاز فرمایا۔

حبیب و خلیل کا فرق

حضرت ابراہیم علیہ السّلام ظاہری اور باطنی حج کے جامع تھے اور یہ انھیں کا مقام تھا لیکن ان سے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ و مقام بلند و بالا ہے کیونکہ مقامات و منازل اور احوال عطائے الٰہی پر منحصر ہیں۔ سلوک و مقامات عطائے الٰہی کے بغیر بھی ممکن ہے لیکن مواہب ربّانی سلوک المقامات کے بغیر نصیب نہیں ہوتے چونکہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اہل مقامات سے تھے اس لیے کہا انی ذاھب الی ربی سیھدین اور چونکہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اہل مواہب سے تھے آپ کے لیے کہا گیا سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ پھر چونکہ حضرت خلیل علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا حج حقیقی کی طرف جانا خود بخود تھا اس لیے انھیں ساتویں آسمان پر روک کے کہا گیا کہ اگر تم روکے گئے ہو تو جو میسر ہو سکے قربانی دو۔ چنانچہ انھوں نے سیدنا اسماعیل علی نبینا و علیہ السلام کو قربانی کے لیے پیش کیا اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حج حقیقی کی طرف خود بخود نہیں جانا تھا اس لیے انھیں کوئی رکاوٹ نہ ہوئی بلکہ انھیں کہا گیا اپنا حج اور عمرہ مکمل کرلو انھوں نے حج کو مکمل فرمایا بایں طور کہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوئے جیسے خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ادنا فتدلی فکان قاب قوسین پھر آپ نے عمرہ کیا بایں طور کہ آپ پر مقصود کے چاند شہود کے معزز مرتبہ سے منکشف ہو کر متجلی ہوئے اور وصال کے سورج سے عنایت محبت حاصل ہوئی پھر دو محبوں کے درمیان ہوا۔ جو کچھ ہوا یا وہ جانے یا یہ جانے پھر اللہ تعالیٰ نے وحی کو جیسے چاہا و اللہ علم کیا چاہا پھر آپ کو جلال کے پردوں سے حج اکبر کے دن حجۃ الوداع میں جبل عرفات کے قریب پکارا گیا کہ اے محبوب حج پورے طور ادا کر لو یہی الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی رضیت لکم الاسلام دینا کی آخری حجت ہے۔

صوفیانہ وعظ

اے عزیز معرفت رب کے لیے ہر قلب صلاحیت نہیں رکھتا اور نہ ہی ہر نفس خدمت ربانی کے لائق ہے اور نہ اچھا مال اللہ تعالیٰ کے خزانے کے لیے ہوتا ہے پس اے عزیز اپنے حال کو سنوارنے کی کوشش کیجیے اپنے مال کو خرچ کرنے کے لیے سخاوت کے خوگر ہو اگر تیرے پاس مال نہیں تو اس کی راہ میں نفس کو خرچ کرو بلکہ اگر تمھیں دونوں یعنی مال اور نفس کے خرچ کی توفیق ہے تو بسم اللہ کر کے دونوں کو ہی اللہ تعالیٰ کی راہ میں لوٹا دے کیا تمھیں سیدنا ابراہیم علے نبینا و علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا واقعہ یاد نہیں کہ وہ اپنا مال مہمانوں پر کتنی محبت سے خرچ کرتے اور عشق میں آکر اپنے آپ کو کیسے ہی آگ میں ڈال دیا۔ آپ کی اس قربانی

بقیہ صفحہ نمبر ۱۵۵ پر

شعر

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشا برلب بام ابھی

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ ۭ وَمَا
تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِى
الْاَلْبَابِ ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ
الضَّاۗلِّيْنَ ۝ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاۗءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ
ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ
مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ
نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ
يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

ترجمہ: حج کے چند معین مہینے ہیں جو سب کو معلوم ہیں پس جو شخص ان میں حج کی نیت کرے تو پھر حج کے اوقات میں نہ عورتوں کے سامنے جماع کا ذکر ہو اور نہ کوئی گناہ کرے اور نہ کسی سے جھگڑا اور تم جو نیکی کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور زادِ راہ ساتھ لے لیا کرو اور سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے اور عقلمند و مجھ سے ڈرتے رہو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو پھر جب تم عرفات سے واپس لوٹو تو مشعر حرام کے پاس اللہ تعالےٰ کو یاد کرو اور اللہ تعالےٰ کو یاد کر جیسے اس نے تمھیں ہدایت بخشی اور بے شک تم اس سے قبل گمراہ تھے پس اے قریش تم بھی وہاں سے پلٹو جہاں سے اہل اسلام پلٹتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرو بے شک وہ غفور رحیم ہے پھر جب تم حج کے امور پورے کر لو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسے تم اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے بھی اور زیادہ پس بعض لوگ تو ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں دے اور ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھلائی عنایت فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا ایسے لوگوں کو ان کے نیک اعمال کی وجہ سے نیک نصیبہ نصیب ہوگا اور اللہ حساب لینے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرو چند گنتی کے دنوں میں۔ پھر جو جلدی کر کے دو دن میں چلا جائے اس پر کوئی ؛ اور جو دو دن تاخیر کر کے جائے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں یہ اس کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کرو کہ تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

تفسیر عالمانہ اَلْحَجُّ یہاں مضاف محذوف ہے (ای وقتہ یعنی حج کا وقت اس لیے کہ حج ایک فعل ہے اور فعل اشہر نہیں ہو سکتا اَشْھُرٌ چند مہینے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ (۱) شوال (۲) ذیقعد (۳) ذوالحج کے دس دن یہ احناف کے نزدیک ہے۔

سوال انہیں اشہر (جمع) سے کیوں تعبیر کیا گیا حالانکہ اشہر جمع ہے اور اس کے لیے کم از کم تین کا مکمل عدد ضروری ہے اور یہاں پر دو ماہ مکمل اور تیسرے کے دس دن ہیں۔

جواب قاعدہ ہے کہ کبھی بعض کل کے قائم مقام آتا ہے نیز کبھی جمع کا اطلاق مافوق الواحد پر بھی ہوتا ہے

وہ مہینے لوگوں کو معلوم اور معروف ہیں کیونکہ ان کا علم انہیں تواتراً چلا آرہا ہے پھر شریعت اسلامیہ نے بھی ان کی توثیق کر دی یعنی جیسے وہ پہلے جانتے تھے شریعت نے اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ فرمایا بلکہ جوں کا توں رہنے دیا۔

سوال حج کو انہی ایام میں متعین فرمانے کا کیا فائدہ؟

جواب تاکہ معلوم ہو جائے کہ حج صرف انہی ایام میں ادا ہو سکتا ہے۔ اور بس۔

مسئلہ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک احرام صرف انہی مہینوں میں باندھا جا سکتا ہے اگر ان کے سوا کسی دوسرے مہینے میں احرام باندھے گا تو جائز تو ہو گا مگر مکروہ۔

مسئلہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک انہی مہینوں کے اندر احرام باندھنا حج کے شرائط میں سے ہے پھر جیسے نماز کے لیے وقت سے پہلے وضو جائز ہے ایسے ہی حج کے اوقات سے پہلے احرام باندھنا جائز ہے کیونکہ احرام بمنزلہ وضو کے ہے۔

بقیہ از صہ ۱۵۳

پر ملائکہ کرام دنگ تھے اسی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں خُلّت جیسا علیٰ مرتبہ پر فائز المرام فرمایا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و اتخذ اللہ ابراھیم خلیلا۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں ایک دفعہ مکہ شریف کی طرف روانہ ہوا تو راستہ میں ایک نوجوان کو دیکھا کہ رات کے وقت سر آسمان کی طرف اٹھا کر عرض کر رہا ہے اے وہ ذات جو طاعات سے خوش ہوتی ہے اور کسی کے گناہ سے نقصان نہیں پہنچاتی مجھے وہ کر دار عطا فرما جس سے تیری خوشی ہو اور میری وہ غلطیاں معاف فرما جو مجھ سے سرزد ہوئیں لیکن اس سے تیرا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ جب لوگوں نے احرام باندھا اور لبیک پکارنے لگے تو میں نے اسے کہا اے عزیز تم لبیک کیوں نہیں کہتے کہنے لگا اے شیخ میرا لبیک کہنا میرے ان گناہوں اور غلطیوں سے مجھے نہیں بچا سکتا جو مجھ سے سرزد ہوئیں مجھے خطرہ ہے کہ میں کہوں لبیک اور وہ جواب دے لا لبیک تو پھر کیا ہوگا اور ساتھ مجھے یہی جواب دیا کہ میں تیری کوئی بات نہیں سنتا اور نہ ہی تیری طرف دیکھتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ نوجوان وہاں سے چل پڑا اس کے بعد صرف منیٰ میں نظر آیا اور وہاں یہ کہہ رہا تھا اے میرے رب مجھے بخش دے اے اللہ لوگوں نے آج کے دن قربانیاں کیں اور تیرا قرب حاصل کر لیا میرے پاس اور تو کچھ نہیں کہ میں بھی تیرا قرب حاصل کر سکوں سوائے میرے اپنے نفس کے یا اللہ تو اسی کو قبول فرما لے۔ یہ کہہ کر نعرہ لگایا اور نعرہ لگاتے ہی جان بحق ہو گیا۔ اے اللہ اپنے کمال کرم کے صدقے میں ہمیں بھی اپنے لائق بنا اور ہمیں اپنی بارگاہ اور اپنے حرم تک رسائی نصیب فرما۔ آمین۔

سوال اہل عرب کہتے ہیں وقت الحج اشہر حج کا وقت وہی مخصوص مہینے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احرام وقت سے پہلے نہ ہو کیونکہ احرام حج کا جزو ہے۔

جواب: اس مقولہ سے ثابت نہیں ہوتا کہ احرام وقت سے پہلے ناجائز ہے بلکہ اس مقولہ کا مقصد یہ ہے کہ حج کے مناسک اور دیگر امور انہی ایام میں ادا کرتے جائیں۔

مسئلہ یہ تینوں مہینے ہی حج کے اوقات ہیں جس وقت بھی احرام باندھے جائز ہوگا چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: یسئلونک عن الاھلة قل ھی مواقیت للناس والحج اس آیت میں مہینہ کی ہر گھڑی کو حج کے اوقات سے مخصوص فرمایا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ ان تمام دنوں میں حج نہیں ہوتا بلکہ مخصوص دنوں میں ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ ان مہینوں میں احرام باندھا جا سکتا ہے کسی گھڑی میں باندھے یہاں تک کہ اگر کسی نے ذوالحج کی دسویں کو آئندہ سال کے حج کے لیے احرام باندھا تو بھی جائز ہے اور اس میں کسی قسم کی کراہت ہی نہیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی مذہب ہے۔ (کذا فی حواشی ابن الشیخ)

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ پس جس شخص نے انہی دنوں میں اپنے اوپر حج فرض کیا اپنے اوپر لبیک پکارنا اور قربانی کے جانور کی گردن میں چمڑے کا ہار باندھنا واجب ہے۔

سوال: آپ نے اس سے سمجھ لیا کہ اپنے اوپر لبیک پکارنا اور قربانی وغیرہ بھی فرض ہے؟

جواب: حج کے مناسک میں احرام باندھنا اور اس سے فارغ ہونا ہی ہوتا ہے اور اس میں نماز کی طرح صرف نیت ہی کافی نہیں جب تک کہ حج کے امور میں سے کوئی امر بجا نہ لائے اور وہ یہی لبیک پکارنا اور قربانی کے جانور کے گلے میں چمڑہ باندھنا ہے اس سے معلوم ہو گا کہ حج کرنے والا اس کام کو شروع کر رہا ہے۔

ف: تقلید الھدی بمعنے قربانی کے جانور کے گلے یا اس کے پاؤں میں چمڑہ وغیرہ باندھنا۔

فَلَا رَفَثَ پس جماع اور اس کے ماسوا وہ افعال جو جماع کا سبب بنتے ہیں۔ جیسے بوسہ دینا اور آنکھوں سے اشارہ کرنا نہ چاہیے کیونکہ یہ امور احرام میں حرام ہیں بلکہ عرفات کے وقوف سے پہلے تو اس سے حج فاسد ہو جاتا ہے اس کے بعد بھی قربانی واجب ہو جاتی ہے اور جماع کے اسباب یعنی بوسہ وغیرہ بھی حرام ہیں تاکہ ان کے ارتکاب سے جماع کا مرتکب نہ ہو جائے۔

مسئلہ: رفث اور اس کے ساتھ جو دیگر امور مذکور ہیں مثلاً فسوق اور جدال اگرچہ بظاہر بصیغہ نفی مذکور ہوئے ہیں جن کا مطلب یہ ہوا ہے کہ ان امور میں سے کوئی امر واقع نہ ہوگا لیکن اس سے نہی مراد ہے اس لیے کہ اسے اپنے اصلی معنیٰ نفی پر رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کی خبر میں کذب واقع ہوگا اور وہ کذب سے منزہ و پاک ہے اس لیے ظاہر ہے کہ ان امور میں اکثر کا حج کے دوران وقوع ہوتا ہے اس طرح نفی کو اپنے معنی پر رکھنا مناسب نہیں۔

سوال: پھر صاف طور نفی کا صیغہ کیوں نہیں لایا گیا؟

جواب: اس طریق سے مبالغہ ہوتا ہے یعنے نفی لا کر نہی مراد لی جائے تو مبالغہ ہو جاتا ہے اور یہاں بھی مبالغہ مطلوب تھا گویا مکلف انسان کو جب معلوم ہوا کہ مجھے ان امور سے روکا گیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے خوف کو مدِ نظر رکھ کر ان امور سے اجتناب کرے گا اس کے بعد گویا اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ حج کے دوران ان امور کا کوئی ... نہیں ... گا۔

وَلَا فُسُوقَ اور نہ ہی ارتکاب کر کے حدود شرع سے باہر نکلنا چاہیے تلاش میں اس کے تمام انواع داخل ہیں یہاں تک کہ حج کے دوران گالیاں بکنا یا کسی دوسرے کو گندے اور بُرے القاب سے یاد کرنا سب ناجائز ہیں۔ وَلَا جِدَالَ اور نہ ہی اپنے خادموں اور ساتھیوں اور بُرائی کرنے والوں سے لڑائی کرو اس لیے کہ لڑائی سے بُغض و عداوت بڑھتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت و الفت کم ہوتی ہے۔

مسئلہ دینی شرعی مسائل میں حجت کرنا وغیرہ جائز ہے خواہ بطریق مناظرہ کے بھی ہو۔

فِي الْحَجِّ حج کے دنوں میں۔

سوال یہ امور حج کے علاوہ دیگر اوقات میں بھی حرام ہیں پھر حج کے ساتھ خصوصی طور پر ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب تاکہ معلوم ہو کہ یہ امور دیگر اوقات میں نامشروع ہیں وہ دوران حج بہت زیادہ بُرے ہیں جیسے ریشم پہننا ویسے بھی حرام ہے لیکن نماز میں پہننا اس سے زیادہ اسی طرح نغمہ سرائی ویسے بھی ناجائز ہے لیکن قرآن میں اس سے اور زیادہ۔

ف تطریب یعنی حروف میں ایسا الحان اور آواز نکالنا جو سرود اور گانے کے مشابہ ہو اور یہ قرآن میں حرام ہے

مسئلہ قرآن مجید کو اچھے لہجہ سے اور اس کے قواعد کے ساتھ پڑھنا جائز ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اپنی آواز کو قرآن پاک پڑھتے وقت اچھا بناؤ اس لیے کہ قرآن میں اچھا آواز بنانا قرآن پاک کے حُسن کو بڑھاتا ہے۔ اور اچھا لہجہ بنانا رقت قلبی اور دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا سبب ہے اور یہ امام ابُوحنیفہ اور دیگر اسلاف رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے۔

وَمَا یہ شرطیہ ہے تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ اور وہ جو تم کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

یعنی جو نیکی بھی بندہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس سے ثواب دینا مراد ہے۔

ف تین گناہوں سے روکا ہے اور ہر نیکی کو حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے شر سے روکنے کے بعد نیکی کے ذکر میں کار خیر کی طرف برانگیختہ کرنا ہے۔

ف اچھا کلام کرنا بُرے کلام کے عوض اور تقویٰ کا عمل فسق کے بدلے عوام سے موافقت اور اخلاق حسنہ جدال کے بجائے بہتر ہے۔

وَتَزَوَّدُوا یعنے میدان محشر اور آخرت کے لیے سامان تیار کرو۔ برائیوں سے بچ کر فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ یہ بہترین زاد راہ پرہیزگاری ہے نہ یہ کہ طعام وغیرہ جمع کیا جائے۔

ف اس میں تحقیق یہ ہے کہ انسان کے لیے دو سفر ہیں۔ (۱) دنیا کا سفر۔ (۲) دنیا سے کُوچ کر جانے کا سفر۔ دنیا کے سفر میں بھی زاد راہ ضروری ہے اور اس کا زاد راہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی معرفت یہ ہے کہ بندہ ماسوی اللہ سے روگردانی کرے اور اس کی طاعت میں مشغول رہے اور اس کے احکام پر پابندی کرے اور اس کی مناہی کی مخالفت کرے اور یہ زاد راہ اس مسافر کی زاد راہ سے افضل ہے جو دنیا کا مسافر ہے اس لیے کہ دنیا کا زادِ راہ چند روز کے دکھ سے بچاتا ہے اور آخرت کا زادِ راہ دائمی عذاب سے محافظت کرتا ہے علاوہ ازیں دنیا کا زادِ راہ فانی ہے اور آخرت کا زادِ راہ دائمی لذات کی طرف پہنچاتا ہے۔

شانِ نزول اہل یمن کا طریقہ تھا کہ حج کے لیے روانہ ہو جاتے لیکن زادِ راہ ساتھ نہ لے جاتے اور کہتے کہ ہم تو متوکل الی اللہ ہیں اور یہ بھی کہتے کہ جب ہم بیت اللہ کو جا رہے ہیں تو پھر وہ ہمیں طعام کھلائے گا لیکن اس طرح سے لوگوں پر بوجھ بن جاتے اور مکہ میں پہنچتے ہی لوگوں سے سوال کرنے شروع ہو جاتے بلکہ لوٹ کھسوٹ تک نوبت پہنچ جاتی۔ اس لیے اللہ تعالٰے نے فرمایا خرچ لے جاؤ یعنی جو کچھ طلب کرتے ہو اور اپنے وجوہ کو روک دو۔ کیکر اور زیتون اور ستوں اور کھجور وغیرہ وغیرہ کے حصول سے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ لوگوں سے طعام نہ مانگو اور لوگوں کو تنگ نہ کرو اور ان پر بوجھ نہ بنو اس لیے کہ بہترین زادِ راہ سوال اور لوٹ کھسوٹ سے بچنا ہے۔

وَاتَّقُوْنِ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ اور مجھ سے ڈرو اے عقل والو۔ اس لیے کہ عقل کا خلاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالٰے کا خوف دل میں اور تقوٰی کی عادت ہو اس میں اللہ تعالٰے نے تقوٰی کی ترغیب دی ہے اس سے مقصدِ اصلی وہی خود ذاتِ حق ہے۔

ف: سالک کو چاہیے کہ ماسوی اللہ سے بالکل آزاد ہو جائے اور عقل جو خواہشات نفسانیہ کی خرابیوں سے محفوظ ہے، کا تقاضا بھی یہی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے صرف عقل والوں کو مخاطب فرمایا ہے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرا گویا اسے عقل کی دولت نصیب نہیں۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ عقل کو تمام غلط ملط وٹوں سے دور رکھے اور نفس کے تزکیہ میں لگا رہے اور اسے بلند مراتب اور اعلیٰ مناصب تک پہنچانے کی جدوجہد کرے۔ کسی شاعر نے کہا۔ ع

ولم ار فی عیوب الناس شیئًا
کنقص القادرین علی التمام

ترجمہ میں لوگوں میں سب سے بڑا نقص یہ پاتا ہوں کہ وہ اپنی تکمیل پر قادر ہونے کے باوجود پھر بھی کوتاہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت امام قدس سرہ فرماتے ہیں کہ انسان میں تین قوتیں رکھی گئی ہیں۔

(۱) قوت شہوانیہ بہیمیہ۔ (۲) قوت غضبیہ سبعیہ شیطانیہ۔ (۳) قوت وہمیہ عقلیہ ملکیہ۔

ان تمام عبارات سے مقصود یہی ہے کہ یہ قوتیں مغلوب ہو جائیں اسی اعتبار سے فلا رفث میں قوت شہوانیہ بہیمیہ کو مغلوب کرنا اور ولا فسوق میں قوت غضبیہ سبعیہ شیطانیہ کو دبانا مطلوب ہے قوت وہمیہ عقلیہ ملکیہ وہ قوت ہے کہ جس سے معصیت اور گناہوں پر غرور ہو جاتا ہے ولا جدال میں اشارہ ہے کہ قوت وہمیہ عقلیہ کو اپنے قابو میں رکھو یہ ایسی قوت ہے جو انسان کو اللہ تعالٰے کی ذات وصفات اور اس کے افعال واحکام اور اسماء میں جھگڑنے پر ابھارتی ہے یہی قوت لوگوں کو آپس میں لڑاتی ہے اور فتنہ اور شرارت اور دنگا فساد اسی قوت کی وجہ سے ہوتے ہیں چونکہ تمام شر ان تین قوتوں میں محصور ہیں اس لیے اللہ تعالٰے نے فرمایا: فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج یعنی جو شخص اللہ تعالٰے کی معرفت اور محبت کا ارادہ رکھتا ہے اور اسے اللہ تعالٰے کے نور جلال کی طلب ہے اور اللہ تعالٰے کے مخصوص بندوں کی لڑی میں منسلک ہونا چاہتا ہے تو اسے ان تین امور کے ارتکاب سے بچنا چاہیے۔

مسئلہ اہل شرع فرماتے ہیں جسے پیدل چل کر حج کرنے کی طاقت ہے تو اس کے لیے پیدل چل کر جانا افضل ہے۔ لیکن اس

طرح سے ضعف وکمزوری ہوجاتی ہے اور بدخلقی کا مظاہرہ کرنے لگ جاتا ہے اسی عمل سے کوتاہی کرجاتا ہے تواسے ہوا حج پڑھنا افضل ہے جیسے مسافر اور مریض کو روزہ رکھنا افضل ہے۔

حکایت سیدنا ابوجعفر امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حج کرنے والے کا حج نامنظور ہے جب تک کہ وہ تین کام نہ کرے ۔۱۔ پرہیزگاری جو اللہ تعالیٰ کے محارم سے بچائے ۔۲۔ حوصلہ جو اللہ تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رکھے ۔۳۔ جس کے ساتھ دوستی کرے اس کی صحبت اور دوستی کا حق ادا کرے ۔مسافر کو ان تینوں چیزوں کی اشد ضرورت ہوتی ہے خصوصاً حج کے مسافر کے لیے بہت زیادہ ضروری ہے جو بھی ان تینوں کو مکمل طور ادا کرتا ہے اس کا حج مکمل طور ادا ہوتا ہے ورنہ جتنی کوتاہی ہو گی اتنی ہی کمی ہو گی۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا۔ ؎

از من بگو حاجیؔ مردم گزائے را
کو آستیں خلق باز ار می درد
حاجی تو نیستی شتر است ازبرائے آنکہ
بے چارہ خار می خورد و بار می برد

ترجمہ میری طرف سے اس حج کرنے والے کو کہو کہ تم عوام لوگوں کو ستا کر حج پڑھنا بےکار ہے تیرے سے تو وہ اونٹ بہتر ہے۔ جو گھاس کھا کر لوگوں کے بوجھ سر پر اٹھاتا ہے۔

ف حج کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے ساتھی اور اونٹ والے سے الوداع سے پہلے ایک دوسرے کے حقوق بخشوا لیں مثلاً غیبت و شکوہ یا کسی دوسرے کی عزت پر حملہ کرنا یا کسی کا مال لینا۔ اس لیے کہ ان باتوں سے بہت تھوڑے لوگ بچتے ہیں اور چاہیے کہ اپنے رفیق کو تعریف کے کلمات سے یاد کرے اور ایسے ہی وہ شخص بھی اپنے آپ کو بچائے کہ جس کا عمل نامہ پاک ہے۔ یعنی اس کے گناہ معاف کر دیے ہیں۔ تاکہ وہ پھر گناہوں میں مبتلا نہ ہو جائے۔

تقریر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بندے کا اللہ تعالیٰ کی طلب کا قصد چند معلوم مہینوں یعنی اس عالم دنیا میں ہوسکتا ہے اس کے بعد جب اجل ختم ہوگیا تو کوشش کوئی فائدہ نہیں دے گی جیسے حج کے مہینوں کے بعد حج کا ارادہ رکھنے والے کی جدوجہد کوئی فائدہ نہیں دیتی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یوم یاتی بعض اٰیات ربک لاینفع نفسا ایمانھا الآیۃ جیسے حج والوں کے لیے حج کے میقات ہیں کہ وہاں سے احرام باندھتے ہیں اسی طرح سالک کے میقات ہیں یعنی جوانی کے ایام یعنے بالغ ہونے سے چالیس سال کی عمر تک یہی مطلب ہے آیت حتی اذا بلغ اشدہ اسی لیے مشائخ صوفیاء نے فرمایا: کہ بعد الاربعین نادر یعنی اگرچہ اس کے ارادہ اور طلب کا ظہور چالیس سال کے بعد ہوتا ہے لیکن باوجود ارکان کی تکمیل کے مقصد حقیقی کو پاتا نادر ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو طلب و صدق فی الارادۃ چالیس سال سے پہلے ہوتی ہے ہاں

وہ اسباب جو وصال الٰہی کے لیے متعین ہیں ان میں احتمال یہ ہے کہ وہ چالیس سال کے بعد ہوں کہ اس عمر میں اسے اپنا مقصود حاصل ہو جائے بایں طور کہ اپنی کوشش پر انتہائی طور اس کے شرائط و حدود ادا کر کے اس کے حدود کے دائرہ میں رہ کر زور لگائے۔
خلاصہ یہ کہ جس نے شباب کی وقت کی طلب ضائع کردی تو بڑھاپے اب منزلِ مقصود تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے اس وقت سوائے افسوس کے ہاتھ ملنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنا دودھ بگاڑ دے اور پھر امید چھاچھ اور گھی کی رکھے۔
البتہ بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے محروم نہ رہے اس عبادت سے اسے بہشت تو میسر ہو گی۔

حکایت ایک اللہ کا بندہ جامع مسجد کے دروازہ پر کھڑا خلق خدا کا منظر دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ مسجد لوگوں سے بھر گئی پھر اس سے کوئی جا رہا ہے کوئی آ رہا ہے وہ بندۂ خدا کہتا تھا کہ یہ سب کے سب بہشت کی بھرتی ہے اللہ تعالیٰ کے ہمنشیں کوئی اور لوگ ہیں۔ کذا فی تاویلات نجمیہ۔

ف: حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حج کے وقت کے اوقات مقرر ہیں وہ یہی ہے کہ بالغ ہونے سے چالیس سال کی عمر تک تین دور ہیں ہر زمانہ بمنزلہ ایک ماہ کے ہے پہلا دور نشوونما کا دوسرا جوانی کا تیسرا بڑھاپے کا اور وہ بعض ہے۔ بہ نسبت پہلے دو دوروں کے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے گائے کے وصف میں یوں فرمایا: لا فارض ولا بکر عوان بین ذالک اس میں ان تین زمانوں کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا۔ ع

عشق و شباب و رندی مجموعۂ مراد است
چوں جمع شد معانی گوئے بیاں تواں زد

تفسیر عالمانہ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ تمہارے اوپر کسی قسم کا گناہ نہیں جناح۔ میں عن القصد کو کہتے ہیں۔ اَنْ تَبْتَغُوا یہ کہ ارادہ اور طلب کرو۔ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ اپنے رب کے فضل اور اس سے رزق کو۔ اس سے مراد وہ نفع ہے جو تجارات میں ایام حج میں حاصل ہوتا ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئی جو کہتے تھے کہ حج کے ایام میں تجارت کے معاملات سے حج نہیں رہتا اور نہ ہی اونٹ والے کو حج کا ثواب ملتا ہے۔

مسئلہ: حج کے ایام میں تجارت مباح ہے کسی قسم کا گناہ نہیں لیکن افضل یہ ہے کہ ان ایام میں تجارت نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین۔ اخلاص کا تقاضا یہی ہے کہ ان دنوں میں سوائے اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت کے اور کوئی کام نہ ہو۔

حل لغات : افضتم میں ہمزہ تعدیت کا ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے ای دفعتم انفسکم یعنے اپنے نفسوں کو عرفات سے نکالو لیکن غروب شمس کے بعد وہاں سے وقوف کے بعد رجوع کرو۔

ف : تفسیر تیسیر میں ہے کہ یہاں پر افاضہ کا معنے اجتماع الکثیر فی الذہاب والمسیر ہے یعنی واپس ہونے اور چلنے میں کثیر اجتماع سے جانا۔

ف : عرفات جہاں حجاج ٹھہرتے ہیں اس جگہ کا علم ہے درحقیقت یہ تثنیہ بلکہ یہ ان اسماء میں سے ہے کہ جس پر کوئی حرف خواہ مخواہ زائد کیا جائے اس کے معنیٰ زیادتی کی وجہ سے معرفت کی خبر دینے کے لیے مبالغہ کیا گیا ہے۔

عرفات کی وجہ تسمیہ عرفات کو عرفات نام رکھنے کی کئی وجہیں ہیں

(۱) مروی ہے کہ حضرت جبرئیل نے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہما السلام کو اس جگہ کی تعریف سنائی توانہیں اس کے دیکھنے کا اشتیاق ہوا۔ جب انہوں نے اس مقام کو جانا پہچانا تو اس کا نام عرفات پڑ گیا۔

(۲) مناسک میں حضرت جبریل علیہ السلام نے عرفت کا دور تھا یعنی اسے بار بار ذکر کرتے ابراہیم علیہ السلام سے کہتے عَرَفْتَ وہ کہتے عَرَفْتُ اس بار بار کے تکرار سے اس کا نام عرفات ہوا۔

(۳) مروی ہے کہ جب سیدنا آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہشت سے نکالا گیا توانہیں ہند میں اور بی بی حوا علیٰ نبینا وعلیہا الصلوٰۃ والسلام کو جدہ میں رکھا گیا پھر یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کو تلاش کرتے رہے آخر اسی مقام عرفات میں ان دونوں کی ملاقات ہوگئی اور وہ دن بھی عرفہ کا تھا ان کی ملاقات اور ایک دوسرے کو پہچاننے کی بنا پر اس مقام کا نام عرفات رکھا گیا ان کے علاوہ دیگر وجوہ بھی تفاسیر میں مذکور ہیں۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ ٹھہرنا عرفات میں ہی واجب ہے جیسا کہ افاضہ کی اضافت سے معلوم ہوتا ہے اور مامور بہ بھی وہی ہے جب تک عرفات میں حاضری نہ دی جائے اور اس میں اگر ٹھہرا نہ جائے ادائیگی واجب نہیں ہوگی اس سے نتیجہ یہی نکلا کہ عرفات میں ٹھہرنا واجب ہے۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ تلبیہ و تہلیل و تسبیح و تحمید اور ثنا و دعوات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ مشعر حرام کے ہاں اس سے قزح مراد ہے اور قزح ایک پہاڑی ہے جس پر امام کھڑا ہوتا ہے۔ مغرب الکتاب میں ہے کہ میقدہ مشعر حرام میں قزح پر ایک مقام ہے چونکہ اس پر اہل جاہلیت آگ جلاتے تھے اس لیے اسے میقدہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

سوال : ذکر اللہ اور وقوف کے لیے اس مقام کی تخصیص کیوں؟

جواب : اس میں تنبیہ ہے کہ اگرچہ مزدلفہ کی ساری زمین پر کھڑے ہو کر ذکر اللہ جائز ہے۔ لیکن افضلیت قزح پہاڑی کے قرب میں ہے

ف : اس میں منافات نہیں ہے کہ مزدلفہ کی ساری زمین بھی مراد ہو اور افضلیت قزح کی پہاڑی کے قرب میں ہے جیسے عرفات کی ساری زمین ٹھہرنے کے لیے لیکن جبل رحمت کے قرب میں ٹھہرنا افضل و اعلیٰ ہے اور المشعر یعنے المعلم یعنے عبادت کرنے

ے جانے کی جگہ اور المشاعر بمعنی العلامات ۔ شعار سے ہے بمعنے علامت ۔

سوال : مشعر کو حرام سے کیوں موصوف کیا گیا :

جواب : اس مشعر کی حرمت کی وجہ سے کہ جن امور سے روکا گیا ہے ان میں ان امور کے ارتکاب کو حرام کیا گیا ہے ۔

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ اور اللہ کو یاد کرو جیسے اس نے تمھیں ہدایت دی ہے ۔ یعنے جیسے اس نے تمہیں ہدایت کی کہ اسے یاد کیا جاتا ہے مثلاً اس کا بہت زیادہ ذکر کرنا لیکن علی وجہ الخیفۃ یعنے ایسے ذکر کرو کہ جس میں رغبت و رہبت اور اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کے مشاہدہ کی طلب ہو جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو ۔ کانک تراہ جو حدیث میں کاف واقع ہے یہ کاف تشبیہ کا ہے اور اس سے مقصود محض تقیید ہے نہ کہ تشبیہ یعنی اسے یاد کرو اور ایسے طریق کے کہ جیسے اس نے تمہیں ہدایت دی ہے جس طرح اس نے تمہیں ہدایت دی اس سے تم ذکر الٰہی نہ کرو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہا جاتا ہے افعل کما علمتک ایسے کرو جیسے میں نے تمہیں سکھایا یعنی اس عبادت میں کاف تشبیہ کا نہیں بلکہ تقیید کا ہے ۔

سوال : اس آیت میں ذکر اللہ کا تکرار کیوں ۔ یہ تو فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے ؟

جواب : فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام میں ذکر کرنے کا محل و مقام بتایا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہاں ذکر کے لئے یوں ٹھہرنا پڑتا ہے اور اس میں ان مناسک کی تعلیم دی گئی ہے جو اس محل کے لائق ہیں دوسرے یعنی فاذکروہ کما ھدٰکم میں اس کے وجوب کا اظہار ہے کہ تم اسے ایسے یاد کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت دی گویا ہدایت کے بدلہ میں تم اس کا ذکر کرکے اس کا شکر ادا کرو اس میں ذکر کے وجوب اور اس کے کیف ذکر کا بیان ہے ۔

وَاِنْ یہ اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے اور یہ واو فارقہ ہے كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ ۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے پہلے لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ تم گمراہوں میں سے تھے یعنی تم ایمان و طاعت سے لاعلم تھے ۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان کو مقام نفس پر لسانی ذکر کی ہدایت دی پھر ذکر قلبی یعنی ذکر الافعال کی یعنی اس کی نعمتوں کا تصور پھر ذکر سر یعنے معاینۃ الانوار کی یعنے تجلیات و صفات کے علوم و مکاشفہ کی پھر ذکر روح یعنی انوار و تجلیات الصفات کے انوار کا مشاہدہ مع ملاحظہ نور الذات کی پھر ذکر خفی یعنی مشاہدہ جمال الذات مع بقاء الاثنینیہ کی پھر ذکر ذات یعنی شہود ذاتی کی کہ جس سے بندے اور ذات حق کے درمیانی حجابات اٹھ جاتے ہیں اور اگرچہ تم ان مقامات کی طرف ہدایت پانے سے پہلے ان اذکار کے طریقوں سے گمراہ تھے ۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا

تفسیر عالمانہ

ربط : بندوں کو ذکر اللہ کا حکم ہوا جب کہ واپس لوٹیں پھر حکم ہوا اٹھیں وہاں سے جہاں سے لوگ واپس لوٹیں اس میں ثم کے لفظ سے دوسرے کو پہلے پر مرتب کیا چنانچہ فرمایا : ثم افیضوا پھر لوٹو ۔

مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں یعنے عرفہ سے نہ کہ مزدلفہ سے ۔

شانِ نزول قریش مکہ اور ان کے حلفا یعنے حمس مزدلفہ میں ٹھہرتے اور کہتے ہم اللہ والے اور حرم کے مکین ہیں ہم تو حرم سے نہیں نکلیں گے عرفات میں وہ لوگوں کے ساتھ ٹھہرنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اس لیے کہ عرفات حل میں ہے باقی اہل عرب سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا والصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں عرفات میں ٹھہرتے جب دوسرے لوگ مزدلفہ سے واپس لوٹنے لگے تو وہ حمس بھی عرفات سے لوٹنے شروع ہوئے اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور انھیں حکم فرمایا کہ وہ عرفات میں ٹھہریں اور عرفات سے ہی لوٹیں جیسے دیگر لوگ کرتے ہیں ۔

ف : النّاس سے حمس کے سوا تمام عربی مراد ہیں اور حمس دراصل احمس کی جمع ہے اور احمس بہادر مرد کو کہتے ہیں نیز سخت اور متصلّب فی الدین والقتال کو کہا جاتا ہے اب قریش اور کنانہ وجدیلہ اور قیس کو کہا جاتا ہے اس لیے کہ اپنے معاملات میں بڑے سخت اور مضبوط تھے ایام منیٰ میں سایہ کے نیچے نہیں بیٹھتے تھے اور نہ ہی انہی ایام میں گھروں میں دروازوں سے داخل ہوتے بلکہ جو ان کا حلیف بنتا یا رشتہ ناطہ کرتا تو اس سے بھی یہی سلوک کراتے ۔

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالےٰ سے معافی مانگو ان غلطیوں کی جو تم نے زمانہ جاہلیت میں کیں ۔ حج کے مناسک کو تبدیل کر کے اور موقف کے بارے میں مخالفت کر کے ۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ بے شک اللہ تعالےٰ غفور الرحیم ہے بخشش مانگنے والوں کو بخشتا بلکہ ان پر انعام فرماتا ہے اس کے بعد حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ تمام لوگوں کو لے کر عرفات جا ٹھہریں ۔

حدیث شریف : مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کرام کے سامنے اہل عرفات کو دیکھ کر خوشی کا اظہار فرماتا ہے اور فرماتا ہے اے ملائکہ میرے بندوں کو دیکھو کہ دور دور سے میلے کچیلے کپڑے پہن کر آئے ہیں تم گواہ ہو جاؤ کہ میں نے ان سب کو بخش دیا ہے ۔

حدیث شریف : شیطان کسی ایک دن بھی ذلیل و خوار اور پریشان نظر نہیں آتا جتنا کہ عرفہ کے دن نظر آتا ہے اس کی وجہ وہی ہے کہ اس دن دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت موسلا دھار بارش کی طرح حجاج پر برستی ہے اور ان کے تمام بڑے بڑے گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کا سبب صرف یہی ہوتا ہے کہ انھیں اسی دن عرفات میں ٹھہرنے کا موقع نصیب ہوتا ہے ۔

حدیث شریف : سب سے بڑا گنہگار وہ ہے جو عرفات میں ٹھہرتے وقت گمان کرتا ہے کہ اس کے گناہ اللہ تعالےٰ بخشے گا یا نہ ۔

مسئلہ ایک حج بیس غزوات فی سبیل اللہ سے افضل ہے ۔

فضائل حج جس اونٹ پر سوار ہو کر حج پر جاتے ہیں اس اونٹ کو چالیس پشتوں تک برکت دی جاتی ہے اور جس پر سات بار حج کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر واجب ہے کہ اس اونٹ کو بہشت کے باغیچوں

یز، چراگاہ بنائے اس فضیلت کی تائید ذیل کی حکایت سے بھی ہوتی ہے۔

حکایت حضرت نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک آگ جلانے والا حمام کو گرم کرنے کے لیے کسی اونٹ کی ہڈیاں لے کر آیا اور انہیں آگ میں ڈال دیا تاکہ آگ بھڑک اٹھے وہ خود کہتا ہے کہ میں نے جونہی آگ میں ڈالا تو وہ ہڈیاں باہر آ پڑیں۔ دوبارہ میں نے انھیں ڈالا۔ پھر بھی وہ باہر آ گئیں تیسری بار میں نے انھیں آگ میں ڈالا تو وہ ہڈیاں میرے سینہ کو چمٹ گئیں اور وہاں سے ایک غیبی ہاتفی آواز آئی کہ تیرے لیے افسوس ہے تمھیں معلوم نہیں کہ یہ ہڈیاں اس اونٹ کی ہیں جو کہ شریف کی طرف بار بگیا اور اب انھیں آگ کیسے جلا سکتی ہے۔

سبق: جب حج کرنے والے کی سواری کا یہ شان ہے تو پھر حج کرنے والے کا کتنا مرتبہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ فضیلت بالنسبۃ الی العبد تین قسم ہے۔

سوال: فضیلت کو بالنسبۃ الی العبد کیوں کہا گیا ہے

جواب: نوع بہ نوع ہونا بندے کے احوال کے تغیر و تبدل کی وجہ سے ہوتا ہے حق کی صفات میں کسی صفت کو تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ ان تینوں اقسام میں سے پہلی قسم یہ ہے کہ اسے معاش تفسیر سے تعلق ہوگا جیسے مال۔ جاہ اور غذا اسی طرح ضروری لباس اس فضل کو رزق سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ فرمایا: وابتغوا من فضل اللہ دوسرا وہ جو بندے کے لیے اخروی مصالح سے تعلق ہو۔ یہ دو قسم ہے ایک وہ جسے اعمال بدن سے تعلق ہے بموافق شرع اور بمتابعت شارع اور شیطان شرلق کے فساد اور جھگڑے سے بچ کر چنانچہ فرمایا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا دوسرا یہ کہ اسے اعمال قلب اور تزکیہ نفس سے تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ مازکی منکم لحدکم ابدا ان تینوں میں سے تیسرا وہ ہے جسے صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے یہ دو قسم ہے پہلا یہ کہ اسے مواہب قربت سے تعلق ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وبشر المومنین بان لھم من اللہ فضلا کبیرا فضل کبیر سے قرب کبیر مراد ہے اس لیے کہ یہ دنیا و آخرت سے بہت بڑا ہے دوسرا وہ ہے کہ اسے مواہب وصلۃ سے تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ ذوالفضل العظیم۔ یہاں فضلِ عظیم سے مواہب وصلۃ مراد ہے۔ اور یہی تمام اقسام سے اعظم ہے۔

ف: طلب میں ان تمام کا علیحدہ علیحدہ مقام ہے مثلاً وہ کہ جسے مصالح اخرویہ سے تعلق ہے جسے فضل الرحمۃ سے تعبیر کرتے ہیں اس کی طلب میں ترک الموجود و بذل المجہود کرنا پڑتا ہے اور بذل المجہود سے یہی سیر الی عرفات مراد ہے اور وہ جسے ذات اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے یعنی فضل المواہب اس کی طلب عرفات میں ٹھہرنے کا نام ہے اور عرفات کا اشارہ معرفۃ کی طرف ہے اور ارکان الوصلۃ سے یہی بہت بڑا رکن ہے اور وہ جسے مصالح دنیویہ سے تعلق ہے یعنی فضل الرزق اس کی طلب کا مقام عرفات المعرفۃ کے وقوف کی تکمیل کے بعد عند الرجوع میں ہے۔

ف: آیت میں تقدیم و تاخیر ہے دراصل عبارت یوں تھی اذا افضتم من عرفات فلیس علیکم۔ یہ اس لیے کہ سالک کا ابتدائی مقام یہ ہے کہ ابتداً ترک دنیا کرے یعنی اس سے بالکل علیحدگی اختیار کرے اور اس کی درمیانی منزل یہ ہے کہ توکل و تفرید کو اپنائے

اوراس کی آخری منزل یہی ہے کہ اسے معرفت و توحید کا مرتبہ نصیب ہو۔ مصالح دنیویہ میں بھی وہ بچ کر آخری منزل تک پہنچ سکتا ہے۔
جسے قوت فی المعرفت حاصل ہوتی ہے لیکن اس کے لیے اس کی ہمت بلند ہو ورنہ مشکل ہے اس لیے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے قلوب حُبِ دنیا کی نجاست سے پاک وصاف کر کے الطاف خفیہ سے منور فرما دیتا ہے ایسے حضرات کے ہاں دنیا اوراس کی شہوات کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی آخرت کی نعمتوں اور اس کے درجات کی انہیں پرواہ ہوتی ہے وہ کسی چیز میں کوئی تصرف نہیں کرتے۔ ہاں ان کا تصرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوراس کی ذات میں گم ہو کر اور صرف اسی کے لیے ہوتا ہے حظوظ النفس کے لیے نہیں بلکہ وہ جو کچھ تصرف کرتے ہیں مصالح دین کے پیش نظر اور دوسروں کو بھلائی پہنچانے کی غرض سے اور بس۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)
حضرت عارف رومی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ ؎

کار پاکاں از قیاس خود مگیر
گرچہ یکساں در نوشتن شیر و شیر
شیر آں باشد مرد او را خورد
شیر آں باشد کہ مردم را درد

ترجمہ پاک لوگوں کا اپنے اوپر قیاس مت کر دیکھئے شیر شیر لکھنے میں یکساں ہیں لیکن شیر (دودھ) وہ ہے جو لوگ پیتے ہیں
اور شیر وہ ہے جو لوگوں کو پھاڑتا ہے۔
اے اللہ ہماری ہمت صرف اپنے تک محدود رکھ۔ آمین

تفسیر عالمانہ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ پس جب تم اپنی عبادات کو مکمل کرو جن کا تمہیں حج کے بارے میں حکم ہوا اور ان سے فارغ ہو جاؤ۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ پس اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جیسے تم اپنے آباؤ اجداد کو یاد کرتے ہو یعنی جاہلیت کی تمام عادات کو چھوڑ کر صرف اسلام کے طریقے اپناؤ اور اپنے رب کریم کے ذکر پاک میں مشغول ہو جاؤ۔

شان نزول اہل عرب کی عادت تھی کہ موسم حج میں جب حج کے مناسک ادا کرتے تو مسجد اور جبل کے درمیان منیٰ میں ٹھہر جاتے اور پھر یہاں اپنے آباؤ اجداد کی تعریف کے پل باندھ دیتے اور ان کی کارگزاریاں بیان کرتے اس سے ان کا مقصد یہی ہوتا کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی وجہ سے شہرت پالیں گے اور ان کی بدولت ہمارا نشان بلند ہوگا اللہ تعالیٰ نے ایسے غلط طریق سے روکا اور حکم فرمایا کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی بجائے اللہ تعالیٰ کا ذکر اوراس کی بزرگی اوراس کی ثنا کریں کیونکہ تمام بھلائی اس کے ذکر خیر میں ہے اور تمام خیر اسی سے ہی ملتی ہے اور ان کے آباؤ اجداد تو اس کے بندے ہیں انہیں یہ مراتب اللہ تعالیٰ نے ہی عطا فرمائے۔
شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

گر از حق نہ توفیق خیرے رسد

کے از بندہ خیرے بغیرے رسد

ترجمہ: اگر اللہ تعالے کی نوازش نہ ہو تو کون کسی کو خیر و بھلائی پہنچا سکتا ہے۔

اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا۔ یہ مجرور ہے اور اس کا عطف ذکر پر ہے اسے مجازاً ذکر بنایا گیا ہے یعنی اسے ایسے یاد کرو جیسے تمہارا ذکر تمہارے آباؤ اجداد سے متعلق ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت زیادہ ذکر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالے کا ذکر تمہارے آباؤ اجداد کے ذکر پر غالب ہو۔

قاعدہ افعل التفضیل کا قاعدہ ہے کہ اپنے مابعد کی طرف اس وقت مضاف ہوتا ہے جب کہ مابعد اس کے ماقبل کا ہمجنس ہو۔ جیسے کہا جاتا ہے وجہك احسن وجوہ یعنی تیرا چہرا تمام چہروں سے حسین و جمیل ہے اور جب افعل التفضیل کا مابعد ماقبل کا غیر ہو تو پھر اس کا مابعد منصوب ہوتا ہے جیسے زید افرہ عبداً اس مثال میں فراہت صرف عبد تک محدود ہے۔ زید کا اس سے کوئی تعلق نہیں آیت میں اشد سے پہلے ذکر مذکور ہے وہ ذکر مذکور نہیں ہو سکتا جب تک اسے اشد ذکراً نہ کہا جائے۔

سوال قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ یہاں پر اشد کو مضاف اور ذکر کو مضاف الیہ بنایا جائے جیسا کہ تم نے قاعدہ لکھا ہے؟

جواب یہاں پر ذکر کو ذاکر مجازاً قرار دیا گیا ہے۔ ۲۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذکر سے مراد ایسا ذکر جو انسان کا ذکر کرتا کر پہلے ذکر سے منسوب کیا گیا۔

فَمِنَ النَّاسِ پس ایسے لوگ بھی ہیں جو حج پہ حاضری دیتے ہیں مَنْ يَّقُوْلُ جو کہتے ہیں یعنی اللہ تعالے کے ذکر کو حصول دنیا کا ذریعہ بناتے ہیں رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا اے ہمارے رب ہمیں صرف دنیا ہی میں عنایت فرما دے جو کچھ بھی دینا چاہتا ہے یعنی ہمیں دنیاوی مال و متاع چاہیے جیسے جاہ و غنا اور نصرت علی الاعداء اور یہ حظوظ النقد ہیں۔ یہ مشرکین تھے جو ایام حج میں صرف دنیا مانگتے تھے۔ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ اور اسے آخرت میں کسی قسم کا حصہ حاصل نہیں ہوگا اس لیے کہ اس کا مقصد تو صرف حصول دنیا ہے کہ اس نے ایک اعلیٰ مقام پہ خسیس سے خسیس شے مانگی ہے اس کو چاہیے تھا کہ آخرت کی دائمی نعمتوں کا سوال کرتا اور مانگتا کہ اے اللہ مجھے آخرت کا دائمی اور بہت بڑا ملک عطا فرما لیکن اس نے اس سے اعراض کیا ہے فلہٰذا اسے آخرت میں کچھ نہیں ملے گا

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اور بعض ان میں وہ ہیں جو حج کی حاضری میں اس کے ذکر کے ساتھ دارین کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی عنایت فرما یعنی صحت و وجہ معاش بقدر ضرورت اور بھلائی کی توفیق۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ لفظ الحسنۃ جامع ہے ہر ان تمام بھلائیوں کو جو دارین میں نصیب ہوتی ہیں۔

وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً اور آخرت میں بھلائی۔ اس سے ثواب اور رحمت مراد ہے۔

ف حضرت ابو القاسم حکیم رحمہ اللہ تعالے فرماتے ہیں کہ حسنۂ دنیا سے سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت اور حسنۂ آخرت سے قبر سے خوشخبری دیا ہوا اٹھنا اور پلصراط سے آسانی سے گزر نا مراد ہے۔

وَقِنَا اور ہمیں بچا عَذَابَ النَّارِ دوزخ کے عذاب سے ۔

ف : حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حسنہ سے حسین و جمیل عورت اور آخرت سے حور مراد ہے اور عذاب النار سے بری عورت مراد ہے ۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : ع

چوں مرد باشد زن خوب روئے
بدیدار او بہشت ست شوئے

ترجمہ جس کی عورت حسین اور نیک ہو اسے دنیا میں بہشتی حور ملی ۔

خلاصۃ التفسیر : خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بکثرت کرو اور اپنی دارین کی سعادت اسی سے مانگو ۔

سوال آیت میں اس کا ذکر کیوں چھوڑ گیا جو صرف آخرت کا طالب ہو ؟

جواب وہ طالب آخرت جسے دنیا کی کسی شے کی حاجت نہ ہو ایسے لوگ عالم دنیا میں نہیں اور نہ ہی ایسے ہو سکتا ہے الا نادر اً ۔

اُولٰٓئِكَ اس میں دوسرے گروہ کی طرف اشارہ ہے یعنی وہ لوگ جو دنیا و آخرت کی بھلائی کے طالب ہیں اس لیے کہ پہلے گروہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے ومالہ فی الاخرۃ من خلاق فرما کر ان کا ذکر ختم کر دیا **لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا** اس آیت میں من تبعیضیہ ہے یعنی بہت بڑا عظیم حصہ حاصل ہے ان سے جو اعمال حسنہ صادر ہوتے ہیں اس سے وہ ثواب مراد ہے جسے ان کی نیکیوں کے منافع سے تعبیر کیا جاتا ہے یا من اجل کے معنی میں ہے ای من اجل ماکسبوا اس لیے کہ وہ لوگ اس ثواب حسن کے انہی اعمال کی وجہ سے مستحق ہوئے اس تقریر سے من ابتدائیہ ہوگا اس لیے کہ علت حکم کا مبدا ہوا کرتی ہے ۔

ربط اس کے بعد اپنی قدرت کی طرف اشارہ فرمایا موت سے ڈرا کر اور اعمال خیر کی طرف برانگیختہ کر کے چنانچہ فرمایا :

وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ۔

ف : حساب سے نفس جزاء مراد ہے جو کہ اعمال کی وجہ سے حاصل ہوگی اس لیے کہ حساب گرفت اور عطا کا سبب ہے اور سبب بول کر مسبب مراد لینا جائز اور شائع و ذائع ہے یعنے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کثرت اور ان کے بکثرت اعمال کے باوجود ایک لمحے میں حساب لے گا اس لیے کہ اسے ہاتھ کی گنتی اور قلب کی یادداشت اور نظر و فکر کی محتاجی نہیں ہے اسی لیے اسے کوئی کسی کا شان سے [illegible] ہے اس کی اطاعت میں کمی نہ کرو اور اس سے ڈرو یا یہ معنے ہے کہ قریب ہے قیامت قائم کر کے حساب لے گا ۔

فوائد : ف (۱) بعض متقدمین کے خطبات میں ہے کہ اب دنیا کے آخری لمحات میں اس کا صرف اتنا وقت رہ گیا ہے جیسے برتن سے پانی نکال لیا جائے تو اس سے چند قطرات ٹپک رہے ہوتے ہیں مومن کو ضروری ہے کہ وہ طاعات میں جلدی کرے اور نیکیوں کو عمل میں لانے اور ہر حال میں ذکر الٰہی میں مشغول رہے ۔

ف (۲) سیدنا حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے یاد کرو جیسے چھوٹا بچہ بچپن میں ماں باپ کو یاد کرتا ہے اور بار بار کہتا ہے ابا جی

اباجی وغیرہ ۔ اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ہر وقت کہے یارب یارب ۔

احادیث :

حدیث شریف (۱) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ کل قیامت میں لوگ سب سے زیادہ اس بندہ پر رشک کریں گے جو آمدنی میں کم اور کثیر الصلوٰۃ اور احسن العبادۃ ہوگا۔ اور تنہائی میں اس کی اطاعت میں سرگرم ہو اور لوگوں کی نظروں میں اتنا او جھل کہ لوگ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں اور اس کی آمدنی معمولی سی ہو اور وہ اسی پر خوش ہو پھر آپ نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ اسی طرح اس کی موت آئے گی اور اس پر رونے والی بہت کم ہوں گی اور گھر کا سازو سامان بھی بہت کم ۔

حدیث شریف (۲) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں اکثر فرمایا کرتے ”ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار“ ۔

تفسیر صوفیانہ فاذا قضیتم مناسککم یعنے جب تم تعلقات حقانیہ کے مناسک مکمل کر لو اور اہل کمال لوگوں کے مراتب علیا کو پہنچ جاؤ تو پھر بھی اللہ تعالےٰ کی گرفت سے بے خوف نہ رہو اور نہ ہی اللہ تعالےٰ کے افکار و وظائف سے غفلت کرو پس اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جیسے تم طفولیت کے زمانہ میں اپنے آبا کو اپنی ضروریات کے لیے عجز و انکسار کی وجہ سے پکارتے تھے اور حالت رجولیت میں محبت کے لیے محبت و اشتیاق کی بنا پر فخر کرکے ۔ پس اللہ تعالےٰ کو یاد کرو اپنے آپ کو محتاج ظاہر کرکے اور اس کی ذات پر فخر و ناز کرکے کیونکہ ممکن ہے کہ بچہ اپنے متولی کی وجہ سے اللہ تعالےٰ سے مستغنی ہو اور بڑا آدمی بھی غیر اللہ پر فخر کرے ۔ لیکن اللہ تعالےٰ کے بندے تو سوائے اپنے مالک کے نہ کسی کو حامی سمجھتے ہیں اور نہ دوست ۔ پس بعض اہل طالب اور اہل سلوک ایسے ہیں جو نفس کے حملہ اور اس کے دھوکہ و فریب کی وجہ سے کہ وہ واصل اور باکمال ہیں انہیں یہ بھول ہوگی اور حالات کے تبدل کی وجہ سے کہیں گے ”ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ“ یعنی ان کے نفوس دنیا کی طرف مائل ہوں گے اور اصلی مقصد کو بھول جائیں گے اور طالب ناقص گمان میں مبتلا ہوگا جو کہ اجتہاد کی دولت سے محروم ہو کر اللہ تعالےٰ کے ذکر کے طریق اور ریاضت نفس اور قلب کی نگرانی اور مراقبہ سر کو چھوڑ بیٹھے گا جس کی وجہ سے اس پر غلبۂ نفس اور شہوات نفسانیہ کا حملہ ہوگا اور شیطان اسے زمین میں حیران کرکے پچھاڑ دے گا جہاں تک کہ اسے جدائی اور فراق میں ڈال دے گا اس لیے آخرت میں اسے کوئی حصہ نصیب نہ ہوگا ومنھم اور بعض اہل وصول اور ارباب الفتوۃ ایسے ہیں جو کہتے ہیں ۔ ”ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ“ اے ہمارے رب ہمیں ظاہری نعمتوں میں سے کوئی نعمت جیسے کشوف و مشاہدات وانواع القربات و مواصلات عطا فرما ۔ ”وقنا عذاب النار“ یعنے جدائی و مفارقت کی نار اور فرقت کی گرمی سے بچا ۔ اولئک لھم نصیب“ ان لوگوں کے لیے (یعنی وہ جو واصل باللہ ہیں) بہت بھاری حصہ ہے ۔ مما کسبوا“ اس وجہ سے کہ انھوں نے مقامات و کرامات حاصل کیے اور جو انھوں نے مانگا انھیں حسنات سے عطا ہوا ۔ واللہ سریع الحساب“ اللہ ہر گروہ سے جلد حساب لینے والا ہے یعنے جو کچھ مانگتے ہیں انھیں عطا ہوتا ہے ان کے ارادوں کے مطابق اور ان کی ہمتوں کے موافق ۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ ، نمازوں اور قربانیوں کے ذبح اور رمی الجمار وغیرہ کے بعد اللہ تعالےٰ کی بڑائی بیان کرو ۔

فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ گنتی کے دنوں میں یعنے ایّام تشریق میں وہ قربانی کے بعد تین یوم ہیں پہلا ان کا ذوالحجہ کی گیارہویں کا دن ہے اسے یوم القر کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس دن لوگ منٰی میں قرار پاتے ہیں۔ دوسرا بارہویں کا دن ہے اسے یوم النفر الاول کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس دن لوگ منٰی سے پہلے جاتے ہیں۔ تیسرا دن تیرہویں ذوالحجہ کا ہے اسے یوم النفر الثانی کہا جاتا ہے یہی ایام مع یوم النحر نمازوں کے بعد تکبیرات اور کنکریوں کے مارنے کے ہوتے ہیں۔

حدیث شریف یوم عرفہ سے لے کر ایام تشریق کے آخر تک ہر نماز کے بعد تکبیر کہو۔

سوال انہیں معدودات سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

جواب اس لیے کہ وہ چند گنتی کے دن ہیں جیسے اللہ تعالٰے نے فرمایا: "دراھم معدودۃ ای قلیلۃ" اسی طرح الایام المعلومات و اللہ تعالٰے کے قول ویذکروا اللہ فی ایام المعلومات جو کہ سورہ حج میں واقع ہوا ہے ان ایّام سے مراد ذوالحجہ کے ایّام ہیں آخری دن ان کا یوم النحر ہے۔

ف تفسیر کواشی میں ہے معدودات معدودہ کی جمع ہے اور ایّام یوم کی جمع۔

سوال اور قاعدہ ہے کہ مذکر کی صفت مؤنث نہیں ہوتی اس لحاظ سے یوم معدودہ نہیں کہا جائے گا۔ یہاں پر قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ کہا جائے ایاما معدودات اس لیے کہ جمع مذکر واحد مونث کے ساتھ موصوف ہوتی ہے جیسے اللہ تعالٰے کے قول میں ہے: لن تمسنا النار الا ایاما معدودات

جواب اس کی وجہ یہ ہے کہ معدودات کو ایّام کے لفظ پر جاری کیا گیا یعنے جمع کو جمع کے مقابلے میں مجازاً کہا گیا ہے۔

فَمَنْ تَعَجَّلَ پس جو شخص عجلت کرے اور منٰی سے نکلنے کا ارادہ کرے **فِیْ یَوْمَیْنِ** یوم النحر کے بعد مکمل دو دن میں۔

مسئلہ انہی تین دنوں سے مکمل دو دن تو رمی جمار کے لیے گزارے پھر تیسرے روز صرف رمی جمار کر کے روانہ ہو جائے۔

فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ اس تعجیل میں اسے کوئی گناہ نہیں۔ اس کے لیے اجازت ہے کہ پہلے چلا جائے۔

مسئلہ سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰے عنہ کے نزدیک اس تیسرے روز میں طلوع فجر سے بے شک چلا جائے۔

خلاصۃ التفسیر حج کرنے والے پر ضروری ہوتا ہے کہ ایام تشریق کی پہلی اور دوسری رات منٰی میں گزارے اور انہی دنوں بعد زوال الشمس ہر روز شیطان کو اکیس کنکریاں مارے جو جمرہ عقبہ پر سات کنکریاں مارتا ہے اور یہاں پر رات نہ گزارنے کی اجازت صرف اس لیے دی گئی تاکہ مسافر لوگ رات کو باہر جنگلوں میں اپنے اونٹ چرا سکیں اسی طرح حجاج کو پانی پلانے والے لوگ آرام و سکون حاصل کر سکیں۔

مسئلہ جو شخص چاہے کہ پہلے اور دوسرے دن کنکریاں مار لی ہیں اب تیسرے، ان کی کنکریاں دوسرے روز اکٹھی مار لے اور اسی دوسرے روز منٰی میں چلا جائے تو جائز ہے اس کے لیے شریعت پاک نے وسعت رکھی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالٰے ہے: فَلَآ اِثْمَ سے معلوم ہوتا ہے

مسئلہ جو شخص ایام تشریق کے دوسرے روز کنکریوں سے فارغ ہوکر غروب شمس کے بعد منیٰ سے نہ جا سکا تو اب اس کے لیے ضروری ہے کہ اب منیٰ سے نہ جائے بلکہ یہ تیسری رات یہاں گزارے یہاں تک کہ تیسرے روز کی کنکریوں سے فراغت پاکر پھر منیٰ سے نکلے۔

وَمَنْ تَأَخَّرَ اور وہ جو منیٰ کو مؤخر کر دے یہاں تک کہ تیسرے روز رمی جمار کر کے جائے زوال سے پہلے یا بعد کو پھر نکلے جب رمی جمار سے فارغ ہو جائے۔ جیسے آج کل کیا کرتے ہیں یہی امام شافعی اور امامین رحمہم اللہ تعالےٰ کا مذہب ہے **فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ** تو اس پر کوئی گناہ نہیں تم نسی کو ترک کی وجہ سے آیت کا معنےٰ یہ ہے کہ حجاج تعجیل و تاخیر دونوں میں مختار ہیں۔

سوال کیا تاخیر افضل نہیں پھر آپ نے کیوں کہا کہ حجاج تاخیر و تعجیل میں با اختیار ہیں؟

جواب یہ اختیار فاضل اور افضل کی حیثیت سے ہے جیسے روزہ کے دنوں اختیار ہوتا ہے کہ وہ روزہ رکھے یا نہ رکھے لیکن اس کے لیے روزہ رکھنا افضل ہوتا ہے۔

سوال اس میں فلا اثم کا تکرار اور بار بار تصریح کیوں؟

شان نزول اور جواب اہل جاہلیت کا رد کرنا مطلوب ہے کہ ان میں دو گروہ تھے ایک کا خیال تھا عجلت کرنے میں گناہ ہے ایک انھیں یہ کہتا کہ تاخیر میں گناہ ہے اللہ تعالےٰ نے دونوں کا رد فرمادیا۔

لِمَنِ اتَّقٰى یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے اصل عبارت یوں تھی یعنے وہ جو مذکور ہوا اختیار اور عجلت کرنے اور تاخیر کرنے والے کی نفی اس کے لیے ہے جو اللہ تعالےٰ کا ڈر دل میں رکھتا ہے یعنی یہ حکم مخصوص ہے اس کے لیے جو مناہی سے بچتا ہے کیونکہ حقیقۃً حاجی تو وہی ہے جس کے دل میں اللہ تعالےٰ کا خوف ہے اور حج سے صحیح معنے میں نفع اٹھاتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالےٰ متقین سے محبت کرتا ہے اور انہیں کے اعمال قبول فرماتا ہے اور جو شخص گناہوں میں ملوث ہو کر حج ادا کرے اس کا حج قبول تو ہو جاتا ہے لیکن اسے ایسے حج سے فائدہ کوئی نہیں یعنی اگرچہ ایسے شخص کا فریضہ تو ادا ہو جائے گا لیکن حج کی روح اسے نصیب نہیں ہوگی اور وہ حج اسے نفع نہیں دے سکے گا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ حج کرتے وقت اور اس کے بعد بھی اللہ تعالےٰ سے ڈرو تاکہ تمھارے اعمال کا تمھیں ثواب ملے ورنہ گناہ تو نیکیوں کو کھا جاتے ہیں۔ جب قیامت میں اعمال تولے جائیں گے تو برائیاں نیکیوں پر غالب آجائیں گی۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ اور جان لو کہ تم قیامت میں اپنے اعمال کی جزاء و سزا کے لیے جمع کیے جاؤ گے۔ اس آیت میں تقویٰ کی تاکید ہے اور اس پر عمل کرانے کا سبب ہے اس لیے کہ جسے یہ ذہن میں آئے گا کہ میں نے قیامت میں اللہ تعالےٰ کے حضور پیش ہو کر اپنی زندگی کے ایک ایک لحہ کا حساب دینا ہے تو لازماً وہ تقویٰ و طہارت اور اس کے جمیع اسباب پر عمل کرنے کی جدوجہد کرے گا۔

ربط حج کی فراغت کے بعد لوگ گناہوں کا ارتکاب کرتے اللہ تعالےٰ نے انھیں گناہوں سے روکا تاکہ حج کی حیثیت ضائع نہ ہو جائے

ف حضرت ابوالعالیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حاجی قیامت میں حاضر ہوگا لیکن اس کے اعمالنامے میں کوئی گناہ لکھا ہوا

نہیں مٹے گا لیکن شرط یہ ہے کہ دوران حج اس نے طہارت و تقویٰ کو ہاتھ سے نہ جانے دیا ہو اور حج کے بعد اپنی بقایا عمر میں بھی حتی الامکان کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو جب کہ حج کے دوران اس کے تمام سابقہ بخش دیے گئے

مسئلہ گناہوں پر اصرار کرنے والا جب حج کرتا ہے اور گناہ بھی نہیں چھوڑتا اس کا حج قبول نہیں ہوتا۔

مسئلہ حج مبرور کی علامت یہ ہے کہ حج کے دوران سے دنیا کے ساتھ خس برابر بھی لگاؤ نہ ہو بلکہ اس کا دل آخرت میں لگ جائے جب ایسے طریق سے حج سے لوٹے تو اسے حج مبرور نصیب ہو گا اور گناہ سے مغفور ہو گا اور اس کی ہر دعا مستجاب ہو گی۔

نکتہ حاجی کو واپسی پر استقبال کے حکم میں یہی راز ہے کہ اگر وہ حج مبرور کر کے آرہا ہے تو اس کی دعا مستجاب ہو گی اس لیے جب اسے السلام علیکم کہا جائے گا تو وہ ملنے والے کے لیے دعا مانگے گا تو ملاقاتی کو اس کی مستجاب الدعوتی سے وافر حصہ نصیب ہو گا۔

حکایت حج مبرور کی ایک کہانی بڑی مشہور ہے وہ یہ کہ حضرت ابراہیم بن ادہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھی کے ساتھ حج سے واپس لوٹے جو وہ بھی بڑا نیک تھا اور اس کی رفاقت بلخ سے ہوئی حضرت ابراہیم بن ادہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رفیق کی کیفیت ہو گئی کہ وہ دنیا کو سہ طلاق دے چکا ہر وقت آخرت کے امور میں محو اور اپنے تمام ملک ملک مال کو چھوڑ کر اہل و عیال در خویش و اقارب سے علیحدگی اختیار کر چکا اور اپنے شہر سے دور کہیں جنگلوں میں گزارنے لگا اور مزدوری کر کے گزر اوقات کرتا کھیتی باڑی کرتا کبھی باغات کی نگرانی کرتا وغیرہ وغیرہ۔

سبق بہترین اور نیک انسان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے وعدہ قدیم کو نہ توڑے سالک کو چاہیے کہ جب نفس اسے اللہ تعالیٰ کا وعدہ توڑنے کا کہے تو اسے جواب دے۔ معاذ اللہ ان ربی احسن مثوٰی " یعنی ایسی غلطی سے پناہ مانگتا ہوں اس لیے کہ میرے رب نے مجھے بڑی شان بخشی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے۔

نقض میثاق و شکست توبہا
موجب لعنت شود در انتہا
چوں ترازوئے تو کثر بود و دغا
راست چوں جوئی ترازوئی جزا

ترجمہ میثاق کی خلاف ورزی اور توبہ توڑنے سے لعنت نصیب ہوتی ہے اگر آج تم اپنے ترازو کو غلط رکھتے ہو تو کل قیامت میں تمہارا حال برا ہو گا۔

حکایت کسی بزرگ کا واقعہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب میں حج سے فارغ ہو کر گھر آیا تو نفس امارہ نے مجھے برائی کی طرف ابھارا۔ ہاتف غیبی کی آواز میرے کانوں میں سنائی دی کہ افسوس ہے ابھی تو تو حج سے واپس آیا ہے اور پھر ایسی غلطی۔ اس طریق سے مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسی غلطی سے بچا لیا اور بفضلہ تعالیٰ اس وقت تک گناہوں سے محفوظ ہوں۔

سبق بعض گناہ بندے کے لیے دیدار حق سے حائل ہو جاتے ہیں جب کہ بندہ صرف اعمال پر بھروسہ کرے اور انہی پر اعتماد رکھے اور اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے غافل ہو جائے ۔

حکایت بعض ترک حضرت شیخ الاسلام احمد النامقی الجامی قدس سرہٗ کی صحبت سے باریاب رہتا اور اس کی گدی کے اوپر ڈھال کی طرح نور چمکتا دکھائی دیتا تھا اتفاقاً حج پر چلا گیا واپس لوٹا تو وہ نور اس سے جاتا رہا حضرت الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ سے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا پہلے تیرے دل میں عجز و انکسار اور تواضع و عاجزی بہت تھی اب تیرے اندر غرور آگیا ہے تو نے حج پڑھتے ہی دھوکہ کھایا اور سمجھا ہے کہ اب میں کچھ اور ہو گیا ہوں اس لیے تو اس بلند مرتبے سے گر گیا اب وہ وہ نور تیرے سے چلا گیا ہے اس لیے اب وہ نظر نہیں آتا ۔

سبق حاجی کے لیے خصوصاً ضروری ہے کہ حج کی واپسی سے اللہ تعالےٰ کے منہیات سے بچتا رہے اور صرف رزق حلال پر اکتفا کرے کیونکہ اللہ تعالےٰ صرف پاک شے کو قبول کرتا ہے ۔

حکایت ایک صاحب حج کر کے واپس لوٹے تو راستہ میں اسے اجل آپہنچی اسے ساتھیوں نے قبر میں دفن کر دیا دفن کرنے کے بعد یاد آیا کلہاڑا قبر میں رہ گیا چنانچہ اس کی قبر کھودی گئی اس کی حالت یہ تھی کہ اس کے دو ہاتھ اور پاؤں کلہاڑے سے باندھے گئے ہیں اس کے متعلق پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ اس نے حرام مال سے حج پڑھا تھا یعنے ایک ساتھی کا مال چرایا تھا اب اسی چرائے ہوئے مال سے حج پر گیا تھا ۔

سبق حدیث شریف میں ہے جو شخص حلال کمائی سے حج کو جاتا ہے تو اس کے ایک ایک قدم پر ستر ستر نیکی لکھی جاتی ہے اور ستر ستر گناہ معاف ہوتے ہیں اور ستر ستر مرتبے بلند ہوتے ہیں اسی طرح خالصہ کتاب میں مذکور ہے ۔

مسئلہ اگر کسی کو اپنے مال پر کسی قسم کا اشتباہ ہو تو وہ دوسرے کسی دوست سے قرضہ لے اور اپنا مال اپنے قرض کی ادائیگی میں دے ۔ (یہ ایک شرعی حیلہ ہے)

حکایت حضرت ابوالقاسم الحکیم رحمہ اللہ تعالےٰ کی عادت کریمہ تھی کہ وہ بادشاہوں سے نذرانے و تحائف منظور نہ فرماتے اگر اتفاقاً ان کا کوئی مال آپ کے ہاں پہنچتا اور آپ اسے اپنی ضرورت میں صرف کرنا چاہتے تو اسی قدر کسی دوست سے قرض لیتے اور بادشاہ کا دیا ہوا مال اسی قرضہ میں دے دیتے ۔

مسئلہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالےٰ سے بادشاہوں کے وظائف کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے وہی طریقہ بتایا جو حضرت ابوالقاسم رحمہ اللہ تعالےٰ کا تھا ۔ (کذا فی خزانۃ الفتاویٰ)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

ترجمہ: اور بعض آدمی وہ ہے جس کی باتیں حیوٰۃ دنیا میں تمہیں بھلی لگتی ہیں اور وہ اپنے خلوص قلبی پر اللہ تعالےٰ کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ پرلے درجے کا جھگڑالو ہے اور جب وہ پیٹھ کر واپس جاتا ہے تو زمین پر فتنہ فساد ڈالنے کے لیے دوڑ دھوپ کرتا اور کھیتی اور جانیں تباہ وبرباد کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ فساد سے راضی نہیں ہوتا اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ خدا تعالےٰ سے ڈر تو اسے ضد الٹا گناہ پر اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے سو ایسے بدبخت کو دوزخ کافی ہے اور وہ بہت بُرا بچھونا ہے اور بعض ایسے خوش قسمت لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی میں جان کی بازی لگا دیتے ہیں اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ اے ایمان والو! اسلام میں مکمل طور داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اس کے بعد کہ تمہارے ہاں روشن دلیلیں آچکی ہیں پھر بھی اگر تم لغزش کھاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالےٰ زبردست حکمت والا ہے اور یہ نہیں انتظار کر رہے مگر یہ کہ ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب سایہ دار بادلوں میں آئے یا ان پر فرشتے عذاب لاکر اتریں تو ان کا کام ہی تمام ہو جائے اور جملہ امور کا لوٹنا اللہ تعالےٰ کی طرف ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ اور ہر وہ انسان جس کا قول ظاہری طور تم کو خوش لگتا ہے اور تم بھی اچھا اور مستحسن سمجھتے ہو۔ اعجاب کہتے ہیں ہر اس اچھے اور مستحسن عمل کو کہ جس کا ظاہری بہت اچھا سمجھا جائے اور دل اس کی طرف میلان رکھے اور اسے بہت بہتر ماننا پڑے لیکن اس کی حقیقت معلوم نہ ہو سکے۔

ف حضرت امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ تعجب اس حیرت کو کہتے ہیں جو انسان کو بوقت جہل کسی سبب سے مانع ہو امام موصوف رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں اعجاب کی حقیقت مجھے اس طرح معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ظہور کا سبب ابھی تک مجھے معلوم نہیں ہو سکا۔

وَالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یہ قول سے متعلق ہے یعنی تمہیں اس کی تقریر خوش لگتی ہے بایں معنی کہ اسے دنیا سے تعلق ہے اور اس کا

تمہارے سے دعوئ محبت کا اظہار بھی صرف حصول دنیا کی خاطر ہے اسی بنا پر اس کا مطلب یہ ہے تمہیں اس کا قول اچھا لگتا ہے۔ اس کی حلاوت فصاحت کی وجہ سے وہ بھی صرف دنیوی لحاظ سے ورنہ آخرت میں تو اس کے کلام کا کذب اور قبح ظاہر ہو جائے گا۔

وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ اور کہتا ہے کہ جو بات میں کہہ رہا ہوں اللہ تعالےٰ شاہد ہے کہ میرے دل میں آپ کی محبت ہے اور اسلام کا میں شیدائی ہوں اور یہی میرا قلبی کلام ہے جس کی ترجمان میری زبان ہے یعنی میری زبانی بات میرے قلب کے موافق ہے۔

وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ یعنے وہ مسلمانوں کی عداوت اور ان کے ساتھ دشمنی میں ان کے ساتھ جھگڑالو ہے۔ خصام قتال وجدال کی طرح مصدر ہے اور یہ اضافت بمعنے فی کے ہے اور لد بمعنے شدۃ الخصومۃ ہے۔

شانِ نزول یہ آیت شریق بن اخنس بن شریف ثقفی کے حق میں نازل ہوئی اور وہ ویسے بھی حسین وجمیل اور شیریں کلام انسان تھا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دم بھرتا تھا۔

عقیدہ محبت کا دم بھرنا اور خلوص کا دعوئ کرنا لیکن اس میں صحیح طور موافقت نہ ہو صرف منافقت ہی منافقت ہو تو یہ ملاحدہ اور نادقہ کا شیوہ ہے ورنہ محب اور اصلی مسلمان وہ ہے جو وہی کرے جس پر اس کا محبوب راضی ہو۔

ایک شاعر کہتا ہے۔ ؎

تعصی الالہ وانت تظہر حبہ

ھذا العمری فی الفعال بدیع

لو کان حبک صادق لاطعتہ

ان المحب لمن احب مطیع

ترجمہ اپنے معبود کی نافرمانی کرتا ہے اور پھر اس کی محبت کا اظہار کرتا ہے واللہ قسم ہے یہ عجیب بات ہے کہ اگر تو محبت میں سچا ہوتا تو تو اس کی اطاعت کرتا کیونکہ محب وہ ہوتا ہے جو اپنے محبوب کا مطیع ہو۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا۔ ؎

بصدق کوش کہ خورشید زاید از نفست

کہ از دروغ سیہ روئے گشت صبح نخست

وَاِذَا تَوَلّٰى اور جب واپس لوٹتا اور آپ کی مجلس سے ہٹتا ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ غلبہ اور کسی طرح کی حکومت پاتا ہے تو سَعٰى فِي الْاَرْضِ الخ یعنے قدموں کے چلنے میں بہت تیزی کرتا یعنے دوڑنا کبھی عمل اور کسب میں کوشش کرنے کے لیے استعارہ کیا جاتا ہے۔

سوال سعی ہر دو معنوں میں زمین میں ہوتا ہے پھر اس کے بعد فی الارض کے لانے کا کیا مطلب۔؟

جواب اس طریق سے فساد کے لیے مبالغہ ہو جائے گا اس لیے کہ عرض کا لفظ عام ہے اپنے جمیع اجزاء کو اور قاعدہ ہے کہ ظرف اپنے تمام مظروف کو حاوی ہوتا ہے اب مطلب یہ ہوا کہ وہ شخص زمین کے جس حصے سے گزرتا ہے تو وہیں فساد ڈالتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ اس

عبارت سے اس کی مراد فساد ہی فساد ہے ۔

لِيُفْسِدَ فِيْهَا یہ سعی کی علت ہے یعنی وہ اس لیے جھگڑا کرتا ہے تاکہ زمین میں فساد ہو ۔ وَيُهْلِكَ اہلاک سے مشتق ہے بمعنے اضاعت یعنے ہلاک کرنا الْحَرْثَ بمعنے کھیتی وَالنَّسْلَ اجناس حیوان سے جو شے بھی مادی سے پیدا ہوا سے نسل کہا جاتا ہے جیسے نسل ینسل یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے کسی سے منفصل ہو کر خارج ہو ۔

ف حرث ونسل اگرچہ دراصل مصدر ہیں لیکن یہاں مفعول کے معنے میں ہے اس لیے کہ اولاد اپنے والدین کی نسل ہوتی ہے یعنے بچہ اپنے والدین سے منفصل ہو کر نکلا ۔ اور یہ ایسے ہے جیسے ثقیف میں اخنس (منافق)، نے کہا جب کہ اس کے پاس رات گزاری تو ان کے جانوروں کو ہلاک کر ڈالا اور ان کی کھیتی کو جلا دیا اس لیے کہ اس کے اور ثقیف کے درمیان عداوت تھی ۔ اسی طرح ظالم حکام کی عادت ہے کہ وہ اپنی رعایا پر ظلم کرتے ہیں ان کے بچے مروا دیتے ہیں اور ان کے اموال کو ضائع کرا دیتے ہیں یا یہ کہ ظالم پر ظلم کی وجہ سے اللہ تعالٰی بارش بند کر دیتا ہے تو ان کی کھیتی اور نسل میں نقصان پڑ جاتا ہے ۔

حدیث شریف جب قیامت میں حاکم کو جہنم کی سیڑھی پر ڈالا جائے گا تو سیڑھی حرکت میں آجائے گی اور اس کی حرکت اس قدر ہو گی کہ جہنم کا جوڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا اگر وہ حاکم عادل اور اللہ تعالٰی کا فرمانبردار ہو گا تو اس سیڑھی سے باسلامت گزر جائے گا اور اگر وہ بے فرمان حاکم ظالم ہو گا تو وہ سیڑھی پھٹ جائے گی تو وہ ظالم حاکم جہنم کے اندر گر جائے گا اور پچاس سال کی مقدار جہنم کے گڑھے میں چلا جائے گا ۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ اور اللہ تعالٰی اس کو دوست نہیں رکھتا یعنے اس سے اتنی نہیں اور اسے مبغوض رکھتا ہے بلکہ اس کام کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالٰی کا مبغوض ہے ۔

سوال اگر سوال کیا جائے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے جب فرمایا "لا یحب الفساد" حالانکہ وہ خود بھی تو اشیاء میں تغیر و تبدل فرماتا ہے یہی تو فساد کی حقیقت ہے ۔

جواب افساد کا لغوی معنے ہے "اخراج الشئی من حالتہ محمودۃ لا لغرض صحیح" یعنے اچھی شے کو بلا غرض فاسد کے لیے ظاہر کرنا اور اللہ تعالٰی کے کسی فعل میں غرض فاسد نہیں بلکہ اس کا ہر فعل محمود ہے اور نہ ہی وہ کسی کو غرض فاسد کا حکم دیتا ہے اور نہ ہی اسے دوست رکھتا ہے اگرچہ ہم اپنی ظاہر بینی کے لحاظ سے کسی فعل میں غرض فاسد دیکھیں تو وہ ہماری اپنی نگاہ کا قصور ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ افساد کی نسبت اگر مخلوق کی طرف ہو تو اس میں غرض فاسد کا اعتبار ہو سکتا ہے اور جب اس کی نسبت اللہ تعالٰی کی طرف ہو تو اس میں خیر ہی خیر ہوتی ہے ۔

وَإِذَا قِيْلَ لَهُ اور جب اس منافق مفسد کو بطور وعظ نصیحت کہا جاتا ہے ۔ اِتَّقِ اللّٰهَ اللہ سے ڈر اور اپنے گندے فعل و قول اور وہ فساد و نفاق و تخریب سے سرزد ہوتا ہے اس سے باز آ ۔ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ تو اسے وہ عار روکتی ہے جو اس کے اندر ہے اور وہ جاہلیت کے رسومات معاصی و آثم پر ابھارتے ہیں جن سے اسے روکا گیا ہے ۔

مسئلہ اس میں رد ہے اس واعظ کا جو چاپلوسی اور عناد ڈٹے در پے رہتا ہے یہ اس محاورہ سے ہے جو اہل عرب کہتے ہیں "اخذتہ بکذا"
یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کسی کو کسی فعل پر برانگیختہ کیا جاتا ہے اور اس پر اس کی لزومی بات کا اظہار کیا جائے اس میں با تعدیہ کی ہے
اس فعل کو مابعد کے ساتھ ملانے کے لیے جو اس کے ماقبل میں ہے ۔

فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ یہ مبتدا خبر ہیں یعنے ایسے بندے کی سزا اتنا کافی ہے کہ وہ جہنم میں دائمی طور داخل ہوگا اور یہ خلود اس فعل کی سزا ہے۔
جو اس نے ارتکاب کیا ہے اس میں وعید شدید ہے ۔ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ یہاں قسم محذوف ہے دراصل عبارت یوں ہے "واللہ
بئس الفواش جهنم" بخدا برا بچھونا جہنم ہے ۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا سب سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو کہے اللہ تعالے سے
ڈر اور وہ شخص اسے جواب میں کہے تو اپنا کام کر۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
سے عرض کیا گیا اللہ سے ڈرو آپ نے یہ الفاظ سنتے ہی اپنا چہرہ زمین پر رکھ دیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یہ عمل اللہ تعالےٰ کے
سامنے عبودیت کے اظہار کے لیے کیا ۔

ربط آیت بالا میں اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو اپنے دین کو دنیا کی طلب میں صرف کرتے ہیں چنانچہ فرمایا :
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ" اور بعض لوگ وہ ہیں جو اپنے نفس کو بیچتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں ۔

سوال آیت میں نفس کے بیچنے کا کیا معنےٰ ؛

جواب بندہ جب نماز روزہ اور حج وجہاد اور زکوٰۃ میں اللہ تعالےٰ کی طاعت کر کے اپنے نفس کو خرچ کرتا ہے اور اس طاعت کے
ذریعے اللہ تعالےٰ کے ثواب کو حاصل کر لیتا ہے تو گویا اس طریق سے اللہ تعالےٰ کے ہاں نفس بیچ کر اللہ تعالےٰ کے ثواب کو پایا۔
گویا اس نے اپنے نفس کو بیچا اس کے عوض جو اسے اللہ تعالےٰ کی طرف سے ثواب اور فضل نصیب ہوا ۔

ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ اللہ تعالےٰ کی رضا کی طلب کر کے ۔ وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ○ اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے
لیے رؤف ہے اسی لیے اپنے بندوں کو تقویٰ کا مکلف بناتا ہے اور ان کو ثواب کے لیے امور کی تابعداری کا حکم فرماتا ہے بندوں پر
اللہ تعالےٰ کی مہربانیوں میں سے ایک مہربانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے نفوس و اموال خریدتا ہے حالانکہ تمام اشیاء اسکی
ملک اور اس کا اپنا حق ہے اور پھر یہ ہے کہ بندوں کے نفوس و اموال لے کر اپنا بے بہا فضل اور بے پایاں رحمت عطا فرماتا ہے ۔

شان نزول حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ تعالےٰ عنہ مکہ سے ہجرت کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مدینہ منورہ
کو جا رہے تھے اس وقت آپ کی عمر ایک سو سال کی تھی آپ کے پیچھے مشرکین آ دھمکے آپ کے ساتھیوں کو
مشرکین نے آتے ہی قتل کر دیا حضرت صہیب کے پاس تیروں کا ترکش تھا اور آپ چوٹی کے تیر انداز تھے اور تیر بھی نشان پر لگتا تھا آپ
نے کہا اے قریشیو ! سن لو میری تیر اندازی اور نشانہ پر تیر لگانا میرا خاصہ ہے فلہٰذا میرے پاس جتنے تیر ہیں ایک ایک تیر تمہارے
ایک ایک کے دل پر ضرب کاری لگے گا اور جب تیر ختم ہو جائیں گے تو میرے پاس شمشیر براں ہے اس سے تمہارے بقایا کا صفایا کرونگا

اب تم جو چاہو کرلو اور میرا والپس لوٹ کر تمھارے پاس رہنا تمھیں کوئی فائدہ بھی نہیں اور سن لو میں بوڑھا آدمی ہوں میں نے چند روز کے بعد مرنا ہی ہے اور میرے پاس بہت مال ہے جو مکہ میں میرے گھر مدفون ہے تم والپس چلے جاؤ میں وہ مال تمھیں دیتا ہوں لیکن مجھے مدینہ طیبہ جانے دو اور میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور اس مرتے دم تک رجوع نہیں کر سکتا انھوں نے حضرت صہیب رضی اللہ تعالٰے عنہ کی بات مان لی ان کا مال کفار نے لے لیا اور آپ مدینہ طیبہ کی طرف چل پڑے جب حضرت صہیب رضی اللہ تعالٰے مدینہ طیبہ میں پہنچے تو سب سے پہلے آپ کی سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالٰے عنہ کی ملاقات ہوئی تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰے عنہ نے حضرت صہیب رضی اللہ تعالٰے عنہ کو مبارک دی اور فرمایا تجارت میں بہت نفع ہوا حضرت صہیب رضی اللہ تعالٰے عنہ نے عرض کیا وہ کیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آیت مذکورہ کے نزول کا واقعہ سنایا اس سے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے ۔

ف یہاں یشری بمعنی یشتری ہے اس لیے کہ اس میں ظاہر کے مطابق خرید و فروخت ہوئی ہے کیونکہ حضرت صہیب رضی اللہ تعالٰے عنہ نے اپنا نفس بچا لیا ۔

تفسیر صوفیانہ مومنین اپنے اختیار سے اپنے نفوس کو اللہ تعالٰے کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں ان کا ثمن انھیں بہشت نصیب ہوتی ہے لیکن اولیاء اللہ تعالٰے اپنے نفس کو اللہ تعالٰے کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو انھیں ثمن ملتا ہے یعنی رضائے الٰہی، عام مومنین اور اولیاء اللہ کے احوال میں بہت بڑا فرق ہے ۔

سبق سالک کو لازم ہے کہ اوطان بشریت سے نکل کر اپنی خودی سے اجنبی بن جائے بلکہ اپنے اقران سے بیگانہ ہو جائے یہاں تک کہ وہ مجاہد حقیقی اور شہید معنوی کے درجہ تک پہنچ جائے اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

غربوں کو مبارک ہو یہاں پر غریب سے یہی سالک مراد ہے اور فرمایا من مات غریبا فقد مات شہیدا ۔ جو شخص غربت میں مرتا ہے وہ شہید ہے یہاں پر مسافر سے بھی اس قسم کا سالک مراد ہے ان احادیث میں اشارہ ہے کہ سالک کو چاہیے کہ مخلوق سے منقطع ہو کر خالق سے تعلق جوڑے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ سالک عوام کی عادات و شہوات کے معاملات میں مخالفت کرے ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا اے انس جہاں تک تم سے ہو سکے باوضو رہا کرو اس لیے کہ جب ملک الموت روح قبض کرتے ہیں اور جو شخص باوضو ہو تو وہ شخص شہیدوں میں شمار ہوتا ہے لیکن یہاں پر وضو سے انقطاع عن الخلق الی الحق مراد ہے یعنے ماسوی اللہ سے فارغ ہو کر مرے ۔ جیسے تصوف کے قانون میں نماز سے اتصال باللہ مراد ہے ۔

حدیث شریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وضو پر مداومت کرو اس سے رزق میں وسعت پیدا ہوتی ہے جب ظاہری وضو ظاہری رزق کی وسعت کا سبب ہے تو پھر باطنی طہارت سے معارف والہامات و واردات کیوں نہ نصیب ہوں اس سے قلب زندہ ہو کر حیاۃ طیبہ نصیب ہوتی ہے اور نفس اپنے اوصاف رذیلہ کے ساتھ مٹ جاتا ہے یہ صرف اسے نصیب ہوتا ہے جسے جہاد حقیقی سے کوئی اثر حاصل ہوتا ہے جو شخص نفس کی قیود سے چھوٹ جاتا ہے تو موت اس کے اپنے اختیار

میں ہو جاتی ہے اور وہ دائمی طور زندہ رہتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

اے بسا نفس شہید معتمد

مردہ در دنیا و زندہ می رود

ترجمہ بہت سے اعلیٰ درجہ کے شہیدوں کو ظاہری طور موت آتی ہے لیکن درحقیقت وہ زندہ ہوتے ہیں۔

سبق بندے پر فرض ہے کہ وہ خلق سے عروج کرکے حق تک پہنچے نفس کی تمام ضروریات و حاجات سے بچ کر حق کے فنائے تام کو حاصل کرے یہی ہے تحصیل کل الخیرات و دفع کل الآفات جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف جاتا ہے تو اس کے جمال کو پا لیتا ہے پھر اس کے جلال کے مشاہدات میں غرق ہو جاتا ہے بلکہ رازِ حق کا راز دان بن جاتا ہے چنانچہ فرمایا، قل اللہ ثم ذرھم سالک کی پہلی منزل ترک الاموال دوسری ترک الاولاد تیسری منزل ترک النفس ہے۔ پہلی منزل طے کرنے پر سالک کو توحید الافعال کے جلوے نصیب ہوتے ہیں۔ دوسری منزل سے توحید الصفات۔ تیسری منزل سے توحید الذات اور یہی منزل تمام منازل سے اعلےٰ ہے

سبق دانا کو ضروری ہے کہ وہ ذکر اللہ کی کثرت کرے کیونکہ ذکر اللہ تصفیہ قلوب بلکہ اس کا مصقلہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون۔ اور سالک کو سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ اسے اپنا مطلوب حاصل ہو جائے۔ اے اللہ ہمیں مفلحین سے بنا۔

تفسیر عالمانہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے لوگو جو صرف زبان سے کلمہ پڑھتے ہو۔ یہ اس وقت ہے جب کہ یہ خطاب منافقین کو ہو۔ ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً اسلام میں پورے طور داخل ہو جاؤ یعنے پورے طور ظاہری و باطنی طور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔

ف: السلم بمعنے استسلام واطاعت ہے اور کافۃ ادخلوا کی ضمیر سے فاعل ہے اور یہ حال بمعنے عموم ہو کر جمع کے صیغہ میں ضمیر کی تاکید کرتا ہے یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے قام القوم کافۃ بمنزلہ قاموا کلھم کے ہے۔

ف کافۃ وقاطبۃ وعامۃ کی تا تانیث کی ہیں اگرچہ دراصل یہ تا تانیث پر دلالت کرتی ہے ان پر تا تانیث اس لیے داخل ہو گئی تاکہ ان الفاظ کو بمعنے کل جمیع کے منقول ہو یا معنے یہ ہے کہ ادخلوا فی الاسلام بکلیۃ یعنے اسلام میں کلی طور داخل ہو جاؤ اس میں غیر کو مخلوط نہ کرو۔

شان نزول اس تفسیر کی تقریر کے مطابق اہل کتاب کے اہل اسلام مراد ہیں کیونکہ ان کی عادت تھی کہ وہ اسلام میں داخل ہو کر پھر بھی اپنے بعض پرانے مسائل کی رعایت کرتے تھے جیسے کہ مروی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور آپ کے ساتھی تورات کے بعض مسائل کے پابند تھے مثلاً ہفتہ کی تعظیم اور اونٹ کے گوشت اور دودھ کی

تحریم اسی طرح دیگر اشیاء بھی جس سے دور رہنا اسلامی طور مباح سمجھتے تھے اگرچہ ان کے دین میں وہ اشیاء واجب تھیں اور وہ اسی طرح اس پر ثابت رہے جب کہ ان کی حلت کے معتقد تھے صرف طبعی طور ان کو عمل میں لانے سے وحشت کرتے اور عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تورات بھی تو اللہ کی کتاب ہے للہذا ہمیں اجازت بخشئے تاکہ ہم اسے رات کی نمازوں میں پڑھا کریں اس پر انہیں حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو امور منسوخ ہو گئے ان سے تم کسی پر بھی عمل نہ کرو اگرچہ ان میں بعض امور سے تم مانوس ہو تب انہیں ترک کرنا پڑیگا اور ان کے ترک سے وحشت بھی نہ کرو اس لیے کہ حق سے وحشت کیسی بلکہ وہ تو شیطان کو خوش کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا :

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اور شیطان کی پیروی نہ کرو۔ خطوات خطوہ کی جمع ہے خطوہ بالضم والسکون دو قدموں کی درمیانی مسافت کو کہتے ہیں یعنے ان راستوں پر نہ چلو جو شیطان کے ہیں اور نہ ہی ان کی اطاعت کرو جو کہ وہ اپنے ٹیڑھے راستوں کی طرف تمہیں بلاتا اور گندے وسوسے ڈالتا ہے اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے وساوس کے ذریعے تمہارے اسلام میں رخنہ ڈالے فَاِنْ زَلَلْتُمْ اگر تم ڈگمگا جاؤگے زلل دراصل قدم کے پھسلنے کو کہا جاتا ہے اور عرف میں حق اعتقاد اور صحیح عمل سے روگردانی کو کہتے ہیں اب معنے یہ ہوا کہ حق سے بھٹک کر علماً عملاً حق سے تجاوز کر جاؤ گے مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ بعد اس کہ تمہارے پاس دلائل آئے البینات بمعنے حجج یعنے دلائل وشواہد اس پر موجود ہیں جو تم اپنے داخل فی الاسلام ہونے پر دعویٰ کرتے ہو فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ پس جان لو کہ اللہ تعالے بے شک اپنے امر پر غالب ہے تمہارے انتقام سے عاجز نہیں۔ حَكِيْمٌ حکیم ہے حق ہی کا انتقام لیتا ہے۔

مسئلہ آیت میں غلط کاروں کے لیے زجر و توبیخ ہے خصوصاً ان کو جو داخل فی الاسلام ہو کر پھر عملاً واعتقاداً مذبذب تھے آیت کا محاورہ ایسے ہے جیسے باپ بیٹے کو کہے ان عصیت وانت عارف بی وبثمرۃ الخ اگر تو میری نافرمانی کرے گا پھر تو مجھے جانتا ہے کہ میں اپنے مخالف سے کیا کرتا ہوں یہ اس سے بلیغ ہے جب کہ زجر و توبیخ کو صراحۃً ذکر کیا جائے۔

مسئلہ جیسے آیت میں وعید ہے اسی طرح اس میں وعدہ کریمہ بھی ہے جیسا کہ لفظ حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم وہ ہوتا ہے جو اچھے اور برے امور کی تمیز رکھے جیسے حکیم برے کو سزا دیتا ہے اسی طرح اس سے امید رکھی جاتی ہے کہ وہ اچھے کو انعام و اکرام سے نوازے۔ بلکہ یہ اس کی حکمت کے لائق اور اس کی رحمت کے زیادہ قریب ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ یہ استفہام بمعنے نفی ہے اور نظر بمعنے انتظر ہے اب معنے یہ ہوا کہ جو دخول فی الاسلام چھوڑ کر اور شیطان کا پیروکار ہیں، وہ نہیں انتظار کر رہے اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ مگر یہ کہ اللہ تعالے کا عذاب ان پر آئے یہاں مضاف محذوف ہے ای عذاب اللہ کیونکہ اللہ آنے جانے سے پاک ہے اس لیے کہ ان دونوں کو حرکت وسکون مستلزم ہے کیونکہ یہ دونوں حادث ہیں اور قاعدہ ہے کہ جس پر حرکت وسکون صادق آسکیں وہ حادث اور مخلوق ہوا کرتا ہے حالانکہ ان سب کا خالق وہی اللہ تعالے ہے اور الٰہ قدیم کے شان میں مستحیل ہے کہ وہ مخلوق کی صفات سے موصوف ہو۔

حکایت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ سے سوال ہوا کہ زمین و آسمان پیدا کرنے سے پہلے اللہ کہاں تھا آپ نے فرمایا اس کی ذات کے متعلق مکان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب کہ وہ مکان سے پاک ہے وہ جیسے زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے تھا اب بھی ویسے ہی ہے۔ (والآن کما کان)

عقیدہ : اس آیت اور اس طرح کی دیگر آیات میں متقدمین کا عقیدہ ہے کہ ہمارا ان آیات کے ظاہر پر ایمان ہے اور باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اس لیے کہ ایک معنےٰ متعین کرنے پر اللہ تعالیٰ کی مراد کے خلاف خطا ہوگا اسی لیے ان میں سکوت اولیٰ ہے لیکن متکلمین کا خیال ہے ان جیسی آیات میں تاویل لازمی ہے ہر آیت میں علیحدہ علیحدہ مطلب لینا ہوگا۔

فِی ظُلَلٍ سایوں میں جو کر ہونے والے ہیں **مِّنَ الْغَمَامِ** بادل سے ظلل۔ ظلۃ کی جمع ہے جو شئے بھی اوپر سایہ کے طور ہو اسے عربی میں ظلۃ کہتے ہیں والغمام سفید رنگ اور رقیق بادل کو کہا جاتا ہے اور غمام کو اس لیے غمام کہتے ہیں کہ غمام بمعنے چھپانا اور چونکہ بادل سورج اور آسمان کو چھپا دیتا ہے اس لیے اس نام سے موسوم ہوتا ہے اور بادل کو اس وقت ظلۃ کہا جاتا ہے جب کہ وہ مجتمع اور تہ بر تہ ہو اب ظلل من الغمام کا مطلب ہوا متفرق قطعات جس کا ہر قطعہ نہایت ہی کثافت و غلظت کے ساتھ ہو اس اعتبار سے ہر قطعہ ظلۃً ہوگا۔ **وَالْمَلٰٓئِكَةُ** اور ان کے ہاں فرشتگان آئیں اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے امر لانے کے وسائط ہیں بلکہ حقیقۃً عذاب لاتے بھی وہی ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اب تمھارے ہاں دلائل مکمل ہو چکے ہیں اس کے بعد اب سوائے عذاب کے تمھارے لیے اور کوئی چارۂ کار نہیں۔

سوال انھیں بادل میں عذاب کیوں نہ نازل ہوا جیسے یونس علیہ السلام اور عاد اور شعیب علیہ السلام کی قوموں پر بادل میں عذاب آیا۔

جواب دراصل بادل میں رحمت (بارش) کا گمان ہوتا ہے۔

قاعدہ : جب اس شئے سے خلاف توقع عذاب نازل ہو تو زیادہ ڈراؤنا اور خوفناک ہوتا ہے اس لیے وہ شر جو ہمارے گمان کے خلاف ہو تو وہ زیادہ ہی غم میں ڈالتا ہے جیسے خلاف توقع کسی سے بھلائی حاصل ہو تو اس میں بہت زیادہ سرور ہوتا ہے اور پھر شر میں اس طریق سے زیادہ غم کیوں نہ لاحق ہو یہی وجہ ہے کہ سابقہ امم کے لیے صاعقہ گھبراہٹ میں ڈالنے والی کو شدید ترین عذاب قرار دیا گیا جب کہ انھیں بادل سے صرف بارش کی امید تھی لیکن خلاف توقع ان پر عذاب آگیا اس لیے اہل تفکر و تدبر پر آیت و بدا لھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون کا سمجھنا مشکل ہو گیا اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جن اعمال میں بہت سخت منہمک تھے اور اس خیال میں تھے کہ اعمال سے ہمیں بہت بڑی جزا ملے گی۔ لیکن ان کی توقع کے خلاف انھیں سزا ملی کیونکہ ان کا گمان یہی تھا کہ یہ ہماری نیکیاں ہیں حالانکہ وہ برائیاں تھیں جب ان پر معاملہ برعکس ظاہر ہوا تو گھبرائے۔

حکایت حضرت محمد بن واسع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ یہی آیت پڑھی اور اس میں تدبر و تفکر کیا تو۔ آہ آہ کرتے وفات پا گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) **وَقُضِیَ الْاَمْرُ** یعنے ان کے ہلاک کرنے کا معاملہ مکمل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ انھیں مٹا کر فارغ ہوا اس کا عطف یاتیھم اللہ پر ہے یہ بھی ھل ینظرون یعنے ان کی انتظار کے حیز میں داخل ہے۔

سوال: یاایھا اللہ الخ مضارع وقفی الامر ماضی مضارع سے ماضی کی طرف عدول میں کیا حکمت ہے؟

جواب: تاکہ حقیقت پر دلالت ہو گویا اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ معاملہ ہو چکا ہے۔

کہ اِلَی اللّٰہِ صرف اللہ تعالیٰ نہ کہ غیر کی طرف تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ہ لوٹائے جاتے ہیں تمام مخلوق کے امور اور ان کے اعمال قیامت میں اللہ تعالیٰ ان کے مابین فیصلہ فرمائے گا ثواب اور عذاب دینے والا صرف وہی ہے۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ فرمانبرداری میں ہی گزارے اور نافرمانی سے بچتا رہے اور خواہشاتِ نفسانیہ اور شیطان کی پیروی سے کنارہ کش رہے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے اللہ نے میری امت کے متعلق مجھے فرمایا کہ میں ان سے شیطان کو دور بھگاتا ہوں لیکن وہ الٹا میری نافرمانی اور شیطان کی تابعداری کرتے ہیں۔

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ؏

کجا سر بر آریم ازیں عار و ننگ
کہ با او بصلحیم و با حق جنگ
نظر دوست نادر کند سوئے تو
چو در روے دشمن بود روئے تو
ندانی کہ کمتر نہد دوست پائے
چو بیند کہ دشمن بود در سرائے

ترجمہ: ہمارے شرم سے سر جھکے ہوئے ہیں کہ شیطان سے ہماری صلح اور حق سے جنگ ہے تیرا دوست تجھے کس طرح نظر شفقت سے دیکھے جب تیری توجہ اس کے دشمن کی طرف ہے تجھے معلوم ہے کہ دوست اس گھر میں نہیں آتا جہاں اس کا دشمن قیام گزین ہو۔

سبق: انسان کی سب سے بڑی عبادت اپنے سے شیطان کو دور رکھنے اور نفس کو ملامت کرنے میں ہے۔

حکایت: ایک شخص نے مسلسل چالیس سال روزے رکھے اسے ایک ضرورت درپیش تھی اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو قبول نہ ہوئی اس پر اس نے اپنے نفس کو ملامت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ساری تیری ہی نحوست ہے اس کے اس عمل سے اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا اے میرے نبی علیہ السلام اس بندہ کو بلا کر فرمایئے کہ تیرا نفس کو زجر و توبیخ اور ملامت کرنا میرے نزدیک چالیس سال کے روزوں سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ ؏

خورندہ کہ خیرے بر آید ز دست
بہ از صائم الدہر دنیا پرست

اس روزہ دار دنیا پرست سے وہ روزہ نفلی نہ رکھنے والا بہتر ہے جو دوسروں کو خیر اور بھلائی سے نوازتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: یایھا الذین آمنوا ادخلوا اس کا معنے عام بھی ہے اور خاص بھی عام تو یہی ہے کہ یہ خطاب عام مومنین کو ہے یعنے جتنے لوگ اس آیت پر ایمان لائے (اب معنے یہ ہوا کہ اے) لوگو!! اسلام کے ظاہری اور باطنی شرائط کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جاؤ اسلام کے منجملہ شرائط میں سے ایک وہ ہے جو حضور علیہ السلام نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے اہل اسلام کو سلامتی ہو۔ اور مومن وہ ہے کہ جس کے شر سے اہل ایمان کو امن ہو اور معنے خاص یہ ہے کہ آیت میں خطاب خاص ہے یعنی اس میں حضرت انسان کے تشخص اور اس کے جمیع اجزاء ظاہرہ و باطنہ کو خطاب ہے اس لیے انسان پر لازم ہے کہ اپنے ہر عضو کو اسلام میں داخل کرے مثلاً آنکھ کو دیکھنے کے اسلامی عمل میں اور کان کو سننے اور منہ کو کھانے اور فرج کو شہوات اور ہاتھ کو پکڑنے اور پاؤں کو چلنے میں مشغول رکھے اور ان اعضاء کا اسلام میں داخل کرنے کا معنے یہ ہے کہ ہر ایک عضو امر الٰہی میں بجا لائے اور نواہی سے بچنے میں چست و چالاک ہو بلکہ جہاں تک ہو سکے لایعنی امور سے دور رہیں اور جو امور قابل عمل ہیں ان کے بجا لانے کے درپے ہوں یاد رہے کہ اجزاء ظاہرہ کو شرائع اسلام میں داخل کرنا تو منافق کو بھی حاصل ہے۔ مقصد تو یہ ہے کہ اجزاء باطنہ کو شرائع اسلام میں داخل کیا جائے اور وہ یہ کہ دشمنان اسلام کے سامنے سینہ سپر ہو جائے اور کامل اکمل بزرگوں کے مراتب تک پہنچنے کی جدوجہد کرے باقی رہا نفس کے اسلام میں داخل ہونے کا معنے وہ یوں ہے کہ نفس اپنے صفات ذمیمہ کے کفر سے توبہ کرے اور اپنی من بھاتی باتوں کو یک لخت طلاق دے دے اور عبادت الٰہی میں مطمئن نظر آئے تاکہ اسے بھی اللہ تعالےٰ کے مخصوص بندوں اور مخلصین میں شمولیت کا استحقاق حاصل ہو جنھیں اللہ تعالےٰ نے یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الآیۃ میں خطاب فرمایا ہے اور قلب کا اسلام میں داخل ہونے کا معنے یہ ہے کہ اسے نفس کے اخلاق رذیلہ سے پاک و صاف رکھے اور اسے روحانی اخلاق و عادات سے سنگارے اور روح کا اسلام میں داخل ہونے کا معنے یہ ہے کہ اسے اخلاق الٰہیہ سے متصف کیا جائے اور احکام ازلیہ کے سامنے سر جھکانے کی عادت ڈالی جائے اس پر تصرف جذبات الٰہیہ کا دباؤ ڈال کر ماسوی اللہ کے تعلقات اور ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے سے دور رکھا جائے اور سر کے اسلام میں داخل ہونے کا معنے یہ ہے کہ بندہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جائے ولا تتبعوا خطوت الشیطٰن یعنے شیطانی سیرت اور اس کے طریقے جیسے حق کا انکار اور تکبر کو نہ اپنائے کیونکہ یہ اسلام کے نقیض ہیں انہ لکم عدو مبین تمہاری عداوت اس کے دل میں راسخ ہو چکی ہے فطرتی طور تم اور وہ ایک دوسرے کے مخالف ہو وہ تمہارے نور فطرتی کو نہیں مانتا بلکہ وہ خود بھی ناری الخلقت ہے اس لیے چاہتا ہے کہ تم بھی اس کی طرح ناری بن جاؤ نوری نہ رہو وہ تمہارا دوست نما دشمن ہے۔ فان زللتم یعنے اسلام حقیقی کے سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ جب کہ تمہارے پاس کمال الصفات کے تجلیات کے دلائل آچکے ہیں فاعلموا ان اللہ عزیز وہ عزیز ہے اس لیے کہ اپنی اس بلندی مرتبہ کی وجہ سے اپنی طرف کسی ذلیل اور کمینے کو راہ نہیں دیتا جو نہایت کمزور اور ہمت اور ضعیف النظر ہو حکیم وہ ایسا حکیم ہے کہ وہ اپنی عزت کے پردوں کے قریب جسے چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے ھل ینظرون الخ نہیں انتظار کرتے مگر اللہ تعالےٰ انھیں جلوہ دکھائے صفات قہریہ کے

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍؕ وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ○ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْاۘ وَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِؕ وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِؕ وَ مَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْۚ فَهَدَی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖؕ وَ اللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ○

ترجمہ : بنی اسرائیل سے پوچھئے کہ ہم نے انھیں کتنی واضح دلیلیں عنایت فرمائیں اور جو شخص اللہ تعالےٰ کی طرف سے آئی ہوئی نعمتوں کو بدلتا ہے تو اللہ تعالےٰ عذاب دینے والا ہے کافروں کو دنیوی زندگی انھیں آراستہ محسوس ہوتی ہے اور وہ اہل اسلام سے ٹھٹھہ مخول کرتے ہیں اور قیامت میں متقی لوگ درجات میں ان سے بلند و بالا ہوں گے اور اللہ تعالےٰ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے تمام لوگ ایک دین پر تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ہاں سچی کتابیں نازل فرمائیں تاکہ لوگوں کے اختلافی امور کا فیصلہ فرمائیں اور کتاب میں اور کسی نے اختلاف نہیں کیا مگر ان لوگوں نے کہ جنھیں آسمانی کتابیں عطا ہوئیں وہ بھی اس کے بعد جب ان کے ہاں روشن دلائل آچکے صرف آپس میں سرکشی کی وجہ سے پس اللہ تعالےٰ نے اپنے حکم سے ایمان والوں کو حق کی ہدایت دے دی جس میں ان کے مخالفین جھگڑ رہے تھے اللہ تعالےٰ جسے چاہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے کیا تمہارا خیال ہے کہ تم بھی بہشت میں داخل ہو گے اور ابھی تمھارے ہاں ان لوگوں جیسا عجیب واقعہ پیش نہیں آیا جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں انھیں سختی اور تنگی پہنچی اور جنبشیں آئیں یہاں تک کہ رسول اور ان کے ساتھ والے مؤمن کہتے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب ہوگی یاد رکھو اللہ تعالےٰ کی مدد قریب ہے ۔

بقیہ صفحہ گذشتہ ۔

۔ سایوں میں جو وہ بھی منجملہ ان صفات کے تجلیات سے ہیں جو ذات کے شمس کو چھپاتی ہیں یعنے قوای سماویہ کے ملائکہ اور لوح محفوظ میں ان کے ہلاک کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے فانی فی اللہ بن کر اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے ۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ ، سَلْ یہ خطاب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ہے یعنے اے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پوچھیے یا یہ خطاب ہر اس شخص کو ہے جو اس خطاب کا اہل ہے بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اے بنو اسرائیل اس سے وہ بنی اسرائیل مراد ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں موجود تھے اور ان میں سے بھی وہ جو ان سب کے سردار تھے کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ ہم نے ان کے اباؤ اسلاف کو کتنا عنایت فرمائے ۔ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ان کے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے معجزات ظاہرہ ۔

ف اہل فہم کو معلوم ہے کہ معجزات اللہ تعالے کی طرف سے عطا ہوئے مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کا ہاتھ سفید ہو جانا اور من وسلویٰ کا نازل کرنا وغیرہ وغیرہ اور آیات سے ان کی وہ کتابیں جو آپ کے دین اسلام کی شاہد ہیں ۔

کم اٰتینٰھم یہ محلاً منصوب ہے یا مجرور اعنی کو سل کا مفعول ثانی ہے اس لیے کہ یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے ۔ پہلے کی طرف خود اور دوسرے کی طرف بواسطہ حرف جر یعنی عن یا با رسے جیسے کہا جاتا ہے سالتہ عن کذا و بکذا ۔ اللہ تعالے نے فرمایا فاسـل بہ خبیرا کبھی حرف جر محذوف بھی ہوتا ہے اسی قاعدے کے اعتبار سے کم اٰتینٰھم کو منصوب اور مجرور ہر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے اور لفظ کم کی تمیز من اٰیة بینة ہے ۔

قاعدہ نحوی قاعدہ ہے کہ جب کم اور اس کی تمییز میں فاصلہ ہو تو من کا لانا احسن و افضل ہے جیسے یہاں ہوا ۔

ف یہ سوال تقریع و تبکیت کا ہے جیسے قیامت میں کفار سے سوال ہوگا تو وہ بھی تبکیتا ہوگا نیز معجزات کے آنے کی تقریر بھی ہے یہ کم استفہامیہ خبریہ ہے اس لیے استفہام مراد نہیں ۔

وَمَنْ یُّبَدِّلْ تبدیل بمعنے تغییر الشئ علی غیر ما کان علیہ یعنے شئے کا اپنے اس حال سے بدل دینا جس پر وہ پہلے تھی یعنے وہ جو تبدیل کرتا ہے نِعْمَةَ اللّٰهِ اللہ تعالے کی نعمت کو یعنے اس کی آیات روشن اس لیے کہ یہی ہدایت کا اصل ہیں اور ہدایت ہی تمام نعمتوں سے افضل نعمت ہے اور ان کا نعمت کو تبدیل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالے نے ان آیات کو ان کے لیے اس لیے ظاہر فرمایا تاکہ یہی آیات ان کی ہدایت کا سبب بن جائیں لیکن انہوں نے ان آیات کو گمراہی کا سبب بنا لیا انہی کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے اور ان نعمتوں کے شکر کو چھوڑ دیا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ اس کے بعد انہیں وہ نعمتیں نصیب ہوئیں اور وہ انہیں پہچان بھی چکے ۔

سوال آیات کے لیے بما ء تہ سے تصریح کیوں کی ہے حالانکہ ان کی تبدیلی قبل از وقت ناممکن ہوتی ہے ۔ ؟

جواب اس طرف اشارہ ہے کہ کفار نے ان آیات کو تفاصیل سے جاننے کے باوجود تبدیلی میں کسی قسم کی کسر نہ چھوڑی ۔

فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ بے شک اللہ تعالے سخت عذاب دینے والا ہے یہ من شرطیہ کے جواب کی علت ہے گویا یوں کہا گیا کہ وہ دنیا و آخرت کے سخت عذاب دینے والا ہے اور انہیں اللہ تعالے نے دنیا میں قتل کرا کر عذاب دیا جیسے بنی قریظہ کا حشر ہوا اسی طرح انہیں جلاوطن کر دیا جیسے بنو نضیر کے ساتھ ہوا اور قیامت میں جہنم کی آگ میں عذاب دیے جائیں گے ۔

مسئلہ حضرت ابن المجید رحمہ اللہ تعالے نے فرمایا نعمت کو لاعلمی میں تبدیل کرنا بھی جرم ہے اور عمداً تبدیل کرنا تو اس سے زیادہ

گناہ ہے اس لیے ان علماء کو سخت سزا ملے گی جو علم ہوتے ہوئے گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں بہ نسبت لاعلم اور جاہل لوگوں کے کیونکہ بھی جہل کا عذر بھی قبول ہو جاتا ہے اگرچہ باب التکالیف میں عذر ناقابل قبول ہوتا ہے۔

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا کافروں کے لیے حیوٰۃ دنیا کی زینت دی گئی یعنے ان کی آنکھوں میں دنیا کی محبت حسین بنا دی گئی اور ان کے دل میں اس کی محبت راسخ کر دی گئی یہاں تک کہ اس کی محبت میں اندھے ہو گئے اور اس پر ٹوٹ پڑے ہیں اس کے بغیر سے روگرداں ہیں۔

سوال تزئین کو اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کیا گیا ہے؟

جواب اس کا خالق اور موجد وہی ہے خلق اور ایجاد کی نسبت کی حیثیت سے اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ہے بھی ایسے ہی کہ کوئی شے نہیں کہ جس کا خالق اللہ تعالیٰ نہ ہو خواہ وہ شیاطین ہو یا قوائے حیوانیہ۔ دنیا میں جتنے ہی عجیب امور اور اچھی چیزیں ہیں سب کی سب عارضی طور مزیں ہیں۔

وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا اور کفار مومنین فقراء سے ہنسی مذاق کرتے ہیں جیسے عبداللہ بن مسعود اور عمار اور صہیب اور بلال اور حبیب وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور انھیں رذیل سمجھتے ہیں اور انھیں کہتے ہیں کہ ان حضرات نے خواہ مخواہ بھی دنیا کی لذات کو ترک کیا اور عبادات سے اپنے نفوس کو نقصان میں ڈال رہے ہیں اور دنیا کی خوشیاں اور کرامات کو ترک کر بے اس کا عطف زُيِّنَ پر ہے اور جملہ میں من ابتدائیہ ہے گویا ٹھٹھہ مخول کا آغاز کفار کی طرف سے ہوا۔ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا اور وہ لوگ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور فقر کو اختیاراً قبول کیا۔

سوال جب یہاں پر اطاعت اور اختیاری فقر مراد ہے تو پھر اسے تقویٰ سے معنون کرنے کا کیا فائدہ ہے۔

جواب تاکہ اشارہ ہو جائے کہ اہل ایمان کا دنیا کا ترک اس کی خرابیوں کے ڈر سے ہے کہ وہ دنیا بہت سے دینی امور میں خلل ڈالتی ہے بلکہ جناب قدس تک پہنچنے نہیں دیتی اور اپنے میں ایسے مشغول کر دیتی ہے کہ لمحہ بھر بھی یاد الٰہی کے لیے فرصت نہیں دیتی اس میں ایک اور اشارہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب صرف اسے نصیب ہو سکتا ہے جو مومن متقی پرہیز گار ہو۔

فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنے مومنین قیامت میں کفار سے مراتب میں بلند ہوں اس لیے کہ مومن اعلیٰ علیین میں ہوں گے اور کفار اسفل السافلین میں۔ اس اعتبار سے مومنین کو کفار پر تحقیق فوقیت حاصل ہو گی یا کہ مومنین اکراماً واعزازاً بہت بلند مرتبہ پر ہوں گے اور مشرکین نہایت ہی ذلت وخواری میں۔ اس تقریر پر یہ فوقیت مجازی ہو گی اور یوم منصوب ہے اس فعل استقرار سے جو سے متعلق ہے۔ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ اور اللہ دارین میں جسے جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ کثیر اور بے اندازہ۔ اس لیے کہ اس ذات کو عطا کرنے میں شئے کے ختم ہونے کا کوئی خوف نہیں کیونکہ وہ غنی ہے اور اس کی مقدورات بھی لانہایۃ ہیں پھر وہ اپنی حکمت اور مشیت کے تحت وسعت فرماتا ہے چنانچہ بعض بندوں پر وسعت اس لیے ہوتی ہے۔ کہ اسے چند روز مہلت مل جائے جیسے یہی کفار اور قارون اور ان جیسوں کو مہلت ملی اور ملتی رہتی ہے اور بعض لوگوں کو یہ وسعت

کرامت نصیب ہوتی ہے جیسے اغنیاء مومنین سلیمان علیہ السلام اور ان جیسے دیگر حضرات۔

حدیث شریف میں ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بہشت کے دروازہ پر ٹھہرا۔ دیکھا کہ اس میں اکثر مساکین ہیں۔ پھر میں نے دوزخ کے اندر جھانکا تو ان میں اکثر عورتیں تھیں ادھر اچانک دوزخ کے دروازہ پر چند لوگ محبوس نظر آئے ان میں جو اہل نار تھے انھیں نار میں بھیجا گیا۔

حضرت حافظ شیرازی نے فرمایا۔ ع

ازیں رباط دو در چون ضرورتست رحیل
رواق وطاق معیشت چہ سربلند وچہ پست
ہست و نیست مرنجاں ضمیر وخوش دل باش
کہ نیست سرانجام ہر کمال کہ ہست
ببال و پر مرواز رہ کہ تیر پر تابی
ہوا گرفت زمانے ولے بخاک نشست

ترجمہ اس دو دروازے والی حویلی سے ہر ایک نے کوچ کرنا ہے خواہ کوئی بلند محلوں میں بسر کرے خواہ جھونپڑیوں میں۔ فلہٰذا تمھیں اس میں خوش دل ہو کر زندگی بسر کرنی چاہیے اس لیے کہ یہاں ہر کمال کو زوال ہے تم اس دنیا میں بلند پرواز بھی نہ کرو اس لیے کہ ہر بلند پرواز والے کو سختی سے تیر مار کر مٹایا جاتا ہے۔

حکایت سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سفر کر رہے تھے آپ کے ساتھ ایک یہودی تھا حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس تین سونے کے ٹکڑے تھے۔ وہ یہودی کو دے دیے اور فرمایا انھیں محفوظ رکھنا بوقت ضرورت کام آئیں گے ان میں سے ایک قرص یہودی نے صرف کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ضرورت محسوس ہوئی تو یہودی سے وہ قرص طلب کیے یہودی نے صرف دو قرص پیش کیے آپ نے فرمایا تیسرا قرص کہاں گیا یہودی نے کہا یہی تو تھے آپ خاموشی سے چل پڑے یہودی ساتھ تھا اثنائے سفر میں یہودی نے آپ کے بڑے بڑے کمالات دیکھے اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے قسم دے کر فرمایا اب بتلایئے وہ تیسرا قرص کہاں ہے۔ یہودی پھر بھی انکار کر گیا آگے چل کر آپ کو تین سونے کی اینٹیں ملیں آپ نے یہودی سے فرمایا ایک اینٹ میری اور دوسری تیری اور تیسری اس کی جس نے قرص خرچ کیا یہودی نے کہا وہ قرص میں نے ہی خرچ کیا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اب میرے سے دفع ہو جب کہ تو نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے دیکھے اور قرص کھانے کا اقرار نہ کیا اب دنیا کے لالچ میں اگر اقرار کر رہا ہے فلہٰذا تیرا اور میرا ساتھ نہیں نبھ سکتا آپ نے دو اینٹیں سونے کی یہودی کو دے دیں یہودی کو تین ڈاکو ملے انھوں نے یہودی کو قتل کر کے اینٹیں چھین لیں۔ ان تین ڈاکوؤں نے ایک کو طعام لینے کے لیے بھیجا جب وہ چلا گیا تو باقی دونوں نے مشورہ کیا کہ اسے آتے ہی قتل کر

دیا جائے تاکہ اینٹیں ہم دونوں کو بچ جائیں طعام لینے والے نے خیال کیا کہ طعام میں زہر ملا دیا جائے جب وہ کھائیں گے تو مر جائیں گے اور اینٹیں میں ہی لے لوں گا جب وہ واپس لوٹا تو ان دونوں نے اسے قتل کردیا اور بھوکے تھے طعام کو کھانے لگے اور طعام کھاتے ہی مرگئے اس کے بعد حضرت عیسٰی علیہ السلام واپس لوٹے تو دیکھا یہودی اور تینوں ڈاکو مرے پڑے ہیں اور سونے کی اینٹیں بچ گئی ہیں آپ متعجب ہوئے جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور تمام واقعہ سنایا۔

سبق دانا کو چاہیے کہ وہ کثرت دنیا سے دھوکہ نہ کھائے اور نہ ہی اس کے جمع کرنے کا اہتمام کرے بلکہ اس دنیا کی کھیتی میں نیک عمل کا بیج ڈالے تاکہ آخرت میں اس کا پھل اٹھائے اس لیے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے نیز دنیا داروں کو بھی چاہیے کہ کثرتِ دنیا کے غرور سے فقیروں کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھیں اور نہ ہی ان سے ٹھٹھہ مخول کریں کیونکہ کفار کا طریقہ ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ے

چو منعم کند سفلہ را روزگار
نہد بر دل تنگ درویش بار
چو بام بلندش بود خود پرست
کند بول و خاشاک بر بام پست

ترجمہ جب کسی کمینے کو اللہ تعالیٰ دولت بخشتا ہے تو وہ غریبوں کو ستاتا ہے جب کسی نالائق کی چھت اونچی ہو تو وہ خس و خاشاک اپنے سے نیچے والوں پر ڈالتا ہے

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ اپنے خاص بندوں کے دل پر ملکوت کا دروازہ کھولتا ہے تو اسے ملک و ملکوت کے آیات دکھاتا ہے اگر اس سے وہ بندہ مغرور ہوتا ہے اور اپنے اس کمال سے عُجب کرتا ہے تو وہ اپنے نفس کی مرادوں میں سے کسی مراد کو قبول کرلیتا ہے اس کی نحوست سے نفس کی موافقت اور اور اس کی رضا میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کو تبدیل کرلیتا ہے پھر اسے اللہ تعالےٰ سخت عذاب میں مبتلا کرتا ہے اس لیے کہ اس نے اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی نعمت کو بدلا اس لیے اس کے حال کو اللہ تعالےٰ بدل دیتا ہے اور اس سے دیا ہوا وہ کمال چھین لیتا ہے اس تقریر پر اللہ تعالےٰ کا ارشاد گرامی تائید کرتا ہے۔ (کما قال)

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم اللہ تعالےٰ کے شدت عذاب کا ایک نمونہ یہ ہے کہ جب گناہ صغیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور پھر اس سے وہ تائب نہیں بلکہ اس پر اصرار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے گناہ کبیرہ کے ابتلاء کی سزا دیتا ہے۔ نیز اس کے شدت عذاب کا ایک نمونہ یہ ہے کہ کافر کو حیوٰۃِ دنیا کی زینت دی جاتی ہے تو وہ اس میں دھوکہ کھاجاتا ہے جس کی وجہ سے اس پر حبُ دنیا کا غلبہ ہوتا ہے پھر وہ ان ایمان والوں سے ٹھٹھہ مخول کرتا ہے فقراء سے دین کے پیشوا مراد ہیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس عذاب میں مبتلا ہونے والا اولیاء اللہ کی عیب چینی میں لگا رہتا ہے اور اولیاء اللہ کے ماننے والوں اور

ان سے محبت کرنے والوں پر طعن و تشنیع کرتا ہے[1] اس کا نتیجہ عنقریب وہ معلوم کرلیں گے کہ وہ ظالم کونسی کروٹ بدلتے ہیں اور وہ لوگ جن کے دل میں اللہ تعالےٰ کا خوف ہے وہ قیامت میں کافروں پر فوقیت رکھتے ہوں گے اور اللہ تعالےٰ جسے چاہتا ہے اعلیٰ علیین کے درجات عنایت فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسفل سافلین کے درکات سے عذاب دیتا ہے جس کی نہایت ہی کوئی نہ ہو تو پھر اسے دینے سے کمی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے ہاں کوئی حساب ہوتا ہے۔

ف بغیر حساب کا ایک معنےٰ اور بھی ہے وہ یہ کہ بندوں کو دنیا میں دنیا کو عطا فرماتا ہے۔ حرام سے سزا اور حلال سے جزاء ہاں جو انھیں آخرت میں عطا کرے اس کا کوئی حساب نہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً تھے لوگ ایک ہی جماعت یعنے ایمان و اتباع حق میں حضرت آدم سے لے کر نوح علیٰ نبینا و علیہما السلام تک متفق تھے اور ان دونوں حضرات کے مابین میں قرون گزرے ہیں اور اکثر کے نزدیک ہر قرن اسّی سال کا تھا۔ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ پس اللہ تعالےٰ نے انبیاء علےٰ نبینا و علیہم السلام کو بھیجا۔ یعنے جب وہ لوگ اتنے عرصے تک متفق تھے تو پھر مختلف ہونے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بھیجا جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد گرامی لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ دلالت کرتا ہے یعنے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا تاکہ اللہ تعالےٰ ان کے ذریعے سے لوگوں کے اختلاف کا فیصلہ کرے۔ مُبَشِّرِيْنَ خوشخبری سنانے والے ہیں اسے جو ایمان لاتا اور طاعت کرتا ہے وَمُنْذِرِيْنَ اور عذاب سے ڈرانے والے اسے جو نافرمانی کرتا ہے وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ اور ان کے ساتھ کتاب بھی اتاری یا معنےٰ یہ ہے کہ ان ہر ایک کے پاس کتاب ہوگی کتاب سے خاص کتاب مراد ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان پر ہر ایک کے پاس علیحدہ علیحدہ ہوگی بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان پر مطلقاً کتاب نازل ہوئی اس لیے کہ ان میں بعض حضرات ایسے بھی تھے جن کے ہاں علیحدہ کوئی کتاب نہیں اتری تھی بلکہ وہ اپنے سے سابق انبیاء علےٰ نبینا و علیہم السلام کی کتابوں پر عمل کرتے اور کراتے۔

سوال عمومی لحاظ سے یہی مطلب نکلتا ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کو علیحدہ علیحدہ کتاب ملی ہو اس لیے کہ ھُمْ ضمیر کا تقاضا یونہی ہے؛

جواب قاعدہ ہے کہ ضمیر کی عوامی حیثیت سلب کر کے اسے مخصوص گروہ کی طرف سے راجع کیا جاتا ہے یہاں بھی ایسے ہی ہوا جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے۔

بِالْحَقِّ حال ہے اس کتاب کا کہ وہ حق سے ملتبس اور عدل و صدق اس پر گواہی دیتا ہے لِيَحْكُمَ تاکہ اللہ تعالےٰ فیصلہ کرے بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لوگوں کے درمیان اس حق میں کہ جس میں انھوں نے اتفاق کے بعد اختلاف کیا وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اور نہیں اختلاف کیا اس حق میں اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مگر ان لوگوں نے جو کتاب آسمانی دیئے گئے اور انھیں کتاب اسی لیے دی گئی تاکہ وہ اختلاف کو مٹائیں۔

---

[1] جیسے وہابیوں دیوبندیوں اور ان کی تمام پارٹیوں کی عادت ہے۔

سوال اسے انزال کے بجائے ایتار سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ؟

جواب تاکہ تنبیہ ہو کہ یہ لوگ شروع میں احکام کتاب کے حق پر پورا یقین آسمانی کتب کی حقانیت پر پورے طور واقفیت رکھتے تھے اسے ایتا سے بیان کیا گیا اور یہ مطلب انزال سے حاصل نہیں ہو سکتا یعنے ان لوگوں نے کتاب کے امور کو برعکس کر دیا اس لیے کہ کتب اس لیے اتاری گئیں تاکہ ان کا اختلاف مٹ جائے الٹا انھوں نے اس اختلاف کو مضبوط اور راسخ کر دیا

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بعد اس کے ان کے پاس بینات آئے لیکن الھی کے باوجود ان میں اختلاف راسخ ہو چکا من مختلف سے متعلق ہے اور یہ جائز ہے جیسے عربی عبارات میں آتا ہے مثلاً ما قام الا زید یوم الجمعۃ یوم جمعہ کو قائم نہ ہا سوائے زید کے ۔ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ یہ وما اختلف الخ کا مفعول لہ ہے یہ استثنار تینوں اشیاء سے متعلق ہے اصل عبارت یوں ہے وما اختلف فیہ الا الذین الخ وما اختلفوا فیہ دمن بعد الخ وماکان الاختلاف الا للبغی ان کا اختلاف صرف بغاوت کی بنا پر ہے اور اس لیے کہ وہ دنیا کی محبت میں مبتلا ہیں اور اس لیے کہ ان پر حسد اور ظلم سوار ہے جیسے قابیل نے ہابیل سے کیا اس نے ہابیل کو اس لیے قتل نہیں کیا کہ اسے حق معلوم نہیں تھا بلکہ قتل کیا تو صرف حسد کی بنا پر جو اسے اپنے بھائی پر تھا اور یہ حسد کی بیماری ہر زمانہ میں ہوتی ہے اور یہ فعل ان کے سردار کا تھا اور عوام تو اس کے توابع تھے اور ان کا ہر فعل ان کے رؤساء کی طرف منسوب ہوتا ہے ۔ اس سے معلوم ہوا اختلاف فی الحق دین کا ایک قدیمی معاملہ ہے ۔

فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اللہ تعالٰے نے ان لوگوں کو ہدایت دی جو کتاب پر ایمان لائے ۔ لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ یہ یھدی کے متعلق ہے اور ما موصولہ ہے اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالٰے نے انھیں اس کی طرف ہدایت دی جو اس میں انھوں نے اختلاف کیا مِنَ الْحَقِّ حق سے ما موصولہ کا بیان ہے بِاِذْنِهٖ اللہ تعالٰے کے اذن اور امر اور آسان کر دینے اور لطف اور نیک ارادہ اور رحمت سے یہاں تک کہ انھوں نے نور توفیق کے ساتھ باطل سے حق کو دیکھ لیا ۔

وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ اور جسے اللہ تعالٰے چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلاتا ہے اور پھر اسے گمراہی کی راہ پر چلنے نہیں دیتا ۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ ۔

ربط یہ خطاب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰے عنھم کو ہے سابقہ نبیوں سے اختلاف کا ذکر کر کے اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غلاموں کو خطاب فرمایا تاکہ ان کی بہادری بڑھے اور کفار کی مخالفت پر صبر کرنے میں ثابت قدمی کا درس سیکھیں کہ صبر کا انجام کامیابی ہی ہے ۔

ف یہ ام منقطعہ ہے اور اس میں لفظ بل اور ہمزہ مقدر ہے بعض نے کہا کہ یہ اس خبر سے جو پہلے بیان ہوئی ہے سے اعراض ہے اور اس انکار کی طرف رجوع ہے جو ہمزہ استفہام سے مفہوم ہوتا ہے اب معنے یہ ہوا کہ تمھیں لائق نہیں کہ تم گمان کرو یا مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانو! تم کیوں گمان میں مبتلا ہوئے ۔

وَلَمَّا یَاْتِكُمْ اور حال یہ ہے کہ تمھارے پاس نہیں آئی مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا ان لوگوں کی کہاوت جو تمھارے

سے پہلے گزرے میں یعنی طریقہ ان لوگوں کا جو تمھارے سے پہلے گزرے ہیں مِنْ قَبْلِكُمْ تمھارے سے پہلے گزرے۔
یعنی انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام اور ان کے ساتھ جو مؤمنین تھے جیسے تم مبتلا ہوئے ہو اس طرح وہ لوگ بھی مبتلا ہوئے تھے اس میں
تفیمہ و شدۃ کی تمثیل مقصود ہے اگرچہ تمھیں ان کی طرح تکالیف و مصائب نہیں پہنچیں۔ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ سابقہ مضمون کا
بیان ہے لیکن جملہ مستانفہ کی صورت میں گویا سوال ہوا کہ ان کی کہاوت کیا ہے اور ان کا عجیب حال کیسا ہے تو فرمایا: پہنچا
انھیں سخت خوف اور سخت فاقے وغیرہ۔ وَالضَّرَّاءُ یعنے درد اور بیماریاں وَزُلْزِلُوا اور انھیں جو سختیاں اور
درد پہنچے ان کی وجہ سے وہ بہت زیادہ ہلائے گئے۔ حَتّٰى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهٗ۔ یعنی
ان کا معاملہ اتنا سنگین ہو چکا تھا کہ وہ اضطراب کے اظہار پر مجبور ہو گئے یہاں تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے حالانکہ
وہ اللہ تعالےٰ کے معاملات کو بہت جاننے اور ماننے والے ہوتے ہیں اور مؤمنین بھی جو صحیح طور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے
نقش قدم پر چلنے اور ان کے انوار کی چمک پانے والے ہوتے ہیں۔ مَتٰى کب آئے گی نَصْرُ اللّٰهِ ط اللہ تعالیٰ
کی وہ مدد جس کا اس نے ہمیں وعدہ دیا مدد طلب کرتے اور اس کی آرزو کے اظہار میں یہی کہتے کہاں کو دکھ اور تکلیف اٹھاتے بڑی
مدت گزر گئی ویسے بھی دکھ اور درد کا وقت اگرچہ تھوڑا ہو طویل محسوس ہوتا ہے اسی لیے مدد الٰہی کو دیکھ کر انھوں نے کہا اس کے
جواب میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ○ خبردار بے شک اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے
چونکہ انھوں نے مدد مانگی اور جلد ملنے کی تمنا کی اس لیے ان کی تمنا پوری کرنے پر نہ صرف فرمایا بلکہ وعدہ پورا کر کے دکھایا یعنے
میں اپنے دوستوں کا مددگار رہوں اور میری مدد ان کے قریب ہے یہ اس لیے فرمایا کہ جب وعدہ ہو گیا تو وہ پورا ہو کر رہے۔
گا یہ بھی گویا سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ مدد الٰہی قریب ہے یا بعید۔ اس پر فرمایا کہ ان نصر اللہ الخ

سوال آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ سوال کا جواب ہے؟

جواب قرینہ بتاتا ہے وہ قرینہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ مدد الٰہی قریب ہے قرب کی خبر دینا پتہ دیتا ہے کہ اس سے
کسی کے سوال کا جواب دینا ہے۔

سوال ممکن ہے کہ سوال اصل مدد کے بارے میں ہو؟

جواب۔ اگر اصل مدد کے بارے میں سوال ہوتا تو عبارت اس طرح نہ ہوتی اور یہ عبارت اس سوال کے مطابق بھی نہیں۔
حالانکہ سوال اور جواب کی عبارت میں تطابق ضروری ہے۔

تقریر دلپذیر آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب تک انسان خواہشات نفسانیہ اور لذات دنیویہ نہیں چھوڑے گا اور
شدائد و ریاضات پر صبر نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ تک پہنچنا مشکل ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ؎

فلک مشام کسے خوش کند بوئے مراد
کہ خاک معرکہ باشد عبیر و عنبر او

ترجمہ فلک اس کو بامراد فرماتا ہے جو مصائب و تکالیف کو اپنے لیے راحتِ جان سمجھے ۔

حکایت و حدیث حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کفار و مشرکین کی تکالیف کی شکایت پیش کی ۔ آپ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تمھارے سے پہلی اُمتوں کو بہت بڑی سخت تکالیف دی جاتیں تب بھی وہ اپنے دین سے نہ ہٹے انھیں ایسے عذاب میں مبتلا کیا جاتا کہ ان کے مرد کے سر پر آرہ رکھا جاتا تو اس کا جسم دو ٹکڑے ہو جاتا اور کسی کے سر پر لوہے کا کنگھا رکھا جاتا تو ہڈیاں ، گوشت اور پٹھے علیحدہ علیحدہ ہو جاتے پھر بھی اپنے دین پر جمے رہتے دین پر سبقت رہتے ہمارے اس امر یعنی اسلام پر احسان فرمائے گا کہ تمھارا سوار صنعاء سے حضر موت تک اکیلا چلا جائے گا اس وقت اسے سوائے خدا تعالےٰ کے کسی کا خوف و خطرہ نہ ہوگا اور ایک وقت آئے گا کہ بکری کو بھیڑیئے سے کوئی خوف نہ ہوگا لیکن تم ہر معاملہ میں عجلت کرتے ہو گذشتہ دور میں ہر وہ نبی جو اپنی اُمت کے لیے مبعوث ہوتے تو انھیں جب مصائب و تکالیف کا سامنا ہوتا تو کہتے متی نصر اللہ اللہ تعالےٰ کی مدد کب آئے گی ۔

ف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک موقعہ ایسا درپیش ہوا وہ فتح مکہ سے پہلے آپ کو تکالیف و مصائب پہنچے آپ نے یوم احزاب میں جب کہ آپ کے صحابہ کرام کے صبر کا جام لبریز ہوا اور آپ کو بھی طرح طرح کی تکلیفیں پہنچیں تو اللہ تعالےٰ سے فتح و نصرت کی دعا مانگنے لگے تو اللہ تعالےٰ نے بہترین ہوا بھیجی اور کفار کے مقابلہ کے وقت اپنا لشکر یعنے ملائکہ کرام کو بھیجا جس کی وجہ سے کفار و مشرکین کو شکست ہوئی ۔

ف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی منجملہ تکالیف و شدائد کے ایک خندق کا موقعہ بھی ہے جب کہ مسلمانوں کو سخت سے سخت تکلیف کے علاوہ شدید خوف اور سردی اور رزق کی تنگی اور مختلف قسم کے دُکھ پہنچے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ؛ دبلغت القلوب الحناجر بہرحال انھیں جو دکھ اور مصائب یہود و نصاریٰ سے پہنچے اور جتنی تکلیفیں انھیں منافقین و مشرکین وغیرہ سے پہنچیں کہ ہر ممکن مسلمانوں کو پریشان کرنے کی کوشش کی جاتی ۔ خصوصاً مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا دور بہت بڑا پُر فتن تھا لیکن ان حضرات نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا ان حضرات کے ان واقعات سے ہمیں عبرت حاصل کرنی چاہیے ان کی طرح ہمیں بھی اسلام کی راہ میں درد و آلام میں صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے ۔

سبق ہمارا زمانہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے زمانہ جیسے آلام و مصائب سے کم نہیں جب کہ ہمیں اسلامی روایات پر عمل کرنے کی وجہ سے عوام سے قسم قسم کی طعن و تشنیع سنائی دیتی ہے ۔ ہمیں ان کی طعن و تشنیع سے صبر کرنا چاہیے کیوں کہ اللہ تعالےٰ کا قانون ہے کہ مصائب و آلام سب سے زیادہ حضرات انبیا کرام علیٰ نبینا و علیہم السلام پر ہوتے ہیں ۔ ان کے بعد ان کی اتباع میں اولیاء اللہ کو پھر اسی طرح جتنا ہی قربِ نبوت سے ہوگا اتنا قدر مصائب و آلام پہنچیں گے ۔ کسی نے فرمایا ۔

غبار لازمہ آسیا : بود صائب
امان ز حادثۂ آسمان چہ میخواہی

ترجمہ چکی پر غبار کا ہونا لازمی ہے اور تم بھی ایسے ہو تو آسمان کے مصائب سے پناہ مانگنے کا کیا معنٰے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ شریف میں ہے کان الناس امۃ واحدۃ (الآیۃ) تمام گندی عادات انسانوں میں پائی جاتی ہیں یہ سب ان کے لیے عارضی ہیں اس لیے کہ جب روز میثاق میں اللہ تعالٰے کے سامنے ایمان واسلام کی گواہی دی تھی تو سب کے سب نیک اور برابر تھے اور جب پیدا ہوئے تو فطرت انسانی پر تھے یعنی ان میں برائی نہیں تھی۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔

سوال ایک روایت میں آیا اویسلمانہ (اسے مسلمان بنا دیں) اس سے معلوم ہوا اسلام ایک عارضی امر ہے حالانکہ اسلام عارضی نہیں بلکہ وہ اصل فطرت انسانی ہے؟

جواب ١ کفر کسی کی تقلید سے حاصل ہوتا ہے اور ایمان حقیقی ہوتا ہے اسے کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں ہوتی۔

جواب ٢ اصلی ابوین ستارے اور اربع عناصر ہیں ان کی وجہ سے اسلام کو بھی عارضی کہا گیا خلاصہ یہ کہ بچہ اپنے ماں باپ کی تربیت پر چلتا ہے ان کی تربیت سے جادہ حق اور صراط مستقیم سے بھٹکتا ہے اگرچہ انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم السلام کو ہادی مطلق کی ہدایت سے عصمت ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالٰے نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا: ووجدك ضالا فهدى معلوم ہونا چاہیے کہ ہر ایک کے لیے سعادت شقاوت کی تقدیری کتاب ہوتی ہے چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بھی ایسا نہیں جسے کتاب میں نہ لکھ دیا جاتا ہو کہ وہ اہل جنت سے ہے یا اہل نار سے اور اسے لکھا جاتا ہے کہ یہ سعید ہے یا شقی۔ صحابہ کرام نے عرض کی تو پھر ہمیں اس لکھی ہوئی تقدیر پر بھروسہ کرنا چاہیے عمل کی ضرورت ہی کیا ہے آپ نے فرمایا عمل کی بڑی ضرورت ہے اس لیے کہ جو بھی کسی کی اہلیت رکھتا ہے اسے اس کے عمل کی توفیق ملتی ہے جو اہل شقاوت سے ہوتا ہے وہ اہلِ شقاوت کے اعمال میں منہمک ہوتا ہے اور اگر وہ اہل سعادت سے ہوتا ہے تو نیک اعمال کی طرف لگا رہتا ہے۔

سبق سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ ترک و تجرید کرے اور فقر و فقیری کے شدائد کو نبھائے یہاں تک کہ اسے جمال الٰہی کی جنت اور دار القرار کا داخلہ نصیب ہو۔ اس پر انہیں حجاب میں طویل مدت نہیں رہنا پڑے گا اور کثرتِ جہاد سے صبر کا پہاڑ مشاہدۂ جمال اور ذوق وصال سے حائل نہ ہو گا انہوں نے اللہ تعالٰی کی مدد طلب کی تجلی کے ساتھ نفوس کے صفات کے قلع قمع کے لیے مع قوت صبر اور اس پر حوصلہ کرنے کے جو ان کا محبوب انہیں کہتا اور ان کے لیے ارادہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس اللہ تعالٰے کی مدد پہنچی تو ان کے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور جمال الٰہی کے انوار روشن ہوتے ہیں۔

ف جیسے حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کھولی عشق کلید وے   ہر وقت یار تے دید وے

یعنی عشق کی چابی نے پردے ہٹائے تو اب میری نگاہ ہر وقت یار پہ ہے   (اویسی غفرلہٗ)

يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلْ مَآ أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ
وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ○ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ
وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ○ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَن
سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ
وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ
فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ
فِيهَا خَالِدُونَ ○ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ
اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ
وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ
الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ○ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ
وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ
إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○

ترجمہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں آپ فرمائیے کہ جو کچھ مال نیکی میں خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں
اور یتامیٰ اور محتاجوں اور مسافروں کے لیے ہے اور جو بھی نیک کام کرتے ہو تو اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تمھارے اوپر جہاد
کرنا فرض کیا گیا ہے اور وہ تمھارے لیے ناگوار ہے اور قریب ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو حالانکہ وہ تمہارے حق میں
بھلائی ہو اور قریب ہے کہ تم کسی شے کو پسند کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارے لیے خرابی ہو اور
اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے آپ سے ماہ حرام میں جنگ کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرما دیں کہ ماہ
حرام میں جنگ کرنا بہت بڑا گناہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے
روکنا اور مسجد حرام کے باشیوں کو نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے اور بڑے گناہ ہیں اور کافروں کا فتنہ فساد قتل سے
بھی بدرجہا بدتر ہے اور یہ تمھارے ساتھ ہمیشہ لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ ان سے بن پڑے تو وہ تمھیں تمھارے دین سے پھیر
دیں اور تم میں سے جو شخص اپنے دین (اسلام) سے پھر جاوے پھر وہ کافر ہو کر مرے تو ان کے تمام اعمال صالح دنیا و آخرت
میں اکارت گئے اور یہی لوگ دوزخی ہیں اور یہی لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ بیشک وہ لوگ جو مومن ہیں جنھوں نے
ہجرت کی اور جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا وہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ
غفور رحیم ہے۔ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں آپ فرما دیں کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور ان میں
کچھ دنیوی منافع بھی ہیں اور ان کی منفعتوں سے ان کا گناہ بہت بڑا ہے اور آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں آپ

فرما دیجیے جو زائد از ضرورت ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمھیں اپنی آیات بیان فرماتا ہے تاکہ تم اپنے دنیا و آخرت کے کام میں سوچ سکو اور آپ سے یتیموں کے متعلق پوچھتے ہیں آپ فرمائیے ان کی اصلاح بہتر ہے اور اگر تم ان کو اپنے ساتھ ملالو تو وہ تمھارے (دینی) بھائی ہیں اللہ تعالیٰ مفسد کو مصلح سے خوب جانتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمھیں مشقت میں ڈالتا بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

تفسیر عالمانہ یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۥ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ اپنے اموال میں سے کون سی چیز کو خرچ کریں۔

شانِ نزول یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے صدقہ دینے کی ترغیب دلائی تو عمر بن جموح جو بہت بڑا آدمی تھا، نے سوال کیا اور اس کا بہت بڑا مال تھا۔ عرض کی یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، ہم اپنے اموال میں سے کیا خرچ کریں تو یہ آیت نازل ہوئی

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فرمائیے اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بھلائی میں سے جو بھی خرچ کرو گے یہ خرچ کا بیان ہے

سوال مال کو خیر سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

جواب مال کا حق یہ ہے کہ اسے خیر میں خرچ کیا جائے اس اعتبار سے وہ مال سب کا سب خیر ہی خیر ہے۔

فَلِلْوَالِدَیْنِ پس اولاً ماں باپ پر۔

سوال یہ جواب سوال کے مطابق نہیں سوال تو انہوں نے کیا تھا کہ اپنے اموال میں سے کونسا مال خرچ کریں جواب دیا گیا مصرف کے متعلق؟

جواب مال کے خرچ کرنے کا کوئی اعتبار نہیں جب تک کہ اس کا مصرف صحیح نہ ہو۔

وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی اور وہ لوگ جو رشتہ میں زیادہ قریب ہیں اور یتامیٰ بشرطیکہ وہ محتاج بھی ہوں۔ وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اور مساکین و مسافرین۔

سوال اس میں سائلین اور گردن آزاد کرنے کا ذکر نہیں حالانکہ وہ بھی اموال کا مصرف ہیں؟

جواب چونکہ ان کا ذکر دوسرے مقامات پر آچکا ہے اسی پر اکتفا کیا گیا۔

جواب ۲ اگلے مضمون کے عموم کے تحت یہ بھی شامل ہیں چنانچہ فرمایا وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ اور وہ جو تم عمل میں لاتے ہو خیر سے یہ تمام نیکی کے مصارف کو شامل ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝ یعنی جو بھی خیر کا کام کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کی حقیقت کو جانتا ہے۔ اور اس کا ثواب دیتا ہے۔

مسئلہ اس آیت میں والدین کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی علی سبیل التطوع ہر ذی حاجت کی حاجت پوری کرنے کی ترغیب ہے۔

ف یہ آیت زکوٰۃ اور اس کے مصارف کے منافی نہیں جو دوسرے مقام پر فرمایا: انما الصدقات للفقراء والمساکین و

والعاملین علیہا والمولفۃ قلوبہم وفی الرقاب والرقاب الغارمین وفی سبیل اللہ و ابن السبیل۔ اس کا تفصیلی بیان دسویں پارہ میں آرہا ہے۔

کُتِبَ فرض کیا گیا ہے **عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ** تم پر جہاد یعنے تمام کفار، حربی کے ساتھ جہاد کرنا تمہارے اوپر فرض ہے۔

مسئلہ جمہور کے نزدیک جہاد فرض کفایہ ہے جیسے نماز جنازہ اور سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے۔

وَھُوَ حالانکہ وہ جہاد **کُرْہٌ لَّکُمْ** تم پر شاق ہے اور تمہاری طبیعتیں اس سے کراہت کرتی ہیں۔

فائدہ کُرْہٌ مصدر ہے بمعنے کراہت۔

سوال اسے مصدر کے ساتھ کیوں لایا گیا؟

جواب مبالغہ مطلوب ہے گویا جہاد فی نفسہ کراہت ہے اس لیے کہ لوگ اس سے سخت کراہت کرتے ہیں اور اس کی کراہت طبیعتوں کی نفرت کی وجہ سے ہے اس لیے کہ مال کا خرچ کرنے کے علاوہ نفس کو مشقت میں ڈالنا پڑتا ہے اور روح اس سے اکتا جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اللہ تعالےٰ کے حکم سے کراہت کی اور طبعی کراہت مذموم نہیں بلکہ اس میں عبودیت کا معنے متحقق ہو جاتا ہے جب کہ اس پر حکم شرع مان کر عمل کیا جائے کہ باوجودیکہ طبیعت نفرت کرتی ہے لیکن پھر بھی عمل کیا جا رہا ہے۔

مسئلہ اسے اعتقادی صورت میں مکروہ سمجھنا منافقین کا کام ہے۔

وَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا بہت سی چیزوں کو تم مکروہ سمجھتے ہو اس سے وہ امور مراد ہیں جن میں تکالیف اور مشقت ہو منجملہ ان کے جہاد بھی ہے **وَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ** اور حالانکہ اس میں تمہاری بھلائی ہے اس لیے جہاد میں دو بھلائیوں میں سے ایک کا ہونا لازمی ہے۔ فتح و نصرت اور اس پر حصول مال غنیمت ۔۲۔ شہادت اور اس پر جنت۔

قاعدہ کلمہ عسٰی بمعنے لعل ہے اس کی نسبت بندوں کی طرف ہو تو بمعنے ترجی یعنی امید رکھنا اور اللہ تعالےٰ کی طرف ہو تو بمعنے ترجیۃ یعنی امید دلانا۔

وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا اور بہت سی چیزوں سے تم محبت کرتے ہو اس سے وہ تمام لذیذہ امور مراد ہیں جن سے روکا ہے۔ منجملہ ان کے جہاد بھی ہے **وَھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ** اور اس میں تمہاری خرابی ہے اس لیے اس میں ایک تو غنیمت اور اجر و ثواب سے محروم ہو جاؤ گے دوسرا تمہارے اوپر تمہارے دشمنوں کو غلبہ ملے گا اور پھر وہ تمہارے شہر کو تباہ و برباد کریں گے۔ **وَاللّٰہُ یَعْلَمُ** اور اللہ تعالےٰ جانتا ہے کہ اس میں تمہاری دینی اور دنیوی بھلائی ہے اسی لیے تمہیں اس کا حکم دیتا ہے۔ **وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔** اور اسے تم نہیں جانتے اسی لیے تو تم اس سے کراہت کرتے ہو۔

مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

مالتصوف قال وجدان لفرح
فی فوادی عندایتان الترح

جملہ در زنجیر بیم و ابتلاء

میروند ایں زاہ بغیر اولیاء

تصوف کیا ہے قلبی فرحت جو روحانی سرور سے نصیب ہوتی ہے یہی تصوف ہے دنیا میں ہر ایک خوف و ہراس میں مبتلا ہے سوائے اولیاء کرام کے۔

یعنے مقلد تو بارگاہ حق تک اضطرار سے پہنچتا ہے لیکن ولی اللہ کو یہ اضطرار نہیں۔

ف سیدنا ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالے فرماتے ہیں کہ خلق خدا کو چھ چیزوں سے تباہی و بربادی پہنچتی ہے۔

۱۔ عمل بے نیت کا

۲۔ بندے جب اپنے جسموں کو شہوات میں ڈال دیں۔

۳۔ باوجودیکہ جانتے ہیں کہ آخر مرنا ہے لیکن آرزو اور حرص و ہوا میں مبتلا ہو جائیں۔

۴۔ خالق کی مرضی پر مخلوق کی رضا کو ترجیح دیں۔

۵۔ خواہشات نفسانیہ سے پیار اور سنت نبویہ علی صاحبہا السلام کو پس پشت ڈال دیں۔

۶۔ اسلاف کی معمولی غلطی پر اپنی ضروریات کے لیے دلیل بنائیں لیکن ان کے مناقب اور اچھے اعمال کی پیروی نہ کریں۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس اور طبیعت کے ساتھ جہاد کرے تاکہ اس سے خواہشات و شہوات اور بدعات دور ہوں اور اس کے دل پر کتاب و سنت کی محبت غلبہ کرے۔

حکایت سیدنا ابراہیم الخواص رحمۃ اللہ تعالے نے فرمایا کہ میں جبل لکام میں تھا دیکھا کہ انار پر بہت سے بھڑ جمع ہیں میری خواہش ہوئی کہ میں بھی اس سے کچھ لے لوں چنانچہ آگے چل کر ایک انار اٹھایا اور اسے چیرا تو وہ کھٹا نکلا اسے چھوڑ کر میں آگے چلا تو ایک مرد کو زمین پر پڑا ہوا دیکھا کہ اسے بھڑ چمٹے ہوئے ہیں میں نے کہا السلام علیک اس نے کہا وعلیک السلام یا ابراہیم میں نے پوچھا جناب آپ نے مجھے کیسے پہچانا انھوں نے فرمایا: "من عرف اللہ لا یخفی علیہ شیئ" جسے اللہ تعالے کی معرفت نصیب ہوتی ہے اس سے کوئی چیز اوجھل نہیں ہوتی میں نے کہا جب اللہ تعالے کے ہاں آپ کا اتنا بڑا مرتبہ ہے تو اس سے سوال کیوں نہیں کرتے تاکہ وہ آپ کو ان بھڑوں سے بچائے انھوں نے فرمایا تم کیوں نہیں اس سے سوال کرتے کہ وہ تمھیں انار کی شہوات نفسانی سے بچائے پھر فرمایا یاد رکھیے کہ انار کی ڈنس کا درد انسان کو آخرت میں محسوس ہوگا اور بھڑ کے ڈنس کا درد صرف دنیا میں ہوتا ہے میں اس ولی اللہ کو اس حال میں چھوڑ کر چلا گیا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا:

مبر طاعت نفس شہوت پرست

کہ ہر ساعتش قبلۂ دیگر است

کند مرد را نفس امّارہ خوار
اگر ہوشمندی عزیزش مدار

ترجمہ نفس شہوت پرست کا کہنا مت مان اس لیے کہ نفس کا ہر لحظہ نیا قبلہ ہوتا ہے نیک بخت مرد وہ ہے جو نفس امّارہ کو ذلیل وخوار رکھتا ہے تمہیں بھی اگر عقل ہے تو نفس سے پیار مت کرو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات قاشانیہ شریف میں ہے کہ تمہارے اوپر نفس و شیطان کا مقابلہ کرنا فرض ہے اور یہ تمہارے لیے مکروہ محسوس ہوتا ہے یعنی انسان سے زیادہ کڑوا اور شیر کے حملہ سے بھی زیادہ حملہ محسوس کرتے ہو حقیقی جہاد یہ ہے کہ وجود مجازی کو درمیان سے ہٹا دیا جائے اس لیے کہ یہ عبد اور رب تعالٰے کے درمیان آڑ ہے جیساکہ منقول ہے کہ تیرا وجود خود گناہ ہے پھر اس سے دیگر اور گناہ کیا ہوگا اس طرح حضرت منصور رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا :

بینی وبینک انی قد یزحمنی
فارفع بجودک لی انی من البین

ترجمہ اے اللہ میرے اور تیرے درمیان میں خود حجاب ہوں براہِ کرم مجھے درمیان سے ہٹا دے اور بہت سی چیزوں کو تم مکروہ سمجھتے ہو حالانکہ اس میں تمہاری بھلائی ہے اس لیے کہ وہی وجود خواہشات اور لذات کے درمیان حجاب ہے اس سے جو اسی کے اندر خیر کثیر اور لذّت عظیمہ روحانیہ ہے یہی شدّت سریعۃ الانقضاء حقیر بھی جاتی ہے بہ نسبت اس خیر باقی اور لذت سرمد کے اور بہت سی چیزوں سے تم محبت کرتے ہو یعنی لذّاتِ جسمانیہ اور تمتعات نفسانیہ سے اور وہ تمہارے نفس کے لیے بری ہیں کہ وہ نفس لذات روحانیہ سے محروم ہے اور اللہ تعالٰے جانتا ہے کراہت نفوس میں راحت قلوب رکھی گئی ہیں اور تم نہیں جانتے ہو کہ حیات قلوب نفوس کو مٹانے میں ہے اور حیات نفوس قلوب کے مٹانے میں ہے جیسے کسی نے کہا ہے۔ ؎

اقتلونی یا ثقاتی
ان فی قتلی حیاتی

اے میرے دوستو! مجھے مار ڈالو اس لیے کہ میری دائمی زندگی میری موت میں ہے۔

مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

خنجر شمشیر شد ریحان من
مرگ من شد بزم ونرگسدان من

ترجمہ میری ریحان خود میری خنجر و شمشیر ہے میری بزم و نرگستان ہی میری موت ہے۔

تفسیر عالمانہ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ آپ سے حرام کے مہینوں کے متعلق سوال کرتے ہیں
شانِ نزول مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پھوپھی زاد حضرت عبداللہ بن جحش

رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بدر کی جنگ سے قبل دو ماہ ۲ جمادی الاخریٰ میں بھیجا جب کہ آپ مدینہ تشریف لائے ان کے ساتھ آٹھ حضرات مہاجرین میں سے بھیجے وہ آٹھ حضرات یہ تھے ۔

۱ ۔ سعید بن ابی وقاص الزہری ۔ ۲ ۔ عکاشہ بن محصن الاسدی ۔

۳ ۔ عتبہ بن غزوان السلمی ۔ ۴ ۔ ابوحذیفہ بن ربیعہ ۔

۵ ۔ سہیل بن بیضا ۔ ۶ ۔ عامر بن ربیعہ ۔

۷ ۔ واقد بن عبداللہ ۔ ۸ ۔ خالد بن بکیر رضی اللہ تعالےٰ عنہم ۔

ان کے امیر یعنے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ایک تحریر لکھ کر فرمایا اس تحریر کو لے کر اللہ تعالےٰ کے نام سے چلئے لیکن اسے کھول کر نہ دیکھنا دو یوم کے بعد اسے کھولنا جب کہیں آرام کے لیے اترو اور اس کا مضمون اپنے تمام ساتھیوں کو سُنا دینا اور اس میں جو حکم مکتوب ہو اس پر عمل کرنا لیکن اپنے ساتھیوں کو اس پر مجبور نہ کرنا جس کی مرضی آئے تیرا ساتھ دے جو نہ چاہے وہ مختار ہے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالےٰ عنہ وہ تحریر لے کر چل پڑے اور حسب الارشاد دوسرے روز وہاں جا کر کھولا جہاں آرام کے لیے ٹھہرے اس میں لکھا ہوا تھا : بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ اما بعد فسر علی برکۃ اللہ بمن تبعك من اصحابك حتی تنزل بطن نخلۃ فترصد بها عیر قریش لعلك ان تاتینا منها بخیر ۔ اے عبداللہ اپنے ساتھیوں کو معیت خدا کا نام لے کر چلئے یہاں تک کہ جب بطن نخلہ (مقام کا نام ہے) میں پہنچو تو وہاں قریش کا قافلہ ملے گا امید ہے اس میں تم بھلائی لے کر واپس لوٹو گے جب حضرت عبداللہ نے تحریر پڑھی تو کہا سمعا وطاعۃً مجھے یہ حکم بدل وجان قبول ہے اپنے ساتھیوں سے کہا اب تمھاری مرضی میرے ساتھ چلو ورنہ تمھیں اختیار ہے مجھے روکا گیا ہے کہ میں تمھیں اس امر پر مجبور کروں چاہو تو چلو ورنہ واپس جانا ہے تو میری طرف سے اجازت ہے یہ کہہ کر چل پڑے اور آپ کے ساتھی بھی آپ کے ساتھ ہو لئے کوئی ایک بھی پیچھے نہ رہا یہاں تک کہ مقام قرع (حجاز میں ایک مقام کا نام ہے جسے بحران کہا جاتا ہے) تھوڑی دیر کے لیے بیٹھے یہاں حضرت سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اونٹ گم ہو گئے یہ دونوں ان کی تلاش کرنے لگے اس وجہ سے یہ بچھڑ گئے لیکن باقی حضرات حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ بطن نخلہ میں پہنچ گئے ۔ بطن نخلہ (مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان واقع ہے) یہ حضرات جب یہاں پہنچے تو ان کے ساتھ قریش کا قافلہ بھی پہنچ گیا یہ لوگ طائف سے کشمش اور گندم اور دیگر تجارتی سامان لے کر آ رہے تھے وہ بھی یہاں بطن نخلہ میں آرام کے لیے اترے ان میں عمرو بن الحضرمی اور حکیم بن کیسان مولیٰ ہشام بن المغیرہ اور اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ مخزومی تھے جب انھوں نے حضور نبی پاک کے غلاموں کو دیکھا تو گھبرا گئے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ مشرکین ہمیں دیکھ کر ڈر گئے ہیں فلہٰذا اپنے میں سے کسی ایک کا سر مونڈو اور وہ ان کے پیچھے پڑ جائے چنانچہ ان حضرات نے حضرت عکاشہ کا سر مونڈا اور وہ ان مشرکین کو جھانک کر دیکھنے لگے تو انھوں نے کہا کوئی خطرہ نہ کرو یہ اپنا آدمی ہے اور یہ واقعہ جمادی الآخرہ کی آخری تاریخ کو ہوا ۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اسے جمادی الآخرۃ سمجھ کر یہ کارروائی کر رہے تھے ۔

حالانکہ رجب کا چاند چڑھ چکا تھا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مشورہ کیا کہ اگر رات تک معاملہ چھوڑ دو گے تو رجب کا چاند چڑھ جائے گا اور اس میں جنگ حرام ہے فلہٰذا ابھی وقت ہے اس سے جو کارروائی کرنی ہے کر لو چنانچہ حضرت واقد بن عبداللہ السہمی نے عمر بن الحضرمی کو تیر مارا وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا مشرکین میں ہجرت کے بعد یہ پہلا مقتول ہے پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کو قید کر لیا اسلام میں سب سے پہلے یہی قیدی ہیں جنھیں مسلمانوں نے قید کیا نوفل اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ گیا تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ قافلہ اور قیدیوں کو لے کر بارگاہِ رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوئے اس قریش نے شور مچایا کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے ماہِ حرام میں جنگ کو حلال کیا اب تو دنیا سے امن اٹھ گیا اور ان کی وجہ سے معاش تنگ ہو جائے گی کوئی بھی اپنی معاش کے لیے باہر نہیں جا سکے گا کیونکہ یہ لوگ شہروں میں پھیل جائیں گے اور ناحق قتل کریں گے۔ قریش نے ان مسلمانوں کو ستانا شروع کر دیا جو مکہ میں رہتے تھے اسی قافلہ کے بدلہ میں بلکہ وہاں کے لوگوں کو شہید کرنا شروع کر دیا اور ان کے مال بھی چھینے اور کہا کہ اے صابیو! تم نے ماہِ حرام کو حلال کر دیا اور خود تم نے ہی اس میں ہمارے لوگوں کو مارا اور لوٹا دیکھنے وادیٔ نخلہ میں صحابہ کرام نے کہا پھر ہم کیوں نہ تمھیں ماریں اور لوٹیں یہ بات حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں سے فرمایا کہ میں نے تمھیں ماہِ حرام میں لڑائی کے لیے نہیں بھیجا تھا آپ نے فرمایا اب قافلہ اور قیدیوں کے بارے میں توقف کرو یعنے نہ مال کو تقسیم کرو اور نہ ہی قیدیوں کو کچھ کہو اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرو جو حکم ہو گا اسی پر عمل ہو گا حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو پریشانی ہوئی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ ہم نے ابن حضرمی کو دن میں مارا پھر شام کو چاند رجب کا دیکھا یہ ہمیں معلوم نہ تھا کہ ہم نے یہ معاملہ رجب میں کیا ہے یا جمادی الاخریٰ میں۔ غرض یہ معاملہ لوگوں کے لیے بہت بڑی پریشانی کا موجب بن گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس کے بعد حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے قافلہ کا سامان منگوا کر پانچواں حصہ نکالا اور باقی حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کے حوالے کر دیا اور یہ اسلام میں سب سے پہلا مالِ غنیمت ہے۔

واقعات

۱۔ اہل مکہ نے اپنے دو قیدیوں کو چھڑانے کے لیے فدیہ بھیجا۔ آپ نے فرمایا جب تک ہمارے دو اصحاب حضرت سعید اور عتبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) واپس نہیں آئیں گے ہم انھیں نہیں چھوڑیں گے اگر وہ واپس نہ آئے تو ہم قتل کر دیں گے جب وہ دونوں حضرات آ گئے تو آپ نے فدیہ لے کر ان دونوں مشرکوں قیدیوں کو چھوڑ دیا۔

۲۔ ان میں حضرت حکم بن کیسان تو مسلمان ہو گئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر باش رہے یہاں بیر معونہ کے موقع پر شہید ہوئے لیکن عثمان بن عبداللہ مکہ کی طرف لوٹا اور کافر ہو کر مرا۔

۳۔ اور نوفل احزاب کی لڑائی میں کفار کی طرف سے گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کی خندق میں چھلانگ لگائی تاکہ انھیں شکست دے لیکن اللہ تعالٰے نے اسے گھوڑے سمیت خندق میں دبا دیا اور وہیں پر گھوڑے سمیت مرگیا مشرکین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی لاش قیمتاً مانگی۔ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خذوہ فانہ خبیث خبیث الجیفۃ والدیۃ" اسے لے جاؤ خبیث کو اس کی لاش بھی مردار ہے اور اس کی دیت بھی۔

خلاصہ تفسیر اے پیارے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم آپ سے مسلمان تو مسئلہ معلوم کرنے کی بنا پر سوال کرتے ہیں لیکن کفار بوجہ سرکشی اور ضد کے پوچھتے ہیں ماہ حرام کے بارے میں یعنے رجب کے متعلق۔

ف ماہ حرام کو اس لیے حرام کہا جاتا ہے کہ اس ماہ میں جنگ کرنا حرام ہے۔

قِتَالٍ فِيهِ الشهر سے بدل الاشتمال ہے اس لیے کہ ماہ حرام قتال کو بھی مشتمل ہے۔ قُلْ اے پیارے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم ان کے سوال کے جواب میں فرمایئے قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ اس میں جنگ کرنا اللہ تعالٰے کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے قتال مبتدا ہے اور اس کی خبر کبیرٌ ہے۔

سوال نکرہ مبتدا نہیں ہوسکتا اور یہاں قتال نکرہ مبتدا کیسے کیا گیا؟

جواب جب نکرہ موصوف ہو تو وہ نکرہ مبتدا بن سکتا ہے یہاں یہ نکرہ لفظ فیہ کی وجہ سے موصوف ہے۔

مسئلہ اکثر اہل علم کے نزدیک یہ آیت: فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم سے منسوخ ہے۔

وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ صدٌّ مبتدا اور مابعد کے عمل کی وجہ سے موصوف ہے اگرچہ نکرہ ہے لیکن اس تاویل سے مبتدا ہونا جائز ہوا اب معنے یہ ہوا اور اس کا اسلام سے روکنا جو کہ بندے کو اللہ سے ملاتا ہے وَكُفْرٌ بِهِ یعنی اللہ تعالٰے سے کفر کرنا۔ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اس کا عطف سبیل اللہ پر ہے اس لیے کہ اللہ تعالٰے کے راستہ سے روکنا بھی کفر کے افراد سے ہے۔

سوال یہ عطف احسن نہیں کیونکہ اس طرح سے اجنبیت پیدا ہوتی ہے؟

جواب اس طرح کے عطف سے معطوف علیہ اور معطوف میں اجنبیت ہے ہی نہیں کیونکہ دونوں کا مفہوم ایک ہو جاتا ہے مثلاً کہا جائے منع المسلمین عن دخول مکۃ وزیارۃ بیت اللہ دخول اور زیارت ایک ہی بات ہے اس اعتبار سے عطف صحیح ہوا۔ (اگرچہ تفسیری)

وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ یعنے مسجد حرام کے اہل ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین مراد ہیں مِنْهُ یعنے مسجد حرام سے۔ اس کا عطف کفر بہ پر ہے۔

سوال تمام اہل اسلام کو مسجد حرام کا اہل کیوں قرار دیا گیا کیونکہ اہل عرف میں اسے کہا جاتا ہے جو وہاں کا مکین ہو اور تمام اہل اسلام تو مکہ کے مکین نہیں تھے؟

جواب دلالت التزامی کے لحاظ سے وہ بھی مکہ کے مکین ہیں کہ اہل اسلام کہیں بھی ہوں تب بھی ان پر مسجد حرام کی ادائیگی واجب ہے اور پھر وہ بالآخر اس کے مکین ہی ہوں گے کیونکہ عاقبت اہل اسلام کی مسجد حرام میں ہی ہے اس لیے اس کا نام عاقبت ہے اور کفار کو اس کا اہل نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ ان کی مسجد حرام کی مکانیت عارضی ہے ۔

اَکۡبَرُ عِنۡدَ اللّٰهِ سابقہ جملہ بوجہ عطف کے مبتدا ہوا اور یہ جملہ ان سب کی خبر ہے یعنی مذکورہ بالا چار امور گناہ اور بدانجام کے لحاظ سے بہت بڑے ہیں بہ نسبت ابن الحضرمی کو ماہ حرام میں مسلمانوں کے قتل کرنے سے کیونکہ ماہ حرام میں قتل کرنا کسی وقت تو حلال ہو سکتا ہے لیکن کفر کا تو کسی وقت بھی حلال ہونے کا امکان نہیں اس لیے کہ مسلمانوں نے اس وقت ماہ رجب کا ہونا نہ سمجھا تھا اور وہ اس تاویل کی وجہ سے ماہ حرام میں قتل کر بیٹھے اور یہی ان کے لیے جواز کی دلیل ہے اور کفر تو کسی وجہ سے بھی تاویل کی گنجائش نہیں رکھتا ۔ وَالۡفِتۡنَةُ یعنے وہ اُمور جن کے کفار مرتکب ہوئے ۔ مثلاً مسلمانوں کو مکہ مکرمہ سے نکالا اور ستم [illegible] کرتے ہیں اور لوگوں کو اسلام سے روکتے ہیں یہ فتنہ ابتداءً بھی ہے اور بقاءً بھی ۔ اَکۡبَرُ مِنَ الۡقَتۡلِ بہت سنگین [illegible] حضرمی کو ماہ حرام میں قتل کرنے سے ۔

ف جب آیت اتری تو حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالے عنہ نے مکہ مکرمہ کے رہنے والے مسلمانوں کو کہا کہ اگر کفار تمھیں ماہ حرام میں جنگ کرنے کی عار دیں تو تم انھیں یہی کہو کہ تم کفر میں مبتلا ہوا اور تم نے اللہ تعالے کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا اور اب مسلمانوں کو بیت اللہ شریف کی زیارت سے روکتے ہیں ۔

وَلَا یَزَالُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَكُمۡ اس آیت میں کفار کے مسلمانوں کی عداوت میں مستحکم ہونے اور فتنہ پر مصر رہنے کا بیان ہے یعنے اے مسلمانو! کفار تمھارے ساتھ لڑائی پر ہمیشہ تلے رہیں گے حَتّٰی یَرُدُّوۡكُمۡ عَنۡ دِیۡنِكُمۡ تاکہ تمھیں دین حق سے پھیر کر اپنے باطل دین کی طرف لے جائیں ۔ اِنِ اسۡتَطَاعُوۡا اس میں اشارہ ہے کہ وہ اپنے دین پر بڑے مضبوط اور ثابت قدم ہیں گویا کسی کے سوال پر یہ جواب دیا گیا ہے سوال یہ کہ یہ بات کیسے ہو سکتی ہے اس کا جواب مثال کے طور یوں ہے کہ کوئی کسی سے کہے اگر تو میرے اوپر قابو پالے تو جو مرضی آئے کرنا ۔ جب اسے یقین ہو کہ نہ وہ میرے اوپر قابو پا سکے گا اور نہ ہی وہ مجھے کچھ کہہ سکے گا ۔

ف اس میں مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ تم یقین رکھو کہ تمھارے دشمن تم پر غالب نہیں ہو سکیں گے (بشرطیکہ تمھارے اندر اسلام ایمان کے اطوار موجود ہوں) ۔

وَمَنۡ یَّرۡتَدِدۡ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِیۡنِهٖ ادغام نہیں کیا گیا اور اس کی دوسری دال کو ساکن پڑھا جائے اور اس کی فتح بھی جائز ہے جب کہ پہلی دال کو دوسری دال میں ادغام کیا جائے اور فتح اس لیے کہ یہ اخف الحرکات ہے اور الارتداد بمعنی ہٹنا ۔ اس میں ارتداد سے ڈرایا گیا ہے یعنی جو بھی یہ عمل ان کے گمراہ کرنے اور اغوا کرنے سے کرے ۔ فَیَمُتۡ وَهُوَ كَافِرٌ وہ دین اسلام کی طرف نہ لوٹے اور اسی حالت میں یعنے کافر ہو کر مرے ۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا موت سے پہلے اگر ارتداد سے توبہ کرکے اسلام میں داخل ہو جائے تو بھی اس کا اسلام قبول ہے ۔

فَاُولٰٓئِكَ یعنے وہ لوگ جو موت تک اپنے ارتداد پر رہے۔ حَبِطَتْ باطل اور لاشئ ہو گئے اَعْمَالُهُمْ ان کے وہ اعمال جو انھوں نے بحالتِ اسلام کئے اور ایسے کہ پھر ان کا حصول ناممکن ہے فِی الدُّنْیَا یعنے دنیا میں ایسے کہ ان کا مارنا قتل کرنا اس کے ارتداد کی وجہ سے اور مسلمانوں سے موالات ختم اور نہ ہی وہ اس کی مدد کریں اور نہ ہی وہ اس کی تعریف کریں گے اور نہ ہی ان کے ساتھ نکاح و بیاہ کا سلسلہ ہوگا اور اہل اسلام کے ساتھ وراثت کے حقوق بھی ضائع وغیرہ وغیرہ یعنے وہ احکام جو مرتد اور اس کے اہل و عیال اور مال و اسباب پر جاری ہو سکتے ہیں دنیا میں اس پر تمام جاری ہوں گے وَالْاٰخِرَةِ یعنے آخرت میں ثواب اور حسنِ انجام سے محرومی کیونکہ مرتد کی عبادت جب دنیا میں اس لائق نہ تھی کہ قبول ہو پھر اس کا ثواب آخرت میں کیسا فلہٰذا آخرت میں ثواب اور حسنِ انجام سے محروم۔

فائدہ حبط اعمال سے نفس اعمال کا ابطال مراد نہیں کیونکہ وہ تو اعراض ہیں اور ان کی حقیقت یہ کہ وہ ہوئے اور مٹے اور مسلّم ہے کہ اعدام المعدوم محال (معدوم کو مٹانا محال ہے) بلکہ وہی مراد ہے جو ہم نے پہلے عرض کیا کہ ارتداد ایمان کے ثواب اور اس کے ثمرات کو ضائع کر دیتا ہے اور بس۔

مسئلہ آیت کا بظاہر تقاضا یہ ہے کہ ثبوت احکام مذکورہ یعنی دآخرت و دنیا میں حبط اعمال کے لیے وفات کے وقت ارتداد شرط ہے اس بنا پر وہ شخص دائمی طور جہنم میں رہے گا اگر اس ارتداد کے بعد پھر اسلام قبول کرے تو اسے حبط شدہ اعمال کا ثواب نہیں ملے گا اسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت سے استدلال فرمایا ہے کہ ارتداد سے سابقہ اعمال کا اعادہ نہیں ہوتا اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا اور ارتداد سے پہلے جو فرائض ادا کئے اب ارتداد پر وہ سب ضائع ہو گئے فلہٰذا اسے دوبارہ ان کی قضا کرنی چاہیے اسی طرح حج کے متعلق مسئلہ ہوگا۔

ف ارتداد اعمال کو ضائع نہیں کرتا ہاں اگر وہ شخص اسی حالت یعنے ارتداد میں فوت ہو تو پھر اس کے اعمال ضائع ہوں گے اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ارتداد مطلقاً حبط اعمال کرتا ہے اگرچہ وہ بعد میں مسلمان ہو جائے کیونکہ آیت "ولو اشرکوا لحبط عنھم ما کانوا یعملون" اور "ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ" کے عموم کا تقاضا یونہی ہے۔

مسئلہ اس آیت سے دو مسئلے ثابت ہوئے۔ (۱) متکلمین کہتے ہیں کہ ایمان و کفر کے لیے شرط ہے کہ بوقت وفات ان دونوں میں سے ایک کا ہونا لازمی ہے ان کے نزدیک وہ شخص کافر ہے جسے بوقت وفات ایمان نہیں۔ اسی طرح وہ شخص مؤمن ہے جسے بوقت وفات دولت ایمان حاصل ہو۔ (۲) کسی شخص نے نماز پڑھی پھر معاذ اللہ مرتد ہو گیا پھر ابھی نماز کا وقت باقی ہو تو پھر مسلمان ہو گیا امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس نماز کا اعادہ نہیں اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس شخص پر نماز کا اعادہ ضروری ہے اسی طرح حج وغیرہ کا مسئلہ ہے۔

وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ وہی لوگ جہنم والے ہیں هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ دوسرے کافروں کی طرح ان کو بھی دائمی طور جہنم میں رہنا ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ مومن کے لیے ضروری ہے کہ اعمال صالحہ میں مشغول رہے اور ان برائیوں سے بچے جو ارتداد کا سبب بنتا ہیں دراصل ارتداد کا سبب یقین کا معدوم ہونا ہے ورنہ شیطان اور مشرک موحد کے قریب تک نہیں پھٹکتے کیونکہ موحد تو ہر انواع و قیود کے گورکھ دھندوں سے آزاد ہے اور وہ اپنے معبود حقیقی سے واصل ہے۔

ف عمل صالح وہ ہے جس میں صرف اور صرف رضائے حق مطلوب ہو اور بس کیونکہ اس کے ماسوا کے ارادہ سے عبادت فاسد ہوتی ہے اس سے صاحب عمل کو کوئی فائدہ نہیں۔

حضرت حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔ ع

فردا کہ پیشگاہ حقیقت شود بدید
شرمندہ رہروئے کہ عمل بر مجاز کرد

ترجمہ کل قیامت میں ہر حقیقت ظاہر ہو جائے گی اس وقت وہ شرمندہ ہو گا جو مجاز کے راہ پر چلتا ہے۔

مسئلہ بہترین نیکیوں میں سے توحید ہے کیونکہ یہ سب نیکیوں کی سرتاج ہے اس لیے اس کی بھر تول بھی نہیں ہوگی حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کل حسنۃ تعملھا توزن یوم القیمۃ الا شہادۃ ان لا الہ الا اللہ" ہر نیکی جسے بندہ عمل میں لاتا ہے اسے قیامت میں تولا جائے گا سوائے کلمہ شہادت کے۔ اس لیے جو بھی اسے خلوص دل سے پڑھتا ہے اگر اسے میزان میں ایک طرف اور ساتوں آسمان اور ساتوں زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے کو دوسری طرف رکھا جائے تو کلمہ توحید کا پلڑا بھاری ہو گا۔

ف تمام اعمال صالحہ سے نور ایمان میں اضافہ ہو گا انسان کو چاہیے کہ اعمال صالحہ اور اطاعت الٰہیہ اور معارف حقیقہ کا شامل رکھے اس لیے کہ اللہ تعالےٰ کا عرفان تمام عبادات سے افضل ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال ہوا : ای الاعمال افضل"۔ آپ نے فرمایا : "العلم باللہ" عرفان الٰہی آپ سے عرض کیا گیا کہ ہم آپ سے عمل کا عرض کرتے ہیں اور آپ علم کا بتاتے ہیں آپ نے فرمایا : "ان قلیل العمل ینفع مع العلم وان کثیر لا ینفع مع الجھل" علم ہو تو تھوڑا عمل بھی مفید ہے اگر عمل زیادہ ہو اور جہالت کا غلبہ ہو تو اتنا مفید نہیں ہاں یہ اس وقت حاصل ہو گا جب کہ باطن کی صفائی توحید کے صیقل سے کی جائے۔ باقی رہا ذکار کا انواع سو وہ صرف اولیاء اللہ ہی جانتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

ذکر حق کن بانگ غولاں را بسوز
چشم نرگس را ازیں کرگس بدوز

ترجمہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر کے غولوں کی آواز کو جلا دے نرگس کی آنکھ کو گدھ سے سی دو۔

حضرت شیخ حسن محمد بن السراج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سُنا وہ فرماتے

حکایت تھے کہ میں نے خواب میں ابلیس کو دیکھا کہ وہ ننگا پھر رہا تھا میں نے اسے کہا تجھے لوگوں سے شرم نہیں آتی شیطان نے کہا اگر یہ لوگ انسان ہوتے تو میں انہیں گیند بنا کر نہ کھیلتا حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا بتائیے انسان کون ہیں شیطان نے کہا حقیقی انسان وہ ہیں جو مسجد شونیزی میں ہیں انہوں نے میرے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور میرے دل کو جلا کر راکھ بنا دیا جب میں ان کے پاس سے وسوسہ ڈالنے کے لیے گزرتا ہوں تو وہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اشارہ کرتے ہیں اور ان کے ذکر کے نور سے میرا دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نیند سے جاگا اور جاگتے ہی رات کو فوراً شونیزی کی طرف چلا گیا میں مسجد میں گیا تو وہاں صرف تین آدمی موجود تھے اور انہوں نے اپنے سروں کو پھٹے پرانے کپڑوں سے ڈھانپا ہوا تھا جب انہوں نے مجھے محسوس کیا ان میں سے ایک نے اپنا سر باہر نکالا اور کہا اے ابوالقاسم (حضرت جنید کی کنیت ہے) آپ وہی ہیں کہ جو بات آپ سے کی جاتی ہے آپ اسے سُن کر قبول کر لیتے ہیں۔

سبق ان کے جہاد فی طاعت اللہ کو اور ان کے باطنی صفائی پر غور کیجیے کہ انہوں نے اپنے دل سے ماسوا اللہ کو ہٹا دیا تھا اور اصل یہی اسلام حقیقی سے موصوف ہیں فقیر ناظم ھذہ الدرر یعنی صاحب روح البیان قدس سرہٗ فرماتے ہیں مجھے میرے شیخ نے فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث شریف "بدا غریباً وسیعود غریباً" کا معنٰی یہ ہے کہ الاسلام سے مراد یہی اسلام حقیقی ہے ایسا صاحبِ اسلام کبھی مرتد نہیں ہو سکتا اور ان کا غریب ہونا یہ ہے کہ کوئی ساتھی نہیں۔

مثنوی شریف میں حضرت مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ؎

حکایت

بود گبرے در زمان بایزید
گفت اورا یک مسلمان سعید
کہ چہ باشد گر تو اسلام آوری
تا بیابی صد نجات و سروری
گفت ایں ایمان گر ہست اے مرید
آنکہ دارد شیخ عالم بایزید
مومنم و ایمان آرم در نہاں
گرچہ مہرم ہست محکم بر دہاں
باز ایمان خود گر ایمان شماست
نے بداں میلستم و نے مشتہاست

آنکہ صد میلش سوئے ایمان بود

چوں شمارا دید زاں فاتر شود

زانکہ نامے بیند و معنیش نے

چوں بیاباں رامفازہ گفتنے

خلاصہ حکایت یہ ہے کہ کسی نے ایک کافر سے کہا تم مسلمان ہو جاؤ اس نے کہا اگر مومن بایزید جیسا ہو تو میں مومن ہوں اگر مومن تمھارے جیسے ہوں تو میرا اسلام کو سلام اس لیے تمھارے اندر اسلام کی خوشبو تک نہیں ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

شانِ نزول یہ آیت حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی جب کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیت میں انھیں خوشخبری سنائی کہ انھیں اس بات کا غم تھا کہ نامعلوم ہمارے لیے کیا سزا مقرر ہوتی ہے جب کہ ہم نے ماہ حرام میں جنگ کی لیکن فضل وکرم ہوا کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے مژدہ سنایا تو پھر وہ لوگ اس طمع میں پڑ گئے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے انھیں ثواب نصیب ہوگا چنانچہ انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ جو کچھ ہم نے کیا اس پر ہمیں سزا نہیں لیکن یہ تو بتائیے کہ ہمیں اس پر کوئی اجر و ثواب بھی ہوگا کیا ہم طمع کر سکتے ہیں کہ ہمارا یہ سفر جنگ کے ثواب اور اطاعت میں لکھا جائے گا اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کے خیال کے مطابق نازل ہوئی کیونکہ وہ مومن بھی تھے اور مہاجر بھی ۔ اور وہ اس جنگ کی وجہ سے مجاہد بھی ٹھہرے ۔ اب آیت کا معنٰے یہ ہوا کہ وہ اپنے ایمان پر مستحکم رہے اور مرتد نہ ہوئے ۔

وَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا اور وہ لوگ جو اپنے منازل اور اہل سے جدا ہو گئے وَجٰهَدُوۡا از المجاہدہ ، یعنے اپنی تمام طاقت کو صرف کرنا یعنے وہ لوگ جو مشرکین سے لڑتے ہیں فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ؕ اللہ تعالےٰ کے راستے میں اس کی طاعت سمجھ کر اس کے دین کو بلند رکھنے کے لیے ۔ اُولٰٓئِكَ یَرۡجُوۡنَ ، وہی اس کی امید رکھتے ہیں جو انہیں کامیابی کے مبادی میں رَحۡمَتَ اللّٰهِ ؕ یعنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب اور نہ ہی ان کے اعمال حبط ہوں گے جیسے مرتدین کے عمل حبط ہو گئے ۔

سوال اللہ تعالےٰ نے ان کی رجاء تو ثابت فرمائی ہے اس سے کامیابی کا ثبوت تو نہیں ملتا ؛

جواب سب کو معلوم ہے کہ اجر و ثواب کا حصول اعمال پر منحصر نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا اپنا فضل وکرم ہے ۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انھیں کامیابی بھی حاصل نہیں ۔

وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۝ وہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی بہت مغفرت فرماتا ہے ۔ اگرچہ ان سے بہت زیادہ کوتاہیاں ہو جاتی ہیں رحیم ایسا رحیم کہ ان کا اجر و ثواب وافر اور بکثرت عنایت فرمایا ہے حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ؛ کہ اس سے حضور نبی اکرم کے پسندیدہ لوگ مراد ہیں انھیں اللہ تعالیٰ نے اہل رجاء فرمایا ہے کیونکہ اصول ہے کہ من رجا

طلب ومن خاف ھرب" جو امید کرتا ہے وہ طلب کرتا ہے اور جو خوف کرتا ہے وہ بھاگتا ہے۔

حکایت حضرت ابو عمر بیکندی رحمہ اللہ تعالٰے ایک دن ایک کوچہ سے گزرے ایک قوم کو دیکھا کہ وہ ایک نوجوان کو اپنے محلہ سے باہر نکال رہے ہیں اس لیے کہ وہ بڑا مفسد تھا اور اس نوجوان کی ماں اس پر رو رہی تھی لوگوں سے کہا لوگو! اسے آج میری وجہ سے چھوڑ دو آئندہ اگر کوئی غلطی کرے تو ہم تم جانو اور تمھارا کام۔ نوجوان کو چھڑا کر حضرت ابو عمر اپنے کام کو چلے گئے چند روز بعد اسی محلہ سے گزرے تو اس بڑھیا کے رونے کی آواز سُنی آپ نے سمجھا کہ شاید اس نوجوان سے غلطی ہوئی اور لوگوں نے اسے نکال دیا ہوگا اس پر بڑھیا رو رہی ہے آپ نے بڑھیا کا دروازہ کھٹکایا اور نوجوان کا حال پوچھا بڑھیا نے کہا میرا وہی نوجوان بیٹا فوت ہوگیا ہے آپ نے فرمایا اس کی موت کیسے واقع ہوئی بڑھیا نے عرض کیا جب اسے موت نزدیک ہوئی تو اس نے کہا اماں جی میری موت کی خبر ہمسائیگاں کو نہ دینا کیونکہ میں نے انھیں عمر بھر ستایا اور اب وہ میری موت پر مجھے گالیاں دیں گے اور نہ ہی جنازہ پر آئیں گے لیکن اتنا ضرور کریں کہ جب مجھے دفن کر لو تو یہ میری مہر ہے اسے میرے ساتھ دفن کر دینا اور دفن کی فراغت کے بعد میرے لیے دعا کریں میں نے اس کی وصیت کو پورا کیا اس کی مہر پر لکھا ہوا تھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" جب میں اس کی قبر سے فارغ ہو کر اٹھی تو قبر کے اندر سے آواز آئی میرا بیٹا کہہ رہا تھا۔ اماں جی چلے جاؤ کیونکہ اب میں رب کریم کے سامنے حاضر ہوگیا ہوں۔ (یعنے بخشا گیا ہوں)۔

کسی نے خوب فرمایا ہے۔ ع

بہ بہا نہ می دہد بہا نمی دہد

یعنے کسی خاص سبب سے معاف کر دیتا ہے وہ قیمت لے کر نہیں بخشتا۔

حکایت حجاج بن یُوسف پر جب موت کا وقت قریب آیا تو کہتا تھا: اللھم اغفر لی فان الناس یزعمون انک لا تفعل" اے اللہ مجھے بخش دے لوگوں کا میرے متعلق گمان ہے تو مجھے نہیں بخشے گا مگر مجھے امید ہے کہ تو کریم ہے اس لیے مجھے تیری رحمت کی امید ہے) حجاج واسط (وہ ایک شہر جو اس نے خود بنایا تھا) میں ۹۵ھ میں فوت ہوا اس کی موت کے دن کا نام لوگوں نے عرس العراق رکھا (اس لیے کہ اس کی موت تمام عراق کے لیے نجات کا سبب بنی) پہلے اس کی موت کا کسی کو علم نہ تھا آخر اس کی لونڈی محل پر چڑھ کر روتی ہوئی کہتی تھی: "الا ان مطعم الطعام ومفلق الھامات" طعام کھلانے والا اور لوگوں کی کھوپریاں اڑانے والا (یعنی قتل عام کرنے والا) مر گیا جب اسے دفن کیا گیا تو ایک شخص اس کی قبر پر کھڑا ہو کر کہتا تھا۔ "اللھم لا تحرمنا شفاعۃ الحجاج" اے اللہ ہمیں حجاج کی شفاعت سے محروم نہ فرما۔ وہاں ایک شخص نے قسم کھائی اگر حجاج بخشا گیا تو میری عورت کو طلاق ہے۔ (کیوں کہ وہ بڑا ظالم تھا کسی کو اس کی بخشش کی امید نہ تھی) حضرت طاؤس سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: (ما اظنھا الا طلقت) اللہ تعالٰے جسے چاہے بخش دے میرا گمان ہے کہ تیرے اس جملے سے تیری عورت مطلقہ ہوگئی پھر یہی فتوٰی حضرت حسن بصری

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جا تو اپنی عورت کو لے جا اور اس سے ازدواجی زندگی گزار اگر محتاج جہنم میں جائے، تو تمہیں اس سے کونسا نقصان ہے۔

سبق اس سے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اپنے بندوں کے گناہ بخش دیتا ہے خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔

نصیحت بندوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کی رحمت کے امیدوار رہیں۔

ف امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آیت اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ میں یہی تین باتیں یعنی ایمان، مہاجرت، جہاد مراد لی گئی ہیں کیونکہ مہاجرت نصیب نہیں ہوتی جب تک ایمان نہ ہو اور شہوات کے ترک کا نام جہاد ہے جسے یہ تینوں مراتب حاصل ہو جائیں اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہو۔

تفسیر صوفیانہ ہجرت دو قسم ہے ظاہری، باطنی۔ ظاہر کا حکم تو منقطع ہو گیا جب کہ فتح مکہ ہوئی جیسا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لاھجرۃ بعد الفتح یعنی فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں اور معنوی ہجرت یہ ہے کہ نفس کی خواہشات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ تک پہنچنا قلب کے کعبہ کو فتح کی وجہ سے یعنی اسے خواہشات نفسانیہ اور شرک کے بتوں سے خالص کر لینا ایسی ہجرت قیامت تک جاری رہے گی۔ جہاد دو قسم ہے۔ (۱) اصغر یعنے کفار کے ساتھ لڑائی کرنے کا نام جہاد اصغر ہے۔ (۲) اکبر یعنے نفس کے ساتھ جہاد کرنے کا نام جہاد اکبر ہے۔ اس کا نام اکبر اور پہلے کا نام اصغر اس لیے ہے کہ پہلے نے ظاہر کی۔ اور دوسرے سے باطن کی اصلاح ہوتی ہے اور باطن کی صفائی ظاہری صفائی کے لحاظ سے سخت تر ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلے جہاد سے جنت و رحمت اور دوسرے سے مشاہدۂ حق اور جمال مطلق کی زیارت نصیب ہوتی ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ پہلے سے شہادت اور دوسرے سے صدیقیت نصیب ہوتی ہے اور صدیقیت شہداء سے مرتبہ کے لحاظ سے اعلیٰ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من الصدیقین والشھدآء آیت میں اللہ تعالیٰ نے صدیقوں کو پہلے اور شہدآ کو بعد میں ذکر فرمایا ہے جب بندہ جہاد اکبر کر کے نفس کی اصلاح کرتا ہے (جو کہ کبریت احمر سے زیادہ نفیس ہے) تو اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرتا ہے۔ اور اسے نقصان نہیں پہنچاتا۔

حکایت ایک شخص کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی بہت خدمت کی اور ایک دن اس نے بزرگ سے عرض کی کہ مجھے اسم اعظم سکھائیے بزرگ نے فرمایا کیا تجھے اس کی اہلیت بھی ہے اس نے عرض کی ہاں جی۔ بزرگ نے فرمایا شہر کے دروازہ پر جو واقعہ درپیش ہو دیکھ کر مجھے سنائیے وہ شخص شہر کے دروازہ کے کنارے جا کر بیٹھ گیا دیکھا ایک بوڑھا لکڑیوں کا گٹھر گدھے پر لادے ہوئے آ رہا ہے ایک سپاہی آیا اور لکڑیوں کا لدا ہوا گدھا چھین لیا اور اسے دو چار چابک بھی رسید کیے جب وہ شخص اسی بزرگ کی خدمت میں پھر حاضر ہوا شیخ نے ماجرا پوچھا تو سارا واقعہ سنایا بزرگ نے فرمایا اگر تجھے اسم اعظم معلوم ہوتا تو تو اس سپاہی سے کیا کرتا تو اس نے کہا اگر مجھے اسم اعظم معلوم ہوتا تو میں اس کی برکت سے بددعا کر کے اسے تباہ و برباد کرتا۔

بزرگ نے فرمایا جس لکڑہارے کو تو نے مار کھاتے ہوئے دیکھا یہی وہ شخص ہے جس نے مجھے اسم اعظم سکھایا ہے اور اسم اعظم بھی اس شخص کو سکھایا جاتا ہے جو مصائب کے وقت صبر کرے اور خلق خدا سے دکھ اٹھا کر ان پر شفقت کرے۔

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ؎

مکن تا توانی دل خلق ریش
وگر میکنی میکنی بیخ خویش

ترجمہ جب تک تمھارے میں طاقت ہے کسی کا دل نہ دکھا اگر کسی کا دل دکھاتا ہے تو تو اپنی جڑ کاٹتا ہے۔

نسخہ روحانی قلت کلام۔ اصلاح نفس کے لیے بہترین علاج ہے جیسے کم کھانا غذا کو طبیعت کے لیے نافع سمجھا جاتا ہے اصلاح نفس سے قلب کی صفائی نصیب ہوتی ہے۔

حضرت مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ؎

طفل جاں از شیر شیطاں باز کن
بعد از انش با ملک انباز کن
تا تو تاریک وملول و تیرہؔ
دانکہ با دیو لعیں ہمشیرہؔ
لقمہ کو نور افزود و کمال
آں بود آوردہ از کسب حلال
روغنی آید چراغ ما کشد
آب خوانش چوں چراغی را کشد

ترجمہ روح کو شیطان کے دودھ سے دور رکھو اس کے بعد اسے اپنے ملک اسے شریک بناؤ جب تک تم تاریک اور ملول اور ظلمات میں ہو اس وقت تک دیو لعین کے ساتھ تم ساتھ ہو کسب حلال کا لقمہ نور اور کمال کو بڑھاتا ہے روغن سے ہی ہمارا دیا روشن ہوتا ہے جو دیا بجھا دے تو اسے روغن مت کہو بلکہ وہ پانی ہے۔

تفسیر عالمانہ

(وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ)

شانِ نزول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا میں نے کسی قوم کو حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بہتر نہیں دیکھا کہ انھوں نے کل تیرہ مسئلوں کے متعلق اپنے نبی کریم علیہ السلام سے سوال کیا اور وہی سب کے سب قرآن پاک میں ہیں اور وہ سب کے سب ان کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے نافع ہیں۔

شراب الخمر۔ یعنے شراب پینے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ جیساکہ جواب کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ حلت وحرمت

اور گناہ و ثواب مکلفین کے افعال کے عوارض سے ہیں ورنہ اشیاء کے ذوات واعیان میں کوئی گناہ نہیں۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ شراب کے بیع و شراء کے علاوہ وہ جملہ امور اس کی حرمت میں شامل ہو گئے جن میں صرف سرمی کو دخل ہے یعنی وہ جملہ امور جو غیر مشروع ہیں۔

ف الخمر خمرہ کا مصدر ہے بمعنے ستر کا یعنی اسے ڈھانپنا شراب کو خمر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے انگور سے نچوڑا جاتا ہے پھر وہ جوش مارتا ہوا جب سخت ہو جاتا ہے تو پینے والے کی عقل و تمیز کو مخمور (مستور) کر دیتا ہے بوجہ مبالغہ اسے خمر کہا جاتا ہے کہ وہ خود ستر ہے جیسے کہ سکر (گنا) کو رس کہا جاتا ہے کہ

وَالْمَيْسِرِ یعنی آپ سے میسر کے متعلق سوال کرتے ہیں میسر یسر کا مصدر میمی ہے جیسے موعد و مرجع مصدر میمی ہیں مثلاً کہا جاتا ہے ایسوتہ۔ ای قمرتہ یعنے میں نے اس سے قمار بازی کی یا یہ تو یسر سے مشتق ہے اس لیے کہ اس کے ذریعے بلا تکلف مال حاصل ہوتا ہے یا یسار سے ماخوذ ہے اس لیے کہ اسی کے لیے مال حاصل کیا جاتا ہے۔

مسئلہ میسر سے قمار و شطرنج وغیرہا کے جمیع اقسام شامل ہیں یہاں تک کہ کھیل جو لڑکے اخروٹ سے کھیلتے ہیں وہ بھی اس کی حرمت میں شامل ہیں۔

فِيْهِمَآ یعنی شراب اور قمار کے کاروبار اور اس کے استعمال میں اِثْمٌ كَبِيْرٌ بڑا گناہ ہے۔ اس لیے شراب عقل کو سلب کر لیتا ہے اور عقل دین و دنیا کا قلب ہے اور یہ دونوں شراب و قمار مال و اسباب کو ضائع کرنے والے ہیں۔

وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ اور لوگوں کے اس میں منافع بھی ہیں۔

شراب کے فائدے :

۱۔ سرور و مستی۔

۲۔ شراب کے بیوپار میں مال کا حصول اس کے ذریعے بہت سامال جمع کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اس میں کمزور کو تقویت ملتی ہے۔

۴۔ طعام ہضم کرتا ہے۔

۵۔ قوت باہ میں مدد کرتا ہے۔

۶۔ غمگین کو خوشی دلاتا ہے۔

۷۔ بزدل کو بہادر بناتا ہے۔

۸۔ بخیل کو سخی کرتا ہے۔

۹۔ جسم کے رنگ کو نکھارتا ہے

۱۰۔ بچے کو بولنے پر قدرت دیتا ہے۔

۱۱ - ارادے بلند کرتا ہے۔

قمار کے فائدے :

۱ - بلا تکلف مال و دولت حاصل ہوتی ہے۔

۲ - فقراء کو نفع پہنچاتا ہے اس زمانہ کے قمار باز گوشت و دیگر اشیائ خرید کر محتاجوں پر تقسیم کرتے تھے۔

حکایت امام واقدی فرماتے ہیں کہ اگر ایک ہی مجلس میں کوئی قمار باز سو اونٹ حاصل کرتا تو وہ عوام میں تقسیم کر دیتا اس سے اس کا بڑا چرچا ہوتا۔

وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا اور ان کا گناہ ان کے منافع سے بہت بڑا ہے۔

شراب کے نقصانات :

۱ - آپس میں بغض و عداوت بڑھتی ہے۔

۲ - اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتا ہے۔

۳ - آدمی کو بے حوصلہ اور اتنا بیوقوف احمق بنا دیتا ہے کہ بسا اوقات شرابی اپنے پیشاب سے کھیلنے لگ جاتا ہے اسی طرح مٹی اور قے سے لہو لہب اس کا مشغلہ بن جاتا ہے۔ (کذا ذکرہ ابن ابی الدنیا)

حکایت حضرت ابن ابی الدنیا کا ایک شرابی کے پاس سے گزر ہوا وہ اپنے پیشاب کے ساتھ کھیل رہا تھا اور اسے ہاتھ میں لے کر وضو کرنے والے کی طرح اپنے منہ پر مل رہا تھا اور کہتا تھا الحمد لله الذی جعل الاسلام نورا والماء طهورا شکر ہے اس ذات کا جس نے اسلام کو نور اور پانی کو پاک کرنے والا بنایا۔

قمار کے نقصانات : جس کسی کا مال بغیر کسی کاروبار کے چلا گیا تو وہ اپنے بالمقابل کا جانی دشمن بن جاتا ہے اور اس کی دشمنی کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جب تک وہ اپنے بالمقابل کو زک نہیں پہنچا تا اسے چین نہیں آتا۔

فائدہ تفسیریہ مفسرین فرماتے ہیں کہ شراب کے متعلق چار آیات پے در پے نازل ہوئیں (۱) ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منه سكرا ورزقا حسنا۔ اس پر اہل اسلام انگور وغیر شراب وغیرہ نچوڑ کر پیتے تھے اس وقت یہ ان کے لیے حلال تھا اس پر حضرت عمر و حضرت معاذ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرمائیے شراب کیوں حلال ہے جب کہ یہ عقل کو سلب کرتا ہے اس پر یہ آیت يسئلونك عن الخمر والميسر (الآیۃ) نازل ہوئی۔ اس سے بعض حضرات نے اسے پینا چھوڑ دیا اور کہتے کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں جب کہ اس کے اندر بہت بڑا گناہ ہے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالے عنہ نے صحابہ کو دعوت دی اور انھوں نے شراب پی اس پر انھیں نشہ طاری ہو گیا نماز کا وقت تھا ان میں ایک نے نماز پڑھائی تو پڑھنے لگے "قل یا ایها الکفرون اعبد ما تعبدون الخ" ینے لا کو چھوڑ دیا جس سے کفر لازم آتا ہے۔ اس پر آیت نازل ہوئی لا تقربوا الصلوٰة وانتم سكارى (الآیۃ)

اس سے اکثر نے شراب پینا چھوڑ دیا اور کہتے ہم ایسا عمل کیوں کریں جو ہماری نمازوں میں خلل ڈالے لیکن بعض اس کے بعد بھی پیتے رہے لیکن رات کو عشاء کی نماز کے بعد پی لیتے جس کا صبح سے پہلے نشہ اتر جاتا پھر نماز صبح کے بعد پیتے جس کا ظہر تک نشہ اتر جاتا ایک دن عتبان بن مالک نے ان کی دعوت میں اونٹ کے سر کا گوشت پکایا انہوں نے گوشت کھا کر شراب پیا تو مخمور ہو گئے اس پر فخر کرتے ہوئے اشعار پڑھنے لگے سعد نے ایسے اشعار پڑھے جس میں انصار کی ہجو اور اپنی قوم کی تعریف کی اس پر ایک شخص نے اونٹ کی ہڈی اٹھا کر سعد کے سر پر ماردی جس سے سعد کا سر پھٹ گیا سعد حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور انصاری کی شکایت کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی اللھم بین لنا فی الخمر بیانا شافیا یا اللہ شراب کے متعلق واضح راہبری فرما تیسے اس پر آیت اتری انما الخمر والمیسر جو کہ سورہ مائدہ میں موجود ہے جس کا آخری جملہ فھل انتم منتھون ہے حضرت عمر نے کہا فانتھینا یا رب ہم شراب خوری سے رک گئے۔

فوائد شراب خوری

ف شراب کی مکمل تحریم غزوہ احزاب کے چند دن بعد ۵ھ میں ہوئی ۱۲ حضرت قفال فرماتے ہیں کہ شراب کی حرمت اس ترتیب میں ایک حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ قوم عرب شرابخواری کی خوگر ہے اور اس سے انہیں بہت بڑے منافع معلوم ہوتے تھے اگر انہیں یکبارگی روکا جاتا تو انہیں شاق گزرتا اس لیے اس ترتیب سے شراب کی حرمت تدریجاً اور نرم حقوق سے ہوئی۔

ف جب شراب کی حرمت مکمل طور نازل ہوئی تو اس کے بعد تمام شراب ضائع کر دیے گئے۔

حکایت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا ہم سب شراب کے بڑے بڑے مٹکے لے کر راستہ پر چلے تو ہم میں سے بعض نے مٹکے راستے میں توڑ دیے اور بعض نے مٹکے گارے میں بہا دیے مدینہ طیبہ کی گلیاں کوچے بڑی دیر تک شراب سے موسلا دھار بارش کی طرح بہتے رہے شراب کا رنگ گلی کوچوں میں بکھرا ہوا تھا اور شراب کی بو سارے شہر میں پھیل گئی عرب میں اس دن سے کوئی دن زیادہ عجیب تر نہیں ہوا اور نہ ہی شراب سے کوئی اور سخت آرڈر ہوا۔

حدیث شریف حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی کہ اللہ تعالےٰ کو جعفر طیارؓ کی چار خصلتیں بڑی پسند آئی ہیں جن کے وہ زمانہ جاہلیت میں بھی پابند رہے اور اسلام میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے پوچھا وہ کون سی چار خصلتیں ہیں۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر اللہ تعالےٰ آپ کو ان کے متعلق اطلاع نہ فرماتا تو میں ہرگز ظاہر نہ کرتا وہ چار خصلتیں یہ ہیں۔

۱۔ میں نے شراب کبھی نہیں پی اس لیے کہ وہ عقل کو سلب کرتی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ عقل تیز ہو۔
۲۔ میں نے بت کے سامنے کبھی سر نہیں جھکایا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ یہ نہ نفع دیتے ہیں نہ نقصان۔

۳- میں نے زنا بھی نہیں کیا صرف اپنے اہل پر غیرت کی بنا پر (اس لیے کہ جس طرح میں غیر عورت سے زنا کروں اسی طرح میرے اہل سے بھی کوئی کرے تو ۔

۴- میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اس لیے کہ اس کے اندر خسیس پن ہے ۔

حضرت عمرو بن اوہم جو بنی تیم کی سادات سے ہیں شراب کی مذمت کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ عقل اگر خرید وفروخت کی

حکمت شئے ہوتی تو دنیا میں کوئی شئے نہ ملتی جو اس کے بدلہ میں دی جاتی لیکن تعجب ہے اس بیوقوف پر جو پیسے دے کر حماقت خریدتا اور اسے اپنے سر کے اندر ڈالتا ہے ۔ دیسے شراب پی کر مال ضائع کرکے عقل کھو دیتا ہے پھر اسے قے کرتا ہے اور اپنے دامن پر بیٹ کر دیتا ہے ۔

ف حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں اگر کسی کنوئیں میں شراب کا ایک قطرہ ڈال دیا جائے پھر کنوئیں پر مکان تیار ہو اور اس پر اذان کا منارہ بنایا جائے اور مجھے اذان کا کہا جائے تو میں اس منارہ پر ہرگز اذان نہیں دوں گا اسی طرح کسی دریا میں شراب کا ایک قطرہ ڈالا جائے پھر وہ دریا خشک ہو جائے اور اس میں گھاس اگ جائے تو میں اس گھاس میں اپنے جانور کو ہرگز نہیں چراؤں گا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں اگر میری انگلی شراب میں پڑ جائے تو وہ میرے ہاں واپس نہیں آئے گی یعنے میں اسے کاٹ ڈالوں گا یہی حقیق ایمان اور تقوی ہے ۔

سبق مسلمان کو چاہیے کہ دل میں شراب پینے کا خیال تک نہ لاعبے چہ جائے کہ اسے خریدے ۔

مسئلہ شراب خوار سے قطع تعلق رکھے تاکہ اس کے ساتھ میل جول سے کہیں شراب نہ پی بیٹھے یا کم از کم اس کے قطرات تو اس کے جسم پر پڑیں گے اس طرح سے ایک پلید اور نجس شئے اسے لگ گئی ۔

حضرت حسین واعظ کاشفی فرماتے ہیں ۔ ؎

ترا رحمان ہمیگوید کہ اے مؤمن مخور بادہ
ترا ترساہی گوید کہ در صفرا مخور حلوہ
نے مانی زنا پاکی برائے گفتہ رحمان
بمانی شہد و شکر را برائے گفتہ ترسا

ف بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنی لڑکی شراب خور کے نکاح میں دی گویا اس نے اپنی لڑکی کو زنا میں جھونک دیا اس لیے کہ شراب خور مستی میں اسے طلاق دے گا جس کا اسے علم نہیں ہوگا پھر وہ اس سے وطی کرکے زنا کا مرتکب ہوتا رہے گا

مسئلہ متولی کو چاہیئے کہ اپنی لڑکی اور بہن وغیرہ کا نکاح فاسق سے نہ کرے اور نہ ہی ایسے سے جو جرائم کا مرتکب ہوتا ہے ۔

مسئلہ شراب کا سرکہ بنانا جائز ہے اگر علاج کے لیے ہو مثلاً گرم پانی یا نمک یا روٹی ڈال کر اس اعتبار سے شراب کا سرکہ بنا کر و نہیں ۔

حدیث شریف میں ہے خیر خلکم خل خمرکم تمہارے لیے بہترین وہ سرکہ ہے جو شراب سے تیار ہوتا ہے۔

قمار کی تحقیق عربی میں میسر قمار کو کہتے ہیں اور قمار باز کو یاسر کہا جاتا ہے دراصل میسر اونٹ سے تعلق ہوتا تھا کیونکہ عرب کے اہل ثروت اونٹ کو خرید لیتے تھے لیکن قیمت ادا نہ کرتے تھے صرف اس نیت پر کہ وہ قمار میں غلبہ پالیں گے۔

ف جس پر وہ اونٹ واجب ہو جاتے اس کے اونٹ لے کر ذبح کر لیے جاتے اور ان کے دس حصے ہوتے بعض کے نزدیک اس کے اٹھائیس حصے ہوتے پھر ان کو دس تیروں پر حصے بناتے ان تیروں کو ازلام واقلام کہا جاتا۔ ان میں سات وہ ہیں جن کے حصص متعین تھے۔

۱۔ القد۔ ہر اس کا ایک تھا۔

۲۔ التوأم۔ اس کے دو حصے۔

۳۔ الرقیب۔ اس کے تین حصے۔

۴۔ الحلس۔ اس کے چار۔

۵۔ النافس۔ اس کے پانچ۔

۶۔ المسبل۔ اس کے چھ۔

۷۔ المعلیٰ۔ اس کے سات حصے۔ تین ایسے ہیں ان کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ وہ تین یہ ہیں۔

(۱) السیخ۔ (۲) المسفیح۔ (۳) الوعد۔ پھر ان تیروں کو ایک کپڑے کے ٹکڑے میں لپیٹتے اس کا نام ربابہ ہوتا اس ہر ایک کو معتبر آدمی کے ہاتھ پر رکھ دیتے جس کے نام وہ تیر نکلتا وہی متعین حصے اسی کو دیے جاتے اور جس کے نام ان تینوں میں سے کوئی نکلا جس کا کوئی حصہ متعین نہیں اسے کچھ نہ ملتا بلکہ ان اونٹوں کے مطابق قیمت ادا کرتا اور ان اونٹوں کا گوشت فقراء پر تقسیم کیا جاتا اور خود اس سے نہ کھاتے۔ اس پر انہیں بڑا ناز تھا اور جو اس میں داخل نہ ہوتا اس کی مذمت کرتے اور اسے البرم کہتے اس کا معنے ہوتا لئیم بدبخت یعنے (عدیم المروۃ والکرم) یہ وہ قمار ہے جو عرب میں رائج تھی جس سے مسلمانوں کو روکا گیا۔

مسئلہ اس میں اختلاف ہے کہ کیا قمار سے وہی مخصوص قمار مراد ہے یا اس کے دیگر تمام انواع جیسے نرد۔ شطرنج وغیرہ۔

حکایت ایک مرد نے کسی سے شرط لگائی کہ اگر اتنے انڈے (کثیر المقدار) کھا جائے تو اس کی شرط یہ ہے کہ اسے اتنے اتنے دراہم و دنانیر ملیں گے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا یہ ناجائز ہے اس لیے کہ یہ بھی قمار ہے۔

مسئلہ حضرت ابن سیرین رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس بات میں شرط لگائی جائے وہی قمار ہے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وایاکم وهاتین الکعبتین المشؤمتین فانهما من میسر العجم حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مراد اس سے نرد اور شطرنج ہے اور وہ دونوں حرام ہیں

سوال گھوڑ دوڑ اور اونٹ بھگانا اور تیر اندازی بھی تو ایک قسم کی کھیل ہے پھر یہ کیوں جائز ہے۔؟

جواب یہ امور جنگی ضروریات ہیں فلهذا انفک عنه البعض کے قبیل سے ہیں۔ اسی لیے جائز ہیں۔

لے یعنی ان دونوں منحوس کعبتیں سے بچو اس لیے کہ یہ دونوں عجمیوں کی قمار ہیں۔

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں ؎

کہن گشتی و ہمچناں طفلی
شیخ بودی و ہمچناں شابی

تو ببازی نشستہ در چپ و راست
میرسد تیر چرخ پر تابی

جائے گریہ است بر مصیبت پیر
کہ تو کودک ہنوز لعابی

ترجمہ تم بوڑھے ہوگئے لیکن تا حال تیرا مزاج بچوں کا سا ہے کھیل کود کے لیے دائیں بائیں بیٹھا رہتا ہے لیکن اچانک تجھے موت کا تیر پہنچے گا ایسے بوڑھے کی ایسی مصیبت پر رونا چاہیئے جب کہ اسکی بچوں کی طبیعت ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے ظاہری شراب مختلف اجناس جیسے کھجور، زبیب اور مختلف اناج جیسے گندم اور جو اور جوار سے بنتا ہے اسی طرح باطن کا شراب بھی مختلف برائیوں سے تیار ہوتا ہے مثلاً غفلت، شہوت، ہوا و ہوس اور حب دنیا اس طرح کے اور بھی یہ وہ شراب ہے جس سے انسانی عقل اور نفوس مخمور ہو جاتے ہیں اور اس میں گناہ بھی بڑا ہے اس لیے کہ ہر نشہ دینے والی شے حرام ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شے نشہ دے اس کا قلیل و کثیر حرام ہوتا ہے کہ وہ فعل کہ جس سے قلوب و ارواح اور اسرار مخمور ہوتے ہیں وہ واردات کا شراب ہے جو ساقی تجلی الصفات کے ہاتھوں مشاہدات کے پیالوں سے نصیب ہوتا ہے جب وہ نفوس پر وارد ہوتا ہے تو قلب مست ہو جاتا ہے اور ایسے وجد میں سرشار ہوتا ہے جو وحدت کے ملک سے حاصل ہوتا ہے اس سے ارواح شہود عن الوجود اور اسرار و جمال کے غمزوں کے ذریعے ملاحظہ کمال سے پاتے ہیں ایسا شراب لوگوں کے لیے منافع اور حلال ہے بہت بڑا تعجب کہ بعض ایسے ہیں جنہیں شراب وجود نشہ دیتا ہے اور بعض کو ساقی کا مشاہدہ ہوتا ہے جیسے کسی عربی شاعر نے کہا،

فاسکو القوم دور کاس
وکان من المدیر ؎

ترجمہ لوگ پیالہ کے دور سے مخمور ہوئے جو دراصل ساقی کی نگاہ کا نشہ تھا۔

مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

ما اگر قلاش اگر دیوانہ ایم
مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

مست می شیار بنود در نشور
مست حق ناید بخود تا نفخ صور

جرعۂ چوں ریخت ساقئ الست

بر سرایں خاک شد ہر ذرہ مست

جوش کرد آں خاک ما ازاں جوشیم

جرعہ دیگر کہ بس کوشیشم

ترجمہ ہم اگرچہ تنگدست اور دیوانے ہیں لیکن ازلی شراب اور اس کا پیمانہ اور ساقی سے ہم مست ہیں شراب ازلی کا مست بھی ہوش میں نہیں آئے گا اس لیے کہ حق کا مست نفخ صور تک بے خبر رہے گا شراب ازلی کا جب ایک گھونٹ عالم دنیا پر ہو تو اس سے دنیا کا ذرہ ذرہ مست ہے جب اس کے نشہ میں زمین کو جوش ہوا تو ہم دوسرے گھونٹ کی خواہش میں کوشاں ہیں۔

شراب کے پیالوں سے روگردانی کا بہت بڑا گناہ ہے بہ نسبت ہدایت کے ہزار سال نفع کی طلب کے۔ جیسے شراب کے نشہ میں نماز ممنوع ہے اسی طرح غفلت کا نشہ وصال یار سے مانع ہے اور میسر کا گناہ، قمار کے نشانوں سے ہے اور یہ ان دیار کے شعار سے ہے کہ جس کا راستہ حیلوں کی طرف جاتا ہے جن میں اسرار عملی دھوکے اور قولی فحش و گناہ ہی ہیں اور یہ بزرگوں کے نزدیک بہت بڑا گناہ اور نیکوں کی عادات سے بہت دور ہیں۔ باقی رہا اس کا نفع اس میں سوائے عدم الالتفات الی الکونین اور نقش العارفین کے فردانیہ نقش الکعبتین کے صرف کرنے کے اور کچھ نہیں لیکن ان کا گناہ عوام کے لیے زائد ہے خواص کے نفع سے اور عوام خواص سے زائد ہیں بلکہ خواص بالکل تھوڑے ہیں۔ کذا فی التاویلات النجمیہ

تفسیر عالمانہ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۔ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں یہ سوال جس طرح خرچ کی ہوئی شے کے متعلق ہے اسی طرح اس کی مقدار کے متعلق بھی ہو سکتا ہے۔

شان نزول جب آیت قل ما انفقتم من خیر فللوالدین الخ اتری تو عمرو بن الجموح نے سوال کیا کہ کتنا خرچ کروں تو فرمایا: قُلِ الْعَفْوَ ط فرمایئے اے میرے پیارے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم خرچ کرو جو زائد ہو۔

ف عفو جہد کی نقیض کو کہتے ہیں اور جہد بمعنے مشقت جو یسر و سہولت کی نقیض ہے گویا کہا گیا ہے وہ خرچ جو تجھے میسر ہو اور آسانی سے ہو سکے ایسا نہیں کہ تمہارے اوپر اس کا خرچ کرنا بار گراں ہو۔

قاعدہ العفو من المال اسے کہا جاتا ہے کہ جس کا خرچ کرنا آسان ہو اور الجہد من المال وہ ہے جس کا خرچ کرنا مشقت ہو اور آسانی سے وہ مال خرچ کیا جاتا ہے جو نفس اور اہل و عیال اور جن لوگوں کو خرچ دینا ضروری ہو ان کی ضرورت پر خرچ کیا جائے

كَذٰلِكَ اس طرح یعنے مثل اس کے کہ بیان کیا گیا ہے عفو جہد سے زیادہ مناسب ہے۔

ف کذلک کا کاف محل نصب میں ہے اور مصدر محذوف کی صفت ہے

سوال کاف واحد کیوں ہے حالانکہ خرچ کرنے والے تو لا تعداد و لا تحصی ہیں؟

جواب انہیں ایک گروہ یا فریق یا قوم یا وہ اسم جو لفظاً مفرد اور معنے جمع ہے قرار دیا گیا ہے۔

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے وہ آیات بیان کرتا ہے جو احکام شرعیہ پر دلالت کرتی ہیں ۔

ف آیات کے ساتھ تبیین کا ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا نازل کرنا ابتداءً واضح طریق اور روشن مدلول سے ہے ۔ نہ یہ کہ وہ پہلے مشتبہ وملتبس تھیں پھر انھیں واضح کیا گیا ہے ۔

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تاکہ تم دنیا وآخرت کے امور میں تفکر کرو پھر ان سے جو چیزیں تمہارے لیے مناسب ہیں انہیں باقی چھوڑو و اسی طرح وہ چیزیں جو تمھیں دنیا میں آسانی دیں اور آخرت میں نجات دیں ان کو حاصل کرو اور جو تمھیں آخرت میں نقصان دیتی ہیں ان سے دُور رہو ۔

ف امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمھیں امرِ دنیا وآخرت کے آیات بیان کرتا ہے تاکہ تفکر کرو کہ دنیا کو زوال اور فنا ہے اس لیے اس سے کنارہ کش رہو اور آخرت کو بقا ہے پس اس میں رغبت کرو ۔

مسئلہ اس آیت میں صدقہ دینے کی فضیلت ہے بشرطیکہ مال زائد از حاجات ضروریہ ہو ۔

حکایت وحدیث ایک شخص حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور مُرغی کے ایک انڈے برابر سونا لایا جو اسے بعض غزوات میں مالِ غنیمت سے حاصل ہوا اور عرض کی حضور ! یہ مال صدقہ ہے اور آپ اسے جہاں چاہیں خرچ کریں لیکن یہ بھی آپ کو معلوم ہو کہ گھر میں بس یہی تھا جو حاضر کر دیا آپ نے سنتے ہی اس سے چہرہ مبارک پھیر لیا پھر وہی شخص آپ کے دائیں جانب حاضر ہوا اور وہی کلمات دہرائے جو اس نے پہلے عرض کیے لیکن آپ نے اس سے چہرہ مبارک پھیر لیا پھر وہی شخص آپ کی بائیں جانب حاضر ہوا آپ نے غصہ کے لہجہ میں فرمایا : مجھے دیجئے آپ نے اس سے وہی سونا لیتے ہی ایسے زور سے زمین پر دے مارا کہ اگر اس شخص کو لگتا تو پھٹ جاتا یا زخمی ہو جاتا پھر فرمایا تم لوگ سالم مال لے کر صدقہ کے لیے پیش کر دیتے ہو پھر بھیک مانگنے لگ جاتے ہو جان لو صدقہ اس وقت دو جب تمھارے پاس وافر مال ہو اب اپنا یہ سونا لو ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں لفظ عفو میں اشارہ ہے کہ جب بندہ مال خرچ کرے تو خرچ کرتے وقت اس کا نشان دل سے بالکل مٹا دے یعنی بطیب خاطر کرے اس لیے کہ عفو کا حقیقی معنے ہے محو وطمس (مٹانا) ، زائد مال سے بقدر کفایت خرچ کرنا خواص کا طریقہ ہے باقی رہے خاص الخاص ان کا طریقہ ایثار ہے ان کا کام بھی یہی ہے کہ وہ اپنے نفس پر دوسرے کو ترجیح دیں اگرچہ انہیں فاقہ کی مشقت اٹھانی پڑے یہاں تک کہ جب تک اپنا مال اللہ تعالےٰ کے راہ نہیں لٹاتے انھیں قرار نہیں آتا۔ اگرچہ ان کا دوسرا ساتھی دولتمند ہو لیکن اسے ضرورت ہو تو وہ اس کی دولتمندی کو نہیں دیکھتے آخر مال اس پر خرچ کر ہی دیتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة ۔

حدیث شریف سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ہم اللہ تعالےٰ کی راہ پر خرچ کریں ایک دفعہ مجھے بہت سا مال حاصل ہوا مجھے خیال گزرا کہ ہمیشہ مجھ

سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰے سبقت لے جاتے ہیں اس دفعہ میں ان سے بڑھ جاؤں گا چنانچہ میں نے اپنے تمام مال کے دو حصے کر لیے آدھا مال گھر رکھ لیا اور آدھا بارگاہ رسالت میں حاضر کیا تاکہ صدقہ کروں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا اپنے بال بچوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو میں نے عرض کی حضور آدھا مال ان کے لیے رکھ آیا ہوں اس کے بعد آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا انہوں نے عرض کی ابقیت لھم اللہ و رسولہ ۔ حضور! میں ان کے لیے اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ آیا ہوں اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ نے کہا آئندہ میں کبھی بھی ان سے سبقت لے جانے کا ارادہ نہیں کروں گا اس کے بعد حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ سے فرمایا: کہ تمھارے مابین ایسے ہی فرق ہے جیسے تمھارے دونوں کے کلام میں فرق ہے ۔

ف اس سے حضرت صدیق اکبر کی حضرت فاروق پر فضیلت کا مسئلہ معلوم ہوا ۔

قاعدہ یہ ضروری نہیں کسی کو ہر کسی پر ہر لحاظ سے فضیلت ہو بلکہ ممکن ہے کہ مفضول کو کسی دوسرے اعتبار سے افضل پر فضیلت حاصل ہو کیونکہ قاعدہ ہے کہ کامل ہر طرح سے یعنی من کل الوجوہ کامل نہیں ہوتا اس لیے کہ تقدم و تاخر کو صرف اللہ تعالٰے جانتا ہے ۔ (لیکن یہ عقیدہ تو اجماعیہ ہے کہ صدیق اکبر عمر فاروق رضی اللہ تعالٰے عنہ سے افضل ہیں) ۔

حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا کہ حضرت صدیق پر معرفت اور حضرت عمر پر شریعت اور حضرت عثمان پر طریقت اور حضرت علی پر حقیقت غالب تھی اگرچہ چاروں حضرات چاروں مراتب میں یکتا تھے ۔ رضی اللہ تعالٰے عنہم، حضرت امام حسین واعظ کاشفی رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ۔ ؎

مایۂ توفیق کرم کردنست
گنج یقین ترک درم کردن است
زاد رہ مرگ زنان دادن است
زندگی عشق زجاں دادن است

ترجمہ توفیق الٰہی کا کام کرنا ہے یقین کا کام یہ ہے کہ اسے دام کا خیال نہ ہو موت کا زاد راہ مساکین کو کھانا کھلانا ہے عشق کی حیات جان قربان کرنے میں ہے ۔

مسئلہ عوام کی سخاوت مال خرچ کرنا اور خواص کی سخاوت روح خرچ کرنا ہے لیکن ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں ۔ ؎

ہست جوانمرد درم صد ہزار
کار جو با جاں فتد آنست کار

حکایت فائدہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو صدقہ کی فضیلت کی ترغیب دی تو لوگ حسب استطاعت مال خرچ کرنے لگے ۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰے حضور علیہ السلام کے سامنے بیٹھے تھے وہ صرف

لب ہلانے لگے حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا کہہ رہے تھے جب تم لب ہلا رہے تھے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ مال خرچ کر رہے ہیں اور میرے پاس مال نہیں تھا کہ میں بھی کچھ خرچ کرتا پھر دل میں پڑھتا تھا: سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر آپ نے اسے فرمایا یہی کلمات تیرے ثواب کے لیے بہتر ہیں اس لیے کہ تو ایک (پہاڑ سیر) سونا اللہ تعالٰی کی راہ پر خرچ کرتا ۔

تا زندہ ایم ذکر بشس در زبان ما است
یادش انیس و مونس جان و روان ما است

ترجمہ جب تک ہم زندہ ہیں اس کا ذکر ہماری زبان پر جاری رہے گا اس کی یاد ہماری جان و دل کی انیس و مونس ہے ۔

ف مروی ہے کہ سب سے پہلے جس نے سبحان اللہ کہا وہ جبریل علیہ السلام ہیں وہ یوں ہوا کہ جب اللہ تعالٰی نے جبریل علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو جبریل علیہ السلام کی نظر عرش پر پڑی تو اس کی عظمت دیکھ کر کہا سبحان اللہ ، پھر فرمایا ان کلمات کو جو کہتا ہے تو وہ جبریل علیہ السلام جیسا ثواب پائے گا ۔

ف اور سب سے پہلے جس نے الحمد للہ کہی وہ آدم صفی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں وہ اس طرح جب کہ ان میں روح پھونکی گئی تو یہی کلمہ ان کے منہ سے نکلا پھر فرمایا جو شخص بھی یہ کلمہ کہتا ہے اسے آدم علیہ السلام جیسی فضیلت نصیب ہوگی ۔

ف سب سے پہلے جس نے لا الٰہ الا اللہ ۔ کہا وہ نوح نجی علیہ السلام ہیں جب کہ انہوں نے طوفان اور اس کی شدت کو ملاحظہ فرمایا تو یہی کلمہ کہا پھر فرمایا جو شخص اسے پڑھتا ہے تو اسے بہت سی فضیلت اور نوح علیہ السلام جیسا ثواب ملتا ہے ۔

ف جس نے سب سے پہلے اللہ اکبر پڑھا وہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام ہیں جب کہ انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ یعنی دنبہ کو دیکھا جو شخص یہ کلمہ کہتا ہے تو اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فیوضات سے فیض نصیب ہوتا ہے ۔

اے اللہ ہمیں ذاکرین و شاکرین سے بنا) ۔ (آمین یا رب العلمین ،

تفسیر عالمانہ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ط آپ سے یتیموں کے اموال سے اپنے اموال ملانے کے متعلق سوال کرتے ہیں اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب بھی کسی شے کے متعلق سوال ہوتا ہے تو اس سے وہ شے مراد ہے جو مقاصد میں سے اہم ہو اور مال سے مال ملانا ان کے نزدیک اہم معاملہ تھا ۔

شان نزول جب یہ حکم نازل ہوا کہ ان الذین یاکلون اموال الیتمیٰ ظلما ۔ تو مسلمانوں نے یتامیٰ کو اپنے سے علیحدہ کر دیا بلکہ اپنے ساتھ کھلانے سے بھی احتراز کرتے یہاں تک کہ کسی کے گھر کوئی یتیم ہوتا تو اس کے لیے ایک علیحدہ کمرہ تیار کرنا پڑتا اور اس کا طعام بھی علیحدہ پکتا اس طرح سے انہوں نے یتامیٰ کو بالکلیہ علیحدہ کر دیا طعام میں قیام میں وغیرہ وغیرہ بلکہ وہ طعام جو یتامیٰ کے لیے پکتا ان کھانے سے جتنا وہ صاحبان کھا لیتے باقی جو بچتا اسے ڈر کے مارے کوئی نہ کھاتا اسی طرح پڑا خراب ہو جاتا یہ کام صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو شاق گزرا ۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کے پاس مکانات نہیں کہ یتامٰی کو علیحدہ علیحدہ ٹھہرائیں اور نہ ہی سب کے ہاں طعام وغیرہ کا انتظام ہو سکتا ہے تو یہ آیت اتری ۔

قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ اے میرے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ ان کے ساتھ نبھانا ان کی اور ان کے اموال کی اصلاح کرنا ہو خَيْرٌ اس سے اچھا ہے کہ انہیں اپنے سے دور رکھو اور ان کے ساتھ مل کر نہ رہو بلکہ مقصد تو یہ ہے کہ ان پر نظرِ عنایت رہو ۔

ف : اصلاح مصدر ہے اس کا فاعل محذوف ہے یعنے مصلح اور مُصلح الیہ یعنی یتیم کو مال کی وافرت اور کثرت حاصل ہو گی ۔

وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ اور اگر تم ان کے ساتھ ایسا گزارہ کرو کہ اس میں ان کا فائدہ ہو تو فَاِخْوَانُكُمْ وہ تمھارے دین کے بھائی ہیں اور یہ نسبی علاقہ سے بہت زیادہ قوت رکھتا ہے اور بھائیوں کے حقوق میں سے ایک حق یہ ہے کہ ایک دوسرے کی اصلاح اور انہیں نفع پہنچایا جائے ۔

مسئلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ مخالطت کا یہ معنے ہے کہ تم یتیم کی کھجور اور دودھ وغیرہ اور اس کے برتنوں میں کھاؤ اور وہ تمھاری کھجور اور دودھ وغیرہ اور تمھارے برتنوں میں کھائیں لیکن شرط یہ ہے کہ ضرورت کی مقدار کے مطابق ہو بلکہ اس سے بھی کم حد سے زائد نہ ہو اللہ تعالےٰ نے فرمایا : ومن کان غنیا ویستعفف ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف ۔

مسئلہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس آیت سے اس مسئلہ کا استخراج ہو سکتا ہے کہ عام طور پہ سفروں میں ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر کھانا کھایا جاتا ہے یعنے اگر بقدرِ ضرورت اپنے ساتھی سے کھاتا ہے تو جائز ہے ورنہ حرام ۔ اس لیے کہ عام طور پر ہم سفروں کی عادت ہے کہ کبھی برابر برابر مال ایک دوسرے کے پاس جمع رکھتے ہیں اور کبھی ان میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے اس میں اگر ساتھی کے قلت وکثرت کے خرچہ پر راضی ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز ۔ اس لیے کہ جب اس میں یتامٰی کے لیے وسعت رکھی گئی ہے تو باقی تو بطریق اولیٰ جواز کے حقدار ہیں اگر اس کا جواز یونہی ثابت نہ کیا جائے تو لوگوں پر معاملات تنگ ہو جائیں گے ۔

مسئلہ مخالطت کا مسئلہ مصاہرت یعنے رشتہ ناطہ کے مسئلہ پر قیاس کیا گیا ہے صورت مسئلہ یوں ہے کہ کسی کو اپنی لڑکی کا نکاح کرے انس و محبت کے اضافہ کی نیت پر انہیں اپنے ساتھ ملا لے اور اسی طرح اپنے تمام برادری میں ان کے رشتہ ناطہ و دیگر معاملات کے مراسم جاری کر دے صرف اس ارادہ سے کہ ان سے وحشت دور ہو اور انہیں غیریت کا خیال تک نہ رہے یہی حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اور اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے ۔

سوال علم کے باب کو دو مفعول چاہئیں اور یہاں متعدی بیک مفعول ہے ۔

جواب یہاں علم معرفت کے معنی کو متضمن ہے اسی لیے بمتعدی بیک مفعول ہے۔

اَلْمُفْسِدَ اس فسادی کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو یتیم کے مال کو خراب اور برباد کر دیتا ہے مِنَ الْمُصْلِحِ اور اس مصلح کو بھی جانتا ہے جو یتیم کے مال کے منافع کے در پے رہتا ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ سے مخفی نہیں کہ تم میں فسادی کون ہے اور مصلح کون وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا فلہٰذا تم ایسی غلطیوں سے بچو اور اصلاح کے سوا باقی اقدام نہ کرو۔

سوال: مصلح سے مفسد کو پہلے کیوں ذکر کیا گیا۔ ؟

جواب: مزید تہدید مطلوب ہے یعنے تاکہ مفسد کو تنبیہ ہو کہ جو غلطی میں کرتا ہوں اسے اللہ تعالےٰ جانتا ہے۔

سوال: علم کے باب کے بعد من کیوں آیا ہے ؟

جواب: علم تمیز کے معنے کو متضمن ہے اور تمیز کے بعد مِن آتا ہے یعنی اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو جانتا ہے جو یتامیٰ کے اموال کو اپنے اموال میں ڈال کر خرابی ڈالتے ہیں بلکہ اسے میں نمایاں کرتا ہوں اس سے جو یتامیٰ کے متعلق اصلاح کا ارادہ رکھتا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ اور اگر اللہ تعالےٰ تمہیں تکلیف میں ڈالنا چاہے داعنات: یعنے کسی کو ایسے مکروہ امر میں مبتلا کرنا جو امر کو بجا لانے کی طاقت نہ رکھتا ہو چنانچہ فرمایا لَاَعْنَتَكُمْ تمہیں مشقت میں ڈالے۔ العنت بمعنے مشقت یعنی جب تمہیں مشقت میں ڈالا جائے تو تمہیں اس کو بجا لانے کی طاقت نہیں رکھ سکو گے۔ عربی میں کہا جاتا ہے عنت فلان یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ کوئی ایسے معاملہ میں پھنس جائے کہ جس میں اس کے ضائع ہو جانے کا احتمال ہو اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے تمہارے مشقت میں ڈالنے پر۔ حَكِيْمٌ ۝ وہی فیصلہ فرماتا ہے جو اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے۔

ف اس سے لفظ لَو کا قاعدہ ثابت ہوا کہ اس کا کام ہے کہ وہ مقدم کی نفی کرے جیسے منطقی کہتے ہیں۔

یتیم پروری کے فوائد

یتیم پروری وہ کرتے ہیں جو فطرۃً کریم ہوتے ہیں ویسے بھی ان پر نظر عنایت رکھنے میں بہت بڑے فائدے ہیں منجملہ ان کے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یتیم کے سر پر رحم کرتے ہوئے ہاتھ رکھتا ہے تو یتیم کے جتنے بال اس کے ہاتھ کے نیچے سے گزریں گے اسے اسی قدر ثواب ملے گا اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل قیامت میں تین شخصوں کو عرش الٰہی کے نیچے جگہ ملے گی۔ (۱) وہ عورت کہ جس کا شوہر فوت ہو کر چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جائے اس عورت کو نکاح کرنے کی ضرورت بھی ہے اور اسے نکاح کے لیے کہا بھی جاتا ہے لیکن وہ چھوٹے بچوں پر ترس کھا کر نکاح نہیں کرتی۔ بلکہ بچوں کی تربیت میں لگی رہے بشرطیکہ پاکدامنی سے گزارے اور کہے کہ میں یتامیٰ کی پرورش میں ہی زندگی بسر کروں گی۔ یہاں تک کہ یہ بچے جوان ہو جائے یا اس پر موت آ جائے یا میں مر جاؤں۔ دوسرا وہ شخص جو بہترین اور اعلیٰ سے اعلیٰ طعام پکا کر صرف یتیم کو بلا کر کھلائے۔ تیسرا وہ جو صلہ رحمی کرے ان کے رزق و عمر میں برکت دی جاتی ہے اور اسے مرنے کے بعد عرش الٰہی کے نیچے جگہ دی جائے گی اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ یتیم سے شفیق باپ کی طرح اور بیوہ کے ساتھ شوہر سا سلوک اور مسافر کے لیے بہترین دوست کی طرح گزارا کہ پھر میں بھی تمہارے ساتھ نیک سلوک کروں گا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا۔ ؎

تیمار غریباں سبب ذکر جمیلست
جانا مگر ایں قاعدہ در شہر شما نیست

غریبوں کی غمخواری ایک بہتر طریقہ ہے لیکن اے محبوب شاید تمھارے ملک میں یہ رواج نہیں۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور یتیم کی تربیت کرنے والا یعنے وہ شخص جو یتیم کی ضروریات پوری کرتا ہے اپنے مال سے یا یتیم کے مال سے (یتیم اس کا قریبی رشتہ دار ہو یا نہ) وہ ان دونوں انگلیوں کی طرح اکٹھے ہوں گے ان دونوں انگلیوں یعنے سبابہ اور وسطی کی طرف اشارہ کر کے یعنی یتیم کی پرورش کرنے والا بہشت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہوگا اس کا معنے یہ نہیں کہ جس مرتبہ پر حضور نبی پاک ہوں گے اسی مرتبہ پر وہی ہو۔

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ؎

چو بینی یتیمے سر افگندہ پیش
مدہ بوسہ بر روئے فرزند خویش
الا تا نگرید کہ عرش عظیم
بلرزد ہمی چو بگرید یتیم

ترجمہ جب کوئی یتیم تمھارے ہاں موجود ہو تو تم اپنے بیٹے کو بوسہ مت دو خبردار یتیم نہ رونے پائے اس لیے کہ جب یتیم روتا ہے تو عرش الٰہی کانپ جاتا ہے۔

مسئلہ انسان کو چاہیے کہ یتیم کے حقوق میں کسی ایک حق میں کمی نہ کرے اور اس کے مال میں سے ایک رتی کے برابر بھی نہ کھائے اور نہ ہی اس پر ظلم کرے اور نہ تشدد۔

حکایت رستم بن زال اسفندیار سے کشتی لڑا لیکن اسے قابو نہ پا سکا باوجودیکہ اس سے قوت میں زائد تھا بلکہ اکثر بار اسفندیار سے مار کھاتا اور اسفندیار کا جسم مچھلی کے چھلکے کی طرح تھا اس میں کوئی شے اثر نہ کرتی تھی رستم نے اپنے باپ زال سے مشورہ لیا اسے اس کے باپ نے فرمایا تم اس پر غلبہ نہیں پا سکو گے ہاں یوں کیجیے کہ ایک تیر بنائیے جس کے دو پر ہوں اور انھیں اسفندیار کی آنکھوں میں چبھوئیں تب کہیں کام بن سکتا ہے چنانچہ رستم نے ایسے ہی کیا اور وہی تیر اسفندیار کی آنکھ میں مارا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ دراصل یہ سزا اسفند کو ایک یتیم کو ستانے کی وجہ سے ملی چنانچہ اس کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ اسفندیار نے جوانی میں ایک یتیم بچے کو لکڑی ماری تو اس سے اس یتیم بچے کی آنکھ نکل پڑی وہ یتیم رو پڑا اور وہ لکڑی لے کر باغ میں گاڑ دی ایک عرصہ کے بعد وہ لکڑی ایک درخت بنا رستم نے اس درخت سے ہی اپنا تیر تیار کیا اور وہی تیر اسفندیار کی آنکھ میں پہنچا جس طرح اس یتیم کی آنکھ نکالی تھی اسی طرح ہی اس کی آنکھ نکالی گئی۔

مسئلہ یتیم کی ایسی پرورش کرے جیسے اپنے بچے کی تربیت کی جاتی ہے ورنہ اس کے متعلق قیامت میں سوال ہوگا اس لیے ضروری ہے کہ یتیم کی اصلاح میں جدوجہد کرے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا
الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ
وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَ
يَسْـَٔــلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى
يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّـوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ
الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً
لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ لَا يُؤَاخِذُكُمُ
اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ لِلَّذِيْنَ
يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَاۗءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا
الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْۗءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ
لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ
وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّھِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ
بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْھُنَّ شَـيْـــًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ
اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِـيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ
تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا
تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰي تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۭ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ
ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُھَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ فَبَلَغْنَ
اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَلَا تُمْسِكُوْھُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ
ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ ھُزُوًا ۡ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ
مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان لونڈی مشرکہ آزاد عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ
تمھیں بھلی لگتی ہو اور اپنی لڑکیوں کا کافر مردوں کے ساتھ نکاح نہ کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان غلام مشرک آزاد سے
بہتر ہے اگرچہ کافر تمھیں بھاتا ہو کافر دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالے اپنے اذن سے بہشت اور مغفرت کی دعوت

دیتا ہے اور اللہ تعالےٰ لوگوں کو اپنی آیات بیان کرتا ہے تاکہ کہیں وہ نصیحت پائیں اور آپ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ گندی چیز ہے پس اے لوگو حیض کے ایام میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور انہی ایام میں ان سے نزدیکی نہ کرو جب تک پاک نہ ہو جائیں پھر جب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالےٰ نے تمہیں اجازت بخشی ہے بیشک اللہ تعالےٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاک صاف رہنے والوں سے بھی محبت کرتا ہے تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں پھر اپنی کھیتی میں آؤ جس طرح چاہو اور اپنی بھلائی کا کام پہلے کرو اور اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ تم نے اللہ تعالےٰ کے ہاں حاضر ہونا ہے اور اہل ایمان کو خوشخبری سنا دیجئے اور اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ مت بناؤ کہ احسان اور پرہیزگاری اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے میں قسمیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سمیع علیم ہے اللہ تعالیٰ ان قسموں پر تمہیں گرفت نہیں فرماتا جو بلا ارادہ زبان سے نکل جائیں ہاں ان قسموں پر گرفت ہے جو تمہارے دلوں سے ہوں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا حلیم ہے اور جو لوگ اپنی عورتوں سے صحبت نہ کرنے کی قسمیں کھا بیٹھتے ہیں ان کو چار مہینے کی مہلت ہے پس یہ لوگ اس مدت میں رجوع کرلیں تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور اگر انھوں نے عورتوں کو بالکل چھوڑ دینے پر پختہ ارادہ کر لیا تو اللہ تعالےٰ سمیع علیم ہے اور مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں اور انہیں حلال نہیں کہ چھپا دیں جو ان کے پیٹ میں اللہ تعالےٰ نے پیدا فرمایا ہے اگر وہ اللہ تعالےٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں اور ان کے شوہر اس مدت میں عورتوں کو واپس لوٹانے کے زیادہ حق رکھتے ہیں بشرطیکہ انھیں اصلاح کا ارادہ ہو اور عورتوں کے بھی شرع کے موافق مردوں پر حقوق ہیں جیسے مردوں کے ان پر حقوق ہیں لیکن مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ تعالےٰ غالب حکمت والا ہے یہ طلاق صرف دو مرتبہ تک ہے پھر قاعدہ شرعیہ کے موافق اپنے ہاں روک لینا ہے یا خوش اسلوبی سے چھوڑ دینا ہے اور تمھیں جائز نہیں کہ جو کچھ تم نے عورتوں کو دیا تھا اس سے کچھ واپس لے لو مگر جب میاں بیوی کو خطرہ ہو کہ اللہ تعالےٰ کے حدود قائم نہ کرسکیں گے پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ واقعی میاں بیوی اللہ تعالیٰ کی حدوں ٹھیک نہیں رہیں گے تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ اگر کچھ بدلہ دے کر مرد سے طلاق لے یہ اللہ تعالےٰ کی حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ تعالےٰ کی حدوں کو تجاوز کرتے ہیں تو وہی لوگ ظالم ہیں پھر اگر مرد عورت کو تیسری طلاق دے تو اب وہ عورت اسی مرد پر حلال نہ ہو گی جب تک اسی خاوند غیر سے نکاح کر کے ساتھ نہ رہے پھر وہ دوسرا اسی عورت کو طلاق دے تو ان دونوں میاں بیوی پر کوئی گناہ نہیں اگر نکاح کر کے حسب سابق مل جائیں بشرطیکہ انہیں غالب گمان ہو کہ وہ اللہ تعالےٰ کی حدیں قائم کرسکیں گے اور یہ اللہ تعالےٰ کی حدیں ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ دانشمندوں کے لیے بیان فرماتا ہے اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کے قریب پہنچیں تو انھیں یا قاعدہ شرعیہ کے موافق اپنے ہاں روک لو یا خوش اسلوبی سے چھوڑ دو اور انھیں سزا دینے کی نیت سے نہ روکو کہ حد شرع سے بڑھ جاؤ اور جو ایسا کرے وہ اپنا نقصان کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی آیات کو ٹھٹھہ مخول نہ بناؤ اور تمہارے اوپر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں انھیں یاد کرو اور

کتاب وحکمت اسی لیے نازل فرمائی کہ اس کے ذریعے سے تمہیں اللہ تعالےٰ نصیحت فرمائے اور اللہ تعالےٰ سے ڈرو اور یقین کرو کہ اللہ تعالےٰ سب کچھ جانتا ہے ۔

بقیہ صفحہ گذشتہ

یتیم کو اداب سکھانا تربیت کئی قسم ہے ۔ (۱) وعید اور ڈرسنانا ۔ (۲) مارنا ۔ (۳) بعض ضروریات کے منافع سے روکنا ۔ (۴) یتیم کو عطیات دینا ۔ (۵) اس کے ساتھ احسان کرنا ۔ اس لیے کہ ان کی طبیعتیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں ۔ بعض ایسے ہوتے ہیں جو سختی اور شدت سے نرم ہوتے ہیں الٹا ان کے ساتھ نرمی اور احسان کرنا انہیں نقصان دیتا ہے اور بعض اس کے برعکس ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالےٰ نے حدود اور تعزیرات مقرر فرمائے تاکہ بندوں کو سرزنش ہو اور برائیوں سے بچ جائیں احرار کو بادشاہوں سے آداب سکھائے اور ممالیک اور اولاد کو بزرگوں اور والدین سے ۔

مسئلہ ادب سکھانے والے کو ادب سکھانے سے ثواب ملتا ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا قوا انفسکم نارا ۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ تم سب کے سب راعی ہو اور تم سب کے سب سوال کیے جاؤ گے اپنی رعیت سے ۔

تفسیر صوفیانہ وان تخالطوھم فاخوانکم میں اشارہ ہے کہ سالک کو چاہیئے کہ وہ اکیلا کھانے کی عادت نہ بنائے بلکہ لوگوں سے مل کر کھانا کھائے اس لیے کہ شر ور کا بنیاد اکیلا کھانے میں ہے ۔

حدیث شریف اللہ تعالےٰ کے ہاں زیادہ پسندیدہ وہ طعام ہے جس میں ہاتھوں کی کثرت ہو عوارف میں ایسے ہی مذکور ہے اور مصابیح میں مذکور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنھم نے حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ ہم کھاتے ہیں لیکن سیری نہیں ہوتی آپ نے فرمایا شاید تم اکیلے کھاتے ہو عرض کی ہاں آپ نے فرمایا اب جمع ہو کر کھایا کرو ۔

حکایت کسی صاحب لطیفہ نے کسی صاحب نولطور کو کہا کہ آپ نے فلاں کے ساتھ صبح کا کھانا کھایا ہے اس نے کہا نہیں البتہ میں صبح کے وقت گزر رہا تھا تو وہ صبح کا کھانا کھا رہا تھا اس سے پوچھا گیا تمہیں کیسے معلوم ہوا اس نے کہا مجھے یوں معلوم ہوا کہ اس کے لڑکے بندوق اور تیر لے کر آسمان کے خلا میں پرندوں کے مارنے کے لیے خالی فائر کر رہے تھے ۔

حکایت بخیل سے پوچھا گیا تمہارے نزدیک سب سے بہادر کون ہے اس نے کہا ہر وہ شخص جو کسی کے کھانے کے وقت ڈاڑھ سے طعام چبانے کی آواز کو سنتا ہے لیکن اس کا جگر ٹکڑے نہیں ہوتا ۔

حدیث شریف جو کسی مومن کی مہمانی کرتا ہے گویا اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو مہمانی دی اور جو مسلمان کو مہمان بناتا ہے گویا اس نے حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علی نبینا علیھما السلام کو مہمان بنایا کذا فی الرسالۃ العلیہ لحسین الواعظ)

تفسیر عالمانہ وَلَا تَنْكِحُوا ۔ بفتح التا یعنے نکاح نہ کرو الْمُشْرِكٰتِ یعنے حربی مشرک عورتوں سے اس

لیے کہ کتابیات[1] اگرچہ مشرکات ہیں لیکن جمہور کے نزدیک ان کے ساتھ نکاح جائز ہے انہوں نے سُورہ مائدہ کی آیت والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم سے استدلال کیا ہے اور قاعدہ ہے کہ سُورہ مائدہ سب کی سب محکم ہے اس میں کوئی آیت بھی منسُوخ نہیں۔ حَتّٰی یُؤْمِنَّ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کریں۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت مرثد غنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ شریف بھیجا تاکہ وہ چپکے چپکے مسلمانوں کو مکہ شریف سے لائیں آپ مکہ معظمہ پہنچے آپ کے ہاں عناق عورت (کافرہ) حاضر ہوئی اور اس سے زمانہ جاہلیت میں آپ کو عشق تھا اس نے کہا اے مرثد میرے ساتھ خلوت کیجیے آپ نے فرمایا اب میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور اسلام ایسی باتوں سے روکتا ہے اس نے عرض کی نکاح کر لیجیے آپ نے فرمایا نکاح کر لوں گا لیکن حضور علیہ السلام سے مشورہ ضروری ہے آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشورہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ اور مومنہ لونڈی باوجودیکہ اس کے وہ بوجہ لونڈی ہونے شان میں کمی ہے۔ لیکن خَیْرٌ وہ بہتر ہے دین و دنیا کے لحاظ سے مِّنْ مُّشْرِكَةٍ مشرکہ عورت سے باوجودیکہ اس کے پاس مال ہے اور حریت کی شرافت بھی اسے حاصل ہے اور شان میں رفیع المنزلۃ ہے۔ وَلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ اگرچہ وہ مشرکہ عورت اپنے حسن و جمال اور مال و اسباب اور نسب کی شرافت کے علاوہ اس کے پاس تمام زیب و زینت کے سامان ہیں اور وہ تمہیں اپنے حسن و جمال میں پھنسا لے۔ اور یہ واؤ حالیہ ہے اور حال کے معنے کے باوجود عاطفہ بھی ہے اس لیے کہ اس کا مدخول حال محذوف ہے۔ کیونکہ اصل عبارت یوں ہے۔ خیر من مشرکۃ علی کل حال ولو فی ھذہ الحال یعنے وہ مومنہ عورت ہر حال میں مشرکہ عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ اس حال میں ہو جس کا ذکر اوپر آیا ہے اس ترکیب سے تمام احوال کا احاطہ مقصود ہے کذا فی تفسیر الکواشی)

ف: یہاں پر لَو بمعنے اِن ہے اسی طرح ہر اس مقام پر لَو بمعنے اِن ہو گا جہاں اس کا مابعد ماضی اور اس کا جواب اس سے مقدم ہو اب آیت کا معنے یہ ہوا اگرچہ تمہیں مشرک عورت اپنے حُسن و جمال میں پھنسا لے لیکن تمہارے لیے عورت مومنہ کئی درجہ بہتر ہے۔

وَلَا تُنْكِحُوا بضم التاء الانکاح سے مشتق ہے الْمُشْرِكِيْنَ یعنے کفار وہ بت پرست ہوں یا کوئی اور یعنے مشرکین کو اپنی عورتیں مومنات نکاح میں نہ دو خواہ وہ آزاد ہوں یا لونڈیاں۔ حَتّٰی یُؤْمِنُوْا یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں یعنی وہ تمام کفریہ امور ترک کریں

ف: ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حواشی میں فرمایا اے مسلمانو اپنی چھوٹی لڑکیاں یا جو ان کے حکم میں ہیں اور وہ تمہاری ولایت میں ہیں اسی طرح چھوٹی مومنہ بالغہ عورتیں کفار سے نکاح نہ کریں۔

ف: ولا تنکحوا تغلیب الذکور علی الاناث کے قبیل سے ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

ف: ابھی تک مشرک کا حکم باقی ہے کہ مومنہ عورت کا کسی قسم کے کافر کے ساتھ نکاح جائز نہیں

---

[1] لیکن دورِ حاضرہ میں اس کے ساتھ نکاح نہیں چاہیے کیونکہ وہ لفظاً کتابیہ ہیں لیکن حقیقتاً دہریہ۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ۔

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ اور مومن غلام باوجودیکہ اس میں ملوکیت کی کمی ہے لیکن خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ مشرک سے بہتر ہے۔ اگرچہ اس میں آزادی کی شرافت ہے۔ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ اگرچہ وہ مال وجمال اور نیک خصال کی وجہ سے تمہیں اچھا لگے۔ وہ جو مذکور ہوئے مشرکین اور مشرکات ہے۔ یَدْعُوْنَ بلاتے ہیں انہیں جوان کے ساتھ گزارتے اور ساتھ رہتے ہیں۔ اِلَی النَّارِ جہنم کی طرف یعنی ان اعمال کی طرف بُلاتے ہیں جو جہنم کی طرف لے جاتے ہیں جیسے کفر وفسق۔

مسئلہ کافر ومشرک مرد وعورت سے اجتناب ضروری ہے اور نہ ہی ان کے ساتھ رہنا چاہیے اور نہ ہی دوستی چاہیئے۔ وَاللّٰہُ اور اللہ تعالٰے اور اس کے اولیاء یعنے مؤمنین یہاں پر مضاف محذوف ہے اس کے قائم مقام پر مضاف الیہ کو رکھا گیا ہے تاکہ اولیاء اللہ کی عظمت کا اظہار ہو۔ یَدْعُوْا اِلَی الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بلاتا ہے بہشت مغفرت کی طرف یعنی حق کے اعتقاد اور عمل صالح جو کہ بہشت ومغفرت پہنچانے والے ہیں کی طرف بُلاتے ہیں اور وہی ایسے تعلق کے حقدار ہیں۔ بِاِذْنِهٖ یہ یدعوا کے متعلق ہے یعنی اللہ تعالٰے بلاتا ہے درانحالیکہ اس کی توفیق سے متلبس ہے منجملہ اس کے مؤمنین کی رہبری ہے جو کہ وہ خیر ورحمت سے ملے ہوئے ہیں اور ان کا نصیحت کرنا بھی۔ وَیُبَیِّنُ اٰیٰتِهٖ اور اپنے آیات بیان کرتا ہے جو کہ عجیب احکام اور بہترین حکمتوں پر مشتمل ہیں لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ۝ لوگوں کے لیے تاکہ نصیحت حاصل کریں اور معلوم کریں جو اس کے اندر ہے تاکہ (جس کی طرف بُلائے جاتے ہیں) کامیاب ہو جائیں یعنے انھیں بہشت ومغفرت نصیب ہو۔

سوال آیت میں تذکر کیوں کہا گیا۔؟

جواب اس طرف اشارہ ہے کہ وہ امر ایسا واضح ہے کہ اس میں تفکر کی ضرورت نہیں جیسے سابقہ انبیاء علی نبینا وعلیہم السلام کے احکام میں تفکر کی ضرورت ہوتی تھی۔

مسئلہ آیت میں کفار کے ساتھ دوستی وتعلق سے روکا گیا ہے اور مؤمنین سے محبت والفت ودوستی کی ترغیب دی گئی ہے۔

مسئلہ مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ مشرکہ عورت کے مال وجمال کو دیکھ کر حیران نہ ہو اس لیے کہ مسلمان عورتوں میں بعض اس جیسی ہوتی ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر بھی تو مومن خواہ مخواہ کیوں جہنم خریدتا ہے۔

محیط میں ہے کہ کوئی مسلمان نصرانیہ کے حسن وجمال کو دیکھ کر دل میں آرزو کرے کہ کاش وہ نصرانی ہوتا تاکہ اس سے نکاح کر لیتا

مسئلہ اس آرزو کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا علاوہ ازیں اس کی حماقت بھی ہے اس لیے کہ اس جیسی حسین وجمیل اسلام میں بھی بیشمار ہیں یہ آرزو اسے جہنم کی طرف لے گئی کیونکہ اس سے نکاح مشکل تھا جب تک ایک جنس نہ بنتا چنانچہ اس کی علت قرآن مجید میں موجود ہے الزانی لا ینکح الا زانیہ او مشرکۃ اس لیے مشہور ہے کہ گندی طبیعتیں ہی گندی دنیا کی لالچ کرتی ہیں۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: الخبیثات للخبیثین والطیبات للطیبین۔ کسی نے کیا خوب فرمایا۔ ؎

ہمہ مرغاں کنند با جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

ترجمہ ہر مرغ اپنے ہمجنس کی طرف پرواز کرتا ہے کبوتر کبوتر کے ساتھ اور باز باز کے ساتھ ۔

ف زمخشری کے اس بلاغت بھرے قول کو سراہا گیا ہے چنانچہ اس نے کہا، لا تنزهن لمجالستنا۔ الا بمجانسنك یعنے اس پر ہرگز راضی نہ ہونا جب تک تیرا انیس تیرا ہمجنس نہ ہو کیونکہ سب سے بڑا عذاب یہی ہے کہ انسان کا رفیق غیر جنس ہو۔

تفسیر صوفیانہ اسئلۃ الحکم میں ہے کہ عادات کے اختلاف کی ایک وجہ ہے وہ یہ کہ عالم شہادت میں ملاقات سے پہلے عالم ارواح میں ارواح کو ارواح سے آپس میں روشناسی ہوئی جسے نیک روح سے تعارف ہوا اسے ازل سے نیکی نصیب ہوئی اسی وجہ سے بعض میں نیکی کی عادت ہوتی ہے اور بعض میں بُری عادت اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے کسی ہمجنس سے تعلق جوڑے وہ ہم جنس از جہت جسمانیہ ہو یا از جہت رُوحانیہ۔ لیکن یاد رہے کہ جہت جسمانیہ کا کھچاؤ مٹی کی طرف رہے گا اور جہت روحانیہ کا رُوحانیہ کی طرف سے جو کہ روز اوّلین کی مناسبت سے ایک دوسرے سے تھی حضرت امام سخاوی رحمہ اللہ تعالےٰ مقاصد حسنہ میں فرماتے ہیں حدیث الارواح جنود مجندۃ تمام ارواح ایک بڑا لشکر تھے جسے ایک دوسرے سے اس وقت تعارف ہوا وہ آج ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور جنہیں ایک دوسرے سے روشناسی نہ ہوئی ان کا زندگی بھر آپس میں اختلاف رہا ۔

شانِ ورود اس حدیث کے ورود کے متعلق سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک عورت تھی جس کا کام تھا کہ وہ قریش کی عورتوں کو ہنساتی تھی جب عورتوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اللہ تعالےٰ نے اسلام کو وسعت بخشی تو وہ بھی مدینہ شریف آگئی میں نے اس عورت کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں مہمان ہوئی تو کہا گیا کہ وہ فلاں عورت کے ہاں مہمان ٹھہری اور وہ بھی ہنسانے والی مشہور تھی ۔ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا کہ فلاں ہنسانے والی عورت مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے آئی ہے ہم نے کہا، ہاں جی آپ نے فرمایا پھر وہ کہاں مہمان ہوئی۔ ہم نے کہا مدینہ طیبہ کی فلاں عورت جو یہاں مدینہ طیبہ میں عورتوں کو ہنساتی ہے آپ نے فرمایا : الحمد للہ ان الارواح جنود مجندۃ الخ

کسی شاعر نے کہا ہے ۔ ؎

بینی وبینك فی المحبۃ نسبۃ

مستورۃ عن سر هذا العالم

نحن اللذان تحابت ارواحنا

من قبل خلق اللہ طینۃ آدم

ترجمہ تیرے اور میرے مابین محبت کے بارے میں ایک نسبت ہے جو اس عالم سے پوشیدہ ہے ہم وہ ہیں جو رُوحیں آپس میں محبت کرتی تھیں جب کہ ابھی اللہ تعالےٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کا گارا ابھی نہیں بنایا تھا ۔

حضرت حسین کاشفی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ۔ ع

جاذب ہر جنس را ہم جنس داں

جنس بر جنس است عاشق جاوداں

تلخ با تلخاں یقیں ملحق شود
کے دم باطل قرین حق شود
طیبات آمد بسوئے طیبین
الخبیثات للخبیثیں است ہمچنین

ترجمہ ہم جنس کو ہم جنس کھینچتا ہے اس لیے کہ ہم جنس اپنے ہم جنس کا عاشق ہے کڑوے کو یقیناً کڑوے سے الحاق ہوتا ہے باطل ایک گھڑی کے لیے بھی حق کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا طیبات کو طیبیں کی طرف میلان ہوتا ہے او خبیثات کو خبیثین سے تعلق ہوتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ

عقول میں بھلائی کا میلان اور برائی سے نفرت طبعی طور ہوتی ہے اس لیے دانا پر لازم ہے کہ وہ نصیحت حاصل کرے جو شخص بڑی سمجھ رکھتا اور اپنے حال سے باخبر ہوتا ہے تو جو لوگ حق سے دور ہوتے ہیں وہ ان سے علیحدگی اختیار کر لیتا اور برائی کے داعی سے نفرت کرتا ہے یہ کہ بعض اہل قربت بزرگوں نے فرمایا ۔ اللہ بس باقی ہوس ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لہا لنبلوہم ایہم احسن عملاً اور مقربین وہ ہیں جو ما فی الارض کے باوجود کو فانی سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ماسوی ذات حق کے وہ کسی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور اپنے مولیٰ سے ماسوی اسی کے اور کچھ نہیں مانگتے اور نیت اور عمل کے لحاظ سے بہتر سے بہتر ہوتے ہیں اور یہی سیدھا راستہ ہے اے اللہ ہمیں ہماری ہدایت کی باتیں الہام فرما اور ہمیں اپنے نفس کے شر سے بچا اس لیے کہ تو مجیب الدعوات ہے ۔

تفسیر عالمانہ

سوال تین یسئلونک واؤ کے ساتھ ہیں اور باقی واؤ کے بغیر اس کی کیا وجہ ہے ؟

جواب دراصل لوگوں نے ان تینوں کے متعلق یک وقت سوال کیا اور اس کے ماسوا کے متعلق متفرق اوقات میں سوال کیے اسی لیے انہیں واؤ کے ساتھ اور باقیوں کو واؤ کے بغیر ذکر کیا گیا ہے ۔

عَنِ الْمَحِيضِ ؕ یہ مصدر ہے جیسے مجی اور مبیت مصدر ہیں اور حیض وہ گندی الائش ہے جو عادت کے طور رحم سے خارج ہوتی ہے یعنی آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں ۔

فائدہ سوال میں ابہام تھا لیکن جواب میں پوری تفصیل کی گئی ہے اس لیے کہ ان کے سوال کا منشاء یہ تھا کہ حیض کی حالت میں عورتوں سے اختلاط جائز ہے یا نہ ۔ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فرمایئے اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم وہ اذیٰ ہے یعنی حیض ایک ایسی شے ہے جس سے طبیعت کو نفرت ہوتی ہے اور وہ اسے ایذاء دینے والی ہے یعنی بحالت حیض عورت سے قربت کرنے سے طبعی نفرت اور کراہت بھی ہے اور موجب ایذا بھی ۔

شان نزول مروی ہے کہ اہل جاہلیت اپنی عورتوں کو بحالت حیض اپنے گھروں سے نکال دیتے تھے اور نہ ہی ان کے ساتھ کھاتے

پیتے جیسے مجوس اور یہود کی عادت تھی ۔ اور اسی رسم پر قائم رہے یہاں تک کہ ابوالدحداح (صحابہ کرام میں سے تھا) نے سوال کیا یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا ہم اپنی عورتوں سے حیض کی حالت میں ہمبستری کریں یا نہ اس کے سوال پر یہ آیت نازل ہوئی :

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ ۔ المحیض یہاں پر اسم مکان ہے اس لیے کہ فرج سے ہی حیض ظاہر ہوتا ہے یعنے حیض کے دوران عورتوں کے جماع سے احتراز کرو ۔

شان نزول مروی ہے کہ اہل اسلام نے ظاہری طور عورتوں سے علیحدگی اختیار کر لی اس لیے کہ عورتوں کو اپنے گھروں سے نکال دیا چند اعرابیوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت سردی ہے اور کپڑوں کی کمی ہے اگر ہم ان کو کپڑے دیتے ہیں تو تمام کنبہ ہلاک ہوتا ہے اور اگر ہم خود استعمال کرتے ہیں تو حیض والی عورتیں ہلاک ہوتی ہیں آپ نے فرمایا کہ جب وہ حیض کی حالت میں ہوں تو تم صرف جماع سے رو کے گئے ہو یہ نہیں کہ عجمیوں کی طرح حیض والی عورتوں کو گھروں سے نکالو اسلام میں میانہ روی کا ایک مسئلہ یہ ہے اور یہود حیض والی عورتوں کو گھروں سے نکال دیتے تھے اور نصارٰی حیض کی پرواہ کیے بغیر ان سے جماع کرتے تھے اسلام میں فرمایا گیا کہ نہ بالکلیہ حیض والی عورتوں کو گھروں سے نکالو اور نہ ہی ان سے جماع کرو ۔

وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ اور نہ ہی ان سے جماع کرو حَتّٰى يَطْهُرْنَ یہاں تک کہ حیض سے پاک ہو جائیں یعنے ان کا حیض پورے طور ختم ہو ۔

مسئلہ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ جب عورت کے حیض کے ایام دس پورے ہوں تو اس سے جماع کرنا جائز ہے اگرچہ وہ عورت غسل نہ کر سکے اور دس دنوں سے کم مدت میں حیض ختم ہو تو جماع نہ کرے یہاں تک کہ حائضہ غسل کر لے یا اس پر نماز کا وقت گزر جائے ۔

فَإِذَا تَطَهَّرْنَ پس جب وہ نہالیں اس لیے کہ تطہر بمعنے اغتسال ہے فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ پس ان کے پاس آؤ جہاں سے اللہ تعالٰی نے تمھیں حکم دیا ہے یعنے عورت کے ساتھ جماع کرو اس مقام میں جو تمھارے لیے حلال ہے یعنی قبل میں إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ ۔ بیشک اللہ تعالٰی گناہوں سے توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۝ اور پاک رہنے والوں سے بھی محبت کرتا ہے یعنے فواحش اور طبع سے نفرت والی اشیاء سے تنزہ کرتے ہیں جیسے حائضہ کا جماع اور قبل کے بغیر دوسرے مقام میں وطی کرنے سے نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ تمھاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں یعنے وہ کھیتی کی جگہ ہیں ۔

ف عورتوں کے اندر نطفہ ڈالنے کو زمین کے اندر بیج ڈالنے سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ ان دونوں کو آپس میں مشابہت ہے ۔ بایں معنی کہ ہر دونوں میں ایسا مادہ پایا جاتا ہے جو کہ اصل مقصود ہے ۔

ف حرث اور زرع میں فرق یہ ہے کہ حرث کو بیج ڈالنے اور زمین کو اس کے لیے تیار کرنے اور زرع بیج کے اگانے اور پھر انگوری کی نگرانی وغیرہ کرنے کو کہتے ہیں ۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا ، افرایتم ما تحرثون ءانتم تزرعونه ام نحن الزارعون کفار کے لیے حرث اور زرع کی نفی کی ہے ۔

فَأْتُوْا اپنی کھیتی کے پاس آؤ۔

ف عورتوں کو کھیتی سے اور ان سے جماع کرنے کو ایتان سے تعبیر کیا گیا ہے۔
اَنّٰی شِئْتُمْ۔ انی یہاں پر بمعنے کیف ہے یعنی جیسے اور جس طرح اور جہت سے چاہو بعد اس کے کھیتی اور وطی کی جگہ ایک ہو اس لیے کہ دبر کھیتی کی جگہ نہیں ہے۔ انی شئتم کے عموم میں مکانات کا عموم مراد نہیں کہ عورتوں کو دبر میں بھی وطی کرنا جائز ہے البتہ یہ عموم کیفیات میں ہو سکتا ہے اور کیفیات کے عموم پر اس آیت کا شان نزول بھی دلالت کرتا ہے۔

شان نزول مروی ہے کہ یہودیوں کا گمان تھا کہ جو شخص اپنی عورت سے قبل میں پیچھے کی طرف سے جماع کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے یہودیوں کی یہی بات حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کی گئی تو یہی آیت نازل ہوئی اور مقصد نکاح سے یہی مقصود ہے کہ عورت کھیتی کی جگہ ہے اور اس کے کھیتی کی جگہ پر جیسے ہی اور جس طرح سے جماع ہو جائز ہے

لواطت کی مذمت

حدیث شریف لعنتی ہے جو اپنی عورت کی دُبر میں وطی کرے۔
مسئلہ عورت کی دبر میں وطی کرنا لواطت صُغریٰ ہے اور مرد سے دُبر وطی کرنا لواطت کُبریٰ ہے۔
مسئلہ حضرت امام نے فرمایا جس نے کسی بے ریش لڑکے کو شہوت کے طور بوسہ دیا گویا اس نے اپنی ماں سے ستر بار وطی کی اور جس نے اپنی ماں سے زنا کیا گویا اس نے ستر باکرہ عورتوں سے زنا کیا اور جس نے ستر باکرہ عورتوں سے زنا کیا گویا اس نے ستر ہزار عورت سے زنا کیا
مسئلہ لواطت کی سزا تعزیر ہے اور اسے جیل خانہ میں محبوس کیا جائے یہاں تک کہ توبہ کرے اور صاحبین کے نزدیک اسے زانی جیسی حد لگانی چاہیئے یعنے سو کوڑا اگر وہ شادی شدہ نہیں ہے اگر شادی شدہ ہے تو اس کو سنگسار کرنا لازمی ہے۔
وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ اور اپنے نفسوں کیلیئے اعمال صالحہ مقدم کر دو یعنے وہ ثواب جس کا تمھیں وعدہ کیا گیا ہے وہ اللہ کے ہاں اس دین کے لیے ذخیرہ محفوظ ہے جس دن کہ تمام محتاج ہونگے اور عورتوں کے ساتھ جماع کرنے پر اس قید میں بھی نہ پھنسو کہ ان سے شہوت رانی مقصود ہے بلکہ اس ارادہ سے جماع کرو کہ شرع کا جو اس میں مقصود ہے یعنے اولاد پیدا کرنا تمھارا بھی وہی مقصود ہے۔
وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈرو گناہوں سے اجتناب کر کے یعنے وہ امور جن سے اللہ تعالے نے روکا ہے۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ اور یقین کرو کہ بیشک تم اللہ تعالے سے ملنے والے ہو۔ ملاقوہ کی ضمیر اللہ تعالی کی طرف لوٹتی ہے لیکن یہاں پر مضاف کا حذف ضروری ہے۔ ای ملاقوا جزائہ یعنے اللہ تعالے کی جزا سے تم ملنے والے ہو اس دن کے لیے ایسا زادِ راہ تیار کرو کہ جس سے تمھیں شرمساری نہ ہو۔ وَبَشِّرِ اور اے میرے محبوب محمد صلے اللہ علیہ وسلم خوشخبری سنایئے الْمُؤْمِنِيْنَ مومنین کو یعنے ان لوگوں کو جو اوامر و نواہی کے مخاطب ہیں اور وہ انہیں سن کر بدل و جان قبول کرتے ہیں اور جس کا انھیں حکم ہے اس پر بطیب خاطر عمل کرتے ہیں انہیں کرامت اور دائمی نعمتوں کی خوشخبری سُنا دو کہ۔ ؎

در امان خانہ ایمان بنشیں ایمن باش

کہ امان باید البتہ مرو زیں مامن

ترجمہ: ایمان کے امن خانہ میں اطمینان سے بیٹھو اگر امن چاہتے ہو تو اس امن خانہ سے باہر قدم مت رکھو۔

ف: اس کی علامت یہ ہے کہ جس بندے کا ایمان گناہوں سے روکے اور نیکی کی رغبت دے تو سمجھو ایسا مومن خوشخبری کا مستحق ہے اور اگر اس کا ایمان نہ اسے برائی سے روکتا ہے اور نہ ہی طاعت الٰہی میں دلچسپی دلاتا ہے تو وہ خوشخبری کا حق نہیں رکھتا اس لیے کہ وہ ایمان کے رہنے کی جگہ نہیں کیونکہ ایمان ایسے مقام پر نہیں ٹھہرتا جہاں اس کے رہنے کی جگہ صاف ستھری نہ ہو یعنی گناہوں سے منزہ اور پاک نہ ہو۔ اعلموا انکم ملاقوہ میں اشارہ ہے کہ سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے مرجع اور انجام کو یاد کرے اور کوشش کرے ان چیزوں کے حصول کی جو اسے نفع پہنچائیں یعنے اعمال صالحہ اور گھٹیا درجہ ہے کہ عمل آخرت کے لیے میسر ہوں اور بلند مراتب فضل مقاصد اور اعلیٰ مطالب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کما قال تعالےٰ ۔ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون وہ اس لیے کہ عمل صرف اللہ تعالےٰ کی ذات کے لیے کیے جاتے ہیں نہ کہ جنت کی طلب کے لیے اور نہ ہی دوزخ سے بچنے کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ عورتوں کے لیے حیض مقرر کیا گیا ہے یہ ان کے ایمان کا نقصان ہے اس لیے کہ یہ دوزے نماز کی حقیقت سے مانع ہے جو کہ اللہ تعالےٰ سے ہم کلامی کا موجب ہے اور یہ روزے کی حقیقت سے مانع ہے اور یہ مشتبہات نفس سے روکتا ہے اور جیسے حیض مخرج سے نکلنے کا نام ہے اسی طرح خواہشات بھی صفات بشریہ کے غلبات اور حاجات انسانیہ کو کہا جاتا ہے خواہشات نفسانیہ کے غلبہ سے روحانی صفائی مکدر ہو جاتی ہے اور لونی پہنچتا ہے بزرگوں نے فرمایا کہ خواہشات نفسانیہ کا ایک قطرہ روحانی صفائی کے دریا کو مکدر کرتا ہے اس لیے حقیقۃً نفس کو نماز روزہ سے روکا گیا ہے اگرچہ وہ بظاہر ان میں مشغول ہو۔

ف: مومنین کے تین طبقات ہیں۔ (۱) عوام (۲) خواص (۳) خاص الخاص ۔ عوام چونکہ اہل غیب سے ہیں ان کے لیے ہر شکل لوگوں میں ٹھہرنے کی اجازت ہے جیسے کہ علے وصف الاذان ہو ان کے لیے کہا گیا ہے۔ نساءکم حرث لکم۔

اور خواص چونکہ وصف حضور سے موصوف ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے ہم مثل لوگوں میں گزاریں اور ان کے لیے کہا گیا ہے، قل اللہ ثم ذرھم۔ اس کے بعد وہ لوگ تفرید کے راہ چلتے ہیں یہاں تک کہ کعبہ توحید تک پہنچ جاتے ہیں اور خاص الخاص وہ حضرات ہیں جو حق تک پہنچنے اور حقیقت کے ملنے والے ہوتے ہیں خلافت حق سے عالم حقیقت میں ماسوی اللہ کے متصرف ہوتے ہیں یہی مردان حق کہلاتے اور اللہ تعالےٰ کے قرب میں بیٹھنے والے ہوتے ہیں ان کی عورتیں ماسوای اللہ ہیں انہیں کہا جاتا ہے یہ ماسوی اللہ تمہاری کھیتی ہے اور اس کے پاس جس طرح چاہو آؤ یہ حضرات انبیاء کرام اور خواص اولیاء علی نبینا وعلیہم السلام ہیں پس جیسے ایک قوم کے لیے دنیا آخرت کی کھیتی ہے لیکن ان لوگوں کے لیے دنیا و آخرت دونوں کھیتی باڑی ہیں ان میں جو چاہیں بیج بوئیں جہاں چاہیں اور جیسے چاہیں اور یہ کبھی قاعدہ ہے کہ یہ لوگ وہی چاہتے ہیں جو اللہ چاہتا ہے اس لیے کہ ان کی مشیت کا انحصار اللہ تعالےٰ کی مشیت پر ہے اور ان کی قدرت کا تصرف اللہ تعالےٰ کی قدرت کے تحت ہے وہ جو کچھ کرتے ہیں اپنے نفع کے لیے کرتے ہیں۔ نہ کہ اپنے نقصان کے لیے بلکہ یہ وہی شے مقدم کرتے ہیں جس کی تقدیم

کا انہیں حکم ہے اور وہی چیز مؤخر کرتے ہیں جس کا انہیں تاخر کا حکم ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، واتقوا اللہ واعلموا انکم ملاقوہ یعنے اے اللہ تعالیٰ کے خواص ولیو دنیا وآخرت کی کھیتی میں تصرف کرنے والو اللہ تعالیٰ سے اللہ کے ساتھ ڈرو، اس لیے کہ تم اللہ تعالیٰ کو ملنے والے ہو اللہ تعالیٰ سے تمہیں کوئی شے آڑ نہیں بنتی اور مومنین کو خوشخبری دو کہ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کو ملنے والے ہیں اگر اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ڈریں یعنے خواص اولیا کا مرتبہ مومنین کو آسانی سے میسر ہوتا ہے جب کہ وہ اس کی طلب میں جدوجہد کا حق ادا کریں۔

حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ شعر

جمال یار ندارد حق نقاب و پردہ ولے
غبار رہ بنشاں تا نظر توانی

ترجمہ جمال یار پر کسی قسم کا پردہ نہیں ہے تم اپنے سے غبار کو دور کرو تاکہ تم دیدار یار کر سکو۔

تفسیر عالمانہ: وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ

شانِ نزول مروی ہے کہ بشیر بن نعمان انصاری نے اپنی عورت کو طلاق دے دی اور یہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کی بہن تھیں پھر بشیر بن نعمان کا ارادہ ہوا کہ ان سے نکاح کریں اور حضرت عبداللہ نے قسم کھائی تھی کہ اب بشیر بن نعمان سے علیک سلیک ختم اور نہ ہی اس سے سلام وکلام ہوگا اور نہ ہی اپنی بہن کے بارہ میں ان کے ساتھ صلح کریں گے جب انہیں کہا گیا کہ آپ کی بہن کے ساتھ بشیر بن نعمان دوبارہ شادی کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے یہی فرمایا کہ اب میں قسم کھا چکا ہوں کہ اپنی بہن کا نکاح دوبارہ بشیر بن نعمان سے نہیں کروں گا اور میں اپنی قسم پر پختہ ہوں اس سے کسی طرح حانث نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حل لغات عرضة بروزن فعلة یعنے معروض نام ہے اس شے کا جو کسی شے کے آگے عارض ہو یعنی وہ شے جو آگے کی جائے اس حیثیت سے کہ وہ حاجز و مانع بن جائے یہ مشتق ہے عرض العود علی الاناء سے یعنی لکڑی کو برتن میں ڈال کر اس کا اسے سترہ بنایا اسی حیثیت سے کہ اسے برتن یا جس کی طرف توجہ کی جاری ہے سے حاجز و حائل بنایا جائے اب آیت کا ترجمہ یہ ہوا جس پر کہ تم قسم کھاتے ہو انواع خیر سے جیسے پاک دامنی اور پرہیزگاری کا اظہار اور اصلاح کرنا یعنے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے نام کی قسم کھانے کو آڑ نہ بناؤ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا اس سے مانع نہیں۔ یہاں پر قسم کھانا مجاز مرسل ہوگا اس خیرات سے کہ جس پر قسم کھائی جاری ہے

سوال محلوف علیہا یعنے جس پر قسم کھائی جارہی ہے اسے یمین (قسم کھانے) سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔؟

جواب اس لیے کہ قسم کو اس سے تعلق ہے۔

ترکیب لایمانکم۔ عرضة سے متعلق ہے اور اس کا اس سے مفعولیت کا تعلق ہے نہ کہ علیت کا کیونکہ عرضہ وہ ہے جو کسی شے

---

[1] حضرت مولانا مولوی غلام رسول صاحب کوٹلہ عالم پوری رحمہ اللہ تعالیٰ اس مضمون کو یوں بیان فرماتے ہیں: "ہو جو برہ پا اکھیں پردہ تھاں دلبر جھتھ آوے"

کو عارض اور وہ شے اس سے معترض ہو یعنے وہ شے جسے تم کسی دوسری کے آگے مقدم کرو تو یہ پہلی شے اس دوسری شے کے آگے ہوا ب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ کی قسم کو ایسی شے نہ بناؤ جو عارض اور وہ محلوف علیہ یعنے برّ اور خیر کے آگے واقع اور وہ قسم شے کی ادائیگی سے مانع ہو۔
ان تبرّوا عطف بیان ہے ایمانکم کے لیے یعنے الا تبرّوا ان امور کے لیے عطف بیان ہے جن پر قسم کھائی جا رہی ہے یعنی برّ و تقویٰ اور اصلاح کے لیے۔

واللّٰہُ سَمِیعٌ اور اللہ تعالےٰ تمہاری قسم کو سنتا ہے اور عَلِیمٌ ○ تمہاری نیات کو جانتا ہے یہاں کہ تم قسمیں کھانا چھوڑ دو صرف اللہ تعالےٰ کے نام کی تعظیم اور اس کے اجلال و اکرام کی وجہ سے جو کہ تم اسے اپنی دنیویہ اغراض پر استعمال کرتے ہو اور وہ تمہارے قلوب و نیات کو جانتا ہے بلکہ اس پر پورے طور محافظت کرو جس کا مکلف بنائے گئے ہو۔

مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

از پے آں گفت خود را حق سمیع
تا بندی لب ز گفتار شنیع
از پے آں گفت خود را حق بصیر
کہ بود دیدیت ہر دم نذیر
از پے آں گفت خود را حق علیم
تا نیندیشی فسادے تو ز بیم

ترجمہ اللہ تعالےٰ نے اپنے آپ کو اس لیے سمیع فرمایا ہے تاکہ تم اپنی زبان کو بُری باتوں سے روکیں اور اس نے اپنے آپ کو بصیر اس لیے فرمایا ہے کہ تمھیں دیکھنے کے متعلق اس کا خوف ہو اور اس نے اپنے آپ کو علیم اس لیے فرمایا ہے تاکہ تم فساد کے اندیشے سے پاک و صاف رہو۔

تفسیر صوفیانہ آیت عام ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی قسم اس لیے کھاتا ہے کہ وہ کسی سے احسان نہ کرے اور نہ ہی گناہوں سے بچے اور وہ کام کرے جو اس کا جی چاہے اور نہ ہی لوگوں کے درمیان صلح و صفائی کرائے جب کہ ان کے مابین بغض و عداوت پھیلے گویا اللہ تعالےٰ نے فرمایا تمہارا ہر معاملہ خیر اور بھلائی ہے اس سے تمہاری قسم مانع نہیں پس اگر تم قسم کھاؤ تو پہلے اسے سوچ لیا کرو اور نیکیاں یعنی احسان و تقویٰ اور اصلاح مابین الناس کا معاملہ کرو پس ایسے نہ کہو کہ قسم کھا کر کہو کہ ہم یہ کام اس لیے نہیں کرتے کہ اس پر قسم کھا چکے ہیں اگر ہم یہ کام کریں تو ہم اپنی قسم میں حانث ہو جائیں گے۔ اس لیے انھیں چاہیے کہ ایسے مواقع پر حانث ہو جائیں کیونکہ ان کا حانث ہونا افضل بر و احسان سے یعنے وہ کہ جس سے احسان و تقویٰ اور اصلاح مابین الناس سے تعلق رکھتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قسم کھائی اور وہ جانتا ہے کہ اس کے غیر میں بھلائی ہے تو اسے چاہیئے کہ قسم کا کفارہ دے اور وہ کرے جس میں بھلائی ہے۔

مسئلہ کام پہلے کرلے کفارہ بعد کو ادا کرے۔

مسئلہ یہ جائز نہیں ہاں حانث ہونے کے بعد کفارہ بالاتفاق واجب ہے۔

مسئلہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی حانث ہونے سے پہلے کفارہ ناجائز ہے۔

مسئلہ شرعۃ کتاب میں ہے کہ اہل شرع فرماتے ہیں کہ قسم کھا کر اپنے سامان کو رواج نہ دو قسم سچی ہو یا جھوٹی اس لیے کہ اگر وہ جھوٹی قسم کھاتا ہے تو وہ یمین غموس ہے اور کبیرہ گناہ ہے اور کبیرہ گناہ ملک کو تباہ کرتا ہے اور سچی قسم سے اللہ تعالےٰ اس کے سامان کے لیے اچھا سبب تو بنائے گا لیکن تجارت کو فروغ دینے کے لیے سچی قسم کھا کر اس نے بُرا کیا کیونکہ دنیا خسیس ہے اور اللہ تعالےٰ کا ذکر مبارک رفیع الشان اور رفیع الشان کو ایک خسیس شے کے لیے بلاضرورت سبب بنانا بہت بُرا ہے۔

نکتہ جس کی ہر چھوٹی بڑی بات پر قسم کھانے کی عادت بن جائے تو اس کی زبان قسم کھانے پر مجبور ہو جائے گی جس کی وجہ سے قسم کی قدر و منزلت اس کے دل سے اُٹھ جائے گی اس اعتبار سے جھوٹی قسم کا کھا جانا اس کے لیے کوئی بری بات نہ سمجھی جائے گی اور اصل غرض کے لیے جو قسم سے مطلوب تھا وہ مفقود ہو جائے گا۔

حدیث شریف بہت بڑی خرابی ہے اس تاجر کے لیے جو اپنے تجارتی کاروبار کے ہر معاملہ میں کہتا ہے اللہ کی قسم اللہ کی قسم۔

مسئلہ بستان العارفین میں ہے کہ اپنے سامان کی ترویج کے لیے درود پڑھتا ہوا کہے کہ یہ بہتر سامان ہے وہ ... سے بُرا کرتا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تاجر لوگ بہت بڑے فاجر ہیں عرض کی گئی اس کی وجہ کیا ہے اللہ تعالےٰ نے تو بیع کو حلال اور سُود کو حرام کیا ہے آپ نے فرمایا یہ لوگ اس لیے فاجر ہیں کہ یہ سامان بیچتے ہوئے جھوٹی قسم کھاتے ہیں اس وجہ سے گنہگار ہو جاتے ہیں بلکہ بات بات پہ جھوٹ بولتے ہیں۔

مسئلہ اللہ تعالےٰ کو کسی قسم کی قسم نہ دے مثلاً یوں نہ کہے واللہ لیفعلن اللہ کذا اللہ تعالیٰ کی قسم اللہ تعالیٰ ایسے ہی کرے گا۔

مسئلہ اگر ولی اللہ مذکورہ بالا قسم اللہ تعالےٰ کو پیش کرے تو اللہ تعالےٰ اس قسم میں ولی اللہ کو حانث نہیں ہونے دیتا بلکہ اس قسم میں اسے سچا بنا دیتا ہے تاکہ ولی اللہ کی عظمت کا اظہار ہو۔

حکایت باکرامت حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ تعالےٰ ایک دن کہیں جا رہے تھے تو راستہ میں آپ کو ایک مرد بیہوش پڑا ملا آپ نے اسے ہوش میں لا کر پوچھا کہ کیا ہوا اس نے کہا میرا گدھا گم ہو گیا ہے اور میرے گھر کا ساز و سامان صرف وہی گدھا تھا حضرت ابوحفص کھڑے ہو گئے اور کہا وعزتك لا اخطو خطوة مالم ترد حمارہ اے اللہ مجھے تیری عزت کی قسم میں یہاں سے ایک قدم نہیں بڑھوں گا جب تک اس شخص کا گدھا واپس نہیں لوٹے گا ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی دیکھا تو گدھا سامنے ہے۔ (کذا فی شرح المشارق)

تفسیر عالمانہ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ اللہ تعالےٰ تمہاری لغو قسم سے تمہارا مؤاخذہ نہیں کرے گا۔

فائدہ لغو کلام ہے جو درجہ اعتبار سے ساقط ہو جائے مثلاً کہا جاتا ہے لغا لغواً یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی باطل کلام بولے

فِیْٓ اَیْمَانِكُمْ تمہاری قسموں میں۔

ف : ایمان - یمین کی جمع ہے بمعنے قسم۔ اسے اس معنیٰ میں دو وجہتوں سے مستعمل کیا گیا ہے ۱۔ یمین بمعنے سیدھا ہاتھ۔ چونکہ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب کسی سے معاہدہ کرتے تو قسم کھاتے وقت ایک دوسرے کو دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتے اسی مناسبت سے اسے یمین کہا گیا۔ ۲۔ یمین بمعنے قوت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واخذنا لا باليمين اور ہم نے اسے مضبوطی سے پکڑا اس لیے کہ قسم کھانے والا فعل کے کرنے یا نہ کرنے کی مضبوطی کی بنا پر قسم کھاتا ہے۔

یمین لغو وہ ہے کہ نہ اس میں عقد ہو اور نہ قصد مثلاً کسی معاملہ میں اللہ کی قسم کھا کر اقرار یا انکار کرے اور اس کا گمان ہو کہ وہ اپنے فعل میں

مسئلہ سچا ہے حالانکہ معاملہ برعکس ہے خواہ وہ معاملہ جس پر قسم کھاتا ہے زمانہ ماضی کا ہو یا کوئی اور ایسی قسم پر نہ گناہ ہے اور نہ کفارہ یہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لغو یمین اسے کہا جاتا ہے جو زبان سے بلا قصد کوئی لفظ نکل جائے مثلاً کہے، لا واللہ و بلی واللہ اسی طرح وہ الفاظ کہ جن سے کلام کو موکد کیا جاتا ہے جن میں قسم کھانے کا دل میں خیال تک نہیں گزرتا یہاں تک کہ اگر کسی کو کہا جائے کہ میں نے تجھے بیت الحرم میں قسم کھاتے دیکھا تو وہ اس کا انکار کر جائے آیت کے دو معنے ہیں ایک ان میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں تمہاری قسموں پر تمہاری گرفت نہیں کرے گا تمہارے اس گمان پر کہ تم اپنی قسموں میں سچے ہو۔

وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ لیکن تمہاری گرفت کرے گا المواخذہ۔ اخذ سے ہے یہاں پر بمعنے معاقبت کے ہے بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ اس پر کہ تمہارے قلوب اس کے مرتکب ہوئے اور اس قسم کا طریقہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر خلاف واقعہ کے قسم کھائے اسے یمین غموس کہا جاتا ہے۔

سوال اسے غموس کیوں کہتے ہیں؟

جواب اس لیے یہ قسم کھانے والے کو گناہ میں غوطہ دیتی ہے اب معنے یہ ہوا کہ تمھیں یمین لغو پر کوئی گناہ نہیں اور نہ ہی کفارہ اس لیے کہ اس میں تمہاری نیت نہیں البتہ جس قسم پر تمہاری نیت ہے اور قصداً قسم کھاتے ہو تو اس پر تمھیں کفارہ لازم ہے۔

ف تفسیر تیسیر میں ہے کہ آیت آخرت کے مؤاخذہ کے متعلق ہے اور اسی مؤاخذہ سے آیت: ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان میں مؤاخذہ کفارہ مراد ہے لیکن کفارہ کا مواخذہ صرف یمین معقودہ میں ہے خلاصہ یہ کہ دونوں آیتیں مواخذہ کے بارہ میں مختلف ہیں۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ اور اللہ غفور ہے بایں معنی کہ تمہاری غلطی کو معاف کر دیتا ہے مثلاً یمین لغو پر تمہارا مواخذہ نہیں فرماتا باوجودیکہ یہ یمین بھی قابل گرفت تھی اس لیے کہ لاپرواہی سے قسم کھائی گئی۔ حَلِيْمٌ ۝ حلیم ہے کہ مؤاخذہ میں عجلت نہیں فرماتا۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ مواخذہ سے معاقبت مراد ہے ایجاب الکفارہ اس لیے کہ مغفرت اس میں ہو سکتی ہے جس میں کفارہ نہ ہو نہ یہ کہ جس پر کفارہ لازم ہو اور اس کی مغفرت فرمائے۔

فائدہ الحلیم والصبور میں فرق ہے صبور وہ ہے جو کسی امر سے نفرت نہ کرے اور نہ ہی اس پر غیظ و غضب طاری ہو اور نہ ہی وہ کسی پر طیش اور عجلت پر انتقام لیتا ہے باوجودیکہ قدرت اور بڑی قدرت کا مالک ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولو یؤاخذ اللہ الناس بظلمهم ماترک علیها بندے کا حلیم کی صفت سے فائدہ اٹھانا ظاہر ہے اور ایسا حلم بندے کی بہترین اوصاف سے

شمار ہوتا ہے ۔

حدیث شریف مسلمان مرد کو حوصلہ سے روزہ دار اور شب بیدار کا ثواب نصیب ہوتا ہے ۔
جناب حسین واعظ الکاشفی مرحوم فرماتے ہیں ۔

علم با حلم حال رُوئے بود
علم بے حلم خاک کوئے بود
بردباری چو زینت خراست
ہر کرا حلم نیست زیور است

ترجمہ : علم حلم کے ساتھ ہو تو وہ علم مفید ہے علم بے حلم ہو تو وہ خاک ہے بردباری ایسے ہے جیسے گدھے پر زیور یعنے بردباری انسان کے عیب چھپا دیتی ہے جسے حوصلہ نہیں گویا بے زیور ہے ۔

یمین کے اقسام یمین تین قسم ہے ۔

(۱) حسین کاشفی نے فرمایا کہ علماً فرماتے ہیں کہ کوئی شخص عمداً قسم کھائے تو اس پر کفارہ ہے اسے یمین منعقد کہتے ہیں ۔

(۲) اس نے جو قسم کھائی ہے اگر اسے زمانہ ماضی سے تعلق ہے اور قسم کھانے والا واقعہ کو جانتا بھی ہے لیکن قسم اس کے خلاف کھاتا ہے تو اس پر صرف گناہ ہے اور وہ بھی کبیرہ لیکن اس پر کفارہ نہیں یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰے کا مذہب ہے کیونکہ کبائر پر کفارہ نہیں ہوتا اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰے فرماتے ہیں کہ اس پر کفارہ واجب ہے اسے یمین غموس کہتے ہیں ۔

(۳) اگر قسم کھانے والا واقعہ سے بالکل بے خبر ہے اور قسم کھاتے وقت اپنے موقف کو سچا سمجھ کر قسم کھاتا ہے حالانکہ معاملہ برعکس ہے لیکن اسے اس کا علم نہیں تو اس میں کی قسم کا کفارہ نہیں اور اسے یمین لغو کہا جائے گا امام ابوحنیفہ کے نزدیک لیکن امام شافعی اسے یمین غموس کہتے ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ اس قسم میں بھی کفارہ ہے ۔

مسئلہ قسم اللہ تعالٰے کی یا اس کے اسماء میں سے کسی ایک اسم کی یا اس کے صفات میں سے کسی صفت کی ہونی چاہیے مثلاً اللہ تعالٰے کی قسم میں یوں کہے والذی اصلی لہ ، مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کی میں نماز پڑھتا ہوں یا یوں کہے والذی نفسی بیدہٖ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ۔

مسئلہ اس کے اسمائے قسم کھانے کی صورت یوں ہے واللہ والرحمٰن ونحوہ مجھے اللہ کی مجھے رحمٰن کی قسم وغیرہ وغیرہ ۔

مسئلہ جو شخص غیر اللہ کی قسم کھائے مثلاً کہے والکعبة وبیت اللہ ونبی اللہ مجھے کعبہ اور اللہ کے گھر اور نبی علیہ السلام کی قسم یا اپنے باپ کی قسم کھائے وغیرہ وغیرہ تو وہ شرعی قسم نہ ہوگی اور نہ ہی اس سے کفارہ واجب ہے ایسی قسم مکروہ ہے ۔

مسئلہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰے فرماتے ہیں ایسی قسم کھانے والے کے لیے مجھے خوف ہے کہ وہ گنہگار نہ ہو جائے ۔

حدیث شریف جو شخص غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے تو وہ اللہ تعالٰے کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہراتا ہے ۔

شرح اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص جو غیر کی قسم کھا کر اس کی تعظیم کا اعتقاد رکھتا ہے تو اس نے محلوف بہ کو اللہ تعالیٰ کا اس قسم میں شریک ٹھہرا لیا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص تھی نہ کہ مطلقاً مشرک ہوا۔

مسئلہ اگر اس کا اس قسم میں تعظیم مقصود نہیں اور نہ ہی محلوف بہ کو معظم بالشان رکھ کر قسم کھاتا ہے تو کوئی حرج نہیں مثلاً سبقت لسانی یا بطریق عادت کے کہتا ہے لا دابی وغیرہ وغیرہ تو مشرک نہیں۔

مسئلہ ملا رازی مرحوم فرماتے ہیں جو شخص قسم کھاتے وقت کہتا ہے بحیاتی وبحیاتک وغیرہ مجھے اپنی تیری زندگی کی قسم ہے وغیرہ وغیرہ تو ایسے شخص کے متعلق مجھے خطرہ ہے کہ وہ کافر نہ ہو جائے۔

مسئلہ اگر ایسے کلمات عوام کی زبان زد نہ ہوں اور انہیں مسئلہ کا علم ہو تو ایسے قسم کھانے والے کو مشرک کہا جا سکتا تھا اس لیے کہ قسم صرف اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے اور بس۔

مسئلہ اسلام سے برأت کی قسم نہ کھائے اگر وہ یہی قسم اس طریق سے کھاتا ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ اسلام کی دولت سے محروم ہو جائے گا اگر جھوٹی قسم اس طریق کی کھائی تو اس کے لیے کفر کا خطرہ ہے۔

حدیث شریف جو شخص جھوٹی قسم بغیر ملۃ الاسلام کی کھاتا ہے تو وہ جیسے کہتا ہے ویسے ہی ہوگا۔

شرح حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص یوں کہے کہ اس نے اگر یہ کام کیا یا نہیں کیا تو وہ یہودی ہو جائے گا تو جیسے وہ کہہ رہا ہے ویسے ہی ہوگا یعنے وہ کافر ہو جائے گا یہی امام شافعی کا معمول بہ ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ کافر نہ ہوگا اس حدیث کو انہوں نے تہدید پر محمول فرمایا ہے۔

مسئلہ اگر صورت مذکورہ کو ماضی زمانہ سے متعلق کیا مثلاً کہا اگر اس نے یہ فعل کیا ہو تو وہ یہودی ہو حالانکہ وہ فعل اس نے کیا تھا تو اس صورت میں احناف کا اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہ ہوگا اگرچہ جانتا ہے کہ یہ صورت قسم کی ہے۔

مسئلہ ہاں اگر صورت مذکورہ میں اسے معلوم ہے کہ ایسے کلمات کہنے سے بندہ کافر ہو جاتا ہے پھر بھی وہ کلمات استعمال کرتا ہے تو کافر ہو جائے گا کیونکہ کفر پر راضی ہوا یہی حدیث شریف کا صحیح محمل ہے اور اسی پر اکثر کا اتفاق ہے۔

مسئلہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ صورت مذکورہ میں فتویٰ اس پر ہے کہ وہ یمین ہے اس پر کفارہ واجب ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو قول ظاہراً بلا قصد وارادہ زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور اس کا باطن سے کوئی تعلق نہیں تو اسے اگرچہ شر سے کوئی تعلق نہیں لیکن خیر سے بھی اسے امید نہ رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو زبان سے کچھ اور دل سے کچھ۔ چنانچہ فرمایا: یقولون بالسنتھم ما لیس فی قلوبھم اسی طرح جو شخص زبان پر جو کچھ چلاتا ہے اس پر اس کا دل بھی شاہد ہے لیکن عمل اس کے خلاف ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ نے غلط کار کہا ہے چنانچہ فرمایا: کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون اگر ایسی بات سے بولنے والے کا مقصد صرف یہ ہو کہ اتہام سے بری ہو جاؤں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے وسعت رکھی ہے چنانچہ فرمایا: "لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم" اسی طرح ہی

مجبوری کے وقت کفریہ کلمات بولنے پر معاف فرماتا ہے چنانچہ فرمایا، الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا دل بمنزلہ زمین کے ہے اور اعضاء بمنزلہ ان ہتھیاروں کے ہیں جو کھیتی باڑی کے لیے ہوتے ہیں اور اعمال واقوال بمنزلہ بیج کے ہیں جو شخص ایسے عمل بجالاتا ہے اس کا معمولی طور قلب پر اثر اترتا ہے اگرچہ بقدر مثقال ذرہ کے تب بھی اللہ تعالٰے اپنے فضل وکرم سے اس کے اعمال کو ضائع نہیں ہونے دیتا اس لیے کہ وہ قلیل کو کثیر اور صغیر کو عظیم بناتا ہے اگر اس کے اعمال ظاہری سے قلب پر معمولی شر اثر انداز ہوتا ہے تب بھی اپنے لطف واحسان سے اس بندے سے مواخذہ نہیں فرماتا بلکہ حوصلہ فرماتا ہے اس کی توبہ قبول کرکے اس کے گناہ بخش دیتا ہے چنانچہ فرمایا: واللہ غفور حلیم" (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ۔ الایلاء بمعنے قسم کھانا ایلاء دراصل علٰے سے مستعمل ہوتا ہے لیکن چونکہ ایسے افعال بعد کے معنے کو متضمن ہوتے ہیں اس لیے ان کا صلہ من آتا ہے اب معنے یوں ہوا کہ ان لوگوں کے لیے جو اپنی عورتوں کو کہ دور رکھتے ہیں قسمیں کھا کر۔ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ؕ چار ماہ کا انتظار ضروری ہے تربص مصدر ظرف کی طرف مضاف ہے اس لیے کہ ظرف میں وسعت ہے کہ وہ ظرفیت کے باوجود مفعول بہ کا بھی کام دے چنانچہ کہا جاتا ہے: بینهما مسیرۃ یوم ای مسیرۃ فی یوم انہیں چاہیے کہ وہ اس مدت تک انتظار کریں کہ نہ رجوع کریں اور نہ طلاق دیں۔

مسئلہ ایلاء کی صورت یہ ہے کہ مرد عورت سے کہے کہ میں چار ماہ تک تیرے قریب نہیں آؤں گا ہے چار ماہ کی یا زائد قید لگائے بہرحال مہینوں کی قید ضروری ہے یا یوں کہے کہ میں تیرے قریب نہ آؤں گا یعنی کسی قسم کی قید نہ لگائے۔

مسئلہ اگر قسم کھائے کہ میں چار ماہ تک قریب نہیں آؤں گا تو وہ ایلاء کرنے والا نہ ہوگا بلکہ وہ قسم کھانے والا ہوگا اگر اس مدت میں اپنی عورت سے وطی کرے تو حانث ہوگا فلہٰذا اسے قسم توڑنے کا کفارہ دینا چاہیے یہی صحیح ترین ہے۔

مسئلہ ایلاء کے دو حکم ہیں۔ (۱) حکم الحنث (۲) حکم البر۔ حکم الحنث میں کفارہ ضروری ہے۔ مدت ایلاء میں اگر اللہ تعالٰے کے نام کی قسم کھائی تو جزا لازم ہوگی اگر اس قسم کو طلاق وعتاق سے مقید کیا ہو تو نذر معین ہوگی اگر اللہ تعالٰے کے نام کی قسم کھائی اگر قسم ثانی سے ہو تو اس میں ایلاء کی مدت گزرنے کے بعد طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

مسئلہ ایلاء کی مدت کم از کم چار ماہ ہے اگر عورت آزاد ہو اگر عورت لونڈی ہو تو دو ماہ گزرنے کے بعد وہ لونڈی بائنہ ہو جائے گی۔

ف حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت کے نزدیک ایلاء بھی طلاق کی ایک قسم ہے حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت کے ہاں عورتوں کو دکھ پہنچانے کا ایک طریقہ یہی ایلاء بھی تھا مثلاً کوئی شخص اپنی عورت کو نہ تو خود اپنے پاس رکھنا چاہتا اور نہ وہ چاہتا کہ کوئی دوسرا اس سے نکاح کرے تو قسم کھاتا کہ وہ اپنی عورت سے ہمیشہ ہمیشہ تک جماع نہ کرے گا اس کے بعد اسے چھوڑے رکھتا وہ عورت اس طرح سے نہ غیر شادی شدہ بھی جاتی اور نہ ہی شادی شدہ ابتدائے اسلام میں بھی اس پر عمل کرتے رہے لیکن اللہ تعالٰے نے اسلام کی برکت سے عورتوں سے یہ عظیم عذر دور فرمایا اور مرد کے لیے ایلاء کی مدت متعین کر دی تاکہ اس مدت کے اندر وہ سوچ بچار کرسکے اس کے بعد چاہے تو اپنی عورت کو پاس رکھے اور چاہے اسے طلاق دے۔

فَاِنْ فَاۗءُوْ پس اگر وہ جماع کریں اس سے جو انہوں نے قسم کھائی ترک جماع کی تو فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اس رجوع کا گناہ بخش دیتا ہے یہ بھی توبہ کی طرح ہے کہ اس کے خلاف قول کرنا گناہ ہے اس لیے کہ ایلا سے عورت کو ضرر پہنچ جب اس سے رجوع کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا۔ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ عزم دعزیمۃ دراصل کسی شے کا دل سے ارادہ کر کے اسے کر گزرنے کو کہتے ہیں اب معنے یہ ہوا کہ جب وہ طلاق دینے پر تل جائیں اور پختہ ارادہ کرلیں کہ اس مدت کے اندر اپنی عورت سے ہرگز ہرگز جماع نہ کریں گے یہاں تک کہ مدت گزر جائے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ بیشک اللہ ان کی طلاق کو سنتا اور ان کی عزم کو جانتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

دونوں آیتوں کی تحقیق میں اس طرف اشارہ ہے کہ بندے کو یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کا حق ضائع نہیں کرتا جب عورت کی زبان بولنے سے کوتاہ ہو جائے کہ وہ اپنے مرد کی قید میں آجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے امور کا متولی ہو جاتا ہے زوج کو چاہیے کہ یا تو اس سے گزارا اچھا کرے یا طلاق دے دے یہاں تک کہ مرد اگر عورت سے اچھا گزارا کرے تو فبہا ورنہ اس کی وجہ سے مرد کو سخت گرفت ہوگی اس لیے کہ سالک کو ضروری ہے کہ وہ ہر ایک کے حقوق کی رعایت میں اہتمام کرے۔

نکتہ چار ماہ کی قید میں ایک عجیب نکتہ ہے وہ یہ کہ جنین یعنے پیٹ میں نطفے کے ٹھہرنے کے بعد بچے کا روح سے تعلق چار ماہ کے بعد ہوتا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان احدکم یجمع خلقه فی بطن امه اربعین یوما یعنے تک نطفہ ماں کے پیٹ کے اندر چالیس دن میں جمع کیا جاتا ہے۔

شرح یہاں یجمع بمعنے یحرز ویقر ہے یعنے تمہاری پیدائش کے مادہ کو اکٹھا کرتا اور ایک جگہ جمع فرماتا ہے۔ فی بطن امه ای فی رحمها یہاں پیٹ بول کر رحم مراد لی گئی ہے جیسے عام طور عرب کا دستور ہے کہ کل بول کر جز مراد لیتے ہیں۔

ف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نطفہ رحم میں قرار پکڑتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ اس سے بچہ پیدا کرے تو نطفہ کے پہنچتے ہی وہ عورت کے جسم کے ذرہ ذرہ کے اندر پھیل جاتا ہے یہاں تک کہ ناخنوں اور بال بال کے نیچے تک پھیل جاتا ہے اس حالت میں چالیس دن گزار دیتا ہے پھر وہ خون بن کر رحم میں اترتا ہے یہی مطلب ہے جمع کرنے کا جو کہ حدیث شریف میں واقع ہوا۔ پھر خون کا لوتھڑا ہو جاتا ہے جسے قرآن نے علقه سے تعبیر کیا ہے اور وہ اس حالت میں بھی چالیس دن گزارتا ہے اس کے بعد وہ گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے اتنا قدر کہ اسے دانتوں میں دے کر چبایا جا سکے جسے قرآن میں مضغة سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ روح پھونکنے کے لیے ایک فرشتہ بھیجتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ صورت کشی یعنی نفخ روح تیسرے اربعین دچلہ کے بعد ہوتا ہے اس وقت فرشتے کو چار کلمات لکھنے کا حکم ہوتا ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں ویومر باربع کلمات یعنے فرشتے کو ان چار چیزوں کے لکھنے کا حکم ہوتا ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے پہلے مقدر فرمایا ہے اس کا عطف قولہ تکون علقه پر ہوگا جو حدیث شریف میں واقع ہے اس لیے کہ ان چاروں کلمات کی کتابت دوسرے چلہ میں ہوتی ہے ویکتب رزقه اور اسے بصیغہ مجہول بھی پڑھا گیا ہے اور بصیغہ معلوم بھی یعنے اس کا رزق لکھا جاتا ہے اور اس کا اجل بھی اور اجل کا اطلاق انسان کی تمام زندگی پر آتا ہے اور یہی مراد ہے ویسے انسان کی آخری زندگی کو بھی اجل کہا

جاتا ہے اس استعمال سے اللہ تعالیٰ کا قول اذا جاء اجلھم اس کے بعد عمل لکھا جاتا ہے کہ یہ بدبخت ہے کہ اس کی عادت اہل نار کی ہو گی یا لکھا جاتا ہے کہ وہ سعید نیک بخت ہو گا یعنے کہ اس کی فطرت اہل جنت کی ہو گی ۔

ف بدبخت کو نیکبخت سے اس لیے مقدم کیا گیا کہ اکثریت بدبختوں کی ہے ۔ (کذا قال القاضی)

ف کتابت سے مراد یہ ہے کہ ان امور کو فرشتہ کے سامنے ظاہر کیا گیا ورنہ تقدیر ربانی کا لکھا جانا تو اس سے مدتہا پہلے ہے اس مختصر تمہید کے بعد جاننا چاہیئے کہ جس سالک سے اثنائے سلوک میں کوئی ایسی خرابی واقع ہوئی ہو جو اسے نقصان دہ ہے یعنی اس سے نفس کو ملال ہوا اور طبع کو نفرت تو شیخ یا سالک کے ساتھیوں پر واجب ہے کہ اس سے جدائی اختیار نہ کریں بلکہ اس کی بہتری کے لیے اس سے مدد دیں تاکہ وہ اپنے حقیقی امور میں نفع یاب ہو سکے اور اس کے رجوع کے لیے چار ماہ کا انتظار کریں اگر وہ شخص طلب صدق اور رعایت حق صحبت کی طرف رجوع کرے اور اس غلطی سے استغفار کرے جو اس سے سرزد ہوئی ہے پھر جا بکدستی سے اپنے ارادوں میں دوبارہ کام کرے تو یہ بھی اس کی طرف متوجہ ہو کر اس سے درگزر کریں اس لیے کہ یہ ایسی چراگاہ ہے کہ جسے صرف کمزور لوگ ہی حاصل کر سکتے ہیں اور ایسا چشمہ ہے کہ جس پر یہ لوگ اترتے ہیں جو نہایت ہی غافل قسم کے ہیں اور یہ وہ دروازہ ہے جسے وہ کھٹکھٹا سکتے ہیں جو اس در پر ٹھہرے رہتے ہیں بلکہ یہ ایسی شراب ہے جس کا مزہ صرف عارفین کو نصیب ہوتا ہے اور یہ ایک ایسا نغمہ ہے جسے صرف عشاق ہی سنتے ہیں اگر یہ لوگ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد کی منکوحہ کو طلاق دے دیں اور پھر جدائی کے گناہ پر اصرار کریں تو پھر انہیں حق کی رسی کو تھامنا پڑے گا اللہ تعالیٰ ان کی گفتگو کو سنتا اور ان کے حال کو جانتا ہے

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

نہ در میان ما را وفا و عہد بُود
جفا کردی و بدعہدی نمودی
ہنوز گر سر صلحست باز آئی
کزاں محبوبتر باشی کہ بُودی

ترجمہ: ہمارے درمیان وفا کا معاہدہ تھا لیکن تو نے خلاف عہد کر کے ہم پر ظلم کیا اگر اب تمہیں صلح کا خیال ہے تو ہم حاضر ہیں صلح کے بعد تم پہلے کی طرح محبوب بلکہ اس سے بھی محبوب تر ہو گے ۔

حکایت اپنے وقت کے شیخ حضرت ابوعبداللہ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا وہ فرما رہے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کے ملنے کی راہ جانتا اور اس پر چلتا ہوا واپس لوٹتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ ایک ایسے عذاب میں مبتلا کرے گا کہ کسی کو عالمین میں ایسا عذاب نہیں دیا ہو گا ۔ کذا فی الواقع الانوار القدسیہ فی مناقب العلماء والصوفیاء)

تفسیر عالمانہ وَالْمُطَلَّقٰتُ ان سے وہ آزاد عورتیں مراد ہیں جو مدخول بہا ہیں اور جنہیں حیض آتا ہے ورنہ غیر مدخولہ عورتوں کی تو کوئی عدت نہیں ہوتی اور وہ عورتیں جنہیں صغر سنی یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا ان کی عدت تو مہینوں کی گنتی پر ہوتی ہے اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے ۔

مسئلہ لونڈیوں کی عدت دو قرء یا دو ماہ ۔

حل لغات تعلیق لغت میں قید ہٹانے کو کہا جاتا ہے یعنے وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کی رسیوں سے آزاد کی گئی ہیں ۔
یَتَرَبَّصْنَ یعنے چاہیے کہ وہ عورتیں انتظار کریں بِاَنْفُسِهِنَّ یہ با تعدیہ کی ہے یعنی اپنے نفسوں کو برانگیختہ کریں انتظار پر یا یہ کہ وہ
اپنے آپ کو انتظار کرنے والی بنائیں ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ کی جمع ہے کلام عرب میں یہ اضداد میں سے ہے کبھی طہر کے لیے اور کبھی حیض کے لیے
مستعمل ہوتا ہے اور مشہور یہی ہے کہ یہ دونوں معنے اس کے لیے حقیقت ہیں جیسے شفق کی سرخی اور سپیدی دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے سیدنا
ابو حنیفہ اور آپ کے متبعین کا مذہب ہے کہ یہاں پر قرء بمعنے حیض ہے اس لیے کہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے عورت کی عدت کو قروء کے
بجائے مہینوں کو عدت قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا، واللائی یئسن من المحیض من نسائکم فعدتهن ثلاثة اشهر یہ سبب کہ اس عورت سے حیض کی
حیثیت مرتفع ہو گئی تو اس کی اصلی حالت لوٹی اس سے ثابت ہوا کہ قرء بمعنے حیض ہے ۔

مسئلہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت فطلقوهن لعدتهن سے استدلال کیا ہے کہ قرء بمعنے طہر ہے اس لیے کہ عدتهن
کی لام وقت کے لیے ہے اور عدت کا وقت صرف طہر ہی ہوسکتا ہے اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے طلاق کا حکم دیا ہے ... طلاق
حیض میں ممنوع ہوتی ہے احناف کا جواب اس کے متعلق یہ ہے کہ فطلقوهن لعدتهن کا معنے ہے۔ فطلقوهن مستقبلات ... عدتهن
یعنے ان عورتوں کو طلاق دو درانحالیکہ وہ عورتیں اپنی عدت کے وقت کی طرف متوجہ ہونے والی ہوں اور ان کی عدت یہی تین حیض ہیں
اب مطلب یہ ہوا کہ انھیں طلاق واقع ہو گی تو وہ اپنی عدت کی طرف رجوع کریں گی اور عدت کی گنتی میں شروع ہو جائیں گی آیت کا معنے یہ نہیں
کہ انہیں طلاق عدت میں واقع ہو ۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عورت مطلقہ کی عدت تھوڑی ہے اور حضرت
امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بہت بڑی ہے یہاں تک کہ جس نے اپنی عورت کو طہر میں طلاق دی تو عورت کی عدت وہی طہر
اور باقی دو طہر ہوں گی اگرچہ طلاق والے طہر کے بعد فوراً ہی اس عورت کو حیض شروع ہو جائے اور جب تیسرا حیض شروع ہوگا تو اس کی عدت ختم
ہو جائے گی اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جب تک کہ وہ تیسرے حیض سے فارغ نہ ہو لے اس کی عدت ختم نہیں ہو گی
اگر اسے طہر کی حالت میں طلاق دی گئی اور اگر اسے حیض کی حالت میں طلاق دی گئی تو اسے چوتھے حیض کو ختم کرنا ضروری ہے تب اس کی
عدت ختم ہو گی ۔

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ اور ان کے لیے حلال نہیں کہ وہ چھپائیں - مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ جو
اللہ تعالیٰ نے ان کی رحموں میں پیدا فرمایا یعنے حمل یا حیض کو چھپائیں مثلاً یوں کہے کہ میں حاملہ یا حائضہ نہیں ہوں حالانکہ وہ حائضہ ہو تاکہ زوج
کا حق باطل ہو اولاد سے یا اسے رجعت کا حق نہ ملے یہ اس وقت ہے جب کہ عورت چاہے کہ وہ جلد ہی اپنے شوہر سے گلو خلاصی کرے اس
لیے کہ وہ حمل کو چھپاتی ہے تاکہ طلاق کے بعد اسے وضع حمل کا انتظار نہ کرنا پڑے اور بسا اوقات ایسے خوف سے حمل گرا بھی جاتے ہیں یا
حمل اس لیے چھپاتی ہیں تاکہ اس کا شوہر اپنے بچے کی لالچ میں شفقت پر رجوع کرلے اس طرح سے عورت کی تمنا پوری نہ ہو یا حیض کو اس لیے
چھپاتی ہے تاکہ اسے دوسری طلاق جلد حاصل ہو اس لیے کہ طلاق السنۃ کا قاعدہ ہے کہ وہ طہر میں واقع ہو گی ہے۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے معاملات میں عورت کا قول معتبر ہے اثبات ہو یا نفی ۔

اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اگر وہ اللہ تعالےٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں یعنے عورتیں مذکورہ بالا افعال کا ارتکاب نہیں کر سکتیں اس لیے کہ جب وہ اللہ تعالےٰ اور یوم آخرت پر ایمان لا چکی ہیں تو ان سے ایسے امور کا صدور ان کے منافی ہے ۔

مسئلہ اس میں عورتوں کے لیے سخت وعید ہے ۔

مسئلہ یہ حکم عام ہے خواہ وہ عورت مومنہ ہو یا کافرہ ایمان کی قید اتفاقی ہے

وَبُعُوْلَتُهُنَّ ۔ بعول، بعل کی جمع ہے اور بعلۃ عورت کو کہتے ہیں دراصل بعل سردار اور مالک کو کہا جاتا ہے مرد کو اس لیے بعل کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی عورت کے معاملات میں خود کفیل ہوتا ہے گویا کہ وہ اپنی عورت کا مالک اور مربی ہے اور البعولۃ میں تاء تانیث الحق کی ہے اس لیے کہ جمع بمعنے الجماعۃ مؤنث کے حکم میں ہے اور تاء تانیث کی تاکید کی وجہ سے زائد ہے

مسئلہ طلاق کے بعد بھی زوج کو بعل کہا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعد طلاق بھی مرد کا نکاح باقی ہے اور اس کے لیے حلت ثابت ہے

ف : هن کی ضمیر مطلقات کے افراد کے لیے ہے اس لیے کہ هن عام ہے جو جمیع مطلقات کو شامل ہے خواہ وہ طلاق رجعی ہو یا بائنہ ۔ لیکن بائنہ طلاق میں شوہر کا کوئی حق نہیں ہوتا نہ نکاح میں نہ رجعت میں ۔

اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ وہ شوہر زیادہ حقدار ہیں نکاح اور ان کی طرف رجوع کرنے کے متعلق فِيْ ذٰلِكَ یعنے انتظار کے زمانہ میں اس لیے کہ شوہر کو رجعت کا حق اس وقت تک حاصل ہے جب تک کہ عورت عدت میں ہو جب عدت ختم ہو جائے تو رد اور رجعت ختم یہاں پر احق افعل التفضیل بمعنے اسم فاعل ہے اب معنے یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کے رد اور رجعت کے حقدار ہیں اس لیے کہ یہاں پر افعل التفضیل کا معنے نہیں ہو سکتا کیونکہ عورتوں پر مردوں کے سوا اور کسی کا حق نہیں ۔

مسئلہ طلاق وغیرہ میں صرف مردوں کا حق ہے عورتوں کو اس میں انکار یا اقرار کی کوئی گنجائش نہیں اگر مرد طلاق، کر رجوع کرنا چاہے تو عورت کا انکار غیر معتبر ہے ۔

اِنْ اَرَادُوْٓا اگر مرد رجوع کرنا چاہیں اِصْلَاحًا آپس میں اصلاح اور احسان و مروت نہ کہ عورتوں کو نقصان دینے کا جیسے دور جاہلیت میں کرتے تھے ۔

شانِ نزول زمانہ جاہلیت میں عادت تھی کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دے دیتا جب عورت کی عدت قریب الاختتام ہوتی تو وہ عورت سے رجوع کر لیتا پھر اسے طلاق دے دیتا پھر رجوع کر لیتا اس طرح سے اس کی عدت لمبی ہو جاتی اور اس کا مقصد بھی یہی ہوتا کہ کسی طرح عورت کی عدت طویل ہو تاکہ اسے ضرر پہنچے ۔

مسئلہ عورت مطلقہ رجعی کے رجوع کو حرف شرط سے ذکر کرنا ضروری نہیں کہ رجوع صرف اصلاح نیت سے ہو سکتا ہے بلکہ ضرر دینے کی نیت سے اگر رجوع کرے تو وہ بھی جائز ہے اسے اصلاح سے مشروط کرنے میں اصلاح کی ترغیب اور ضرر دینے سے زجر و توبیخ مطلوب ہے۔ رابطہ جب اللہ تعالےٰ نے بیان فرمایا کہ عورتوں کو طلاق دینے کے بعد رجوع کرنے سے مقصود صرف اصلاح ہو نہ کہ عورتوں کو ضرر دینا

اب بتانا چاہتے ہیں کہ مرد و عورت کے ایک دوسرے پر حقوق کیا ہیں چنانچہ فرمایا، وَ لَهُنَّ اور ان مردوں پر عورتوں کے حقوق ہیں۔
مِثْلُ الَّذِيْ جیسے ان کے لیے عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ عورتوں پر حقوق ہیں ساتھ نیکی کے بالمعروف اور لهن کا ایک ہی تعلق ہے یعنے استقرار دراصل عبارت یوں تھی، استقر لهن بالمعروف یعنے حقوق الزوجین میں وہ حقوق داخل ہیں جسے شرع نے انکار نہیں کیا اور لوگوں کے عادات بھی اس میں شامل ہیں عورتوں کو ایسی باتوں کا مکلف نہ بنایا جائے جنہیں ان کا ضرر اور مردوں کا فائدہ ہو۔

مسئلہ زوجین کو ایک دوسرے سے نفرت نہ ہونی چاہیے اور دونوں حقوق کے درمیان وجہ مماثلت صرف وجود واستحقاق المطالبہ ہے نہ اتحاد فی جنس الحقوق مثلاً عورت پر مرد کا حق ہے کہ زوج سے حق مہر وصول کرے اور اس سے نفقہ اور مسکن حاصل کرے لیکن مرد عورت سے یہ امور حاصل نہیں کرسکتا لیکن جنس حقوق میں مرد اور عورت برابر ہیں۔

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ط اور مردوں کا عورتوں پر درجہ ہے یعنے مرد کا عورت پر زیادہ حق ہے اور اسے عورت پر فضیلت ہے اور مرد کی عورت پر فضیلت عقل اور دین اور ان امور جو ان سے متفرع ہوسکتے ہیں کی وجہ سے ہے اور اس میں کسی قسم کا شک بھی نہیں اور وہ فضیلت جو اس مقام کے مناسب اس کی دو وجوہ ہیں ۔(۱) مرد مستحق ہے اس بات کا کہ وہ عورت سے افضل ہے اور اس سے زیادہ استحقاق رکھتا ہے جو عورت کا اس پر حق ہے اس لیے کہ وہ مرد اپنی عورت کا مالک ہے اور اس کے نفس پر حق رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ عورت نفلی روزے نہیں رکھ سکتی۔ جب تک کہ مرد کی اجازت نہ ہو اور نہ ہی مرد کے گھر سے مرد کی اجازت کے بغیر نکل سکتی ہے اور مرد عورت کی طلاق پر قدرت رکھتا ہے اور جب طلاق دے دے تو اس کے رجوع پر بھی قادر ہے عورت چاہے نہ چاہے عورت ان جملہ امور میں کسی ایک امر کی بھی مالک نہیں اس کا حق مرد پر اتنا ہے کہ وہ اس سے حق مہر وصول کرے اور نان ونفقہ اور مسکن حاصل کرے اور مرد اس کے ضرر کے درپے بھی نہ ہو۔ (۲) یہ وہ حق ہے جو زجاج نے فرمایا جیسے مرد کو نکاح سے عورت سے لذت حاصل ہوتی ہے اسی طرح عورت کو بھی لذات نصیب ہوتی ہیں عورت کے لیے نفقہ مرد پر ضروری ہے اور اس کے جملہ امور کا انتظام بھی یہ فضیلت اس وجہ سے ہے کہ مرد نے اپنی عورت کے حقوق اپنے ذمہ لگائے ہیں اور یہ رحمت اور احسان کا موجب ہے جیسے حق مہر کی ادائیگی اور نفقہ اور گھر میں ٹھہرانا اور عورت سے تکالیف دور رکھنا اور اس کی ضروریات پوری کرنا اور جمیع آفات سے حفاظت کرنا۔

حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو غیر اللہ کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے مرد کے عورت پر بہت بڑے حقوق مقرر فرمائے ہیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض وبما انفقوا من اموالهم اس سے معلوم ہوا کہ عورت پر مرد کے حقوق زائد ہیں۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ اور اللہ تعالےٰ قدرت رکھتا ہے اس پر کہ جو بھی اس کے احکام کی مخالفت کرے اس سے بدلہ لے حَكِيْمٌ ایسا حکیم ہے کہ اس کی شریعت کئی اسرار ورموز اور حکمتوں اور مصلحتوں کی حامی ہے۔

ف: جہت کے مقاصد نامکمل رہتے ہیں جب تک کہ ہر دو لوگ ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت نہ کریں اور ہر دو نوں کو خیال رہے کہ ہم نے ایک دوسرے کے احوال کی اصلاح کرنی ہے مثلاً۔

۱۔ طلب النسل۔

۲۔ تربیت اولاد۔

۳۔ دونوں کے معاشرہ کی اصلاح کا خیال۔

۴۔ گھر کی حفاظت۔

۵۔ گھر کی چیزوں کی اچھی تدبیر بنانا۔

۶۔ ایک دوسرے کے معاملات میں سیاسی طور پر معاملہ کا سلجھانا اسی طرح وہ جملہ امور جو شرعاً مستحسن اور عادت کے موافق ہیں۔

حدیث شریف جہاد المرأۃ حسن التبعل یعنے عورت کا جہاد یہ ہے کہ وہ اپنے مرد کے حقوق میں شاطر و چالاک ہو عربی کا مقولہ ہے۔ امرأۃ حسنۃ التبعل یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ گزارنے میں ہنرکار کردگی میں مشہور اور گھریلو امور کے سنوارنے میں بے مثل ہو۔

مسئلہ مرد کے عورت پر حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے مرد کے سامنے زیب و زینت کے ساتھ پیش ہو۔

حکایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اس لیے زیب و زینت سے رہتا ہوں کہ میری عورت میرے لیے زیب و زینت کے ساتھ رہتی ہے اور یہی حکم ربانی ہے چنانچہ فرمایا : ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف۔

حکایت ایک شخص نے کہا میرے گھر میں کبھی شر اور فساد داخل نہیں ہوا ایک دانا نے فرمایا تو یہ عورت تیرے گھر میں کیسے داخل ہوئی یعنی عورت بھی شر ہے تو پھر تو کیوں کہتا ہے کہ میرے گھر میں شر داخل نہیں ہوا۔

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ع

دلارام باشد زن نیک خواہ
و لے از زن بد خدایا پناہ

ترجمہ خدا کرے عورت محبوب اور خیرخواہ ہو ورنہ بُری عورت سے پناہ بخدا۔

کسی دوسرے شاعر نے کہا۔ ع

عصمت زن را بمقام جمال
جلوہ حرام است مگر با حلال

ترجمہ حسن و جمال کے ساتھ عورت کو عصمت ضروری ہے ایسی عورت کو حلال امر کے ساتھ دوسروں کے سامنے مگر کا جلوہ حرام ہے۔

حکایت بنی اسرائیل میں ایک نیک مرد تھا اس کی عورت تھی اس کے ساتھ اس کی بڑی محبت تھی اللہ تعالیٰ نے اس نیک کے ہاں پیغام بھیجا کہ تیرے لیے میں نے تین خصوصی دعائیں قبول کرلی ہیں مانگ لے جو تیری مرضی ہو اس نے اپنی عورت سے کہا میری ضروریات تو بہت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے صرف تین دعائیں قبول کرنے کا فرمایا ہے اب میں کیا کروں عورت نے کہا

دعائیں مانگ لے دو اپنے لیے اور ایک میرے لیے اس نے کہا تیرے لیے کیا حاجت مانگوں عورت نے کہا میرے لیے یہ مانگئے کہ میں حسین و جمیل ہو جاؤں کہ میرے جیسی اور کوئی دنیا میں حسین و جمیل نہ ہو اس لے پہلے یہی دعا مانگی چنانچہ وہ عورت ایسی حسین و جمیل ہو گئی کہ اس کے حسن و جمال سے گھر روشن ہو گیا اس حیثیت کو دیکھ کر عورت گھر سے باہر جانے لگی مرد نے پوچھا یہ کیا اس نے کہا اب میں تیرے لائق نہیں رہی اب تو میں کسی بادشاہ کے ہاں گزاروں گی کیونکہ میں اپنے اس حسن و جمال کو تیرے جیسے کے ہاں رہ کر ضائع نہیں کرنا چاہتی مرد نے اسے سختی سے روک لیا بادشاہ کو اس عورت کے حسن و جمال کا شہرہ پہنچا تو اس نے اپنے نوکروں وغیرہ کو بھیج کر اس عورت کو اس مرد سے جبراً پکڑ لیا کہا یا اللہ اب باقی میری دو دعائیں رہ گئیں ایک تو یہ کہ اس عورت کو بندریہ بنا دے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اس عورت کو بندریہ بنا دیا بادشاہ نے اسے واپس اس مرد کے ہاں بھیج دیا جب وہ عورت اس حالت میں اپنے شوہر کے پاس پہنچی تو مرد نے کہا اے اللہ اسے ویسے ہی بنا دے جیسے پہلے تھی اس مرد کی وہی تین مستجاب دعائیں ویسے ہی ضائع گئیں نہ تو اس مکوان سے کوئی فائدہ ہوا اور نہ ہی اس کی عورت کو۔

مسئلہ مطلقہ عورتوں کو حکم ہے کہ عدت گزاریں اس میں اشارہ ہے کہ اس عدت سے صحبت کا حق ادا کریں اگرچہ یہ جدائی طلاق، مرد سے واقع ہوئی ہے لیکن عورت کے لیے ضروری ہے کہ اسی مقام پر رہ کر عدت کے ایام گزارے تاکہ صحبت کا حق پورے طور ادا ہو سکے۔

تفسیر صوفیانہ اس سے اہل حق کو معلوم ہوا کہ عبودیت پر ربوبیت کے حقوق کیسے ہیں اللہ تعالےٰ ہر طرح سے اپنے بندے پر فضل و کرم سے مہلت ہی مہلت عطا فرماتا ہے اور اس پر قسم و قسم کے انعامات کرتا ہے اگرچہ بندے کی طرف سے نالائقی اور غلط کاری کا صدور ہوتا ہے لیکن وہ کریم اپنے فضل و احسان کو ترک نہیں فرماتا اور اسے مہلت دے کر ثابت فرماتا ہے کہ تو جفا کیے جا اور ہم وفا کیے جائیں گے اپنی وفا و احسان کی وجہ سے جلد تر بندے کی گرفت نہیں کرتا تاکہ وہ مہلت لے کر اس مدت کے اندر اپنی غفلت سے بیدار ہو اور اپنے دل میں ندامت کر کے محبت حق کی طرف متوجہ ہو اسے فرقت کی محنت میں اس لیے مبتلا کیا ہے تاکہ وہ کسی رقت نادم ہو کر راجع الی اللہ اور اصل مقصود سے بہرہ ور ہو گویا اسے اس ابتلاء میں کہا گیا ہے اے دروازہ کھٹکا نے والے پہلے تو اپنے حضور میں حاضر ہو کر ہم سے اپنی کامیابی کی دعا مانگ اسی طرح تجھے ہماری بارگاہ کی حاضری نصیب ہو گی۔

تفسیر عالمانہ اَلطَّلَاقُ یعنے وہ طلاق رجعی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: وبعولتھن احق بردھن مَرَّتٰنِ یعنے دو دفعہ اس لیے کہ یہ تفرق طور پر ہو گا کیونکہ جو شخص کسی کو دو درہم دیتا ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ کہا جائے اس نے دو بار دیا ہے یہاں تک کہ وہ اسے دو درہم دے تب مرتان (دو دفعہ) کا محاورہ صادق آئے گا۔

مسئلہ حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک دو یا تین یکبار گی طلاق واقع کرنا حرام ہے انھیں سنی الوقوع تو کہا جا سکتا ہے لیکن سنی الایقاع نہ کہا جائے گا۔

مسئلہ مرد کو دو طلاق دینے کے بعد رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے (اگرچہ تجدید نکاح کی ضرورت ہے) لیکن جب وہ دو طلاق کے بعد تیسری طلاق دے گا تو اب اسے رجعت کا حق نہ ہو گا اور نہ ہی یہ عورت اس کے لیے حلال ہو سکتی ہے جب تک کہ حلالہ نہ ہو۔

ف اگرچہ الطلاق مرتٰن بظاہر جملہ خبریہ ہے لیکن معنے امر ہے یعنی یہ جملہ انشائیہ ہے اس لیے کہ اگر اسے اپنے ظاہر پر باقی رکھا جائے تو

اللہ تعالیٰ کے حکم میں خلاف امر واقع ہوتا ہے اس لیے کہ کبھی ایقاع الطلاق ملے وجا لعبھی ہوتا ہے اس طور سے اللہ تعالیٰ کی خبر میں خلاف واقع ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہر خبر خلاف یعنے کذب سے منزہ ہوتی ہے گویا اس جملہ سے امر مراد ہے گو در اصل عبارت یوں ہے : فطلقوھن مرتین ای دفعتین۔

فَاِمۡسَاكٌ ان دو طلاقوں کے بعد حکم ہے انہیں بند رکھنا بِمَعۡرُوۡفٍ ساتھ نیکی کے وہ یہ کہ عورت کو طلاق کے بعد اس سے رجوع کر لے لیکن ضرر کا ارادہ نہ ہو بلکہ اصلاح اور حسن معاشرہ کے ارادہ پر اَوۡ تَسۡرِيۡحٌ ۢ یا چھوڑ دینا بِاِحۡسَانٍ ؕ ساتھ احسان کے بایں طور کہ رجوع کا معاملہ ترک کر دے عدت کے ختم ہونے پر اور احسان فی التسریح کا مطلب یہ ہے کہ اسے چھوڑ دینے کے بعد اس کے حقوق مالیہ پورے ادا کرے اور طلاق کے بعد اس کا برائی سے ذکر نہ کرے اور نہ ہی لوگوں کو اس سے نفرت دلائے۔

مسئلہ تمام حکم اس باب میں یہ ہے کہ جب آزاد مرد اپنی عورت کو بعد دخول ایک یا دو طلاقیں دیں مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی عورت کی رضا کے بغیر ہی رجوع کر لے لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ وہ عورت اپنی عدت میں ہو۔

مسئلہ اگر اس کے ساتھ اس کی عدت میں رجوع نہیں کیا یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہو گئی یا اس عورت کو قبل دخول طلاق دے دی یا عورت نے خلع کر لے تو اس کے ساتھ تجدید نکاح ضروری ہے اور وہ بھی عورت کی اجازت پر موقوف ہے یا اس کا ولی اجازت دے۔

مسئلہ اگر اسے تین طلاقیں دی ہیں تو اس عورت سے نکاح جائز نہیں جب تک کہ حلالہ نہ ہو یعنی وہ عورت عدت گزارے عدت گزارنے کے بعد کسی مرد سے نکاح کرے پھر وہ مرد اپنی مرضی سے طلاق دے پھر اس کی عدت گزرے پھر عورت کی مرضی سے نکاح کرے۔

مسئلہ غلام کے نکاح میں لونڈی ہو تو اسے دو طلاق دینے سے حلالہ ضروری ہو جاتا ہے۔

مسئلہ طلاق کی گنتی میں مرد کا اعتبار ہے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہی وجہ ہے کہ عبد حرّہ عورت سے نکاح کرے تو اس پر تین طلاقیں واقع ہوں گی اگر آزاد مرد لونڈی سے نکاح کرے تو اس پر دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

وَلَا يَحِلُّ

شانِ نزول مروی ہے کہ جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی سلول اپنے شوہر ثابت بن قیس سے محبت کرتی تھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری اور میرے شوہر ثابت بن قیس کی نہیں بن رہی اس کا سر میرے سر کے موافق نہیں یعنی آپس میں طبعی موافقت نہیں اور یہ بھی ہے کہ نہ مجھے اس کے دینی معاملہ میں اعتراض ہے اور نہ ہی کسی عادت سے اس کے ساتھ بغض ہے لیکن مجھے اس کے ساتھ ایسا بغض ہوا کہ اب مجھے ڈر ہے کہ میں اس کی وجہ سے کسی وقت کفر میں مبتلا نہ ہو جاؤں واقعہ یوں ہوا کہ میں عدت گزار رہی تھی تو ایک دفعہ میں نے اپنے خیمہ سے اسے دیکھا تو اس کی صورت بہت سیاہ اور قبیح نظر آئی اور قد و قامت میں بہت چھوٹا اور شکل میں قبیح ترین نظر آیا اس پر آیت نازل ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر وہ مرد سے نہیں گزار سکتی تو اسے چاہیے تو اپنے شوہر کو کچھ مال دے کر طلاق حاصل کر لے یعنی خلع کر لے چنانچہ اس کے بعد جمیلہ نے اپنا وہ باغ جو اسے حق مہر میں ملا تھا ثابت بن قیس کو واپس لوٹا دیا اور یہ بھی اس وقت جب کہ ثابت بن قیس نے جمیلہ سے ایسی باتیں سنیں تو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمیلہ کو فرمائیں مجھے وہ

باغ واپس لوٹا دے جو میں نے اسے حق مہر میں دیا ہے اسے میں طلاق دیدوں گا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جمیلہ کو لوٹا دیا خیال ہے جمیلہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے منظور ہے بلکہ میں تو اس سے اور بھی کچھ زائد دینے کے لیے تیار ہوں آپ نے فرمایا صرف باغ کافی ہے زائد کی ضرورت نہیں آپ نے ثابت بن قیس کو فرمایا باغ لے کر طلاق دے دے اس نے جمیلہ کو باغ لے کر طلاق دیدی۔

ف: اسلام میں یہ پہلا خلع ہے۔

ف لکم کا خطاب جیسے عوام کو ہے ایسے ہی حکام کو بھی تاکہ اللہ تعالےٰ کے قول فان خفتم کے مطابق ہو اس لیے کہ یہاں پر عوام کی طرح حکام بھی مراد ہیں۔

سوال حکام کو داخل کرنے کا کیا معنےٰ جب کہ وہ مال لینے والے اور نہ دینے والے؟

جواب چونکہ وہ دینے اور لینے کا حکم نافذ کرتے ہیں جب کہ ان کے پاس فیصلہ جات جاتے ہیں گویا اب وہی دینے اور لینے والے ہیں۔

اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ یعنے ان عورتوں سے لے لو طلاق کے مقابلہ میں وہ مال جو تم نے انھیں حق مہر میں دیا ہے۔ شَیْــًٔا معمولی سی چیز مراد ہے چہ جائیکہ بہت بڑا مال دیا ہو۔ اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ مگر یہ کہ زن وشوہر خوف کریں۔ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ یہ کہ حقوق زوجیت کی رعایت نہیں کر سکیں گے الا ان یخافا استثناء فرع ہے۔ ان یخافا محلاً منصوب اور مفعول ہے اسی وجہ سے یہ عام محذوف سے مستثنیٰ ہے عبارت یوں تھی: ولا یحل لکم ان تاخذوا الاسبب من الاسباب شیا الا بسبب خوف عدم اقامۃ حدود اللہ ۔ فَاِنْ خِفْتُمْ پس اگر تمہیں خوف ہوا ہے حاکمو۔ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ یہ کہ وہ حدود اللہ کی پابندی نہیں کریں گے یعنی وہ حقوق جو نکاح کی وجہ سے ان پر مقرر ہوئے ہیں یہ قرآن اور طرز روش سے معلوم ہو جاتا ہے فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ پس ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ عورت اپنے مرد کو کچھ مال دے کر اپنی گلو خلاصی کرا لے یعنے جو کچھ عورت اپنے مرد کو خلع کا بدل دیتی ہے نہ ہی مرد کو گناہ ہے کہ وہ اپنی عورت کا مال لے کر اسے طلاق دیتا ہے اور نہ ہی عورت کو مال دے کر طلاق لینا گناہ ہے یہ اس وقت ہے جب کہ عورت کی طرف سے زیادتی ہو کر وہ مال دے کر طلاق لے اس لیے کہ عورت کو منع کیا گیا ہے کہ وہ بلا وجہ طلاق کا مطالبہ کرے۔

مسئلہ اگر زیادتی مرد کی طرف سے ہو تو جائز نہیں کہ وہ عورت سے مال لے کر طلاق دے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فلا تاخذوا منہ شیئاً

مسئلہ مرد کے لیے چاہیئے کہ اس کے ساتھ ایسے امور نہ برتے کہ جس سے وہ عورت طلاق لینے پر مجبور ہو جائے اور کچھ مال دے کر طلاق لے کیونکہ اس طرح سے مرد کو روکا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے سورہ نساء میں فرمایا: ولا تعضلوهن لتذهبوا ببعض ما اتيتموهن یعنی انھیں تنگ نہ کرو تاکہ جو کچھ تم نے انھیں دیا اس کا بعض مال واپس لے لو۔

مسئلہ فیما افتدت بہ کے عموم سے معلوم ہوا کہ عورت کا مرد سے خلع کرنا جائز ہے خواہ وہی مال واپس لوٹا دے جو مرد سے حق مہر میں لیا ہے خواہ اس سے زائد دے یا اس سے کم کر کے اسی پر جمہور فقہا ہیں۔

مسئلہ آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ خلع صرف اس وقت جائز ہے جب کہ غصہ میں ہو یا مرد اور عورت کا گزارہ بظاہر ناممکن ہو لیکن،

جمہور مجتہدین فرماتے ہیں کہ خلع ہر طرح سے جائز ہے خواہ ان کا گزارہ خطرہ میں ہو یا نہ ہو۔

ترکیب الا ان یخافا کے لیے ضروری ہے کہ یہ استثنا منقطع ہو جیسے اللہ تعالٰے کے ارشاد و ما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطاء میں استثنا منقطع ہے الا خطاء کا معنٰے لکن ان قتل خطاء فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ۔

مسئلہ امام بغوی نے فرمایا مرد و عورت سے زیادتی ہو یا نہ ہو ہر حالت میں خلع جائز ہے لیکن زیادتی نہ ہو تو اس وقت خلع مکروہ ہے اس لیے کہ اس میں بلا وجہ قطع تعلق کرنا ہے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالٰی کا مبغوض ترین حلال طلاق ہے۔

تِلْكَ یعنے وہ احکام جو مذکور ہوئے حُدُوْدُ اللّٰهِ اللہ تعالٰے کے حدود ہیں اس کے اوامر و نواہی فَلَا تَعْتَدُوْهَا پس ان سے مخالفت کر کے یا ان احکام کو چھوڑ کر حدود سے تجاوز نہ کرو وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ اور جو اللہ تعالٰے کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہی لوگ حد سے بڑھنے والے هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ٥ وہی ظالم ہیں یعنے اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں اس لیے کہ وہ نفسوں کو اللہ تعالٰے کے عذاب اور ناراضگی کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

مسئلہ جب عورت تمام غلط کاریوں سے بری الذمہ اور پاک دامن ہو تو مرد پر لازم ہے کہ ایسی عورت سے اچھا معاشرہ رکھے اور اس کی سخت کلامی پر صبر کرے اور اس کی معمولی غلطیوں سے چشم پوشی کرے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات مبارکہ کے مطابق عمل کرے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ احسن سلوک رکھتے تھے

مسئلہ عورتوں کے ساتھ نیک معاشرہ رکھنا اور ان کی معمولی غلطیوں کی چشم پوشی کرنا بھی اچھے اخلاق سے شمار ہوتا ہے بلکہ ایسے شخص کو ایسے صبر پر مجاہدین فی سبیل اللہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

حکایت مروی ہے کہ ایک عابد اپنی عورت سے اچھا معاشرہ رکھتا تھا یہاں تک کہ فوت ہو گئی اسے کہا گیا کسی دوسری عورت سے نکاح کر لیجیے اس نے انکار کر دیا ایک عورت نے کہا میرے ساتھ ضرور نکاح کر تاکہ میرا جی خوش ہو لیکن وہ عابد نہ مانا اس کے بعد اس عابد نے کہا میں نے اپنی عورت کی وفات کے بعد شب جمعہ کو دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہوتے ہیں اور لوگ ہوا میں اترتے اور اوپر کو بھی چڑھتے ہیں اور اسی طرح ایک دوسرے کے آگے پیچھے جاتے ہیں جب ان میں کسی ایک کی نگاہ میرے اوپر پڑتی تو وہ اپنے پیچھے والے کو دیکھ کر کہتا ہے یہی ہے بدبخت دوسرا اس کے پیچھے والا کہتا ہے ہاں تیسرا کہتا ہے یہی ہے یہی ہے مجھے ان سے ماجرا پوچھنے سے ڈر لگتا جب آخری آدمی میرے سے گزر رہا تھا تو میں نے پوچھا کون ہے بدبخت جسے یہ لوگ بار بار کہتے اور ایک دوسرے کی تصدیق کر رہے ہیں اس نے کہا تم ہی ہو میں نے کہا وہ کیوں اس نے کہا وہ اس لیے کہ اس سے قبل ہم تیرا عمل مجاہدین فی سبیل اللہ کے ساتھ لے جاتے لیکن ایک ہفتہ سے ہمیں حکم ہے کہ ہم تیرا عمل مخالفین کے ساتھ لے جائیں اس کی وجہ ہمیں معلوم نہیں اسے احساس ہوا کہ یہ نحوست نکاح کرنے کی ہے چنانچہ اٹھتے ہی کہا میرا نکاح کر دو چنانچہ دیکھا گیا کہ اس کے بعد اس کے پاس دو دو عورتیں نکاح میں بیک وقت ہوتیں۔ حضرت کاشفی لکھتے ہیں کہ ؏

مردے گمان مبر بزور ست و بزدلی
با نفس اگر جہاد کنی مرد کاملی

جو مردی زور اور بزدلی سے نہیں بلکہ نفس سے جہاد سے بھی جاتی ہے فلہٰذا جوانمرد وہ ہے جو نفس سے جہاد کرتا ہے۔

اور یہ ایک دوسرے کے بعد حاصل جیسے کہا گیا ہے کہ جہاد کے لیے بھی مرد میدان چاہئیں اور کہا گیا ہے اگر تو طلاق دینا چاہتا ہے تو اپنے نفس کو طلاق دے۔

کسی نے خوب کہا۔ ؎

ہر کہ زن نفس شوم را داد طلاق
جفتش نبود بزیر این نیلی طاق

از زمانہ نفس قدم بیروں نہ
تا روحت کوئے نسیم وصل استنشاق

جو بھی نفس کو طلاق دیتا ہے تو اس کی شادی اس نیلی چھت کے نیچے نہیں بلکہ اوپر ہو گی نفس کی خرابیوں سے دور ہو پھر تمہیں روحانی ملک کی خوشبو سونگھائی جائے گی۔

سبق صوفیانہ جب تک تیرے نفس کی بڑھیا تیرے اندر کو پریشان اور تیرے قلب کو خراب کرتی رہے گی تو عروس یعنی تجلی روح نقاب بسر کی وجہ سے نظر نہیں آئے گی اور نہ ہی وہ عروس تیرے مشاہدہ کے کمرے میں آئے گی اللہ تعالیٰ اس مرد پر رحم کرے جس نے اپنی قدر پہچانی اور وہ طریق حق سے متجاوز نہ ہوا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہل سلوک حریم یار سے جدا نہیں ہوتے وہ حریم جو دوست شفیق اور نہایت ہی پکے دوست سے نصیب ہوتا ہے اسے تو صرف وہ ایک ہی حریم کافی ہو جاتا ہے وہ دوسرے حریموں سے لاتعلق ہوتا ہے ہاں تجاوز کرتا ہے تو ایک یا دو بار پھر تیسری بار اسے حکم ہوتا ہے یا تو بند رکھے ساتھ معروف کے یا چھوڑ دے ساتھ احسان کے یعنی صحبت رکھے تو بہتر سے بہتر یا چھوڑ دے تو احسن طریق سے جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ایک دو بار تو درگزر فرمایا لیکن تیسری بار فرمایا، ھذا فراق بینی وبینک اور وہ صحبت کہ جس میں تعظیم دوست نہ ہو اور بداخلاق سے زندگانی کی لذت کو ضائع کرنا اور عذاب کو خریدنے میں بعض اوقات کی جاتی تو ایسی صحبت طریقت میں اچھی ہے نہ شریعت میں پسندیدہ بلکہ طریقۂ حق کے لیے سخت ترین مُضر۔ اہل صحبت کے لیے ضروری ہے کہ جب اتفاقاً جدائی پڑ جائے تو یاران صحبت سے کلی طور دل ہٹا نہ لیں اور نہ ہی دینی بھائیوں سے قطع تعلق کر لیں نہ ہی ان سے ھمم عالیہ دے کر ان سے قلوب واپس نہ کر لیں اس لیے کہ ہبہ سے رجوع ایسے ہے جیسے قے کر کے پھر کھا لی جائے ہاں اگر ان سے اللہ تعالیٰ کی حدود یعنی حقوق صحبت کی رعایت سے تجاوز کرنے کا خوف ہو اور تمہیں خطرہ ہو کہ وہ حدود اللہ تعالیٰ کو قائم نہیں رکھ سکیں گے یا بطور کہ مقابلہ پر تل آئیں گے یا دینی حقوق میں سے کسی حق کو چھوڑ دیں گے تو ان پر گناہ نہیں رعایت حقوق کے لیے لذتوں میں سے اس کا فدیہ دیں یہ حظوظ وحقوق اللہ کے حدود ہیں۔ حظوظ کے حاصل کرنے کے لیے ترک حدود کر کے حد سے نہ بڑھو۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ قدس اللہ تعالیٰ نفسہ الزاکیۃ القدسیۃ)

تفسیر عالمانہ فَاِنْ طَلَّقَهَا پس اگر وہ مرد اپنی عورت کو دو طلاقوں کے بعد طلاق دے فَلَا تَحِلُّ لَهٗ تو وہ عورت

تو وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں مِنۢ بَعۡدُ تین طلاقوں کے بعد نہ بطریق رجعت کے اور نہ ہی تجدید نکاح سے حَتّٰى تَنۡكِحَ نکاح کرے وہ عورت زَوۡجًا غَيۡرَهٗ طلاق و ہندہ کے غیر سے ۔

سوال ابھی غیر تو اس کا شوہر ہوا نہیں لیکن قرآن نے اُسے زوج سے تعبیر کیا اس کی وجہ کیا ہے ؟

جواب چونکہ جو شخص اس عورت سے نکاح کرے گا اور اس کا شوہر ہو جائے گا اس عمل کے انجام کے اعتبار سے اسے زوج کہا گیا ۔

مسئلہ یہاں پر نکاح بمعنے عقد نکاح نہیں بلکہ وطی مراد ہے یہی معنی حضرت سعید بن المسیب نے لیا ہے اور آیت کا لفظ بھی یہی شہادت دیتا ہے اس لیے کہ نکاح بمعنے وطی ہو تو عبارت یوں ہوگی تنطاء المراۃ الزوج لیکن ایسا کلام عرب میں نہیں اس لیے کہ عورت موطوءۃ ہوتی ہے نہ کہ وطی کرنے والی ۔

سوال آیت مطلق ہے تم نے اسے مقید کیوں کیا اس کی تقریر یہ ہے کہ آیت دلالت کرتی ہے کہ عورت شوہر اول کے لیے حلال نہیں جبتک کہ شوہر ثانی اس سے وطی نہ کرے اور ان دونوں کا اس عقد کے بغیر ہی نکاح ہو سکے اس کے ساتھ شوہر کا وطی کرنا ضروری نہیں لیکن تم ضروری سمجھتے ہو

جواب تم نے آیت کو حدیث شریف اور اجماع امت سے مقید کیا ہے کہ جب تک اس عورت سے وطی نہ ہو تو وہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں جیسا کہ مروی ہے کہ رفاعہ کی عورت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی رفاعہ نے مجھے مغلظہ طلاق دی ہے اس کے بعد میرے ساتھ عبدالرحمن بن زبیر نے نکاح کیا ہے لیکن اس کے پاس وہ شے نہیں اور وہ نامرد ہے اور مجھے اس کی ضرورت نہیں اور اس کی قوتِ مردمی کی طرف اپنا کپڑا پکڑ کر اشارہ کیا یعنے جیسے یہ کپڑا بے زور ہے ایسے ہی اس کی قوتِ مردمی کا حال ہے آپ اس بات سے ہنس پڑے اور فرمایا کیا چاہتی ہو کہ تو اپنے پہلے شوہر یعنے رفاعہ کو واپس چلی جائے عرض کی ہاں آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ تیری شہد نہ چکھ لے اور تو اس کی شہد نہ چکھے تو واپسی نہیں ہو سکتی ۔

ف حدیث شریف میں شہد چکھنے سے مراد ؛ جماع کرنا ہے اور شہد چکھنے کو جماع کی لذت سے تشبیہ دی ہے ۔

فَاِنۡ طَلَّقَهَا پس اگر شوہر ثانی اس عورت کو دخول کے بعد طلاق دیدے فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ تو شوہر اول اور عورت کو کوئی گناہ نہیں اَنۡ يَّتَرَاجَعَآ یہ کہ دونوں عقد جدید سے رجوع کرلیں اِنۡ ظَنَّآ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ اگر ان کے گمان میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے حدود سے مراد وہ احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے زن و شوہر کے درمیان متعین فرمائے ہیں ۔

سوال : ان ظنا کے بجائے ان علما کیوں نہیں فرمایا ؟

جواب اس لیے کہ عوام کو امور کا انجام معلوم نہیں اور نہ ہی انہیں معلوم ہوتا ہے کہ کل کیا ہوگا البتہ گمان کے طور کچھ باتیں معلوم کر لیتے ہیں ۔

وَتِلۡكَ ان احکام کی طرف اشارہ ہے جو ابھی مذکور ہوئے حُدُوۡدُ اللّٰهِ یعنے اللہ تعالیٰ کے وہ احکام جو معین ہیں جن کی تبدیل و تغیر اور مخالفت سے حفاظت کی گئی ہے يُبَيِّنُهَا اللہ تعالیٰ انہیں بیان کرتا ہے لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝ ان لوگوں کے لیے جو اپنے مقتضیٰ کے مطابق جانتے سمجھتے ہیں ۔

سوال یہاں پر علم والوں کو مخصوص کیا گیا ہے کیوں ؛ باوجودیکہ قرآن کے احکام کی دعوت و تبلیغ عام ہے ۔

جواب ان احکام سے صرف اہل علم ہی نفع اٹھاتے ہیں باقی رہے جاہل وہ اولاً تو احکام کو یاد نہیں رکھتے اگر کچھ یاد ہوتا ہے تو اس پر عمل نہیں کرتے۔ ے

نکتہ گفتن پیش کر فہماں زحکمت بے گماں

جوہری چند از جواہر ریختن پیش خراست

ترجمہ: بدفہمیوں کو نکتہ کہنا ایسے ہے جیسے جواہرات گدھے کے سامنے ڈالے جائیں۔

نکتہ طلاق مغلظہ کے لیے حلالہ کی شرط اس عورت سے صرف نکاح کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ شوہر ثانی جماع نہ کرے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ عموماً مرد کی غیرت اجازت نہیں دیتی کہ اس کی عورت کے ساتھ کوئی دوسرا جماع کرے اس غیرت کی بنا پر وہ طلاق دینے سے رکتا رہے گا یہ اس وقت ہوگا جب اس کے ذہن میں آئے گا کہ عورت کو طلاق دوں گا تو میری عورت کے ساتھ غیر جماع کرے گا طلاق سے نفرت کا یہی بہت بڑا سبب بنے اور غیرت کے ابھانے کا بھی اسی لیے شرط لگائی گئی ہے کہ جب تک دوسرا شوہر اس مطلقہ مغلظہ سے جماع نہ کرے پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی۔

مسئلہ حلالہ کی شرط پر نکاح کرنا اور کہنا کہ حلالہ کرکے طلاق دے دینا اکثر کے نزدیک یہ نکاح فاسد ہے لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جائز ہے مگر مکروہ۔

مسئلہ اگر اس شرط کو دل میں رکھ کر زبان پر نہ لائیں اور حلالہ کے بعد طلاق ہو جائے تو بلاکراہت جائز ہے۔

مسئلہ شرح الزیلعی میں ہے اگر عورت کو خوف ہو کہ یہ شوہر ثانی میرے ساتھ نکاح کرکے حلالہ کے بعد بھی طلاق نہ دے گا تو اس کے ساتھ نکاح کرتے وقت یوں کہے کہ میں تیرے ساتھ نکاح کرتی ہوں لیکن طلاق کا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا کہ جب چاہوں گی طلاق لے لوں گی اور اس مرد نے قبول کر لیا تو ایسی شرط لگانا جائز ہے۔

مسئلہ اسی شرح الزیلعی میں ہے کہ لطائف الحیل میں سے ایک حیلہ یہ ہے کہ عورت مطلقہ مغلظہ کسی چھوٹے عبد سے نکاح کرلے کہ جس کا آلہ تناسل حرکت کرتا ہے جب اس سے وطی کرالے تو اسے قیمتاً خرید لے اب وہ اس کا مالک ہو جائے گا تو ان دونوں کا نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لعن اللہ المحلل والمحلل لہ۔

حل لغات۔ المحلل (بکسر اللام بصیغہ اسم فاعل) حلالہ کرنے والا (بفتح اللام بصیغہ اسم مفعول) جس کے لیے حلالہ کیا جائے یعنی حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے اللہ تعالیٰ دونوں پر لعنت کرتا ہے المحلل (بکسر اللام) حلالہ کرنے والا اس سے دوسرا شوہر مراد ہے اور المحلل لہ (بفتح اللام) جس کے لیے حلالہ کیا جائے اس سے شوہر اول مراد ہے۔

سوال ان دونوں کو لعنتی کیوں کہا گیا ہے؟

جواب محلل حلالہ کرنے والے پر تو لعنت اس لیے ہے کہ اس نے عورت سے بدائی کی نیت پر نکاح کیا حالانکہ نکاح میں استمرار و دوام ہوتا ہے اس محلل کی مثال (مانگے ہوئے تیس) کی ہے۔

ث عربی میں تیس اس نر بکرے کو کہا جاتا ہے جو بکریوں کو گابھن کرانے کے لیے مانگ کر بکریوں میں چھوڑا جاتا ہے اور محلل لہ پر اس لیے لعنت ہے کہ وہ اس قبیح فعل کا سبب بنا اور قاعدہ ہے کہ سبب اور مسبب ہر دونوں جزا و سزا میں برابر کے شریک ہوتے ہیں ۔

ویسے لعنت سے مراد ان کی خساست کمینہ پن کا اظہار ہے محلل کی خساست باینمعنی ہے کہ وہ اس قبیح امر کا مرتکب ہوا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا : میں تمھیں تیس کا پتہ دوں یعنی محلل کی ! سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مستعار تیس جیسی قبیح صفت سے موصوف فرمایا ہے اور محلل لہ کی خساست اور کمینہ پن یہ ہے کہ وہ ایسے فعل کا سبب بنا ہے جس سے اچھی طبیعتوں کو نفرت ہے کہ جب اس کی عورت دوسرے کے قبضہ میں آچکی پھر وہ اس کے لیے چاہتا ہے کہ وہ دوبارہ اس کے قبضہ میں آجائے اور وہ اس سے نفع اٹھائے یہ غیرت کے بھی خلاف ہے۔

ف ۔ یہاں حقیقی لعنت مراد نہیں کیونکہ یہ منصب رسالت کے خلاف ہے کہ اپنی اُمّت کو لعنت جیسی قبیح صفت سے موصوف فرمائیں خود فرمایا میں لعنت کرنے والا ہو کر مبعوث نہیں ہوا ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب کوئی اپنے دوستوں کی صحبت کے حقوق میں ایک یا دو بار کوتاہی کرے تو درگزر کیا جاسکتا ہے لیکن جب وہ تیسری بار بھی اس کا مرتکب ہوتا ہے تو سمجھ لو کہ اس نے جدائی اور مفارقت کے طریق کو اختیار کیا اور دوستی کے حقوق سے نکل گیا پس دوستوں کے لیے بھی لائق نہیں کہ ایسے لوگوں سے حقوق دوستی ادا کریں ایسا آدمی خائن ہے جو دوست کے ساتھ گزار رہا ہے اگر ایسا شخص اپنے کیے پہ نادم ہو اور اپنے دوست سے معافی چاہے اور اظہار ندامت کرے کہ مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے تجھ سے علیحدگی کی ٹھان لی اب میں ان قبائح سے باز آیا اور آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ ساتھ رہ کر حق صحبت ادا کروں گا تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں اتفاق سے گزاریں بشرطیکہ انھیں گمان ہو کہ ہم شرائط عبودیت اور صحبت فی اللہ کے حقوق ادا کرسکیں گے جان لو کہ یہی ہیں اللہ تعالیٰ کی قربت کی راہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے لوگوں کے طریقے انھیں اللہ تعالیٰ کبھی صراحتہً اور کبھی دلالتہً اور کبھی عبارات اور کبھی اشارات سے بیان کرتا ہے صرف ان حضرات کے لیے جو اشارات و کنایات کو جانتے اور اشارات کو سمجھتے ہیں ۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

حضرت احمد بن خضرویہ فرماتے ہیں کہ حق کا راستہ واضح اور دلائل روشن ہیں اور داعی بھی اس کا زور زور سے سنا رہا ہے اس کے باوجود بھی اندھا پن ہے کہ اس راہ پر نہ چلا جائے یعنی امور مذکورہ کے باوجود بھی کوئی سیدھی راہ سے بھٹک جائے تو وہ اندھا ہے ۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ۔

وصل خورشید بشبپرۂ اعمیٰ نرسد
کہ دریں آئینہ صاحب نظراں حیرانند

سورج کی روشنی اور چمک کا اندھے کو کیا پتہ اس شیشہ کی روشنی سے نظر والوں کو حیرانی ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں یعنے عدت کے آخری ایام تک پہنچیں یعنے وہ وقت آجائے کہ عدت قریب الاختتام ہے اس سے حقیقی عدت کا اختتام مراد نہیں اس لیے کہ جب مطلقہ عورت کی عدت ختم ہو جائے تو مرد کو حق نہیں پہنچتا کہ اسے اپنے پاس روکے ۔

شانِ نزول یہ آیت اس انصاری شخص کے حق میں نازل ہوئی جسے ثابت بن یسارہ کے نام سے پکارا جاتا ہے جس نے اپنی عورت کو طلاق دے دی جب کہ اس کی عدت قریب الاختتام ہوئی تو اس سے رجوع کر لیا کچھ عرصہ کے بعد پھر اسے طلاق دے دی اس سے اس کا صرف عورت کو دکھ پہنچانا مقصود تھا تو یہی آیت اُتری

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ انھیں نیکی کے ساتھ روکو یعنے ان سے رجوع صرف اس نیت پر کرو کہ انھیں دکھ نہ پہنچاؤ المعروف سے مراد وہ عمل ہے جس سے عقل کو الفت حاصل ہو اور شرعاً و عرفاً و عادتاً اسے نفوس مستحسن سمجھیں یہاں اچھا معاشرہ مراد ہے۔ **أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ** یا انھیں نیکی طریقہ سے چھوڑ دو یعنے پورے طور چھوڑ دو یہاں تک کہ بلا تطویل ان کی عدت ختم ہو جائے۔ **وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا** اور نہ ہی دکھ کے ارادہ پر ان کی عدت لمبی کر کے رجوع کرو یعنے اس عورت کو اپنے پاس بند رکھ کر نقصان دینا مقصود نہ ہو اس میں ضراراً علت یا ضراراً حال ہے بمعنے مضارین۔

سوال : امسکوھن بمعروف اور لاتمسکوھن میں بظاہر کوئی فرق نہیں اس لیے کہ کسی شے کا حکم دینا اس شے کی ضد سے روکنا ہوتا ہے پھر تکرار میں کیا فائدہ ؟

جواب اس امر میں نہ تکرار ہے اور نہ ہی مامور بہ کی فرمانبرداری ہر وقت مطلوب ہوتی ہے بلکہ اس سے کبھی مبالغہ مطلوب ہوتا ہے یہاں بھی وہی مبالغہ مطلوب ہے کہ مرد عورتوں کے ساتھ احسان و مروت کریں۔

لِتَعْتَدُوا ضراراً سے متعلق ہے کیونکہ لسے مقید کرنے سے یہی مطلوب ہے یعنی ان کو اس لیے روکتے اور ان پر ظلم کرتے ہو کہ وہ طلاق لینے کے لیے فدیہ دینے پر مجبور ہو جائیں **وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ** اور وہ شخص جو مذکورہ امور مثلاً عورت کو اپنے پاس روکے رکھتے دوسرا سے ظلم ہے کا ارتکاب کرتا ہے **فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ** تو بے شک وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے یعنی عورتوں کو ظلم کا نشانہ بنا کر اپنے آپ کو ظلم میں ڈال رہا ہے **وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ** اور اللہ تعالےٰ کی آیات کو نہ بناؤ آیات سے یہی احکام مذکورہ مراد ہیں یا اللہ کی جمیع آیات مراد ہیں اور ان کا اس حکم میں داخل ہونا۔ یہی ہے **هُزُوًا** اللہ تعالےٰ کی آیات سے روگردانی اور ان پر عمل کرنے میں سستی دکھا کر ان سے ٹھٹھا نہ کرو۔

ف اس نہی سے امر مقصود ہے اس لیے کہ اس کے مخاطب مؤمن ہیں اور مؤمن کی شان نہیں کہ اللہ تعالےٰ کی آیات سے ٹھٹھا کرے اب معنیٰ یوں ہوا کہ اسے مومنو! اللہ تعالےٰ کی آیات کو لینے اور ان پر عمل کرنے میں پوری کوشش کرو اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں پوری پابندی کرو۔

حضرت حکیم سنائی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا : ؎

دانستہ ہست و کار بستن کو
خنجرت ہست وصف شکستن کو

اپنی ہستی کا تصور باندھ کر دنیا کے کاروبار میں پھنسا کیا معنے جب خنجر تیر پاس ہے تو پھر شکست کا تصور کیسا۔

ربط جب اللہ تعالےٰ نے امور تکلیفیہ کی نگہداشت اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب دی اور ان سے سستی برتنے کی سزا سنائی تو انھیں اب انعامات عطا کرنے سے موکد فرماتا ہے اس لیے کہ جوان پر کاربند ہو کر اللہ تعالےٰ کا شکر کرتا اور تمام حقوق کی ادائیگی میں پوری کرتا ہے، چنانچہ فرمایا :

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو یاد کرو جو ہونے والی ہیں عَلَيْكُمْ تمہارے اوپر کہ تمہیں اس راستہ کی طرف ہدایت دی جس میں تمہاری دینی و دنیوی سعادتیں ہیں یعنے ان نعمتوں کو شکر سے قبول کر کے ان کے حقوق ادا کرو بعض نے اس کا یہ معنے کیا ہے کہ اے ۔ اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو بایں طور کہ تمہیں اس نے عدم سے وجود بخشا پھر انسان بنا کر مرد پیدا فرمایا پھر عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت بخشی تاکہ تم ان کے ساتھ رہ کر سکون حاصل کرو پھر نکاح وطلاق ورجعت کے امور تمہارے قبضہ میں دیئے اور تمہارے اوپر کوئی تنگی نہیں رکھی جیسے سابقہ امتوں پر تنگی رکھی گئی تھی یہاں تک کہ انہیں صرف ایک عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دی جاتی اور عورت کو اس کے مرد کے فوت ہونے کے بعد اسے دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت نہیں تھی ۔

وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ اس کا عطف نعمۃ اللہ پر ہے یعنے وہ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ کتاب اور حکمت یعنی قرآن اور حدیث سے انہیں خصوصی طور ذکر کرنے سے آن کی شرافت کا اظہار مطلوب ہے يَعِظُكُمْ بِهٖ ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی نصیحت کرتا ہے یعنی وہ جو تمہارے اوپر نازل فرمایا یہ انزل کے فاعل کی ضمیر سے حال ہے عبارت یوں تھی اذکروا نعمت اللہ وما انزل علیکم واعظا بہ لکم ومحفوظا ۔ یعنے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور وہ جو تمہارے اوپر نازل کیا وہ تمہارے لیے واعظ اور ڈرانے والا ہے ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کے حقوق کی محافظت اور اس کے حقوق واجبہ کی ادائیگی کر کے ۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کو جانتا ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں جو تم عمل میں لاتے ہو یا چھوڑتے ہو اسے متقیو مختلف قسم کے عذاب سے تمہارا مواخذہ نہیں ہوگا ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ کسی کو دکھ پہنچانا اسلام اور ایمان کے شعار میں نہیں اور نہ ہی مسلمانوں کے شعار سے ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن وہ ہے کہ جس سے لوگ امن میں رہیں اور فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذا سے دوسرے مسلمان سالم رہیں ۔

مسئلہ اچھا معاشرہ ویسے تو تمام مخلوق کے ساتھ ضروری ہے لیکن زن وشوہر کی خصوصیت رکھی گئی ہے کہ مرد کو چاہیئے کہ عورت کے ساتھ اچھا معاشرہ رکھے نہ اسے ایذا دے اور نہ ہی اس پر غصہ کا اظہار کرے یہ عام مجمع کی بات ہے اور وہ بھی بطریق جھگڑا کے ورنہ تخلیہ یعنے تنہائی میں جس میں لڑائی جھگڑا کے لحاظ سے نہ ہو بلکہ صحبت کی ادائیگی حقوق کی بنا پر بطریق محبت کے اور اس میں حد سے تجاوز بھی نہ ہو اور جو شخص ان افعال یعنے اذیت اور دکھ پہنچانے اور تجاوز کر کے ظلم کرنے کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اس لیے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ظالم ومظلوم دونوں کو جزا دے گا جب کوئی کسی پر برائی کرتا ہے وہ سمجھے کہ میں اپنے نفس پر ظلم کر رہا ہوں بلکہ ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دے کر اور مظلوم کی برائیاں ظالم کے پلڑے میں ڈال دے گا اور جو کسی پر احسان کرتا ہے وہ سمجھے کہ میں اپنے ساتھ نیکی کر رہا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ ظالم جو برائی کر رہا ہے وہ کسی دوسرے پر نہیں بلکہ درحقیقت وہ اپنے اوپر ظلم ڈھا رہا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : احسنتم احسنتم لانفسکم وان اسأتم فلھا ۔

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ ؎

مکن تا توانی دل خلق ریش

وگر میکنی میکنی بیخ خویش

ترجمہ جب تک تیرے امکان میں ہے کسی کا دل زخمی نہ کر اگر کرتا ہے تو اپنی جڑ کاٹ رہا ہے۔

ولا تتخذوا ایات اللہ ھزوا اور اللہ تعالٰے کی آیات سے ٹھٹھا نہ کرو کہ انہیں ظاہری طور پڑھو لیکن ان کے معانی میں تدبر نہ ہو اور ان کے اشارات کے سمجھے بغیر اور ان اسرار کے تحقیق کے سوا اور ان کے حقائق کے تتبع کو چھوڑ کر اور ان کے انوار سے نورانیت حاصل کرنے کی غرض نہ ہو اور ان کے مواعظ اور حکمتوں سے نصیحت کی جائے۔

نکتہ وعظ شاہین کی طرح ہے اور شاہین کو کبوتر زندہ پر ہوتی ہے نہ مردہ پر جس کا دل مر چکا ہو وہ قرآن سے اثر نہیں لے گا ہم پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ وہ دل مواعظ سے اثر پذیر نہیں ہوتا)۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج تم اللہ تعالٰے کی دلیل پر ہو یعنی ایسے بیان پر ہو کہ اس نے اپنا راستہ تمہارے لیے واضح طور بیان فرمایا ہے وہ ایسے ہی واضح رہے جب تک کہ تم میں سکراتوں کا ظہور نہ ہو (۱) سکرات العیش (۲) سکرات الجہل۔

حکایت سیدنا حسن بصری رضی اللہ تعالٰے عنہ کی حج کے راستہ میں سواری گم ہو گئی آپ کو اس راہ پر ایک لڑکا ملا آپ نے اس سے پوچھا تو اس نے سواری کا پورا پتہ بتایا جب سواری مل گئی تو اس لڑکے نے حضرت حسن بصری سے سوال کیا کہ اے شیخ آپ کیا کھاتے اور پہنتے ہیں آپ نے فرمایا جو کی روٹی کھاتا ہوں اور اون کا کپڑا پہنتا ہوں تاکہ شہوت نفسانی کا زور ٹوٹے لڑکے نے کہا اے شیخ کھاؤ اور پہنو جو منشی میں آئے لیکن حلال کے مال سے ہو پھر لڑکے نے پوچھا آپ رات کو کہاں گزارتے ہیں آپ نے فرمایا جھونپڑے میں اس نے کہا کسی پر ظلم نہ کرو پھر جہاں مرضی آئے گزارو حضرت حسن بصری نے کہا اگر تو لڑکا نہ ہوتا تو میں تجھ سے کچھ حاصل کرتا اس پر وہ ہنس پڑا اور کہا آپ تو بہت بڑے غافل ہیں میں نے دنیا کی باتیں سنائی ہیں تو تم قبول کرتے چلے گئے جب دین کی بات آئی تو تم میرے کلام سے نفرت کر رہے ہیں اب گھر جاؤ تمہارا حج قبول نہیں[1]

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالٰے نے فرمایا۔ ؎

فرو باید کرد اندر گوش

ور نوشتہ است پند بر دیوار

ترجمہ نصیحت کو کان میں جگہ دو اگرچہ وہ دیوار پر لکھی ہو۔

---

[1] اللہ اکبر وہ لڑکا اتنا بلند قدر ولی اللہ تھا کہ حسن بصری رضی اللہ تعالٰے عنہ جیسے کامل کو جھڑک دیا سچ فرمایا شیخ سعدی قدس سرہٗ نے "

بزرگی بعقل است نہ بسال، بزرگی ایک اور شے ہے بزرگی بڑی عمر کا نام نہیں، اویسی غفرلہٗ

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ
بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَ
اللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ
أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ
لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۗ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا
عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝
وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا
بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ
أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا
عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝

ترجمہ: اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پورا کرلیں تو تم انھیں نہ روکو کہ وہ اپنے پہلے شوہروں سے نکاح کرلیں جب وہ شریعت کے قانون کے موافق آپس میں راضی خوشی ہیں یہ نصیحت ہر اس شخص کو دی جاتی ہے جو تم میں قیامت اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور یہ تمھارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ مدت اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت مکمل کرنا چاہے اور جس کی اولاد ہے اس کے ذمہ ہے دودھ پلانے والی عورتوں کی خوراک اور پوشاک موافق دستور شرع اور کسی جان پر بوجھ نہیں رکھا جاتا مگر اسکے مقدور بھر ماں کو اس کی اولاد کی وجہ سے ضرر نہ دیا جائے اور نہ ہی اولاد والے کو اس کی اولاد سے اور باپ کے قائم مقام بھی طریق مذکور کے مطابق خرچ وغیرہ ذمہ ہے پس اگر ماں باپ آپس کی رضامندی اور مشورے سے بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں اور اگر تم کسی اور عورت سے بچوں کو دودھ پلوانا چاہو تو بھی تم پر کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ جو کچھ مقرر ہو چکا وہ خوش اسلوبی سے ادا کر دو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ تمھارے تمام کردار کو دیکھ رہا ہے اور جو لوگ تم میں سے فوت ہو کر اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن روکے رکھیں پھر جب وہ اپنی عدت کو پورا کرلیں تو اے متولیو تم پر کوئی گناہ نہیں اس امر میں جو عورتیں اپنے معاملہ میں موافق شرع کریں اللہ تعالیٰ کو تمھارے اعمال کی خبر ہے اور تم پر گناہ نہیں اس بات میں کہ اشاروں کنایوں سے عورتوں کے نکاح کا پیغام دو یا اپنے دل میں چھپا رکھو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اب تم ان کا ذکر کرو گے ہاں ان سے

خفیہ وعدے نہ کرو مگر شرع کے قانون کے موافق کوئی بات کہو اور ان سے نکاح کا پختہ ارادہ مت کرو جب تک کہ اس کا تہ کی حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچے یقین کرو کہ اللہ تعالٰی تمہارے دل کی باتیں جانتا ہے تو اس سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ تعالٰی بخشنے والا حلم والا ہے

تفسیر عالمانہ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ یہاں پر فبلغن کا بلوغ اپنے حقیقی یعنے انتہاء کے معنے میں ہے۔ اس لیے کہ اس کے بعد نکاح کا ذکر ہے اور نکاح مکمل عدت ختم ہونے کے بعد ہو سکتا ہے فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ پس انہیں مت روکو العضل بمعنے الحبس والمنع اور کسی کو تنگ کرنا پہلے خطاب کے مخاطب ازواج ہیں اور دوسرے کے عورتوں کے متولی۔

شانِ نزول مروی ہے کہ یہ آیت معقل بن یسار کے حق میں نازل ہوئی جب کہ اس نے اپنی بہن جمیلہ کو روکا تھا جب کہ وہ چاہتی کہ وہ اپنے پہلے شوہر البداح بن عبیداللہ بن عاصم کے پاس واپس جانا چاہتی تھی۔

القصہ عدت کے بعد اسے البداح نے دوبارہ نکاح کا کہا اور اس کی عورت جمیلہ بھی چاہتی تھی کہ وہ اپنے شوہر کے پاس مل جائے تو یہ آیت اتری تو حضرت معقل نے کہا میری ناک گھس جائے میں اپنی ہمشیرہ کا نکاح کر دوں گا تاکہ میں اپنے رب کے فرمانبردار بندوں میں شمار ہو جاؤں اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب تم اے شوہرا اپنی عورتوں کو طلاق دو تو اے عورتوں کے متولیو تم انہیں مت روکو۔

سوال ایک ہی جملہ میں دو علیحدہ علیحدہ خطاب کیوں؟

جواب اگرچہ ایسی عبارت اہل عرب کے ہاں نہایت ہی رکیک سمجھی جاتی ہے اس جملہ کے جواز کی تقریر یہ ہے کہ تمام مخلوق اللہ تعالٰی کے علم حضوری میں حاضر ہے اور چونکہ وہ تمام مخلوق اس کے آگے بمنزلہ ایک ہی جماعت کے ہے اس لیے جملہ میں دو علیحدہ علیحدہ مخاطبوں کو خطاب کرنا جائز ہے جب کہ ایک مخاطب کے لیے توجیہ ہو اور دوسرے کے لیے کوئی اور۔

سوال شوہر اول تو عدت کے اندر بھی نکاح یا رجوع کر سکتا ہے لیکن آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا نکاح بھی بعد انقضاء عدت ہو۔

جواب عورت کے متولیوں سے روکنے کی نہی ہے خواہ وہ شوہر اول کا نکاح عدت کے اختتام کے بعد ہو یا پہلے۔

سوال عورت نکاح کی خود کفیل ہے جب کہ وہ بالغہ ہے تو یہاں پر عورت کے متولیوں سے خطاب کیوں؟

جواب اس میں عورتوں سے ضرر کا دفع کرنا مقصود ہے اگرچہ وہ خود بھی قادر ہیں کہ وہ اپنا نکاح جہاں چاہیں کریں لیکن انہیں اس سے احتراز کرنا چاہیے تاکہ ان پر ملامت نہ ہو اور اپنے خیال پر عمل کرنے پر متولیوں سے قطع تعلق نہ ہو۔

ف بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ دونوں خطاب ازواج کو ہیں اس لیے کہ عام طور مردوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنی عورتوں پر ظلم اور تکلیف دہتے ہوئے مراسم جاہلیت کی بنا پر نہ عورتوں کو طلاق دیتے ہیں اور نہ ہی ان سے اچھا سلوک کرتے ہیں ان کے لیے یہ آیت اتری۔

أَنْ يَنْكِحْنَ یہ کہ انہیں نہ روکو وہ جہاں چاہیں نکاح کریں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کی اپنی کاروائی سے بھی نکاح ہو جائے گا۔ أَزْوَاجَهُنَّ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں اس سے مراد ان کے وہ شوہر ہیں جنہوں نے انہیں طلاق دے دی اس لیے کہ زوجیت دو اعتباروں سے ہوتی ہے (۱) پہلے تعلق کی وجہ سے اگرچہ اب وہ ان سے مطلقہ ہو گئی ہیں (۲) بعد کے تعلق کی وجہ سے کہ اب نکاح کرکے وہ عورتیں ان کی ہو جائیں گی اس دوسرے معنے کو لے کر ترجمہ یوں ہوگا کہ عورتیں جن سے چاہیں نکاح کر لیں اب نکاح کے بعد وہ مرد ان کے شوہر

ہوں گے۔ اِذَا تَرَاضَوْا جب کہ وہ ایک دوسرے سے راضی ہوں یہ خطاب نکاح چاہنے والوں اور عورتوں کو ہے اور ان کا حرف کے لیے ظرف ہے عبارت یوں ہوگی ان ینکحن وقت التراضی وہ عورتیں نکاح کریں رضامندی کے وقت بَیْنَهُمْ ان کے ابین تراضوا کا ظرف ہے یہ رضامندی کے رسوخ واستحکام کا فائدہ دیتا ہے بِالْمَعْرُوْفِ تراضوا کے فاعل سے حال ہے ای اذا تراضوا ملتبسین بالمعروف یعنی جب کہ راضی ہوں درانحالیکہ ملنے والے ہیں ساتھ معروف کے عقد صحیح اور جائز طور حق مہر اور اچھے معاشرہ اور نیک حال گزاریں ساتھ معروف وہ امر جسے شرع اچھا سمجھے اور عندالمروۃ مستحسن ہو۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو غیر کفو میں اور مہر مثل سے کم میں نکاح کرنے سے روکنا عضل سے نہیں یعنی شرعاً ممنوع نہیں۔

ذٰلِكَ گذشتہ مضمون کی طرف اشارہ ہے یعنے وہ مضمون جو تمہیں سنایا گیا ہے اعضل وغیرہ یعنے اے عورتوں کے متولیو یعنی شوہرو۔

سوال کا خطاب واحد کے لیے ہے اور وجہاں مناسب نہیں اس لیے مخاطب تو جمع ہیں؟

جواب تاویلاً جمع کو واحد قرار دے کر واحد کا صیغہ لایا گیا ہے یا بتاویل کل واحد کے ہے یا محض کلام کو حاضر کی طرف متوجہ کرنا مطلوب ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ واحد ہے یا جمع۔

يُوْعَظُ بِهٖ اس کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے یعنی اس سے روکا جاتا ہے یا اس کا حکم دیا جاتا ہے مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور یوم آخرت پر اس لیے کہ صرف مومن ہی اس سے نصیحت حاصل کرتا ہے یا اس سے صرف نفع اٹھاتا ہے ورنہ قرآن کا وعظ تو عام ہے۔ ذٰلِكُمْ قرآن سے نصیحت حاصل کرنا اور اس کے حکم کے مقتضیٰ پر عمل کرنا۔ اَزْكٰى لَكُمْ تمہارے لیے بہت زیادہ پاکیزہ اور بابرکت اور زیادہ نافع ہے ازکی، زکی الزرع سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کھیتی نشو ونما کے دور میں ہو اس سے بندے کو ثواب کے استحقاق کی خوشخبری سنانا مطلوب ہے وَاَطْهَرُ زیادہ پاک ہے گناہوں کی میل وکچیل اور اس کی آلائش سے اور یہ افعل التفضیل کے صیغے ہیں ان کا مفضل علیہ محذوف ہے اس کے محذوف ہونے کا قرینہ واضح اور معلوم ہے یعنی وہ مفضل علیہ محذوف من العضل ہے وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اور اللہ تعالےٰ منع اور اصلاح اور تفصیل کو جانتا ہے۔ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اور تم نہیں جانتے کیونکہ تمہارے علوم قاصر ہیں اس لیے کہ بندہ اگرچہ ان تکالیف کو اجمالی طور کچھ نہ کچھ جانتا ہے مگر تفصیل کو تو نہیں جانتا کیونکہ جن احکام کا حکم دیا یا روکا ہے اور پھر وہ بندوں کو بھی بیان کیا ہے انھیں تفصیلی طور وہی جانتا ہے۔ ؎

بر و علم یک ذرہ پوشیدہ نیست
کہ پنہاں و پیدا بنزدش یکیست

ترجمہ: اس کے علم کے آگے ذرہ برابر چیز کوئی شے پوشیدہ نہیں کہ ظاہر و باطن اس کے ہاں برابر ہے۔

تفسیر صوفیانہ اے اللہ کے بندو! اپنی رائے کو ترک کرکے ان کے فرمان کو بجالاؤ اور اس کے روکے ہوئے امور سے رک جاؤ اس کی مثال ایسے ہے جیسے باپ بیٹے کو بعض کھانے پینے کی اشیاء سے روکتا ہے جب کہ باپ کو معلوم ہے کہ یہ اشیاء بیٹے کے مزاج کے ناموافق ہیں اس سے باپ کو صرف بیٹے کی اصلاح مطلوب ہوتی ہے کیونکہ جو کچھ باپ جانتا ہے بیٹا نہیں جانتا اس سے یقین کرنا چاہیے کہ جن امور کا اللہ تعالےٰ نے ہمیں عمل کرنے کا حکم دیا ہے ان میں ہماری خیر ہے اور جن امور سے روکا ہے ان میں ہماری تباہی و بربادی ہے لیکن نصیحت سن کر قبول کرنا صرف اہل دانش کو نصیب ہے۔

ف حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا نصیحت کرنا آسان ہے لیکن اسے قبول کرنا مشکل ہے اس لیے کہ جو شخص خواہشات نفسانیہ کی چاشنیوں میں منہمک ہو اسے نصیحت کڑوے گھونٹ محسوس ہوتے ہیں اصلی وجہ یہ ہے کہ قلوب گناہ ہی بُرے اعمال محبوب ہوتے ہیں۔

ف نصیحت سے صرف حقیقی مومن ہی نفع پاتا ہے اور حقیقی مومن وہ ہے جس کی تعریف اللہ تعالٰی نے فرمائی۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی نے فرمایا نیک بخت وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرے۔

سبق اے عوام تمہارے وعظ سننے کی مثال اس شخص جیسی ہے جیسے کہ مذکور ہے کہ ایک مرد نے پرندہ شکار میں پکڑا جب اسے ذبح کرنے

حکایت بیٹھا تو پرندے نے کہا مجھے ذبح نہ کر میرے ذبح سے تجھے کوئی فائدہ میں تجھے تین کام کی باتیں بتاتا ہوں شرط یہ ہے کہ انہیں سُن کر مجھے چھوڑ دینا اس شخص نے پرندے کو اس شرط پر چھوڑنے کا وعدہ کیا پرندے نے کہا وہ تین باتیں یہ ہیں۔

۱۔ یقینی فائدہ کو ظنی فائدہ کی امید پر ترک نہ کرنا۔

۲۔ جو شے عادتاً محال ہو اس کے حصول میں کوشش کرنا

۳۔ جہاں تیرا ہاتھ نہ پہنچے اس کی طرف ہاتھ نہ بڑھانا۔

یہ نصیحتیں سن کر اس شخص نے پرندے کو چھوڑ دیا پرندہ اڑنے لگا اور کہا میرے گھونسلہ میں ایک بہت بڑا جوہر ہے اسے ہاتھ بڑھا کر اٹھانے اگر تو اسے اٹھالے گا تو اپنے جمیع احکام میں کامیاب رہے گا جب اس شخص نے گھونسلہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو پرندہ گھونسلہ سے ہٹ کر دوسری جگہ بیٹھ کر کہنے لگا اے فلاں تو بڑا احمق ہے کہ جلد ہی میری بتائی ہوئی نصیحتوں کو بھول گیا میں تیرا یقینی فائدہ تھا اس امید پر کہ وہ تین فائدے معلوم ہو جائیں گے تو نفع پاؤں وہ تیرا ظنی فائدہ تھا مجھے چھوڑ دیا تو میری پہلی نصیحت پر عمل نہ کر سکا اور ادھر میرے گھونسلے کی طرف ہاتھ بڑھا رہا ہے اس لیے دوسری نصیحت کو چھوڑ رہا ہے کہ میں نے کہا تھا کہ وہاں ہاتھ نہ بڑھانا جہاں ہاتھ نہ پہنچے اور میری تیسری نصیحت تھی کہ محال امر کی تصدیق نہ کرنا لیکن تو نے اسے بھی ترک کیا کہ میرے گھونسلے میں موتی جواہر کا ہونا مان لیا حالانکہ تو دیکھ رہا ہے کہ میرا گھونسلہ اتنا چھوٹا ہے کہ اس میں ایک دانہ یا دو دانے مشکل سے سما سکیں گے چہ جائے کہ اتنا بڑا موتی اور جواہر۔

حکایت حضرت شقیق بلخی قدس سرہٗ ابتدائی زمانہ میں بہت بڑے تاجر تھے انگریزوں کے علاقوں میں تجارت کے لیے تشریف لے جاتے ایک دن انگریز کے امیر نے پوچھا جناب شقیق بلخی تمہیں ہمارے ہاں آنے جانے کے لیے کتنا عرصہ لگتا ہے آپ نے فرمایا تین ماہ صرف ہوتے ہیں آپ نے فرمایا تین ماہ آتے ہوئے خرچ ہوتے ہیں اور تین ماہ ماہ اسباب خریدنے پر پھر تین ماہ واپسی پر اور تین ماہ اسباب بیچنے پر۔ اس انگریز نے کہا سال کے بارہ ماہ ہوتے ہیں اور یہ بارہ ماہ تو تو نے بیع و شراء پر خرچ کر دیئے اللہ تعالٰی کی عبادت کے لیے کونسا وقت باقی رہا انگریز کی یہ بات حضرت شقیق کے قلب پر اثر کر گئی آپ نے یکبارگی تجارتی امور ترک کر کے اللہ تعالٰی کی عبادت شروع کر دی اور مرتے دم تک آپ اسی مشغلہ میں رہے۔

سبق (اگر توفیق ربانی کسی کی رفیق ہو تو بندہ منازل طے کر لیتا ہے اگرچہ اس کے مقابلہ میں کئی آفات آئیں یہاں تک کہ وہ مقصود کو پا لیتا ہے اگر وہ نفس کا بندہ بن جائے تو اسے نہ کسی کی نصیحت اثر کرتی ہے اور نہ ملامت۔)

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتوں میں سے ایک نصیحت یہ ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندہ ہوسے منہ پھیرنے کی ایک علامت یہ ہے کہ بندہ غیر مفید کام میں مشغول رہے۔

فائدہ: جس بندے کا کوئی لمحہ خدا کی یاد کے بغیر گزرے اسے سخت سے سخت ندامت کرنی چاہیئے اور جس پر چالیس گھڑیاں گزریں لیکن اس کی نیکی اس کی برائی پر غالب نہ ہو تو اسے جہنم کے لیے تیار رہنا چاہیئے اہل علم کے لیے یہ نصیحت کافی ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا۔ ؎

بگو آنچہ دانی سخن سودمند
وگر ہیچ کس نیاید پسند
کہ فردا پشیمان برآرد خروش
کہ او ج چرا حق نہ کردم بگوش

اے اللہ ہمیں اپنے ارشادات گرامی کے نصائح کی نصیحت قبول کرنے کی توفیق عطا فرما۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَالْوَالِدٰتُ اس سے تمام مائیں مراد ہیں خواہ وہ طلقہ ہوں یا غیر مطلقہ کیونکہ یہ لفظ عام اور اس پر تخصیص کی کوئی دلیل بھی نہیں اس لیے اسے اپنے عموم میں رکھنا ضروری ہے۔ يُرْضِعْنَ خبر ہے لیکن بمعنے امر ای لیرضعن یعنی ماؤں پر ضروری ہے کہ وہ دودھ پلائیں۔ الرضع بمعنے پستان کو دودھ کے لیے چوسنا اَوْلَادَهُنَّ اپنی اولاد کو اولاد۔ ولد کی جمع ہے۔ بچہ کو کہتے ہیں نر ہو یا مادہ اور یہ امر ندب کا ہے اور وہ اس لیے کہ بچہ کی تربیت کے لیے دودھ ماں کا ہی اچھا ہوتا ہے بہ نسبت دوسری کے دودھ کے اس لیے کہ ماں کی ممتا مشہور ہے دوسروں کی شفقت ماں کی شفقت کے مقابلہ میں کالعدم ہے اور ندب کا حکم اس لیے کہ بچہ کو صرف ماں کے دودھ پر مجبوری نہیں ہاں اگر مجبوری ہو مثلاً وہاں اس کی ماں کے بغیر اور کوئی دودھ پلانے والا نہ ہو یا وہ بچہ ماں کے دودھ کے بغیر اور کسی کا دودھ پیتا ہی نہیں یا والد دودھ پلانے کی مزدوری نہیں دے سکتا تو اس وقت ماں پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے بچے کو خود دودھ پلائے جیسے بھوک سے مرنے والے کے لیے ہر اس شخص پر واجب ہو جاتا ہے کہ اس کی خبر گیری کریں۔

مسئلہ: دودھ پلانے کے حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عورتیں سوائے اولاد کے قریبی رشتہ داروں کے اوروں سے نکاح نہ کریں اگر وہ طلقہ ہیں اس لیے کہ نکاح کے بعد وہ اپنے شوہروں کی خدمت میں مشغول ہو جائیں گی۔ تو وہ اپنے بچوں کی تربیت کا حق ادا نہیں کر سکیں گی علاوہ ازیں تربیت پانے والے پر عورت کے شوہر کی نظر شفقت بہت کم ہوتی ہے اس لیے اس پر خرچ وغیرہ میں تنگی کرے گا۔

حَوْلَيْنِ یہ حال الشئی سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے منقلب ہو جائے اور سال چونکہ وقت اول سے وقت ثانی کی طرف منقلب ہوتا ہے اسی لیے اسے حول کہا جاتا ہے كَامِلَيْنِ کمل دو سال حولین کو کاملین کی صفت سے اس لیے مؤکد کیا ہے کہ کبھی حولین میں چشم پوشی کی جا سکتی ہے اس لیے کبھی حولین بول کر ایک سال کامل اور دوسرے سال کا بعض حصہ مراد لیا جاتا ہے۔ قیمت عند فلان حولین بمکان کذا میں فلاں شخص کے ہاں فلاں مکان میں دو سال ٹھہرا لیکن وہاں وہ ایک سال کامل ...

سال کا بعض حصہ شمہ تا ہے اس اعتبار سے اسے کاملین کی صفت مؤکد کیا گیا تاکہ مجاز کا احتمال باقی نہ رہے لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ اس کے یے ہے جو دودھ پینے کی مدت مکمل کرنا چاہتا ہے یہ بیان اس کے لیے ہے جس کی طرف دودھ پلانے کا کلام متوجہ ہے گویا پوچھا گیا کہ یہ حکم کس کے لیے ہے تو اس کے جواب میں کہا گیا یہ حکم اس کے لیے ہے جو دودھ پینے کی مدت کو مکمل کرنا چاہتا ہے اس سے مراد دودھ پلانے والی مائیں ہیں یا ان کے ساتھ ان کے اباء بھی مراد ہیں۔

مسئلہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰے عنہ کے نزدیک مدت رضاع دو سال چھ ماہ ہے اور صاحبین کے نزدیک صرف دو سال ہیں دونوں کا استدلال اسی آیت سے ہے۔

مسئلہ مدت رضاع علی اختلاف القولین کے بعد دودھ پلانا غیر مباح ہے اس لیے کہ اباحت بوجہ ضرورت تھی اس لیے کہ دودھ انسان کا جز ہے اور انسان کا ایک جزو دوسرے کے اندر ڈالنا مناسب نہیں اس لیے اسے اتنی مدت تک مقید کیا جائے جتنی ضرورت ہے۔

مسئلہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا یہ آیت مدت استحقاق پر محمول ہے اس لیے کہ اجماع امت ہے کہ مدت رضاع تک باپ پر دودھ پلانے کی مزدوری دینا ضروری ہے اور وہ دو سال کی مدت مقرر ہے یہاں تک کہ اس کے بعد باپ کو مزدوری دینے پر مجبور نہ کیا جائے گا اللہ تعالٰے نے فرمایا والا مولود لہ لولدہ الآیۃ۔

مسئلہ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دو سال کے بعد بھی حرام نہیں ورنہ حرام ہوتا تو اللہ تعالٰے کے اس ارشاد یعنی ان اراد ان یتم الخ کا کوئی فائدہ نہیں۔

مسئلہ حرمت مصاہرۃ کا ثبوت اڑھائی سال کے اندر دودھ پینے پلانے سے ہوگا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰے عنہ کے نزدیک اڑھائی سال کے بعد دودھ پینے پلانے سے حرمت ثابت نہ ہوگی اور دو سال کے بعد ان کے نزدیک حرمت نہ ہوگی اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے

مسئلہ دو سال تک تکمیل بھی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰے عنہ کے نزدیک شرط نہیں وہ بھی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے وہ اس لیے کہ آیت لم اراد ان یتم الرضاعۃ دلالت کرتی ہے کہ دو سال سے پہلے وہ دونوں راضی ہوکر دودھ چھڑالیں تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ مرد پہلے دودھ چھڑانا چاہتا ہے لیکن عورت اس کی تکمیل دو سال چاہتی ہے تو مرد کو اس کا خرچہ دینا ضروری ہے۔

مسئلہ اگر مدت رضاع سے پہلے ہی بچہ کا دودھ چھڑالے اور بچہ اتنا قوی محسوس ہوتا ہے کہ اسے دودھ چھڑا دینے سے نقصان نہ ہوگا اور دودھ کے طعام پر گزارا کرسکتا ہے تو عورت کو تکمیل مدت پر مجبور نہ کیا جائے گا ہاں اگر بچہ کو ابھی دودھ پینا ہے لیکن عورت نے خواہ مخواہ ایسے ہی دودھ چھڑا دیا ہے تو اب ماں بھی دودھ پینے کا حرمت نکاح ثابت ہوسکے گی یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ (ذکرہ الزیلعی)

ف جیسے اللہ تعالٰے نے والوالدات یرضعن الخ میں بچے کی ماں کو حکم دے کر بچہ کی رعایت فرمائی ہے اسی طرح بچہ کے باپ کو اس کی ماں کی بھی رعایت فرمائی تاکہ بچہ کی تربیت صحیح طور ہو مثلاً دودھ والی عورت کے لیے کہا کہ اس کا طعام اور لباس بچے کے باپ پر ضروری ہے جب کہ دودھ پلانے سے پہلے عقد نکاح کرتے وقت متعین کیا جائے اور طعام و لباس بھی مقدار معین ہو اور کبھی عرف کی وجہ سے

یہ شرط متعین نہیں ہوتی مثلاً کہہ دیا جاتا ہے کہ جتنا تجھے خوراک اور لباس کی ضرورت ہوگی وہ میں ادا کروں گا اب اجرت کی تعیین کی ضرورت ہی کیا ہے جب وہ عملاً خود کا کفیل بن رہا ہے چنانچہ مذکورہ بالا مسائل کو یوں بیان فرمایا وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ اور جس کے لیے بچہ پیدا ہوا ہے یعنی باپ پر ضروری ہے ۔

سوال : وعلی الوالد کیوں نہیں فرمایا مختصر بھی ہے اور مقصد بھی ایک ہے ۔ ؟

جواب : تاکہ معلوم ہو کہ اولاد صرف آباء کے لیے ہوتی ہے اگر والد کا لفظ ہوتا تو اس سے یہ مقصد ظاہر نہ ہوتا اس لیے اولاد باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے ۔

حکایت مامون الرشید بن ہارون الرشید نے جب خلافت کا مطالبہ کیا تو اسے ہشام بن علی نے کہا کہ تم خلافت کے حقدار کیسے ہو جب تو لونڈی کا بچہ ہے مامون نے جواباً کہا درست ہے لیکن حضرت اسماعیل علی نبینا و علیہ السلام بھی ہاجرہ لونڈی کے صاحبزادے تھے اور حضرت اسحاق علی نبینا و علیہ السلام بی بی سارہ آزاد عورت کے صاحبزادے تھے لیکن ساری خدائی کے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہیں اس کے بعد مامون نے یہ اشعار پڑھے ۔

لا تزرین بفتی من ان یکون لہ

ام من الروم او سوداء دعجاء

فانما امہات الناس اوعیۃ

مستودعات و للابناء آباء

ترجمہ کسی کو طعنہ مت لگاؤ کہ اس کی ماں روم کی نسل سے یا سیاہ رنگ اور زشت رو ہے اس لیے کہ مائیں تو صرف بچوں کی حفاظت گاہ ہیں ورنہ اصل تو آباء ہیں لیکن میری ماں اگرچہ لونڈی ہے لیکن ہارون الرشید کا بیٹا تو ہوں ۔

کسی نے کیا خوب کہا ۔ ع

مکن ز نہار اصل عود جو بست

ببیں دود کش کہ چو مستثنیٰ و تو بست

رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ ان کا طعام اور لباس جب کہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اسی طرح ہر ۔۔۔ پلانے والی دایاں جب کہ دودھ پلانے کے لیے متعین ہوں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچہ کی ہر طرح کی نگہداشت ان کے ذمہ ہے اسی طرح طعام بھی کیونکہ کھانے کی وجہ سے دودھ پلا سکے گی اس لیے دودھ غذا سے ہی پیدا ہوتا ہے چونکہ لباس اور خوراک ہر دونوں حوائج ضروریہ سے ہیں ۔ ان کا دینا ضروری ٹھہرا ۔ بِالْمَعْرُوْفِ ساتھ معروف کے یعنی جیسے حاکم مناسب دیکھے اور باپ بھی وسعت رکھتا ہو ۔

سوال جب عقد نکاح میں لباس و خوراک ہر دونوں ضروری ہیں کہ جب بھی عورت کو گھر میں لائے گا تو ہر دونوں ۔۔۔ ہی ہوں گی لیکن رضاع میں ان کی تصریح سے کیا فائدہ ؟

جواب عقد نکاح کے بعد اس وقت خوراک اور پوشاک دینا ضروری ہے جب وہ عورت جماع کرنے دے اگر وہ جماع سے انکار کردے تو پھر نان و نفقہ ضروری نہیں اور یہ بھی ہے کہ کبھی بچے کی تربیت میں ایسا انہماک و اشتغال ہوتا ہے کہ عورت کو اپنے مرد سے جماع کا موقعہ بھی میسر نہیں ہوتا اس پر کسی کو وہم ہو کہ جب وہ عورت مرد کو جماع کا موقعہ نہیں دیتی تو اب نان و نفقہ کا کیا معنے تو اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا کہ دودھ پلانے والی عورتوں کے لیے لباس و خوراک ضروری ہے۔ خواہ وہ جماع کا موقع دے یا نہ۔ (کذا قال الواحدی فی البسیط)

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا کسی نفس کو صرف اس کی وسعت پر تکلیف دی جائے۔

حل لغات التکلیف یعنے واجب کرنا اور کسی امر کے مکلّف بنانے کا یہ معنے ہے کہ کسی پر اس امر کا اثر ظاہر کرنا۔

ترکیب وسعها۔ لاتکلف کا مفعول ثانی ہے اس لیے کہ کلف متعدی بدو مفعول ہوتا ہے گویا یہ جملہ دو سوالوں کا جواب ہے۔

سوال نمبر ۱ یہ ہے کہ دودھ پلانے والی عورتوں کی ضروریات پوری کرنے مردوں پر کیوں ضروری ہیں دوسرا یہ کہ ان ضروریات کو کیوں مقدم کیا گیا ہے تو اس کے جواب میں فرمایا لاتکلف نفس الخ۔۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کی ضروریات مردوں پر اس لیے ضروری ہیں کہ عورتیں ضعیف البنیان ہیں اس لیے وہ اپنی ضروریات کے لیے کمانے کی قدرت نہیں رکھتیں دوسرا وہ اپنے ازواج کی خدمات میں لگی رہتی ہیں بنا بریں نہیں فرصت ہی کہاں کہ وہ کمائی کریں اسی بنا پر ان کی کفالت مردوں پر رکھی گئی تاکہ اسلام پر تکلیف العاجز کا شکوہ نہ رہے اسی طرح دوسرے سوال کی تقریر ہے کہ کفالت میں کفایت یعنے بالمعروف کی قید بھی اس لیے ہے تاکہ اسلام سے تکلیف العاجز کا شکوہ نہ ہو۔

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا ماں کو بچے کی وجہ سے دکھ نہ پہنچایا جائے

حل لغات نہی ہے ورنہ اصل لاتضارر (بکسر الراء الاولیٰ) تھا اس وقت اس کا فاعل یہی عورت یعنے والدۃ ہوگا اور اگر بفتح الراء الاولیٰ ہو تو پھر والدۃ مفعول بہ ہوگا اور ضمیر فعل سے مفعول بہ واقع ہوگا پہلی ترکیب کے لحاظ سے معنے یوں ہوگا کہ وہ عورت اس بچہ کو سبب بنا کر بچے کے باپ کو نقصان نہ پہنچائے مثلاً یہ کہ وہ دودھ پلانے سے انکار کردے تاکہ بچہ کی وجہ سے اس کا باپ خوراک و لباس میں اور اضافہ کرے اس کے بعد دودھ پلائے گی ایسے عورت کو نہ چاہیئے۔

وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ اور نہ باپ بچہ کی وجہ سے ماں کو دکھ پہنچائے مثلاً عورت سے بچہ چھین لے باوجودیکہ عورت خود دودھ پلانا چاہتی ہے اور اسے اپنے بچے سے محبت بھی ہے بہر حال مرد کو لائق نہیں کہ وہ عورت کو بچہ کی وجہ سے دکھ پہنچائے اور نہ ہی عورت کو چاہیئے کہ وہ مرد کو بچہ کی وجہ سے تکلیف دے کہ بچہ جنتے ہی جواب دیدے کہ میں اسے دودھ نہیں پلاتی دونوں مطالب کا مآل ایک ہے وہ یہ کہ ہر دونوں مرد اور عورت کو چاہیئے کہ ایک دوسرے پر بچہ کی وجہ سے رنج و غصہ نہ کریں

سوال اس جملہ میں بچہ دونوں کی طرف کیوں منسوب ہوا ہے حالانکہ پہلے تو صرف باپ کی طرف منسوب ہوا۔

جواب تاکہ ان دونوں کو بچہ کی محبت اور ملاطفت ذہن میں اترے کیونکہ وہ ان کا اپنا جگر ہے غیر تو ہے نہیں پھر اس کی وجہ سے جھگڑنے کا کیا معنے دونوں پر حق ہے کہ اس پر شفقت کریں یا اس میں تنبیہ ہے کہ وہ بچہ اس کا مستحق ہے کہ تم دونوں مل کر اس کی اصلاح کرو یہ بالکل

نامناسب ہے کہ اسے تم ضرر پہنچاؤ یا اس کی وجہ سے تمہیں ضرر پہنچے۔

وَعَلَى الْوَارِثِ وارث سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ مرے تو اس کی وراثت کا حقدار یہی بچہ ہو کہ جسے اب دودھ پلاتا ہے یعنے بچے کو دودھ پلانے کے لیے دودھ پلانے والی کی ضروریات وارث کو ادا کرنا واجب ہیں یہ اس وقت ہے جب کہ بچہ کا باپ نہ ہو تو پھر ہر وہ ذی رحم محرم خرچ ادا کرے کہ ان میں کسی ایک کو مرد اور دوسرے کو عورت قرار دیا جائے تو نکاح جائز نہ ہو سکے اس سے ہر قسم کے وارث مراد نہیں خواہ وہ ذی رحم محرم ہو یا نہ بلکہ وہی مخصوص وارث مراد ہیں جس کو ابھی ہم نے کہا خواہ وہ مرد ہو یا عورت مِثْلُ ذَالِكَ یعنے جتنا مقدار بچہ کے باپ پر عورت دودھ پلانے والی کا نان ونفقہ اور لباس وخوراک کا خرچہ واجب ہے اب اس کے نہ ہونے پر وارث ادا کرے۔

مسئلہ دودھ پلانے والی عورتوں اور ذی رحم محرم عورتوں کا نان ونفقہ کا وجوب ہم احناف اسی آیت سے ثابت کرتے ہیں۔

فَإِنْ أَرَادَا پس اگر ماں باپ ارادہ کریں فِصَالًا دودھ چھڑانے کا۔

ف دودھ چھڑانے کو فصالاً سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس وقت بچہ کو اپنی ماں کے دودھ سے جدا کر کے دوسری غذاؤں کی طرف لگایا جاتا ہے یعنے جب بچہ کو مدت رضاعت سے پہلے دودھ چھڑانے کا ارادہ کرلیں بشرطیکہ عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وہ دونوں آپس میں اس بات پر راضی ہوں ان میں ایک کی رضا کافی نہیں اس لیے ممکن ہے کہ دودھ چھڑانے سے بچہ کو تکلیف دینا مطلوب ہو مثلاً عورت دودھ پلانے سے تھک گئی ہے یا مرد خرچ دینے میں بخل کرتا ہے اور بسا اوقات قبل از وقت دودھ چھڑانے سے بچہ کو جسمانی تکلیف لاحق ہو جاتی ہے وَتَشَاوُرٍ اور احوال کے متعلق پورے طور تفتیش وتشخیص کے بعد طے کریں اور اس پر دونوں متفق ہو جائیں۔

حل لغات تشاور مشورہ سے مشتق ہے یعنے استخراج الرای من المستشار جس سے مشورہ لیا جائے اس کی رائے کا اظہار۔

سوال ماں باپ دونوں کی رائے کا متفق ہونا ضروری کیوں ہے؟

جواب باپ کی رائے اس لیے کہ اسے ولایت حاصل ہے اور ماں کی اس لیے کہ وہ بچہ پر زیادہ شفقت رکھتی اور اس کے حال کو بہت اچھا جانتی ہے۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا پس دونوں پر اس کے متعلق کوئی گناہ نہیں اور نہ ہی کوئی حرج ہے جب کہ دونوں دودھ چھڑانے پر راضی ہوں جب کہ دونوں کی رائے متفق ہو گئی اور دونوں نے سوچ بچار کے بعد طے کیا کہ اب بچے کی بہتری دودھ چھڑانے میں ہے اور بہت کم اتفاق ہوا ہے کہ اس معاملہ میں دونوں کی رائے میں خطا واقع ہو۔

مسئلہ کلام یہ کہ جب دونوں ماں باپ بچہ کے متعلق اڑھائی سال یا دو سال سے کم میں دودھ چھڑانے پر راضی ہیں تو انہیں بچہ کے دودھ چھڑانے میں کوئی گناہ نہیں جب کہ دونوں بچہ کی بھلائی اسی میں سمجھتے ہیں۔

وَإِنْ أَرَدْتُّمْ اور اگر تم اے بچہ کے ابا ارادہ رکھتے ہو أَنْ تَسْتَرْضِعُوا یہ کہ دودھ پلانے والی عورتوں سے دودھ پلانے کا مطالبہ کرو أَوْلَادَكُمْ اپنی اولاد کے لیے۔

ترکیب ان تسترضعوا کا مفعول ثانی محذوف ہے اس لیے کہ استرضاع بلا واسطہ بدو مفعول ہوتا ہے مثلاً اہل لغت کہتے ہیں۔

رضع الولد امه بچے نے ماں کا دودھ پیا اور رضعت المرأة ولدها ماں نے اپنے بچے کو دودھ پلایا واسترضعتها الطفل اس عورت سے بچہ کے دودھ پلانے کا مطالبہ کیا پہلا فعل بلا واسطہ متعدی بدو مفعول ہے بعض کہتے ہیں کہ کبھی مفعول کی طرف حرف جر کے واسطہ سے متعدی ہوتا ہے اس کا اصل اولادکم تھا یعنے جب تم اپنی اولاد کے لیے دودھ پلانے کے لیے دودھ پلانے والی کو بچوں کے دودھ پلانے کا کہو۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ تو تمھیں اس کا کوئی گناہ نہیں کہ انھیں دودھ پلانے کا کہو۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ باپ کو حق پہنچتا ہے کہ غیر عورت کو دودھ پلانے کے لیے رکھے اور بچہ کی ماں کو دودھ پلانے سے روک دے

اِذَا سَلَّمْتُمْ جب تم دودھ پلانے والی کے سپرد کرو مَّآ اٰتَيْتُمْ وہ جو تم انھیں دودھ پلانے کی اجرت دینے کا ارادہ رکھتے ہو یہ محاورہ وہی ہے جو دوسری آیت میں ہے فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ یعنے یہاں نفس فعل مراد نہیں بلکہ اس فعل کا ارادہ مقصود ہے بِالْمَعْرُوْفِ اس کا تعلق سلمتم کے ساتھ ہے یعنی وہ شے انھیں دو جو شرعاً و عرفاً اچھی اور مستحسن ہے۔

مسئلہ یہ عطیہ دودھ پلانے کے لیے شرط نہیں بلکہ ندباً و استحساناً ہے کہ انھیں دودھ پلانے کے لیے کچھ دینا بہت مناسب ہے اس لیے دودھ پلانے کی مزدوری یا عطیہ عورتوں کو نقد اور دست بدستی دیا جائے تو بچوں کے دودھ پلانے میں انھیں آسانی ہوگی اور بچوں کی اصلاح و تربیت احسن طریق سے ہوگی

ف بعض مفسرین کہتے ہیں کہ المعروف سے مراد حلال کی کمائی سے دودھ پلانے والی کو مزدوری دی جائے اس لیے کہ دودھ پلانے والی اگر حلال کا رزق کھائے گی تو بچہ کو نفع ہوگا اور اس کی تربیت کے لیے زیادہ مفید ہوگا اہل حکمت کہتے ہیں کہ فطرت کا تقاضا ہے جو شخص کسی عورت کا دودھ پیتا ہے تو اس کے اخلاق کا اثر اسی بچہ پر پڑتا ہے اچھے اخلاق ہوں یا برے اسی لیے کہا گیا ہے کہ بچہ کو ایسی عورت کا دودھ پلانا چاہیے جو احسن الاخلاق اور صلاحیت کی مالک ہو اس لیے کہ بیوقوف اور غلط کار عورت کا دودھ بچے کے اخلاق پر برا اثر انداز ہوتا ہے جس کا ظہور کسی نہ کسی وقت ضرور ہوگا۔

حدیث شریف دودھ عادات کو تبدیل کر دیتا ہے۔

حکایت شیخ ابن محمد الجوینی رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے دیکھا کہ ان کے صاحبزادے امام محمد ابو المعالی رحمہ اللہ تعالیٰ کو ان کی والدہ کے بغیر کوئی دیگر عورت دودھ پلا رہی ہے آپ نے اسی وقت بچے کو اس عورت سے چھین لیا اور اسے الٹا کر کے اس کے اندر جو دودھ داخل ہوا انڈیل دیا بلکہ بچے کے پیٹ کو مل کر اور منہ میں انگلی ڈال کر جتنا دودھ پیٹ کے اندر گیا تھا سب کا سب باہر نکال دیا اور فرماتے تھے کہ بچے کا مر جانا مجھے اتنا تکلیف دہ نہیں ہوگا جتنا کہ اس کی طبیعت بیگانی عورت کے دودھ سے بگڑنے کا غم ہوگا یہی وجہ تھی کہ جب امام ابو المعالی رحمہ اللہ تعالیٰ کو کسی وقت مناظرہ میں تنگی محسوس ہوتی تو فرماتے کہ افسوس ابھی اس عورت کے دودھ کا بقایا میرے اندر موجود ہے ورنہ اتنی تنگی محسوس نہ کرتا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ مذکورہ احکام کی رعایت اور بچوں کے دودھ پلانے اور دودھ پلانے والی عورتوں کے حقوق کے بارہ میں اللہ سے ڈرو وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ یقین جانو کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال سے باخبر ہے اس پر تمھیں جزا و سزا

دے گا. بعض نے کہا اس میں وعید اور تہدید ہے جیسے کہ اہل فہم سے مخفی نہیں ۔

حضرت حسین کاشفی فرماتے ہیں ۔ ؎

گر برہنہ برہ بروں آئی
زود در تہمت جنون آئی
جامہ ظاہری کہ نیست ببر
تو فضیحت شوی میان بشر
فکر آں کن کہ بے لباس ورع
چہ کنی در مقام ہول وفزع
خویشتن در لباس تقویٰ دار
تا شوی در دو کون برخوردار

تفسیر صوفیانہ یہ آیت قواعد صحبت کی تمہید اور احکام معاشرہ میں محاسن اخلاق کی عظمت بیان کرنے پر مشتمل ہے بلکہ مخلوق کے لیے جمیع انواع رحمت وشفقت کو حاوی ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا

حدیث شریف حضور نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے فرمایا جس نے کہا میں نے تو کبھی اپنی اولاد کو بوسہ نہیں دیا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر بدبخت قلب سے رحمت چھین لیتا ہے

حدیث شریف اولاد کی محبت نار جہنم کی آڑ ہے اور ان کو باعزت بنانے میں پلصراط سے بآسانی گزرنا نصیب ہوگا اور ان کے ساتھ مل کر کھانا کھانے میں نار جہنم سے برات حاصل ہوگی ۔

حدیث شریف بندے سے چار خرچوں کے بارے میں سوال نہ ہوگا ۔

١۔ ماں باپ پر خرچ کرنا ۔
٢۔ افطار ۔
٣۔ سحری ۔
٤۔ اپنے عیال پر ۔

ف نرمی ومہربانی ایسے امور میں جو فطرتاً ممدوح ہیں جن کی عوام وخواص تعریف کرتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے

حدیث شریف کا مضمون حکایت کی صورت میں مندرجہ ذیل ہے ۔

حکایت ایک عورت تھی بدکار اس نے ایک دن کتے کو گرمی میں ایک کنوئیں کے ارد گرد پھرتے دیکھا کہ وہ پیاس کے مارے زبان باہر نکالے ہوئے تھا اس نے کنویں سے پانی نکال کر پیاسے کتے کو پلایا اللہ تعالیٰ نے اسے اس عمل پر بخش دیا امام بخاری

رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اس عورت نے اپنا موزہ اتار کر اسے اپنے دوپٹے سے باندھ کر کنوئیں کے اندر سے پانی نکال کر پیاسے کتے کو پلایا۔ تو اللہ تعالےٰ نے اسے بخش دیا۔

سبق توبہ کے بغیر بھی اہل کبائر کی بخشش ہو سکتی ہے یہی اہل سنت کا مذہب ہے دوسرا یہ بھی معلوم ہوا کہ جو بھی کسی بھوکے محتاج کو کھلائے تو وہ ثواب کا مستحق ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ اور وہ جو تم میں فوت ہو جاتے ہیں یعنے ان کی روحیں موت کی وجہ سے قبض کی جاتی ہیں

ف یتوفون کی یا کو فتح سے پڑھا جاتا ہے یعنے وہ لوگ جو اپنے اجل اور عمروں کو ختم کر چکے ہیں۔

حل لغات دراصل شے کو پورا اور مکمل کر لینے کو کہتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے توفی الشئ و استوفاہ مردے پر اس کا اطلاق اس لیے ہے کہ اس نے اپنی عمر اور اجل کو پورا کیا۔

وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا اور اپنے پیچھے عورتیں چھوڑ جاتے ہیں

ف ازواج زوج کی جمع ہے منکوحہ پر زوج اور ازواج کا اطلاق ہوتا ہے اور لیکن اکثر لفظ زوج مرد پر مستعمل ہوتا ہے اور عورتوں کے استعمال کی مثال قرآن پاک میں ہے اسکن انت وزوجك الجنة اور مرد کے لیے جمع ازواج آئے گی اور عورت کے لیے زوجات۔

يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ یہ بار تعدیہ کی ہے یعنی وہ اپنے نفسوں کو انتظار میں ڈالیں جب کہ ان کے شوہر فوت ہو جائیں یہ ترجمہ ہم نے اس لیے کیا ہے تاکہ مبتداء عائد کے بغیر نہ ہو اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا چار ماہ اور دس دن یعنے اتنی مدت کسی سے نکاح نہ کریں اور عشرۃ کی تمیز محذوف ہے یعنی عشرۃ ایام اور عشر کی تانیث لیالی کے اعتبار سے ہے اس لیے کہ اہل عرب کے نزدیک تاریخ کا اعتبار راتوں سے ہے اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ مہینہ کا آغاز رات سے ہوتا ہے اس لحاظ سے دن رات کا تابع ہے۔

نکتہ متوفی عنہا عورت کی عدت چار ماہ دس دن اس لیے متعین ہوئی کہ پیٹ کے اندر اگر لڑکا ہے تو تین ماہ پر متحرک ہوگا اگر لڑکی ہے تو چار ماہ پر۔ ان دونوں میں جو مدت تھی اسی کا اعتبار کیا ہے اور دس دن بڑھانے میں اس مدت کو مزید تقویت پہنچانا مطلوب ہے تاکہ یقین ہو جائے کہ عورت کو حمل نہیں اور وہ یقینی طور کسی سے نکاح کر سکتی ہے ویسے بھی دس دن بڑھانے کی ضرورت کبھی پڑتی ہے کیونکہ ابتداء میں پیٹ میں رہنے والا بچہ ضعف کی وجہ سے معمولی سی حرکت کرے گا اور معمولی سی حرکت سے معلوم نہیں ہو سکتا۔

فائدہ آغاز اسلام میں متوفی عنہا عورت کی عدت مکمل ایک سال تھی اس کے بعد اسی آیت سے وہ حکم منسوخ ہو گیا صرف حاملہ کے حکم کو باقی رکھا گیا کہ ان کی عدت وضع حمل کے بعد ختم ہو گی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔

مسئلہ اگر متوفی عنہا لونڈی ہو اور وہ بھی منکوحہ تو اس کی عدت آزاد کی عدت کا نصف ہوتی ہے اور اسی پر اسلاف کا اجماع ہے والذین یتوفون منکم کا خطاب مومنین کو ہے۔

ف اس سے معلوم ہوا کہ عورت کتابیہ کے لیے یہی عدت نہیں۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ پس جب کہ عدت ختم ہو جائے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ پس تمہیں کوئی گناہ نہیں یہ خطاب حکام اور نیک مسلمانوں کو ہے اس لیے کہ اگر عورت اس عدت کے اندر کہیں نکاح کرنا چاہے تو یہ حضرات اسے روک سکتے ہیں اگر انہیں روکنے کی طاقت ہے ورنہ سلطان وقت کو درخواست دے کر اس عورت کو روک دیں۔ فِيمَا فَعَلْنَ فِي اَنْفُسِهِنَّ اس معاملہ میں جو وہ نفسوں کے بارہ میں کرتی ہیں مثلاً زیب و زینت اور نکاح کے طالبین سے میل جول اسی طرح وہ امور جو عورت کو عدت کے دوران ناجائز اور حرام ہیں بِالْمَعْرُوفِ یہ فعلن کے فاعل سے مفعول ہے اب عبارت یوں ہوگی یعنے وہ عمل کرتی ہیں درانحالیکہ طانے والی ہیں ایسی وجہ کو جس کا شریعت انکار کرتی ہے وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا اور جو بھی تم عمل کرتے ہو اللہ تعالٰے تمہارے ہر عمل کو جانتا ہے اور وہ تمہیں جزا دے گا فلہذا ان کے خلاف عمل نہ کرو۔

ہر کہ عاصی شود بامر خدا

بیخ او را بکند قہر خدا

ف - اس آیت میں تراہص سے تین چیزیں مراد ہیں۔

۱- عدت کے اندر نکاح نہ کرنا اور یہ فرض ہے

۲- جہاں اس کا شوہر فوت ہوا ہے اس جگہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جا کر عدت گزارنا اِلّا بقدر ضرورت اور یہ واجب ہے۔

۳- زیب و زینت نہ کرے۔

سوال آیت تو مجمل ہے اس میں کہاں لکھا ہے کہ عورت فلاں کام نہ کرے اور گھر سے باہر نہ جائے اور زیب و زینت بھی نہ کرے؟

جواب عدت میں عورت کا نکاح نہ کرنا اجماع اسلاف سے ثابت ہے اسی طرح جہاں اس کے شوہر کی وفات ہوئی ہے وہاں عدت گزارنا اور گھر سے باہر جانا اِلّا بقدر ضرورت اسی طرح زیب و زینت بھی نہ کرے یہ تمام مسائل اجماع سے ثابت ہیں۔

جواب حدیث پاک سے ثابت ہے چنانچہ بی بی عائشہ و حفصہ رضی اللہ تعالٰے عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت اللہ تعالٰے اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے اسے حلال نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زائد سوگ منائے ہاں اپنے شوہر کے لیے اسے چار ماہ دس دن کی اجازت ہے۔

سوال عورت پر سوگ منانا کیوں ضروری ہے؟

جواب وہ اس لیے کہ جب اسے عدت کے اندر نکاح کرنا حرام ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ انہی ایام میں زیب و زینت سے پرہیز کرے تاکہ کوئی وہم نہ کرے کہ یہ نکاح کی طالبہ ہے علاوہ ازیں سوگ سے ظاہر ہوگا کہ واقعی اسے نعمت نکاح کے چھن جانے سے بہت سخت افسوس ہے اور وہ نعمت ایسی تھی کہ اسے ہر طرح کی تکالیف سے بچاتی تھی اور نان و نفقہ اور قیام و طعام کی ضروریات پوری کرتی تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ سوگ صرف تین دن ہوتا ہے البتہ تیسرے روز عورت کو چاہیے کہ خوشبو لگائے تاکہ سوگ تین یوم سے زائد نہ ہو اس لیے کہ اگر

تین یوم پورے کرکے چوتھے روز کسی گھڑی میں خوشبو لگائے گی تو زائد از حکم کے جرم کا ارتکاب کر بیٹھے گی اور وہ اس کے لیے حرام ہے

مسئلہ یہ بھی سنت میں شامل ہے کہ جاہلیت کی تمام رسوم کو مٹایا جائے کہ وہ مردگان کے لیے دامن پھاڑے اور چہروں پر تھپڑ اور بال نوچے، جیسے جاہلیت کے دور میں اہل عرب کی عادت تھی اسی طرح کپڑے پھاڑنا بگیوں کی عادت تھی اور چیخ مار کر رونا دھونا اور نوحہ کرنا۔

حدیث شریف میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے امور کے مرتکب سے برأت کا اظہار فرمایا ہے اور جاہلیت کے امور کا ارتکاب کرتا ہے لیکن ہمارے دور کے لوگوں کے اکثر شہروں میں عادت ہے کہ وہ ان عادتوں میں مبتلا ہیں خصوصاً عورتیں ان کی عادت ہے کہ وہ سیاہ لباس پہنتی ہیں کئی ماہ تک ایسے ہی کرتی رہتی ہیں بہت تھوڑے لوگ ایسے ملیں گے جو میت کی فوتیدگی کے بعد اچھے اور نئے کپڑے پہنتے ہوں ورنہ اکثر سیاہ اور پرانے کپڑے ہیں ان سے پوچھا جائے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو تو جواباً یہی کہتے ہیں کہ ماں مر گئی ہے باپ مر گیا ہے وغیرہ وغیرہ اور یہ سلسلہ کئی ماہ تک رہتا ہے۔

شیعہ کی تردید اسی طرح رافضیوں کی عادت ہے کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰے عنہ کی مصیبت کے حزن پر بہت غلو کرتے ہیں اور عاشورہ کے ایام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کا ہر سال سوگ مناتے ہیں اور اس کا نام ماتم رکھتے ہیں اور ان ایام میں علاوہ مذکورہ خرابیوں کے اور زیادتیاں کرتے ہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو غلیظ گالیاں بکتے ہیں اور یہ کام تو ان لوگوں کا ہو سکتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور عذاب ہو اور وہ لوگ گمراہ ہیں شیعوں نے گویا سوگ کی ممانعت کی احادیث سنی بھی نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ مومن کی موت اپنی عورت کی جدائی کے لیے اختیاری ہوئی اور یہ جدائی بہت بڑی طویل ہوتی ہے اسی طرح بندہ سالک کا حال ہے کہ اس کی موت بھی اس کے مابین غیر اختیاری ہوتی ہے پھر اس کی عدت وفا کی تکمیل بھی مطلوب کے حصول پر موقوف ہے جب اس کا محبوب کرم فرمائے تو اسے وصال کی دولت سے نوازے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے ومن یخرج من بیتہ مھاجرا الی اللہ و رسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ مومنین کو تسلی دی جا رہی ہے تاکہ اسے شیطان کے وساوس مطلوب کی ملاقات کے اسباب سے منقطع نہ کریں مثلاً شیطان کا بہت بڑا وسوسہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وصال تو ایک بہت امر ہے بلکہ وہاں تک پہنچنا تو ناممکنات سے ہے پھر اے سالک تو تو نہایت کمزور ہے اور آنا دور دراز سفر اور تیری عمر تو کچھ بھی نہیں پھر کیسے وہاں پہنچ سکے گا اس پر مولی تعالےٰ کا کرم پکار اٹھتا ہے کہ اے سالک گھبرا مت جو شخص مجھے تلاش کرتا ہے وہ مجھے ضرور پا لیتا ہے اور تیرے جیسے بہت سے عشاق اب بھی میری طلب میں موجود ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ قدس اللہ تعالےٰ نفسہ الزکیۃ القدسیہ الرضیہ)

تفسیر عالمانہ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اور اللہ تعالےٰ کے ہاں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ جب عورت کا شوہر فوت ہو جائے اور وہ عورت صاحب مال اور حسین و جمیل ہو اور اس میں بہت سی ایسی خوبیاں پائی جاتی ہوں جن کی وجہ سے اس کے نکاح کے لیے کو رغبت ہے تو پھر ان کے لیے گناہ نہیں کہ نکاح میں اشارہ وکنایہ سے کام لیں چنانچہ فرمایا فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ۔ التعریض بمعنے افہام المعنی بالشئی المحتمل لہ ولغیرہ کسی شے کا مطلب ایسے طریق سے بیان کرنا کہ اس میں مطلوب کے علاوہ کوئی دوسرا مفہوم بھی ہو سکتا ہو۔

مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ۔ الخطبة۔ (بالکسر) یعنے نکاح کی منگنی (و) بالضم یعنے وہ کلام جو وعظ اور زجر پر مشتمل ہو خطاب سے ماخوذ ہے یعنے کلام مثلاً کہا جاتا ہے خطب المرأة ای خاطبها فی امر النکاح یعنے فلاں نے عورت سے نکاح کی بات کی۔

ف یہاں پر النساء سے مراد عورت منکوحة الغیر مراد ہے یا طلاق رجعی کے سوا کسی دوسری طلاق کی وجہ سے عدت گزار رہی ہے تو اسے صراحت کے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجا جائے تو جائز ہے اور اشارہ و کنایہ سے کہا جائے تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ اس سے قبل کسی نے نکاح کا پیغام بھیجا ہے تو اس کی حق تلفی نہ کرے اس وقت اس عورت سے نکاح کا صراحةً پیغام بھیجنا جائز ہے چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمھارے میں سے کوئی نکاح کا پیغام نہ بھیجے جب اس کا بھائی اس سے پہلے نکاح کی بات کی ہو۔

مسئلہ اگر کسی نے عورت کو نکاح کا پیغام بھیج کر پھر صراحةً اس کے نکاح کی بات سے باز آجائے تو پھر ایسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجنا جائز ہے

مسئلہ جس عورت کو نکاح کا پیغام تو بھیجا جا چکا ہے لیکن شک ہے کہ نامعلوم شخص نے اس کے ساتھ نکاح کا ارادہ ترک کر دیا ہے یا تا حال بدستور ہے تو ایسی عورت کو نکاح کے پیام کے متعلق اختلاف ہے بعض کہتے ہیں جائز ہے بعض کہتے ہیں ناجائز ہے۔

مسئلہ اسی طرح وہ عورت جسے طلاق مغلظہ ہوئی یا بائنہ ہے بوجہ لعان یا تو اس کو نکاح کا پیغام بھیجنا اشارةً و کنایةً جائز ہے یا نہ بعض کہتے ہیں جائز ہے اور بعض کہتے ہیں ناجائز ہے۔

مسئلہ وہ عورت جو بائنہ ہوئی ہے لیکن شرعاً اس کے شوہر کے لیے روا ہو کہ وہ عدت کے اندر دوبارہ نکاح کرے مثلاً جس عورت سے خلع ہوا ہے یا جس عورت کا نکاح فسخ ہوا ہے بوجہ عیب کے یا نامرد ہونے کی تہمت سے یا مرد کی تنگدستی کے ثبوت پر تو اس وقت صرف اس عورت کے شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اس عورت کو صراحةً نکاح کا پیغام بھیجے یا کنایةً ہاں اس کے شوہر کے غیر کو اجازت نہیں کہ وہ صراحتاً یا کنایتاً نکاح کا پیغام بھیجے کیونکہ وہ معتدہ ہے صرف زوج کو اس کے پیغام بھیجنے کا حق پہنچتا ہے اور وہ بھی صرف عدت تک (اس کے بعد حکم تبدیل ہو جاتا ہے) اور وہ عورت رجعی طلاق کی عدت میں ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

تعریض کی چند صورتیں تعریض کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کہے کہ میں اچھے اخلاق کا مالک ہوں میں بہت زیادہ خرچ کرتا ہوں اور معاشرہ کے لحاظ سے میرے جیسا اور کوئی نہیں اسی طرح اپنے نفس کی خوب تعریف کرے مگر نہایت مہذب اور شائستہ طریقہ سے تاکہ اس عورت کو اس کے ساتھ نکاح کی رغبت ہو یا یوں کہے اے فلانی تیرے چاہنے والے بہت اور تیرے لیے بہت لوگ حرص رکھتے ہیں اسی طرح ایسے الفاظ استعمال کرے جس میں اس عورت کو محسوس ہو کہ وہ اس سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہے تاکہ عدت گزارنے کے بعد وہ عورت کسی کو نکاح کا وعدہ نہ دے اگر اس سے نکاح کا ارادہ رکھتی ہے اور عدت اور نکاح کی تصریح نہ کرے مثلاً یوں نہ کہے کہ میرا ارادہ ہے کہ میں تیرے ساتھ نکاح کروں یا تیرے ساتھ میرا بیاہ یا تیرے ساتھ منگنی ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال جیسے معتدہ (عدت والی عورت) کے ساتھ عدت میں نکاح حرام ہے اسی طرح صراحت کے ساتھ اسے نکاح کی دعوت دینا بھی حرام ہے۔

اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ (اکننتم) کا مفعول بہ محذوف ہے اور وہ ضمیر ہے جو ما موصولہ کی طرف لوٹتی ہے جو کہ فیما عرضتم میں ہے

یعنے یا تم ان کے ساتھ نکاح کرنے کو چھپاؤ اپنے دلوں میں کہ نہ اسے زبان پر لاؤ اور نہ ہی اسے اشارہ وکنایہ سے کچھ پوچھو ۔

مسئلہ پہلی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ عدت میں نکاح کے لیے اشارہ وکنایہ مباح ہے لیکن تصریح حرام ہے اور اس آیت کے دوسرے جملہ یعنے او اکننتم سے ثابت ہوتا ہے کہ نکاح کی ضرورت کو دل ہی دل میں رکھے اس کا عزم ہو تو بالجزم ہو کہ عدت کے گزارنے کے بعد ضرور بالضرور اسی عورت سے نکاح کروں گا ۔

عدت میں اشارہ وکنایہ کے ساتھ نکاح کی اباحت بتا کر اب اس اباحت کی وجہ جواز بتاتے ہوئے فرمایا عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ بیشک تم انھیں ضرور یاد کرو گے اور تمھیں چونکہ ان سے رغبت ہے اس لیے ان کے ساتھ ہونے سے رک نہ سکو گے نہیں اس مقصود وہی ہے کہ تمھارے لیے عدت میں نکاح کی دعوت اشارہ وکنایہ سے جائز ہے ۔ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا ۔ سرًّا کا منصوب ہونا تو تواعدوھن کے دوسرے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ہے اور یہ جملہ محذوفہ استدراک ہے جس پر ستذکرونھن دلالت کرتا ہے یعنی انھیں یاد کرو اور بے شک انھیں اپنی رغبت کا اظہار کرو لیکن ان سے عدت ختم ہونے تک نکاح کا وعدہ نہ لو بلکہ جس قدر تمھیں رخصت دی گئی ہے اسی قدر پر اکتفا کرو مثلاً یہ کہ نکاح کے لیے صرف اشارہ وکنایہ سے کام لو اور صرف اسے دل ہی دل میں رکھو کیونکہ اس کا سبب وہی وطی ہے جس سے تم خوش ہو گے ۔ اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ط یہ استثناء مفرغ ہے مستثنیٰ منہ وہ ہے کہ جس پر نہی دلالت کرتی ہے یعنی ان متعدد عورتوں سے کسی قسم کا وعدہ نہ لو ہاں وہ وعدہ لے سکتے ہو جس میں شرعاً کسی قسم کی قباحت نہ ہو ۔ یعنی جس میں نکاح کا وعدہ بطریق تعریض وتلویح ہو وَلَا تَعْزِمُوْا یہ عزم سے مشتق ہے العزم عبارۃ عن عقد القلب علی فعل من الفعل قلبی ارادہ میں کسی فعل پر پختہ ارادہ کرنا یہ خود بخود بھی اور الیٰ کے ساتھ بھی متعدی ہوتا ہے ۔

فائدہ لغویہ انسان سے فعل کے صدور کے اسباب کے چند مراتب ہیں ۔

(۱) سانح (۲) خاطر (۳) تفکر (۴) ارادہ (۵) ہمت (۶) عزم ۔ ہمت نفس کا کسی امر پر جمع ہونا اور عزم اس امر کو کر گزرنے کا نام ہے ۔

عُقْدَةَ النِّكَاحِ یعنے عقد نکاح کے لیے پختہ ارادہ نہ کرو کیونکہ عزم دلی ارادہ کو کر گزرنے کو کہتے ہیں اس کا نکاح تعلق عمل سے ہوگا اور عقدۃ النکاح کی اضافت بیانیہ ہے اس کیے یہاں پر عقدہ بمعنے ربط المکلف اجزاء متصف نہیں کیا جائے گا بلکہ اس سے حاصل مصدر مراد ہے یعنے ارتباط شرعی جو کہ عاقدین یعنے زن وشوہر کے نکاح سے حاصل ہوگا ۔

مسئلہ اس میں نہی کی گئی ہے کہ عورت جب عدت گزار رہی ہو اس کے ساتھ نکاح نہ کرو ۔

سوال آپ نے نکاح کی نہی کہاں سے سمجھی جب کہ آیت میں صرف عزم نکاح کی نہی کا ذکر ہے !

جواب اس میں مبالغہ ہے کہ جب نکاح کا عزم ناجائز ہے تو نکاح تو بطریق اولیٰ ناجائز ہے اور ویسے عزم فعل کے صدور سے مقدم ہوا کرتا ہے جب مقدم الشی سے نہی کی گئی تو شئی کی نہی خود بخود ہو گئی کیونکہ قاعدہ ہے مقدمات الشئی کی نہی مستلزم ہے شئی کی نہی کو ۔

حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ یہاں تک کہ کتاب اپنی میعاد تک پہنچ جائے یہاں کتاب سے یہی مکتوب ہے یعنی لکھا ہوا حکم اب معنے یہ ہوا کہ عدت مقررہ اپنی آخری میعاد کو پہنچے وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالےٰ جانتا ہے وہ جو تمہارے نفسوں میں ہے یعنی وہ تمہارے ارادے جو شرعاً ناجائز ہیں فَاحْذَرُوْهُ ۚ اس سے ڈرو اولاً تو ایسے بُرے ارادے نہ کرو اگر ارادہ ہو گیا ہے تو اسے ختم کرو وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ اور جان لو بے شک اللہ تعالےٰ بخشنے والا ہے تمہارے ان ارادوں کو جو صرف خیال میں ہیں لیکن اللہ تعالےٰ کے خوف سے عملاً مذہیں ہوا حَلِيْمٌ حوصلے والا ہے کہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا اس لیے تم دلیل نہ پکڑو کہ جن امور سے تم روکے گئے اس کے ارتکاب پر سزا میں تاخیر کرتا ہے تو اس وجہ سے تمہارے لیے جواز نکل آتا ہے تمہارا یہ خیال غلط ہے فلہٰذا جن امور کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم فرمایا ہے ان پر کاربند ہو جاؤ اور زندگی کو غنیمت سمجھ کر حکمِ الٰہی مانو اور اس پر عمل کرو ورنہ پھر پچھتاؤ گے جیسے کہ کوتاہی کرنے والے حسرت کرتے ہوں گے ۔ ؏

چوں تو اَلستم بد انستم چہ سُود
چوں بدانستم تو اَلستم نبود

فائدہ ۔۔۔ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو زجر و توبیخ فرمائی ہے جو خواہشات نفسانیہ اور شہوات کی طرف میلان رکھتا ہے اور پھر ان کی کسی طرح بھی رخصت شرعیہ نہیں ۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کو اپنی خواہشات پر ترجیح دے اور آل و اولاد اور جان اور عورت میں اگر کوئی مطلب ہو تو صرف اللہ تعالےٰ کے لیے ۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی ہجرت اللہ تعالےٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو جس کی طرف اس نے ارادہ کیا ہے غور کیجیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزا کا ترتب ویسے ہی فرمایا جیسے ان کی آرزو اور تمنا ہے اور ہر ارادہ کرنے والے کو وہی ثواب ملتا ہے جو اس کا قصد اور ارادہ ہے ۔

تنبیہ حدیث شریف میں دوبارہ دنیا کا ذکر نہیں فرمایا اس میں غور خوض کا سبق ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک دنیا اتنی خسیس و ذلیل ہے کہ اس کا ذکر کرنا بھی گوارا نہیں کرتا اور حق یہ ہے کہ دنیا صرف لہو و لعب ہے گویا اس کا وجود نہیں غور کیجیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فہجرتہ الی ماھاجر الیہ فرما کر کیسی حکمت سے ماسوی اللہ سے دور رہنے کا درس دیا ہے ۔

حدیث شریف میں مزید تدبر کا مقام ہے کہ ایک ہی مقام پہ دنیا اور عورت کا ذکر فرمایا ہے باوجودیکہ ان دونوں کی آپس میں بظاہر کوئی مناسبت نہیں لیکن حقیقت میں نگاہ سے مخفی نہیں کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی ہر شئے کا مقصد اعلےٰ شہوت ہے یا مال شہوت کی طرف امرأۃ سے اور مال کی طرف دنیا سے کنایہ فرمایا ۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ ۚ
عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ○ وَإِنْ
طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ
يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا
الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ
قَانِتِينَ ○ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ○

ترجمہ جن عورتوں کو تم نے ہاتھ نہ لگایا اور نہ ہی ان کے لیے مہر مقرر کیا اگر انہیں طلاق دینا ہو تو کوئی حرج نہیں اور انہیں تین کپڑوں کا جوڑا دو وسعت والے کو اسی کے لائق اور تنگدست کے ذمہ اسی کے لائق ہے شرع کے دستور کے مطابق اور یہ نیک لوگوں پر واجب ہے اور جن عورتوں کو تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دی لیکن ان کے لیے مہر مقرر کر چکے تھے تو جتنا مہر مقرر ہوا تھا اب اس کا آدھا مہر دینا واجب ہے ہاں عورتیں خود معاف کر دیں یا وہ عنایت کے طور زائد دے جس کے ہاتھ نکاح کا تعلق ہے لیکن اے مردو تمہیں زیادہ دینا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور آپس میں ایک دوسرے پر احسان کرنے کو مت بھولو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے اور تمام نمازوں پر محافظت کرو بالخصوص درمیان والی نماز کی زیادہ اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں باادب ہو کر کھڑے ہو پھر اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل یا سوار ہو کر جیسے بن پڑے نماز پڑھو پھر جب مطمئن ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی یاد ایسے کرو جیسے اس نے تمہیں سکھایا جو تم نہ جانتے تھے ۔

بقیہ صفحہ گذشتہ ۔

سبق حدیث میں اشارہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ دنیا بلکہ ماسوی اللہ سے علیحدگی اختیار کرے ۔

ف حضرت ابو سفیان دارانی قدس سرہ ، نے فرمایا جس نے تین چیزیں طلب کیں وہ دنیا کی طرف جھک گیا ۔

(۱) طلب معاش (۲) طلب تزوج عورت (۳) طلب قصص و کہانیاں ۔

تفسیر صوفیانہ سالک کو چاہیے کہ علوم شرعیہ میں سے وہ علوم حاصل کرے جو حق و باطل کے مابین امتیاز پیدا کرے اور علوم رسمیہ اور فنون متداولہ سے بھی اتنا قدر پڑھے جتنا کہ حدیث و تفسیر کو سمجھنے کی تقویت نصیب ہو اس سے زائد جھگڑے میں نہ پڑے مثلاً فلسفیات یا دیگر دقیق علوم و فنون ہیں اس لیے کہ قدر ضرورت سے زائد بلکہ حقیقت کی رو سے انہیں پڑھنا ممنوع ہے یہی اہل شریعت و طریقت کا اصول ہے اور یہ مبتدی کے احوال سے ہے اور اہل نہایت کی بات کچھ اور ہے اور یہ کہ سالک علوم ظاہرہ سے بھی اتنا مشغلہ رکھے جو ضرورت کے مطابق ہو ضرورت سے بڑھے گا تو حق کے حصول سے محروم ہو جائے گا اس لیے کہ اس کے وظائف میں سے کہ وہ تنہا

رہے اور انقطاع ماسوی اللہ کا عامل بنے اور ترک کلام اس کا شیوہ ہے بلکہ کسی سے بات کرنا بھی گوارا نہ کرے اور باطل کو ملاتق سے فارغ رکھے اگرچہ وہ علائق علوم ہی کیوں نہ ہوں اپنے سے مشاغل خارجیہ و داخلیہ کو دفع کرے و مشاغل خصوصی ہوں یا عمومی لیکن یاد رہے کہ ان مشاغل کا بالکلیہ ترک کا حکم نہیں ہے بلکہ ان میں مشغولیت غیر مقصود ہے نہ کہ ترک جیسا کہ بعض جہال صوفیہ کا خیال ہے (العیاذ باللہ من ہذا) اس لیے کہ علم مطلقاً نور علیٰ نور ہے اور اسی سے سالک اپنی منازل طے کرتا ہے باقی رہے منتہی سالکین ان کے احوال کا تو کوئی کنارہ ہی نہیں نہ وہ کثرت کی وجہ سے وحدت سے محجوب ہوتے ہیں اور نہ ہی وحدت کی وجہ سے بلکہ وہ مقام اغیار سے پار ہوتے ہیں بلکہ عین مشاہدہ میں مستغرق ہوتے ہیں وہ جہاں نظر ڈالتے ہیں انہیں حق کا مشاہدہ ہوتا ہے بلکہ انہیں غیریت بھی حقیقت نظر آتی ہے ان کی نظروں میں حقیقت و غیریت یکساں ہو جاتی ہے نہ صرف اعتباراً بلکہ حقیقۃً حضور علیہ السلام نے عورتوں کو محبت کا اظہار فرمایا ہے وہ یہی محبت نہیں جسے عوام سمجھتے ہیں اس محبت کا راز مخفی خزانہ ہے اسے وہی جانتے ہیں جنھیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کبریٰ نصیب ہو۔

تنبیہ فقیر جامع ہذہ المجالس النفیسہ یعنے مصنف روح البیان قدس سرہٗ کہتا (فرماتے ہیں) ہے کہ ہم نے یہ کلام اس لیے طویل کر دیا ہے تاکہ کوئی گمان نہ کرے کہ بعض صوفیاء جنھیں جہال سے تعبیر کیا گیا ان کے اقوال خرافات اور باطیل ہیں بلکہ ان کا بھی کوئی محمل ہے ان میں بعض کی طرف میں نے اشارہ کر دیا ہے ہاں وہ شخص معذور ہے جو یہ راستہ نہیں چلا جب وہ اس راہ پر آیا نہیں تو وہ اہل تحقیق و تدقیق کے معارف سے کیسے واقف ہو سکتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں اس آیت میں [illegible] ہے یعنے تمہارے حق مہر کا مطالبہ نہیں اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اگر تم [illegible] کو طلاق دے دو جب ان سے تم نے جماع نہیں کیا۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ آیت میں کلمہ ما مصدریہ ظرفیہ ہے اور اس کا ظرف زماں محذوف ہے اصل عبارت یوں تھی۔ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِیْضَةً کہ ان کے لیے مقرر کردہ حصہ ادا کرو یہاں پر او الا ان لا تلزمند او تعطین حقی کے معنے الا ان ہے یعنی ادا کرو ان کے لیے وہ جو عقد کے وقت حق مہر مقرر کی تھی خلاصہ یہ ہوا کہ کوئی مطالبہ نہیں حق مہر کا طلاق دینے والے پر جب کہ طلاق جماع سے پہلے ہو۔

مسئلہ اگر حق مہر مقرر کر دی گئی ہو تو اس وقت نصف حق مہر ادا کرنا لازمی ہے۔

مسئلہ جب عورت کے لیے حق مہر کی بالکل نفی کی گئی ہو تو اس عورت کے لیے متعہ چند کپڑے ہے نہ نصف حق مہر۔

مسئلہ اگر جماع کے بعد طلاق دی گئی تو مہر دیکھا جائے گا یعنے اگر حق مہر مقرر کی گئی ہے تو کامل حق مہر ادا کرنا ہو گی اگر مقرر نہیں کی گئی تو پھر مہر مثل کامل ادا کرنی ہو گی۔

مَتِّعُوْهُنَّ اس کا عطف مقدر فعل پر ہے اصل عبارت یوں تھی فطلقوھن و متعوھن یعنے انہیں طلاق دے کر انھیں متعہ۔

... وہ چیز یں دو جن سے انہیں فائدہ ہو۔

نکتہ: ان مطلقہ عورت کے لیے متعہ چند کپڑے واجب کرنے میں حکمت یہ ہے کہ مرد نے طلاق دے کر اسے وحشت میں ڈالا ہے شریعت نے متعہ کی ادائیگی سے اس وحشت کا بدلہ دیا ہے۔

شرعی متعہ کی تفسیر متعہ تین کپڑوں کا نام ہے۔ (١) درع یعنے وہ کپڑا جو تمام بدن کو ڈھانپتا ہے (٢) ملحفہ وہ کپڑا جو عورت کو چھپا لیتا ہے جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے۔ (٣) خمار وہ کپڑا جو عورت کے سر کو چھپا لیتا ہے یعنی دوپٹہ یہ کپڑے شوہر کے حال کے مطابق ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا عَلَى الْمُوْسِعِ یہ اوسع الرجل سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کی حالت وسعت پذیر ہو یعنے وہ شخص صاحب وسعت ہو کر دولت مند ہو جائے یعنی وہ شخص کہ جسے دنیوی وسعت حاصل ہو قَدَرُهٗ اس کی طاقت اور امکان کے مطابق وَعَلَى الْمُقْتِرِ اور تنگ دست پر۔ یہ اقتر الرجل سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کوئی محتاج اور تنگدست ہو قتر غبار کو کہتے ہیں یعنے مٹی کے ذرات قلیل آمدنی والے اور تنگدست پر بولا جاتا ہے قَدَرُهٗ اس کی طاقت و امکان کے مطابق اس سے نتیجہ نکلا کہ متعہ کا اعتبار مرد کے حال کے مطابق ہوگا نہ عورت کے حال کے مطابق وہ پانچ درہم سے کم ہو اور نصف مہر مثلی سے زائد نہ ہو اس لیے کہ جو حق مہر ہو جائے وہ مہر مثلی پر فوقیت رکھتی ہے اور متعہ بھی مقرر کردہ مہر کے نصف سے زائد نہ ہو قدر بالسکون و بفتحتین ہر دونوں کا ایک ہی معنے ہے بعض کہتے ہیں کہ اگر بالساکن ہو تو مصدر ہے اگر متحرک ہو تو اسم معدد ہے جیسے عدو عدد اور مد و مدد اور قدر بالسکون بمعنے وسعت جیسے کہا جاتا ہے ینفق علی قدرہ یعنے وہ خرچ کرتا ہے اپنی طاقت و امکان کے مطابق اور بالتحریک بمعنے مقدار۔ مَتَاعًا فعل مذکور کا مصدر ہے انبتکم من الارض نباتا کے قبیل سے ہے یعنے فعل مزید کے ابواب سے ہے اور مصدر مجرد کے ابواب سے یعنی نفع اٹھانے میں جو کچھ حاصل ہونے والا ہے۔ بِالْمَعْرُوْفِ اس وجہ کے ساتھ جسے شریعت اور مروت نے مستحسن فرمایا۔ حَقًّا یہ متاعا کی صفت ہے یعنی عورتوں کو نفع دینا واجب ہے عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ نیک لوگوں پر یعنے وہ لوگ جو اپنے نفسوں کے لیے اللہ تعالٰے کی فرمانبرداری میں نیکی کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔

فائدہ اصولیہ ابن التمجید فرماتے ہیں کہ مطلقہ عورتوں کے چار احوال ہیں۔

١۔ طلاق سے پہلے اس عورت سے دخول نہیں ہوا اور اس کے لیے حق مہر مقرر بھی نہیں ہوئی۔

٢۔ اس سے دخول بھی ہوا ہے اور حق مہر بھی مقرر ہوئی ہے۔

٣۔ اس سے دخول ہوا ہے لیکن حق مہر مقرر نہیں ہوئی۔

٤۔ اس سے دخول نہیں ہوا لیکن حق مہر مقرر ہوئی ہے۔

ف رفع الجناح سے مہر کی نفی مراد ہے وہ بھی مذکورہ بالا صورتوں میں سے صرف پہلی صورت میں اور باقی صورتوں میں حق مہر ادا کرنی پڑے گی اور پہلی صورت میں بھی حق مہر نہ تمام واجب اور نہ بعض اس لیے کہ مہر مثلی کو نصف نصف نہیں کیا جاتا اور کل

حق مہر اس لیے نہیں کہ وہ غیر مدخول بہا ہے البتہ اس کے لیے متعہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَتِّعُوهُنَّ یہ ان کے حق میں ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے یعنی وہ عورتیں جو غیر مدخولہ بہا ہیں اور ان کی حق مہر متعین بھی نہیں ہاں جب ان کے لیے حق مہر مقرر ہو جائے تو اس وقت کامل حق مہر دینی ہوگی نہ متعہ۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً یعنی اگر انہیں طلاق دے دو جماع کرنے سے پہلے جب کہ نکاح کے وقت ان کے لیے تم نے مہر مقرر نہیں کی فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ۔

پس ان کے لیے نصف مہر ہے اس کا جو تم نے مقرر کیا ہے۔

مسئلہ اگر مرد و عورت میں سے کوئی دخول سے پہلے فوت ہو جائے تو کامل حق مہر ادا کرنی پڑے گی جب کہ وہ متعین کر چکے ہیں۔ اگر متعین نہیں ہوئی تو مہر مثل کامل دینی ہوگی۔

اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ یہ استثناء از اعم الاحوال ہے یعنے پس ان کے لیے مہر مقرر کردہ شدہ کا آدھا حصہ ہے ہر حال میں ہاں اس وقت جب کہ وہ عورتیں حق مہر معاف کردیں یعنے اگر مطلقہ عورتیں اپنی حق مہر معاف کردیں پس اس وقت وہ حق مہر معاف ہو جاتی ہے اگرچہ اس سے قبل حق مہر واجب ہے۔ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ط - یا وہ معاف کردے جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے یعنی عقد نکاح کا مالک یعنے زوج چھوڑ دے وہ جو نکاح کی وجہ سے واجب ہوا تھا نصف مہر سے مکمل طور جیسا کہ عام عادت بھی ہے عزت و احترام کی بنا پر ہے اس لیے کہ جب مرد اپنی عورت سے اپنا حق معاف کر سکتا ہے تو عورت بھی اپنا حق معاف کر دے تو کیا حرج ہے۔

ف الذی بیدہ عقدۃ النکاح سے مراد زوج ہے کہ متولی اور عفو کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرد عورت کو حق مہر کامل طور دے آدھا حصہ تو اس لیے کہ اس پر واجب ہے اور دوسرا آدھا جو اس سے معاف ہو گیا تھا وہ بھی دے دے۔

سوال عفو تو وہ شے ہوتی ہے جو وجوب سے زائد ہو یہاں پر زائد از وجوب کا کیا معنے؛

جواب اہل عرب کی عادت تھی کہ نکاح کرتے ہی عورت کو مکمل حق مہر ادا کر دیتے لیکن قبل از دخول طلاق مرد کو حق پہنچتا کہ وہ آدھا حصہ واپس لے لے واپس لوٹانے کے وقت مرد عورت کو آدھا بقایا حصہ معاف کر دیتا اسی بنا پر اسے عفو سے تعبیر کیا گیا۔

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى للتقوی کی لام علت کی ہے جو کہ قرب عفو کی علت پر دلالت کرتی ہے اصل عبارت یوں تھی العفو اقرب من اجل التقوی یعنے عفو زیادہ قریب ہے تقوی کی وجہ سے اس لیے کہ اس وقت مرد کا کچھ مال لینا بھا جائے گا کہ گویا یہ عوض نوش عنہ کے بغیر لے رہا ہے یا یوں کہو کہ ترک مروت بھی تقوی کے خلاف ہے۔

حدیث شریف مرد کے بخل پر اتنا دلالت کافی ہے کہ وہ کہے کہ میں حق کیوں چھوڑوں میں تو مکمل طور لوں گا۔

حکایت اصمعی کی کہانیوں میں ہے کہ ایک اعرابی کسی قوم کے ہاں آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ بہتر کیا شے ہے اعرابی نے کہا معاف کر دینا دوسرے پر احسان کر کے حق کا مطالبہ نہ کرنا کسی سے اپنا حق وصول کرنے سے بہتر ہے۔

(کذا فی المقاصد الحسنہ) ۔

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اور آپس میں اللہ تعالے کے فضل کو مت بھولو، یہاں پر نسیان کا معنی مراد نہیں کیونکہ وہ انسان کے امکان میں نہیں بلکہ نسیان سے ترک الفضل مراد ہے اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالے کے فضل کو نہ بھلاؤ اور فیما بینکم کا مطلب یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کو مکمل طور مہر ادا کرے اور عورت اپنے حق مہر کا مکمل حصہ حاصل کرے آیت میں زن و شوہر سب کو احسان و افضال پر تکمیلہ کرنا مطلوب ہے اور بینکم لا تنسوا کی وجہ سے منصوب ہے ۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ۔ ع

کسے نیک بیند بہر دو سرا
کہ نیکی رساند بخلق خدا

ترجمہ دونوں جہانوں میں ہر وہ شخص نیکی دیکھے گا جو خلق خدا کو نیکی پہنچاتا ہے ۔

اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ بے شک اللہ تعالے تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے جو کچھ بھی تفضل و احسان کرتے ہوا سے ضائع نہیں کرتا اور البصیر اللہ تعالے کے حق میں عبارت ہے اس وصف سے کہ جس سے مبصرات کے اوصاف مکمل طور منکشف ہو جائیں یہ اس سے واضح اور روشن تر ہے کہ گیا ہے کہ ھو ادراک یعنی بصر کا ادراک اس لیے کہ یہ ظاہری اشیا تک محدود ہوتا

ف انسان کو بصر سے دینی فائدے دو ہیں ۔

۱ ۔ اسے معلوم ہو کہ آنکھ اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ آیات اور عجائب الملکوت والسموٰت کو دیکھے اس کی نظر صرف عبرت کے لیے ہو ۔

حکایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا آپ جیسا کوئی اور بھی دنیا میں ہے آپ نے فرمایا ہاں وہ شخص کہ جس کی نگاہ عبرت کے اور اس کی خاموشی فکر اور اس کا کلام ذکر کے طور ہو تو وہ میرے مثل ہے ۔

۲ ۔ اسے معلوم ہو کہ اس کی آنکھ اللہ تعالے کے دیکھنے اور سننے کی جگہ ہے پس اللہ تعالے کے دیکھنے اور سننے اور اس کی اطلاع کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے جو شخص غیر اللہ سے چھپ کر کام کرتا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ وہ اللہ تعالی سے مخفی نہیں تو پھر وہ اللہ تعالے کی نگاہ کی حقارت کرتا ہے ۔

ف مراقبہ اسی طریق سے ہو تو ایمان کے ثمرات میں سے ہے وہ شخص جو جانتا ہے کہ اللہ تعالے میرے حال کو دیکھ رہا ہے پھر بھی گناہ کرتا ہے پھر اس جیسا خسارہ اور نقصان کسے حاصل ہو گا ۔ اور جسے گناہ کے وقت یہ گمان ہو کہ وہ مجھے نہیں دیکھ رہا تو اس جیسا کافر اور کون ہو گا ۔ (کذا فی شرح الاسماء الحسنیٰ الامام الغزالی قدس سرہ) ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب اپنے ہمجولیوں اور دوستوں اور اہل و عیال سے دنیوی لحاظ سے جدا رہنا کوئی گناہ نہیں تو پھر دینی مصلحت پر ان سے جدا ہونا کیسے گناہ ہو سکتا ہے بلکہ

جب بیت اللہ کی زیارت کے لیے ان سے جدا ہونے پر تم ماجور من اللہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لیے جدا ہونے پر تمہیں کیسے گناہ ہو سکتا ہے۔ بیت اللہ کی زیارت کے لیے اہل و عیال اور وطن سے جدا ہونا واجب ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لیے ارواح اور ابدان سے جدا ہونا واجب ہوتا ہے اور درگاہ میں پہنچنے سے پہلے اپنے نفس کو چھوڑ دو پھر آؤ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون اور متعوھن کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے چاہنے والے اور یار ازتمند بہت ہوں اس کے لیے چاہیئے کہ وہ اپنا مال اپنے اقرباء اور احباء کو دے کر اللہ تعالیٰ کی طلب میں جائے تاکہ انہیں مال کی لذت میں اس کی جدائی کا درد محسوس نہ ہو کیونکہ قاعدہ ہے کہ جسے کسی شئے سے محبت ہوتی ہے تو اس سے جلدی سے جان چھڑانا مشکل ہے اور ان پر وہ مال ان کے قرب و بعد کی وجہ سے خرچ نہ کیا جائے بلکہ حکم الٰہی کے مطابق تقسیم کیا جائے جیسے علم میراث کا قانون ہے اس لیے کہ یہ حقیقی طور فوت ہو گیا ہے۔ وان تعفوا اقرب للتقوی میں اشارہ کہ تقوی کی طرف دامن تھام لینا اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کا حق ادا کرنا ہے اور تقویٰ یہ ہے کہ ما سوا اللہ کو بالکل ترک کر دے بلکہ ما سوا کی نفی اللہ تعالیٰ کا وصال اتنا قدر بڑھتا ہے جتنا قدر مخلوق سے تعلق گھٹا دے اور یہ بھی ہے کہ غیر اللہ سے جتنا دور ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گا اتنا ہی اس کا قرب نصیب ہوگا۔ ولا تنسوا الفضل بینکم اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا فضل مت بھولو آخرت میں داخل ہونے اور اس میں پہنچنے کے بعد تو تمام فضل ہی فضل ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جب تم اس کے فضل کو پاتے ہو یا اسے چھوڑتے ہو اور بے شک وہ دیکھنے والا ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ) یہ قاعدہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ بندہ جب مخلوق کی طرف التفات کرتا ہے تو اس سے وہ نور ہٹا لیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس پر مخلوق کے حالات منکشف ہو جاتے ہیں ورنہ اگر اس پر یقین کا نور کھل جائے جو کہ اسے اس علم کی طرف دے اس سے معلوم ہوا کہ دار آخرت دنیا سے بہتر اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ اعلیٰ اور باقی رہنے والا ہے اور اسے یہ عین الیقین کی طرح نظر آئے بلکہ اسے ایسے دیکھے جیسے کسی شخص کو اپنے زیادہ قریب دیکھتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ دنیا میں کون سی شئے اچھی ہے اور یہ بھی خبر ہو جائے گی کہ کس کو فنا ہے قاعدہ ہے کہ جو چیز آنے والی ہو وہ یوں سمجھو کہ وہ موجود ہے خصوصاً جب کہ قرینہ بتا رہا ہے کہ دنیا کے احوال تبدیل ہو رہے ہیں اور اس کے رہنے والے فنا پا رہے ہیں۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جب کسی کے قلب میں نور داخل ہوتا ہے تو دل کھل کر روشن ہو جاتا ہے عرض کی گئی یا رسول اللہ کیا اس کی کوئی علامت ہے جس سے ہم معلوم کر لیں کہ واقعی یہ دل روشن ہے آپ نے فرمایا اس کی علامات یہ ہیں۔

۱۔ دار غرور سے دوری۔

۲۔ دار الخلود کی طرف رجوع۔

۳۔ موت کے نزول سے پہلے تیار رہنا۔

اے اللہ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے دیدار کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں اور انھیں تڑپ رہتی ہے کہ کسی طرح تیرے وصال کا تم کو نصیب ہو ۔ (آمین) ۔

تفسیر عالمانہ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ نمازوں پر محافظت کرو یعنے ان کے اپنے اوقات میں مداومت کرکے انھیں ادا کرو اور الصلوٰت سے دن اور رات کی پانچ نمازیں مراد ہیں جن کی گنتی آیات و احادیث متواترہ سے ثابت ہوئی ہے اور اس آیت شریف کے اشارہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آگے فرمایا الصلوٰۃ الوسطیٰ اور وہ ہے جسے برابر کے دو عدد آگے پیچھے نکلیں اور اس کا کم درجہ پانچ ہے اور تین کو یہ درجہ حاصل نہیں اس لیے کہ اس کے آگے اور پیچھے دو عدد نہیں بلکہ ایک ایک ہے اور ایک عدد نہیں اس لیے کہ عدد اسے کہتے ہیں جس میں دو طرفیں اگر جمع ہو سکیں اور دونوں طرفیں اس سے دوگنی ہوں اور واحد کے آگے پیچھے کوئی طرف نہیں بلکہ کوئی شے بھی نہیں ۔ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى اور درمیانی نماز پر یعنے جو ان دو کے درمیان واقع ہے الوسطیٰ صفت مشبہ کا صیغہ ہے یعنے ان سب سے بڑی فضیلت والی یا افعل التفضیل کا صیغہ اوسط کی تانیث ہے اور اوسط الشیٔ وہ ہوتی ہے جو کسی دوسری سے بہتر اور اعلیٰ ہو ۔

الصلوٰۃ الوسطیٰ کی تفسیر و ترجیح کے دلائل و فضائل

الوسطیٰ سے صلوٰۃ العصر مراد ہے کیونکہ نماز دن اور رات کی دو دو نمازوں کے درمیان واقع ہے ۔

۱ ۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی یوم الاحزاب میں اسی نماز عصر کے فوت ہونے پر کفار کے لیے فرمایا اللہ تعالےٰ ان کی قبروں اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے ۔

۲ ۔ یہ وقت لوگوں کے کاروبار کا ہے کوئی اپنی تجارت میں کوئی اپنی ضروریات میں مصروف ہوتا ہے اس لیے ضروریات کو ترک کرکے اسے ادا کرنے میں بہت بڑی فضیلت ہوگی ۔

۳ ۔ اسی وقت دن اور رات کے ملائکہ کا اجتماع ہوتا ہے ۔

۴ ۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس سے عصر کی نماز فوت ہوگئی گویا وہ اپنے مال اور اہل وعیال سے نقصان اٹھایا یعنے اس کے اوپر خوف نازل ہوگا جیسے وہ اپنے مال اور اہل وعیال کے ضائع ہونے سے خوف کرتا ہے ۔

ف حدیث یوم الاحزاب سے اس پر حجت ہے جو کہتا ہے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ سے نماز عصر مراد نہیں ۔

ف بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ کی اجابت کی گھڑی کی طرح یہ نماز مخفی رازوں سے ایک راز ہے تاکہ لوگ اس کی ادائیگی میں جدوجہد کریں ۔

سوال سیدتنا بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازوں پر محافظت کرو اور صلوٰۃ وسطیٰ اور صلوٰۃ العصر پر بھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "الصلوٰۃ الوسطیٰ" سے عصر کی نماز مراد نہیں ۔

جواب اس میں احتمال یہ ہے کہ الوسطیٰ نماز عصر کا لقب ہے عصر کا لفظ اس کا نام ہے حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے عصر کا لقب ذکر فرمایا ہے اس کے اس نام (کذا فی شرح المشارق لابن الملک)

وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ اور اللہ تعالٰے کے لیے قیام کرو نماز میں قٰنِتِیْنَ ہ فرانبردار ہوکر۔ یہ قوموا کے فاعل سے حال ہے ای ذاکرین لہ فی القیام یعنے اللہ تعالٰے کو یاد کرو نماز کے قیام میں اس لیے کہ قنوت کا لفظ نماز میں ذکر کو کہتے ہیں یا قانتین بمعنے خاشعین ہے یعنی اللہ تعالٰے سے ڈرتے ہوئے۔

ف مروی ہے کہ صحابہ کرام نماز میں کھڑے ہوتے تو اللہ تعالٰے کا خوف طاری ہو جاتا نہ وہ آنکھ کھولتے نہ ادھر ادھر دیکھتے اور نہ ہی نماز میں کنکریوں کو ہٹاتے اور نہ ہی دنیوی بات دل میں لاتے البتہ نسیان سے ایسے امور سرزد ہو جاتے ہیں نماز کے اختتام تک ان کی یہی کیفیت رہتی۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اگر تمھیں دشمن یا کسی اور کا خوف ہو فَرِجَالًا یہ حال ہے اور اس کا عامل محذوف ہے اصل عبارت یوں تھی فصلوا راجلین پس نماز ادا کرو پیدل ہوکر رجال بر اجل کی جمع ہے جیسے صحاب صاحب کی جمع ہے اَوْ رُکْبَانًا یا سوار ہوکر۔ رکبانا راکب کی جمع ہے جیسے فرسان فارس کی جمع ہے۔

مسئلہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰے عنہ کا مذہب ہے کہ نماز پیدل یا سوار ہوکر پڑھنا نا جائز ہے جب ٹھہر نا نا ممکن ہو جائے تو پھر جائز ہے اور جب اسے ٹھہرنا ممکن ہو تو پھر پڑھے ان کی دلیل یہی آیت فان خفتم... لا ہے۔

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ جب تمھیں امن نصیب ہو اور خوف چلا جائے فَاذْکُرُوا اللّٰہَ تو اللہ کو یاد کرو یعنے نماز پڑھو اس لیے کہ نماز ہی تو اللہ کا ذکر ہے چونکہ نماز کا معظم بالشان رکن ذکر الٰہی ہے اس لیے اسے ذکر الٰہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

کَمَا عَلَّمَکُمْ جیسے اس نے تمھیں بتایا یعنے اس کا ایسے ذکر کرو جیسے اس نے تمھیں تعلیم دی۔ مَا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ہ جو تم نہ جانتے تھے یعنے نماز کی کیفیت تمھیں معلوم نہ تھی اس تشبیہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ نماز اس طرح ہو جو اللہ تعالٰے کے ارشاد گرامی کے موافق ہو اور اس عنوان سے بیان کرنے میں ایک راز یہ ہے کہ بندے اللہ تعالٰے کی نعمتیں یاد کریں یا اذکروا اللہ بمعنے اُشکُرُوا اللّٰہ ہے یعنی اللہ تعالٰے کا شکر کرو ان نعمتوں کے عوض میں کہ اس نے تمھیں احکام شرائع کی تعلیم دی کہ تم انھیں نہیں جانتے تھے منجملہ ان کے بوقت امن وخوف اقامتہ الصلوٰۃ ہے۔

نماز کا فلسفہ نماز بمنزلہ مہمانی کے ہے کہ اللہ تعالٰے نے اپنے ماننے والوں کے لیے پانچ وقت مہمانی کے طور مقرر فرمائے جیسے مہمانی میں مختلف قسم کے طعام چنے جاتے ہیں اور ہر طعام میں نرالی لذت اور نرالہ رنگ ہوتا ہے اسی طرح نمازوں میں بھی مختلف قسم کے احکام مقرر کیے گئے ہیں کہ ان میں ارکان ہیں اور دیگر افعال مختلفہ بھی پھر ہر فعل میں نرالی لذت کے علاوہ گناہوں کا کفارہ بھی ہیں۔

حکایت حضرت کعب الاحبار رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰے نے حضرت موسٰی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا اے موسٰی علیہ السلام چار رکعتیں ایسی ہیں جنھیں میرا محبوب احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت پڑھے گی یعنے نماز ظہر کی چار رکعت، تو میں انہیں پہلی رکعت پر مغفرت فرماؤں گا اور دوسری رکعت میں ان کے نامہ اعمال کے

پرچے کو میزان میں بھاری کر دوں گا تیسری رکعت پر ان کے لیے فرشتوں کو ان کی بخشش کے لیے دعا مانگنے پر مامور فرماؤں گا۔ جو ان کے لیے تسبیح پڑھیں گے آسمان اور زمین میں کوئی فرشتہ نہ ہوگا جو ان کے لیے بخشش اور تسبیح نہ پڑھیں بخشش نہ مانگیں۔ اسے میں کبھی عذاب میں مبتلا نہیں کرتا اور چوتھی رکعت پر ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دوں گا انھیں حوریں دیکھیں گی اے موسیٰ علیہ السلام چار رکعت اور ہیں انھیں میرا محبوب احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت پڑھے گی یعنے (صلوٰۃ العصر) اس نماز کے پڑھنے والے مجھ سے جو کچھ مانگیں گے میں انھیں عطا فرماؤں گا اے موسیٰ علیہ السلام تین رکعتیں اور ہیں جنھیں میرا محبوب احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت پڑھے گی یعنے (صلوٰۃ المغرب) جو انھیں پڑھے گا میں اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دوں گا۔ اے موسیٰ علیہ السلام چار رکعتیں اور ہیں انھیں میرا محبوب احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت پڑھے گی یعنے (صلوٰۃ العشاء) وہ ان کے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ثابت ہوں گی اور دنیا سے کوچ کریں گے تو گناہوں سے ایسے پاک اور صاف ہو کر جائیں گے گویا انھیں ماں نے ابھی جنا ہے۔

مسئلہ جو شخص اذان سن لے تو اسے نماز باجماعت ترک کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اس لیے کہ وہ سنّت مؤکدہ ہے اور اس کی بہت بڑی سخت تاکید آئی ہے یہاں تک کہ جس علاقہ کے لوگ نماز باجماعت ترک کرنے کے عادی ہیں تو ان کے ساتھ جنگ کرنا واجب ہے کیونکہ وہ شعار اسلام سے ہے۔

مسئلہ اگر کوئی ایک شخص ترک جماعت کی عادت کرے تو اس پر تعزیر لازم ہوگی اور اس کی گواہی بھی قابلِ قبول نہ ہوگی اسے نصیحت نہ کرنے کی وجہ سے اس کے ہمسائیگاں اور مؤذن و امام بھی گنہگار ہوں گے۔

مسئلہ غنیۃ الفتاویٰ میں ہے جامع مسجد سے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے اگرچہ جامع مسجد میں جماعت کی کثرت بھی ہو اور محلہ کی مسجد میں اگرچہ تھوڑے لوگ بھی ہوں کیونکہ محلہ کی مسجد کا اس پر حق ہے دوسری مسجد کی نہ کثرت جماعت فائدہ دے گی اور نہ لمبا سفر کرجانا اسے مفید ہے۔

مسئلہ پہلی صف اور امام کے بالمقابل کھڑے ہونے میں بہت بڑا ثواب ہے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صفِ اوّل اور امام کے بالمقابل کھڑا ہوتا ہے اس کے اعمالنامے میں سو نماز کا ثواب لکھا جائے گا۔ اور جو شخص صف اوّل کی دائیں جانب کھڑا ہوا سے پچھتر نماز اور جو بائیں جانب کھڑا ہوا سے پچاس نماز اور جو باقی صفوں میں جہاں بھی ہوا سے پچیس نمازوں کا ثواب ملے گا (کذا فی الغنیہ)

مسئلہ صف اوّل میں پہنچنے کے لیے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر نہ جائے اگرچہ درمیان میں کوئی کشادگی بھی ہو۔

مسئلہ ٹخنے سے ٹخنہ (ٹخنہ) ملاکر کھڑے ہوں یہاں تک کہ ایک دوسرے کی گردنیں اور مونڈھے بالمقابل نظر آویں۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صفوں کو برابر رکھو اور ایک دوسرے کے بالکل قریب کھڑے ہو جاؤ اور دونوں کو ایک دوسرے کے بالمقابل بناؤ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم میں شیطان کو تمہاری صفوں کے سوراخوں سے بکری کے بچہ کی طرح گھستا ہوا دیکھتا ہوں۔

شرح الحدیث قولہ الخلو بفتح الخا المعجمہ الفرجہ یعنی سوراخ قولہ الحذف بفتحتی الحا المہملہ والذال المعجمہ الغنم اسود الصغار الحجازیۃ

یعنی حجازی سیاہ بکریوں کا چھوٹا بچہ، کذافی التنویر۔ حقیقی نماز حضورِ قلب اور توجہ تام کا نام ہے۔
کسی نے خوب فرمایا۔ ؎

محراب ابروئی تو اگر قبلہ ام بنود
کے بر فلک برند ملائک نمازِ من

حکایت حضرت شیخ ابو العباس الجوالقی ابتدائی دور میں بوری فروشی کا کام کرتے تھے ان کی خرید و فروخت سے گزارہ چلاتے تھے ایک دن چند بوریاں اُدھار پڑی تھیں لیکن وہ شخص چند بوریاں بھول کر وہاں چھوڑ گیا نماز کا وقت ہو گیا حضرت شیخ نماز میں کھڑے سوچتے رہے کہ نامعلوم یہ کون چھوڑ گیا بعد از فراغت اپنے نوکر سے پوچھا کہ بوریاں کس کی ہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ میں نے یہ کسے دی تھیں نوکر نے کہا آپ نماز پڑھتے رہے یا بوریاں بیچتے رہے یہ بات ان کے دل پر اثر کر گئی آپ نے تمام کاروبار ترک کر دیا اور بوریاں پہن کر ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو گئے پھر وہ مرتبہ پایا کہ دنیا یاد کرتی ہے۔
چنانچہ کسی نے کہا۔ ؎

مردان بسعی و رنج بجائے رسیدہ اند
تو بے ہنر کجا رسی از نفس پروری

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لفظِ نماز کے متعلق بطورِ مبالغہ کے فرمایا ہے جو کہ دو کے درمیان معاملہ ہے چنانچہ فرمایا حافظوا علی الصلوٰت یعنی اس نماز پر محافظت کرو جو میرے اور تمہارے مابین ہے جیسا کہ میں نے اپنے اور بندے کے درمیان نماز کو تقسیم فرمایا اس کا آدھا حصہ میرے لیے اور دوسرا آدھا حصہ بندے کے لیے ہے میرے بندے کے لیے وہ ہے جو مجھ سے مانگے اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں تمھاری حفاظت کروں گا توفیق اور اجابت و قبول اور اس پر ثواب دینے سے اور تم نماز پر محافظت کرو صدق و اخلاص اور حضورِ قلب اور خشوع و خضوع اور عجز و انکسار کے ساتھ مناجات قلب کی محافظت کر کے اسی سے استعانت اور اسی سے ہدایت طلب کر دسکون و وقار اور ہیبۃ و تعظیم اور دوامِ شہود کے لیے اسی کو صلوٰۃ وسطیٰ کہتے ہیں اس لیے کہ وہ انسان کے وسط میں واقع ہے کیونکہ وہ روح اور جسم کے درمیان واسطہ ہے اس لیے اسے صلوٰۃ القلب کہا جاتا ہے اور جس نماز کی محافظت کا حکم ہے وہ یہی صلوٰۃ القلب ہے جس پر دائمی طور شہود نصیب ہوا اس لیے کہ جسم تو کبھی ارکانِ نماز کے ظاہری مسائل پر محافظت کرتا ہے لیکن کبھی انھیں ترک بھی کر دیتا ہے اس لیے اسے محافظت کی صفت سے موصوف نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اسے حضور و شہود کے وصف پر اس کے معانی کی محافظت کی جا سکتی ہے اس لیے کہ یہ قلب کی شان ہے کہ وہ اس طرح اس کی محافظت کرے جیسے حضور و شہود کا حق ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا
عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ
أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَشْكُرُونَ ۝ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ مَّن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ
لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۚ وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ مِن بَعْدِ
مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِن كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ
أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِن دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ
الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝

ترجمہ اور وہ لوگ جو تم میں سے مر جائیں اور بیوہ عورتیں چھوڑ جائیں تو انھیں چاہیے کہ مرنے سے پہلے اپنی عورتوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ انھیں سال بھر کا نان ونفقہ دیا جائے اور انھیں گھر سے نہ نکالا جائے پھر اگر وہ خود گھر سے نکل جائیں تو عورتوں نے جو کچھ اپنے متعلق کیا اس کا تم پر کوئی مواخذہ نہیں اور اللہ تعالےٰ غالب اور حکمت والا ہے اور مطلقہ عورتوں پر بھی مناسب طور نان ونفقہ ہے اور یہ متقین پر واجب ہے اسی طرح اللہ تعالےٰ تمھارے لیے اپنی آیات بیان کرتا ہے کہ کہیں تم سمجھو لے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں تھا جو موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکلے تھے اور وہ ہزاروں تھے تو اللہ تعالےٰ نے ان سے فرمایا مر جاؤ پھر اللہ تعالےٰ نے انھیں زندہ فرما دیا بے شک اللہ تعالےٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو اور جان لو کہ اللہ تعالےٰ سمیع علیم ہے کون ہے جو اللہ تعالےٰ کو قرض حسن دے تو اللہ تعالےٰ اس کے لیے کئی گنا اور بڑھا دے اور اللہ تعالےٰ رزق گھٹاتا اور بڑھاتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کا قصہ نہیں دیکھا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد ہو گزرے ہیں جب انھوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کرو تاکہ ہم اللہ تعالےٰ کی راہ میں لڑیں نبی علیہ السلام نے فرمایا کیا تمھارے طریقے ایسے ہیں کہ تم پر اگر جہاد فرض کیا جائے تو پھر تم نہیں لڑتے انھوں نے کہا کہ کیا ہوا ہمیں کیا ہو گیا کہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں ہم نہ لڑیں حالانکہ ہم اپنے فرض اولاد سے نکالے گئے پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو سوائے چند لوگوں کے باقی سب منہ پھیر گئے اور اللہ تعالےٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے ۔

بقیہ صفحہ گذشتہ

"ان فی ذالک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید " اس لیے کہ یہ ارباب القلوب کے اوصاف میں سے ہے کیونکہ وہ ہمیشہ نماز میں رہتے ہیں ۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق سالک کو چاہیئے کہ وہ موت اور قبر میں داخل ہونے سے پہلے حضور کے حرم دل میں پہنچنے میں جلدی کرے اس لیے کہ جس نماز میں کمی واقع ہو وہ کبھی منظور و مقبول نہیں ہوسکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑا غیور ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ کائنات سے پورے طور روگردانی کرے تاکہ اسے نورِ ذات کا جلوہ نصیب ہو ورنہ اس پر اس شخص کی مثال صادق آئے گی جو عمرو کی تلاش میں زید کو پکارتا رہے تو مرتے دم تک اسے کوئی جواب نہ ملے گا ۔

حضرت شیخ سعدی شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ۔ ؎

آنکہ چوں پستہ دیدیش ہمہ مغز
پوست بر پوست بود ہمچو پیاز
پارسایاں روئے در مخلوق
پشت بر قبلہ میکنند نماز

اللہ تعالیٰ سے توفیق کی درخواست ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ اور وہ لوگ مرجاتے ہیں یہاں پر موت کے منہ کا لقمہ بننے والے کو میت کہا گیا ہے یہ مجاز ہے کہ شے کا نام لے کر اس سے اس کا مآل و انجام مراد لیا گیا ہے اور مجازی معنے پر قرینہ یہ ہے کہ میت کو وصیت نہیں کرتا بلکہ زندہ یا زندگی کے آخری لمحات والا وصیت کرتا ہے وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا اور اپنے بعد اپنی ازواج کو چھوڑ جاتے ہیں وَصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ ان کی ازواج کے لیے وصیت ہے یعنی وہ اپنی ازواج کو وصیت کریں یہ جملہ الذین کی خبر ہے مَتَاعًا یعنے اسباب کی وصیت کریں اِلَى الْحَوْلِ سال تک یا یوں وصیت کریں کہ ان کی عورتوں تک سال تک نفع پہنچاؤ ۔ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ازواجہم سے حال ہے (ای غیر مخرجات)، اب معنی یہ ہوا کہ ان لوگوں کے لیے ضروری ہے جو فوت ہونے والے ہیں کہ مرنے سے پہلے اپنی عورتوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ ہماری موت کے بعد ہماری عورتیں ہمارے گھروں میں سال تک ٹھہری رہیں اور انہیں نان و نفقہ ملتا رہے اور انہیں گھروں سے باہر نہ نکالا جائے ۔

شانِ نزول یہ آیت طائف کے ایک شخص کے حق میں نازل ہوئی اس کا نام حکیم بن الحارث تھا جو طائف سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہوا اس کی اولاد بھی تھی اور ماں باپ اور ایک زوجہ بھی اور وہ یہاں فوت ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وراثت اس کے ماں باپ اور اس کی اولاد کو دے دی اور اس کی عورت کے لیے انہیں حکم دیا کہ سال بھر تک اسے خرچ دیتے رہیں اور اسے اپنے زوج کے گھر سے باہر نہ نکالیں اس عورت کو میراث سے کچھ نہ دیا ۔

ف ابتدائے سال میں عورت متوفی عنہا الزوج کی عدت ایک سال تھی ورثہ پر حرام تھا کہ متوفی عنہا الزوج کی عورت کو گھر سے

باہر نکالیں اس عورت کے لیے طعام و قیام شوہر کے مال سے ضروری اور واجب تھا جب تک وہ گھر سے خود بخود نہ چلی جائے البتہ
اسے میراث سے اور کچھ نہیں ملتا تھا اگر وہ گھر سے چلی جاتی تو اس کا نان ونفقہ بھی ختم ہو جاتا اور مرد پر بھی موت سے پہلے ایسی وصیت
کرنا واجب تھی یہاں تک کہ آیت میراث نازل ہوئی تو اللہ تعالٰی نے یہ حکم منسوخ فرمایا کہ اس کے لیے سال تک قیام و طعام واجب
ہے بلکہ میراث سے چوتھائی حصہ ہے اگر زوج کی اولاد نہ ہو ورنہ آٹھواں حصہ آیت میراث سے قیام کا انتظام بھی منسوخ۔ امام ابوحنیفہ
رضی اللہ تعالٰی کا بھی مذہب ہے۔

مسئلہ متوفی عنہا زوجہا کی سال تک کی عدت چار ماہ دس دن کے حکم سے منسوخ ہوگئی اگرچہ وہ تلاوت کے لحاظ سے مقدم
ہے لیکن نازل ہونے کے لحاظ سے بھی آیت مقدم ہے۔

فَاِنْ خَرَجْنَ پس اگر وہ عورتیں اپنے شوہروں کے گھر سے اپنے اختیار سے چلی جائیں فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ تو تمہارے اوپر
اے ائمہ و حکام کوئی گناہ نہیں فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ اس میں جو وہ کرتی ہیں نیکی سے جس سے
شرع پاک انکار نہیں کرتی مثلاً زیب و زینت اور خوشبو لگانا وغیرہ اور سوگ ترک کر دینا اور نکاح کے خواہش مندوں سے بات چیت
کے پیچھے لگی رہنا۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ ابتدائے اسلام میں شوہروں کے گھروں میں رہنا ان کے لیے ضروری نہیں تھا اور نہ سوگ واجب۔
بلکہ انہیں ان امور پر اختیار تھا کہ شوہروں کے گھروں میں رہ کر نان ونفقہ لیں یا گھروں سے چلی جائیں اور پھر نان ونفقہ کا کوئی مطالبہ
نہ کریں وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ اور اللہ تعالٰی اپنے حکم کے اجراء پر اپنے مخالف کو سزا دینے پر غالب ہے حَكِيْمٌ اپنے احکام
کی رعایت اور اپنے بندوں کے امور کی مصلحتوں کے متعلق حکیم ہے۔ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ اور مطلقہ عورتیں خواہ مدخولہ ہوں یا
غیر مدخولہ مَتَاعٌ نفع دینا یعنے مطلقہ عورتوں کو متعہ دو یہ عام ہے واجبہ ہو یا مستحبہ۔

مسئلہ وہ مطلقہ مفوضہ ہے لیکن اس سے دخول نہیں ہوا تو اس کے لیے متعہ واجب ہے ورنہ اسے (چند کپڑے) دینا
مستحب ہے۔

فائدہ پہلی آیت میں منصوص سے معلوم ہوا تھا کہ متعہ دینا واجب بھی ہے اس لحاظ سے یہ وہم بھی اٹھ گیا کہ ایک ہی
لفظ سے مستحب و واجب کس طرح ثابت کیا گیا ہے بِالْمَعْرُوْفِ یعنے وہ متاع ملتبس بمعروف سے یعنی وہ جسے شرع و
عادت مستحسن سمجھے۔

حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ متقین پر ضروری ہے یعنی متقین کے لیے لائق ایسے ہی ہے یہ حکم وجوبی نہیں لیکن تقوٰی کے شرائط میں سے
ہے کہ عورت سے تبرع ہو تاکہ اس کے قلب کو تسلی ہو اور طلاق سے جو وحشت طاری ہوئی ہے وہ دور ہو جائے كَذٰلِكَ یہ اشارہ
ان احکام کی طرف ہے جو پہلے اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمائے ہیں۔

ف قاضی نے فرمایا اللہ تعالٰی نے وعدہ فرمایا ہے کہ عنقریب وہ اپنے بندوں کو وہ دلائل واحکام بیان فرمائے گا جن کے

کے لیے وہ معاش اور آخرت کے لحاظ سے محتاج ہیں ۔

تَعْقِلُونَ ٥ تمہیں معلوم ہو کہ ان میں کیا اسرار ہیں پھر ان کے لیے اپنی عقل کو عمل میں لاؤ اور ان کے موجبات کے مطابق عمل کرو۔

مثنوی شریف میں ہے ۔ ؎

کشتی بے لنگر آمد مرد شر
کے ز باد کژ نیابد او حذر
لنگر عقلست عاقل را امان
لنگرے دریوزہ کن از عاقلان

تفسیر صوفیانہ مطلقہ عورت جب طلاق کے معاملہ میں مبتلا ہوتی تو اللہ تعالے اس کے دل کی تسلی کے لیے متعہ (چند کپڑے) واجب فرمائے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ مرید صادق جب اپنی طلب صادق میں دوست و اقارب اور رفیقوں کی جدائی اور مال دنیا اور اس کے مرتبہ سے فراق کی وجہ اور اپنے اوطان اور اس کے رہنے والوں سے ہجرت کر کے خواص عباد کے شہروں میں اور طلب فوائد کے لیے دکھ درد اٹھائے تو اللہ تعالے اس پر احسان فرما کر اس کے درد و الم کو دور فرماتا ہے اور اس کے قلب کو ان عند المنکسرۃ قلوبھم من اجلی میں ان قلوب کے قریب ہوں جو میری وجہ سے منکسر ہوں گے متعہ سے جبر نقصان کرتا ہے یہی پریشان حال سالک کے لیے متاع معروف ہوتا ہے جسے وہ حاصل کرنے کے درپے ہے اسی طرح اللہ تعالے اپنے آیات قسم قسم الطاف اور ذیشان مہربانیاں ظاہر کرتا ہے تاکہ تم اس کے انوار الطاف سے کمالات الطاف کو سمجھ سکو ۔ (کذا فی تاویلات النجمیہ)

سبق عاقل کو چاہیے کہ وہ نہ تو دنیا کو دیکھے اور نہ اس کی رنگینیوں پر مست ہو بلکہ اس کے منافع اور اس کے اغراض سے تیزی سے گزر جائے بلکہ طریق حق کے حصول کے لیے تکالیف کو سر پر اٹھائے تاکہ لذات ذات مطلق تک پہنچ سکے ۔

حکایت حضرت شقیق بلخی قدس سرہ کا واقعہ ہے کہ انھیں تین دن تک طعام نہ ملا لیکن عبادت الٰہی میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آنے دیا جب عبادت میں بھوک کی وجہ سے ضعف ہونے لگا تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہنے لگے اے میرے رب مجھے طعام عنایت فرما جب دعا سے فارغ ہوئے تو ایک شخص کو دیکھا کہ وہ انھیں دیکھ رہا ہے جب حضرت نے انہیں دیکھ کر السلام علیکم کہا تو اس نے کہا اے شیخ میرے ساتھ چلیے تاکہ میں آپ کو طعام پیش کروں حضرت شقیق اس کے ساتھ چل پڑے اس نے حضرت شیخ کو اپنے گھر داخل کیا تو دیکھا کہ گھر میں مختلف قسم کے تختے ہیں اور ان پر قسم قسم کے طعام چنے ہوئے ہیں۔ اور دسترخوانوں کے قریب غلمان اور نوجوان لڑکیاں کھڑی ہوئی ہیں شیخ صاحب نے اس سے کچھ کھایا وہ شخص اس کے ساتھ کھڑا رہا جب حضرت شیخ طعام سے فارغ ہوتے تو باہر جانے کا ارادہ فرمایا اس شخص نے کہا اے شیخ کہاں جاتے ہیں آپ نے

فرمایا مسجد میں اس نے عرض کی آپ کا نام کیا ہے آپ نے فرمایا شقیق اس نے عرض کی یہ گھر آپ کا ہے اور یہ لڑکے اور لونڈیاں آپ کی ہیں اور میں آپ کا غلام ہوں آپ نے فرمایا وہ کیسے اس نے عرض کی میں آپ کے والد گرامی کا غلام تھا مجھے انہوں نے تجارت کے لیے بھیجا اس دن سے آج تجارت سے واپس لوٹا ہوں لیکن آپ کے والد مرحوم فوت ہو چکے ہیں حضرت شقیق اب یہ تمام مال آپ کا ہے آپ نے فرمایا اگر یہ لونڈیاں اور غلام میرے ہیں تو میں نے انھیں فی سبیل اللّٰہ آزاد کیا اور یہ مال میرا ہے تو میں نے اسے تمھیں ہبہ کیا اسے لے جاؤ اور آپس میں تقسیم کر لو مجھے اس دولت کی ضرورت نہیں جو اللّٰہ تعالٰی کی عبادت سے روکے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ۔ ؎

تعلق حجا بست و بے حاصلی

چو پیوند ہا بگسلی و اصلی

سبق دنیا ایک ایسا تعلق ہے خصوصاً دور حاضرہ میں اس لیے کہ یہ دور بڑا پُرفتن ہے اس میں دنیا سے دور ہونے والا اس میں مشغول ہونے والے سے افضل ہے ۔

حکایت حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے بہشت کا شراب پیش کیا گیا اور عرض کی گئی کہ آپ اسے پی لیں گے تو موت نہیں آئے گی آپ نے اپنے لشکر سے مشورہ لیا سب نے پینے کا مشورہ دیا صرف قنفدرہ گیا اس سے مشورہ لینے کے لیے گھوڑے اور بازی کو لینے کے لیے بھیجا اس نے آنے سے انکار کر دیا پھر کتے کو بھیجا وہ اس کے ساتھ چلا آیا آپ نے پہلے یہ پوچھا کہ تو گھوڑے اور بازی کے ساتھ نہیں آیا اور کتے کے ساتھ کیوں چلا آیا اس نے کہا گھوڑے اور بازی کے ساتھ اس لیے نہیں آیا کہ وہ دونوں پاؤں سے ننگے ہیں گھوڑا تو دشمن کے ساتھ بھی ہو لیتا ہے اور بازی بھی اپنے مالک کے غیر کی اطاعت کر دیتا ہے اور کتا با وفا ہے کہ وہ اپنے مالک کے سوا کسی دوسرے کی بات نہیں مانتا اور اگر اسے مالک اپنے دروازہ سے ہٹائے تب بھی کہیں نہیں جاتا بلکہ بار بار اپنے مالک کے گھر لوٹتا ہے آپ نے فرمایا کیا بہشت کا شراب پی لوں اس نے کہا نہیں اس لیے کہ آپ کی دنیا کے قید خانے میں عمر بڑھ جائے گی عزت کی موت بھلی اس عیش سے جو قید خانے میں گزاری جائے ۔ ؎

بہر حال اسیری کہ ز بندی بدر
بہترش دان ز امیریکہ گرفتار آید

آپ نے فرمایا بہتر کہا تو نے ۔ اس کے بعد آپ نے اس شراب بہشت کو دریا میں بہا دینے کا حکم فرمایا یہی وجہ ہے کہ اس روز سے دریا کا پانی میٹھا ہے ۔ ؎

تزود من الدنیا فانک راحل

و بادر فان الموت لا شک نازل

و ان امرا قد عاش سبعين حجة

ولم يتزود للمعاد الجاهل

ودنياك ظل فاترك الحرص بعدها

علمت فان الظل لا بد زائل

ترجمہ دنیا میں آخرت کا سامان تیار کر اس لیے کہ یہاں سے تو کوچ کرنے والا ہے اور اس میں مہلت سے کام لے اس لیے کہ موت یقیناً آنے والی ہے اور بے شک اگر کوئی شخص ستر ہزار برس گزارے لیکن آخرت کا سامان تیار نہیں کیا تو وہ بہت بڑا جاہل ہے اور تجھے معلوم ہے کہ یہ دنیا تیرے سایہ کی طرح ہے اور یہ بھی تمہیں یقین ہے کہ سایہ آخر مٹ جاتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔ ع

کہ اندر نعمتے مغرور غافل

گہے از تنگ دستی خستہ ریش

چو در سرا و ضرا حالت اینست

ندانم کے بحق پردازی از خویش

اے اللہ ہمیں موانع سے محفوظ فرمائیے۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ دیار دار کی جمع ہے یعنے اپنے گھروں سے اگرچہ بظاہر یہ خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن معنوی اعتبار سے یہ خطاب ہر اس شخص کو ہے جو بھی ان اہل کتاب و اہل تواریخ کا قصہ سنے گا پھر بمقتضائے ظاہر الم تعلم قصتھم کہنا چاہیے تھا لیکن ان کے سماع کو بمنزلہ رویت کے قرار دیا گیا ہے اس بات پر تنبیہہ ہے کہ ان کا واقعہ اتنا ظاہر اور مشہور ہے کہ گویا وہ آنکھوں کے آگے ہے اس لیے الم تر سے خطاب کیا گیا اس سے ان کے قصہ سے تعجب دلانا اور ذہنوں میں راسخ کرنا مطلوب ہے یعنے جس پر نفی داخل ہوئی اس کا اقرار کرنا مقصود ہے۔

ف امام واحدی رحمہ اللہ تعالٰے فرماتے تھے کہ یہاں رویت سے رویت قلبی بمعنے علم مراد ہے۔

سوال الم تر کو الیٰ سے متعدی کیا گیا ہے حالانکہ یہ باب تو متعدی بنفسہٖ ہوتا ہے کیونکہ اس سے ادراک قلبی مراد لیا جاتا ہے۔

جواب یہ وصول و انتہاء کے معنے کو متضمن ہے اب معنیٰ یوں ہوا الم ینتہ علمک الیھم کیا تمہارا علم ان کے واقعہ تک نہیں پہنچا اسی لیے اسے الیٰ سے متعدی کیا گیا ہے۔

قاعدہ مفسرین فرماتے ہیں جہاں پر بھی قرآن پاک میں الم تر کا لفظ آیا ہے اور وہ واقعہ بظاہر حضور علیہ السلام نے معائنہ نہیں فرمایا تو وہاں پر یہی معنےٰ مراد ہوگا اگرچہ بہ باطن وہ واقعہ حضور علیہ السلام کے پیش نظر ہوتا ہے۔

ف تفسیر تیمیسیر میں ہے کہ الم تر بمعنے اعلم ذالك ہے یعنے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کو جان لیجئے۔

ف کواشی کی تفسیر میں ہے کہ اس کا معنے وجوب کا ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب ہمزہ استفہام نفی یا استفہام پر داخل ہو تو اس وقت تقریر وایجاب کا معنے ہوتا ہے اب معنے یہ ہوا کہ آپ کو ان لوگوں کا واقعہ معلوم ہے جو اپنے گھروں سے نکلے تھے۔ الخ۔

ف ابن التجید اپنے حواشی میں فرماتے ہیں کہ الم تر کے لفظ سے کبھی وہ شخص مخاطب ہوتا ہے جسے اس قصہ کا علم پہلے ہو۔ اور کبھی وہ شخص مخاطب ہوتا ہے جسے اس کا علم پہلے نہ ہو مثلاً کوئی شخص دوسرے سے کہے الم تر الی فلان ای شئ فلاں کو تم نے نہیں دیکھا کہ وہ کیا شے ہے اس نے اس کی ابتداً تعریف کرنا مطلوب ہوتی ہے۔

ف اس کے مخاطب یہاں پر وہ لوگ ہیں جو اس کا علم نہیں لیکن انہیں اس واقعہ کا علم خطاب سے پہلے تھا مثلاً مورخین وغیرہ انہیں یہ واقعہ اللہ تعالےٰ نے یاد دلا کر عبرت دلائی ہے یا اس کا مخاطب ہر وہ ہے جسے اس کی رؤیت حاصل ہو سکے اس لیے کہ یہ واقعہ اتنا عام اور مشہور ہے کہ ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ اسے معلوم کر کے اس کا آنکھوں سے مشاہدہ کرے تاکہ اسے عبرت حاصل ہو۔

وَهُمْ اُلُوْفٌ - الف کی جمع ہے جو کہ یہی منجملہ اسمائے عدد سے ہے اس میں اختلاف ہے کہ وہ لوگ گھروں سے نکلنے والے کل کتنے تھے اس کے ظاہر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دس ہزار سے زائد تھے اس لیے کہ الوف جمع کثرت تھی اور قاعدہ ہے کہ دس ہزار اور اس سے کم پر "الوف" کا استعمال نہیں ہوتا۔ حَذَرَ الْمَوْتِ یہ خرجوا من دیارھم کا مفعول لہ ہے یعنی وہ لوگ موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکلے۔ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ پس اللہ تعالےٰ نے فرشتوں کے ذریعے فرمایا۔

سوال اس کو اللہ تعالےٰ کی طرف کیوں مسند کیا گیا ہے ؟

جواب صرف ڈرانے اور دھمکانے کی وجہ سے اس لیے کہ قادر قہار اور مالک جبار کے قول کی شان کچھ اور ہے۔ اور مخلوق کی کچھ اور۔

مُوْتُوْا مرجاؤ عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے بعد فماتوا ہو (پس وہ مر گئے) جیسے قول باریتعالےٰ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ سے معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ احیاء (زندہ کرنے) کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے ان پر موت طاری کی جائے ثم احیاھم پھر اللہ تعالےٰ نے انہیں زندہ کر کے لوٹایا تاکہ وہ اپنی بقایا عمریں گزاریں اور سمجھیں کہ اللہ تعالےٰ کی تقدیر سے بھاگنے کی یہ سزا ہے۔

ف حضرت ابن العربی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ موت انہیں سزا کے طور طاری ہوئی اور یہ عام قاعدہ ہے کہ سزا کی موت کے بعد زندہ کیا جاتا ہے لیکن حقیقی موت کے بعد پھر زندہ نہیں کیا جاتا۔

لہ موت، غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جس بڑھیا کے بیٹے کی بارات کشتی سمیت زندہ کر کے دکھلایا وہ اسی قسم کی موت تھی۔ تفصیل فقیر کے رسالہ "اماطۃ الاذی" میں ہے

ف حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور موت طاری کر کے پھر انھیں بقایا زندگی گزارنے کے لیے زندہ فرمایا۔

واقعہ کی تفصیل ان کے واقعہ کی تفصیل یُوں ہے جسے مفسرین نے لکھا کہ وہ بنی اسرائیل کی ایک قوم تھی جو واسط کے دیہاتوں میں داوردان نامی گاؤں میں رہائش رکھتی تھی اس میں طاعون آیا جو ان میں اعلٰی دولت اور دنیا وہر قسم کے لوگ تھے طاعون کی وجہ سے چلے گئے لیکن غرباُ اور عوام وہاں ہی قیام پذیر رہے جو نہ جا سکے ان میں اکثر طاعون کی وجہ سے مَر گئے اور جو چلے گئے تھے انھیں کچھ نہ ہوا اور وہ صحیح وسالم گھروں کو واپس لوٹے وہ غرباُ اور عوام جو بچ گئے انھوں نے کہا ہمارے وہ صاحبان اچھے رہے جو گھروں کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اب اگر طاعون آیا تو ہم بھی اپنے گھروں کو چھوڑ کر چلے جائیں گے اور وہاں جا کر بسیں گے جہاں وبار طاعون نہ ہوگا چنانچہ پھر دوسرے سال طاعون آیا تو وہ غرباُ اور عوام بھی گھروں کو چھوڑ کر چل نکلے اور دو پہاڑیوں کے درمیان ایک وادی میں ڈیرہ جما لیا جب وہ پورے طور اس وادی میں اتر چکے اور اب ان کا خیال تھا کہ ہم ہلاکت سے بچ گئے لیکن جونہی آرام وسکون کا سانس لیا تو ایک فرشتے نے اس وادی کے نیچے سے اور دوسرے نے اوپر سے آواز دی مرجاؤ اس آواز سے بغیر کسی بیماری کے وہ سب کے سب اللہ تعالٰی کے حکم اور اس کی مشیت سے مر گئے یہاں تک کہ ان کے جانور بھی جو ان کے ساتھ تھے وہ بھی مَر گئے انہیں صرف آٹھ دن ہی گزرے تھے کہ ان کے اجسام نوچ کر پھوٹنے لگے اور بدبو پھیلنے لگی اس علاقہ کے لوگ انہیں دفنانے آئے لیکن عفونت کی وجہ سے اسے دفن نہ کر سکے چنانچہ یہ تجویز پاس ہوئی کہ ان کے اردگرد چار دیواری کھڑی کردی جائے۔ تاکہ انھیں درندے نہ کھا سکیں چنانچہ ایسے ہی کیا گیا اس کے بعد ایک عرصہ گزرا جس میں ان کے اجسام گل سڑ گئے اور ہڈیاں چور چور ہو گئیں اس کے بعد ان پر وقت کے نبی بنام حضرت حزقیل بن بُوزی علیہ السلام کا گزر ہوا یہ حضرت موسٰی علیہ السلام کے وصال کے بعد تیسرے خلیفہ تھے جو بنی اسرائیل میں نبوت موسوی کے پیغام پہنچانے پر مامور تھے حضرت موسٰی علی نبینا وعلیہ السلام کے وصال کے بعد بنی اسرائیل کے لیے موسٰی علیہ السلام کی خلافت میں یوشع بن نون ہی مقرر ہوئے پھر کالب بن یُوحنا پھر حزقیل علٰی نبینا وعلیہم السلام انھیں ابن العجوز بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کی والدہ نے اللہ تعالٰی سے دعا مانگی کہ مجھے بچہ عطا ہو جب کہ وہ بوڑھی اور بالکل بانجھ ہو چکی تھیں اس کی دعا مستجاب ہوئی بڑھاپے میں بچہ پیدا ہوا حضرت حسن فرماتے ہیں کہ یہ وہی ذوالکفل علیہ السلام تھے اور ان کو اسی لیے ذوالکفل کہا جاتا کہ وہ ستر نبیوں کے کفیل ہوئے ان کی وجہ سے انہیں قتل سے نجات ملی۔

ستر نبیوں کا واقعہ

واقعہ یوں ہوا کہ ستر نبیوں کے قتل پر یہود آمادہ تھے حضرت ذوالکفل نے نبیوں سے کہا تم چلے جاؤ میں تمھارے عوض مارا جاؤں گا اور کہا تمھارے لیے میرا قتل کیا جانا میرے لیے بہتر ہے چنانچہ جب وہ چلے گئے تو یہود آگئے ذوالکفل بیٹھے ہوئے تھے

ان سے نبیوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا واللہ علم وہ کہاں گئے اللہ تعالٰے نے اپنے فضل وکرم سے ذوالکفل کو بھی یہودیوں کے قتل سے بچا لیا۔

بنی اسرائیل کا بقایا واقعہ جب حضرت حزقیل علیہ السلام کا ان مرے ہوئے لوگوں پر گزر ہوا ان کی کیفیت سے متعجب ہوئے اور بڑی دیر تک انھیں دیکھتے رہے اللہ تعالٰے نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کو ان کے متعلق معجزہ دکھائیں عرض کی ہاں اللہ تعالٰے نے فرمایا آپ ان پکاریئے ہو کر کہیں اے ہڈیو! اللہ تعالٰے تمہیں فرماتا ہے کہ تم اکٹھی ہو جاؤ آپ نے یہی کلمات کہے تو وہی ہڈیاں اوپر نیچے سے ایک دوسرے کے ساتھ مل گئیں اور جسم بن گئیں! جن میں نہ خون اور نہ ہی ان پر گوشت تھا۔ صرف خالی ڈھانچے پھر اللہ تعالٰے نے فرمایا انھیں فرمایئے اے ارواح اللہ تعالٰی تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم ان میں قائم ہو جاؤ چنانچہ آپ کے اس طرح کہنے پر وہ سب لوگ زندہ ہو گئے اور زندہ ہوتے ہی کہنے لگے۔ سبحانک اللھم وبحمدک لا الٰہ الا انت اس کے بعد ان میں اور ان کی اولاد میں آج تک وہی بوآتی ہے پھر وہ لوگ زندہ ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹے اور ایک عرصہ تک زندہ رہے لیکن موت کے آثار ان کے چہروں سے نمودار تھے وہ جب کپڑے پہنتے تو کفن کی طرح پرانے اور غبار آلودہ ہو جاتے یہاں تک کہ وہ پھر طبعی موت سے مرے۔

سبق اس واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ مسلمانوں کو جہاد کے لیے بہادری دکھانی چاہیئے اور شہادت کے اسباب میں در پے رہنا چاہیئے یہ واقعہ توکل پر برانگیختہ کرتا ہے اور مسلمان پر لازم ہے کہ وہ سر تسلیم خم رہیں اس لیے کہ موت نے تو چھوڑنا نہیں جہاں بھی کوئی ہو موت سے بھاگنے کا کوئی فائدہ نہیں پھر موت کے منہ میں جانا جہاد فی سبیل اللہ سے کم نہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ بے شک اللہ تعالٰے بہت بڑے فضل والا ہے۔ عَلَی النَّاسِ تمام لوگوں پر ان لوگوں کو اس لیے زندہ کیا گیا تاکہ وہ عبرت پکڑیں اور پھر سعادت عظمٰی حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہیں اور وہ لوگ جو اس واقعہ کو سنیں انہیں عبرت اور غور وفکر کی جانب ہدایت ملے گی۔ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ ۝ اور لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ اہل اسلام تو اپنے معجزے کے اظہار سے اور اہل کفر کر کے۔ وَقَاتِلُوْا یہ خطاب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ہے اور اس کا محذوف مقدر پر عطف ہے اصل عبارت یوں تھی فاطیعوا وقاتلوا پس اللہ تعالٰے کی اطاعت کر کے جنگ کرو۔ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ تعالٰے کے راستہ میں اس کے دین کو بلند کرنے کے لیے یہ یقین کر کے کہ جنگ سے بھاگنے سے موت سے جان نہیں چھوٹے گی اللہ تعالٰے کی تقدیر پر ہو کر رہے گی پھر دو لذتوں میں سے کسی ایک سے محروم نہ ہو جاؤ۔

(۱) مدد الٰہی اور ثواب - (۲) اللہ تعالٰے کی راہ میں مر جانا۔

ف: یہی ہمارا عقیدہ ہے کہ مردوں کو زندہ اور حیات بخشنا اللہ تعالٰے کا کام ہے لیکن سبب اولیاء وانبیاء علیہم السلام بنتے ہیں اور اسی سبب سے ہم مجازاً کہہ دیتے ہیں کہ اولیاء وانبیاء مردہ زندہ کرتے ہیں۔ ۱۲ -

وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ اور یقین کرو بیشک اللہ تعالٰے سمیع ہے اس کی بات بھی سنتا ہے جو کسی دوسرے کی ترغیب سے جنگ پر حاضر ہوا اور اس کی بات بھی جو کسی دوسرے کی نفرت دلانے سے جنگ پر نہ جا سکا۔ عَلِيْمٌ ۝ جانتا ہے تمہارے وہ اعمال جو تم اپنے دلوں میں چھپاتے ہو اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ جنگ سے محروم رہنے والا جنگ پر کیوں نہ حاضر ہو سکا اور مجاہد کے جہاد اور اس کی غرض اور نیت کو بھی جانتا ہے کہ وہ جنگ پر حاضر ہوا تو کیوں اسے دینی مفاد مدِّنظر تھا یا دنیوی۔ اس کی اگر دنیوی غرض ہے تو اسے اخروی ثواب نصیب نہیں ہوگا۔

ف ۔۔۔ اسے ان لوگوں کی مذمت کرنا مطلوب ہے جو اپنے گھروں سے نکل گئے پھر ان کی سزا ان کی موت مقرر فرمائی اور جس بات کو وہ اپنی نجات سمجھتے تھے ان کو ان کے لیے خسارہ اور نقصان بنا دیا۔

مسئلہ اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ جنگ سے بھاگنا مکروہ ہے۔

مسئلہ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ طاعون آ جائے تو توکل علی اللّٰہ کر کے وہاں ثابتِ قدم رہنا بہت بڑا ثواب ہے۔

حدیث شریف میں ہے طاعون سے بھاگنا جنگ سے بھاگنے کی طرح ہے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ منہی عنہ فعل کا ارتکاب کرنا حرام ہے اور وہ کبائر سے ہے۔

حکایت مروی ہے کہ عبدالملک طاعون سے رات کو سواری پر سوار ہو کر بھاگ نکلا اور ایک نوکر کو ساتھ لیا طاعون کے ڈر کے مارے سواری سے نیچے اترتا تھا یہاں تک کہ نیند بھی سواری پر کرتا تھا ایک دن اپنے غلام سے کہا مجھے کوئی نصیحت کیجیے اس نے کہا میں کون لگتا ہوں کہ آپ کو نصیحت کروں اس نے کہا کچھ تو سنائیے اس نے پھر بھی انکار کیا عبدالملک نے کہا کوئی سنی سنائی بات سناؤ غلام نے کہا میں نے سنا ہے کہ ایک لومڑی شیر کی خدمت کرتی تھی اور اس کے ذمہ تھا کہ وہ شیر کی نگرانی کرے اور ہر اس بلا کو روکے جو شیر کو نقصان دینے کے درپے ہو لومڑی نے دیکھا کہ عقاب اوپر اڑ رہا ہے لومڑی نے شیر کو کہا کہ کہیں آپ کو عقاب اٹھا کر نہ لے جائے لومڑی نے یہ تدبیر کی کہ شیر کو پیٹھ پر اٹھا کر وہاں سے بھاگ نکلے شیر لومڑی کی پیٹھ پر بیٹھ گیا اور لومڑی اسے اٹھا کر وہاں سے بھاگ نکلی لیکن اللّٰہ تعالٰے کی تقدیر کو کون روک سکتا ہے جونہی عقاب نے نیچے نظر دوڑائی اسے وہی شیر نظر آیا اس نے ایک جھپٹ ماری اور شیر کو اٹھا چلا لومڑی روتی رہی اور کہتی تھی اے ابوالحارث (شیر کی کنیت ہے) میں نے اپنا پورا زور لگایا لیکن خدا تعالٰے کی تقدیر کا کون مقابلہ کر سکتا ہے زمین والوں سے تو میں تیری حفاظت کرتا تھی لیکن آسمان والوں کی حفاظت سے میں بے بس ہوں۔ یہ کہانی سن کر عبدالملک نے اپنے غلام سے کہا تو نے مجھے بہترین نصیحت کی ہے بس اب واپس لوٹتے ہیں

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

یہ کہانی سن کر عبدالملک اللّٰہ تعالٰے کی تقدیر پر راضی ہو گیا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

قضا کشتی آنجا کہ خواہد برد
وگر ناخدا جامہ برتن درد

در آبیکہ پیدا نباشد کنار
غرور شناور نباید بکار

مسئلہ تقدیر مبرم ہو کر رہتی ہے وہاں تدبیر کوئی کام نہیں دیتی ۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا خطرہ تقدیر کو نہیں روکتا ۔

مسئلہ تقدیر معلق صدقہ وغیرہ سے ٹل جاتی ہے ۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ اور صلہ رحمی عمروں کو بڑھاتے ہیں ۔

فائدہ بعض محققین فرماتے ہیں کہ مقدرات دو قسم پر ہیں ۔

۱ ۔ مخصوص بالکلیات ۔

۲ ۔ مخصوص بالجزیات التفصیلیۃ ۔ کلیات مخصوصہ بالانسان وہ ہیں کہ جن کی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور وہ چار ہیں ۔ (۱) روزی ۔ (۲) عمر ۔ (۳) اجل ۔ (۴) سعادت وشقاوت ۔

یہ امور تغیر پذیر نہیں ہو سکتے انہیں دعا بھی صدقہ کی طرح کوئی فائدہ نہیں دیتی ہاں بطریق فرض محال کہا جا سکتا ہے کہ اگر کسی کا رزق بڑھتا صلہ رحمی کرنے والے کا بڑھتا اگر کسی کی عمر بڑھتی تو اس کی بڑھتی یہ اس وقت ہے جب کوئی حکمت بتانا مطلوب ہو چنانچہ بطریق فرض محال کے اللہ تعالٰے کی اولاد کا کہا گیا قل ان کان للرحمن ولد فانا اول العبدین باقی رہے جزیات اور ان کے لوازم تفصیلیہ تو ان کے متعلق یہ ہے کہ کبھی ان کا ظہور ہو ہی جاتا ہے اور انہیں انسان کبھی پا لیتا ہے جب کہ ان کے اسباب وشرائط پائے جائیں ان کے اسباب وشرائط یہی ہیں ۔ (۱) دعا ۔ (۲) کوئی نیک عمل ۔ (۳) جد وجہد کوشش وغیرہ وغیرہ یعنی ان کا حصول ان شرائط واسباب کے بغیر ناممکن ہوتا ہے ۔

حکایت حضرت عیسٰی علیہ السلام کے سامنے ایک دھوبی گزرا آپ کے پاس آپ کے خدام بیٹھے تھے آپ نے فرمایا اس دھوبی کی موت ظہر کے وقت واقع ہو گی اور اس کا جنازہ میرے پاس لانا لیکن ظہر کے وقت تک وہ نہ مرا حضرت عیسٰی علیہ السلام حیران تھے کہ اس کی تقدیر کیوں بدل گئی جب کہ میں نے اس کی تقدیر کو دیکھ کر کہا تھا اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے ان سے عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا یہ کیسے ہوا تم نے تو مجھے اس کی موت کی خبر دی تھی لیکن وہ مرا نہیں جبریل علیہ السلام نے عرض کی اس کی موت تین روٹیاں دینے کے صدقہ ٹل گئی ہے ۔

ف اس تفسیر کے پہلے پارہ میں فانزلنا علی الذین ظلموا رجزا الخ کے تحت طاعون اور اس سے بھاگنے کے متعلق ہم تفصیل سے لکھ آئے ہیں وہاں دیکھئے ۔

تفسیر صوفیانہ امام قشیری رحمہ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں وقاتلوا فی سبیل اللہ ... الخ اگر تمہیں کوئی دکھ اور مصیبت پہنچے تم سے کوئی آہ وفغاں ہوئی تو یقین کر لو اللہ تعالٰے تمہارے آہ وبکا کو سنتا ہے اور تمہارے حالات کو

جاتا ہے ۔

مسئلہ یہ آیت ان لوگوں کے لیے تسلی کا سامان ہے جنہیں دکھ اور درد پہنچتے ہیں ۔
کسی نے خوب فرمایا ہے

اذا تمنی الناس روحا و راحۃ
تمنیت ان اشکو الیک و تسمع

ترجمہ جب لوگ راحت و سرور طلب کرتے ہیں تو میں دکھ اور درد مانگتا ہوں کہ میرے دکھ و درد کے بعد میری آہ و فغاں
کو تو ہی سنتا ہے ۔

اے اللہ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیری جناب میں بھاگ کر آتے ہیں اور ان کا صرف تیری طرف میلان ہے ۔

تفسیر عالمانہ مَنْ استفہامیہ ہے اس میں صدقہ دینے کی ترغیب ہے اور یہ مبتدا ہے ذَا یہ اشارہ قرض دینے والے کی طرف ہے اور یہ مبتدا کی خبر ہے یعنے کون ہے وہ الَّذِیْ لفظ ذا کی صفت ہے یُقْرِضُ اللّٰہَ
اللہ تعالے کو قرض دے قرض دراصل کاٹنے کو کہتے ہیں اسے قرض اس لیے کہتے ہیں کہ دینے والا اسے اپنے مال کا کچھ حصہ کاٹ
کر دیتا ہے تاکہ اس کی طرف اتنا مقدار حاصل ہو اللہ تعالے کو قرض دینے کا معنے یہ ہے کہ آج ایسے عمل کرو کہ جن کا ثواب تمہیں
آخرت میں نصیب ہو ۔ قَرْضًا ۔ یقرض کا مصدر ہے بمعنے اقراض مصدر مجرد بمعنے مزید ہے چنانچہ دوسرے مقام پر آیا ہے
انبتکم من الارض نباتا ای انباتا ۔ اس لحاظ سے قرضا بمعنے اقراضا ہوا یعنے قرض دینا ۔ حَسَنًا یعنے وہ قرض جو اخلاص
اور خوشی و رضا کو مقرون ہے ۔

ف یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرض بمعنے مقرض بمعنے المفعول اس اعتبار سے یہ یقرض کا مفعول ثانی ہوگا اور حسن کا معنے یہ ہے کہ
وہ قرض حلال اور طیب کمائی کا ہو کہ جس میں غیر کے مال کی ملاوٹ ہرگز نہ ہو بعض نے کہا کہ قرض حسن مجاہدہ اور انفاق فی سبیل اللہ کو
کہتے ہیں اور اس قرض کے انواع سے ہے ۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ۔ فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ
اس فعل کا منصوب ہونا ان مقدر کی وجہ سے ہے جو مؤولاً مصدر ہو کر اس کا قرضاً پر عطف ہوگا اور یہ معنے یقرض اللہ سے معنوی طور
معلوم ہوا اس اعتبار سے مصدر کا عطف مصدر پر ہوا عبارت یوں بنے گی من ذا الذی یکون منہ اقراض فمضاعفۃ من اللہ ۔
یا منصوب ہے بایں معنی کہ وہ معنوی طور استفہام کا جواب ہے اس لیے کہ یہ استفہام اگرچہ لفظاً مقرض سے ہے لیکن معنےً اقراض سے
ہے گویا یوں فرمایا گیا کوئی اللہ تعالے کو قرض دے گا تاکہ اللہ تعالیٰ اسے دوہرا دے تضعیف کے عوض اس کی مثل یا اس
سے کئی گنا زائد دینا ۔ اَضْعَافًا ضعف (دوہرا) کی جمع ہے یضاعفہ کی ہو ضمیر سے حال ہے ۔
یہ مبلغ حساب کے اوہام کو قطع کرنے کے لیے ہے یعنے وہ جو اللہ تعالے اپنے بندوں کو عطا فرمائے گا اتنا ہے کہ
اسے سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا بعض نے کہا کہ ایک کے عوض سات سو عنایت فرمائے گا نیکیوں کو دوہرا کرنے

میں ایک حکمت یہ ہے کہ کل قیامت میں جب اس کے حقوق العباد ادا کیے جائیں تو بندہ مفلس نہ رہ جائے اس لیے کہ کل قیامت میں حقوق العباد کی ادائیگی انہی تضعیفات دو دہری کی ہوئی نیکیوں سے ہوگی نہ کہ اصل عبادات سے اس لیے کہ تضعیف (دوہرا ثواب) تو اللہ تعالٰے کا ایک فضل ہوگا اور اصل نیکی کا مطلب یہ ہے کہ اسے ایک نیکی کے عوض ایک نیکی نصیب ہو۔

ف امام بیہقی رحمہ اللہ تعالٰے فرماتے ہیں کہ تضعیفات تو فضل الٰہی ہے اسے کسی کے عوض نہیں دی جائے گی بلکہ بندہ کے لیے ذخیرہ بنا کر اسے دیا جائے گا جیسے اسے روزے کی نیکیاں احسان کے طور دی جائیں گی اور یہ رب کریم کا فضل و کرم ہے جو بندہ کو عنایت فرماتا ہے جب کہ بندہ بہشت میں داخل ہوگا تو اسے فضل ربانی نصیب ہوگا۔

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا۔ ع

نکو کاری از مردم نیک رائے

یکے را بدہ می نویسد خدائے

کرم کن کہ فردا دیوان نہند

منازل بمقدار احسان نہند

ربط جب بندوں کو راہِ خدا میں نکلنے کا حکم فرمایا تو انہیں قرض دینے سے آسانی بتا کر انہیں خبر دی کہ یہ کام سوائے توفیق ربانی کے ناممکن ہے چنانچہ فرمایا وَاللّٰهُ يَقْبِضُ اور اللہ تعالٰے کمی کرتا ہے بعض پر وَيَبْصُۜطُ فراخی کرتا ہے بعض پر یا کبھی کمی کرتا ہے یا کبھی فراخی کرتا ہے جیسے کہ اس کی مشیت کا تقاضا ہوتا ہے جس میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں مضمر ہوتی ہیں جب بندے کو اس کی حکمت معلوم ہو جاتی ہے تو اس پر اللہ تعالٰے کی راہ میں خرچ کرنا آسان محسوس ہوتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ سب کا روزی رساں وہی ہے اس نے ہی مجھے وسعت بخشی ہے پھر جو کچھ دیا ہے اس کے متعلق مجھ سے سوال بھی ہوگا اور یہ مرنے کے بعد یہ مال ویسے ہی رہ جائے گا اگر میں کچھ راہِ خدا میں دے دوں تو مجھے آخرت میں ثواب بھی وہی دے گا گویا اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ اے میرے بندو جب تم جانتے ہو کہ وہی اللہ تعالٰے روزی گھٹاتا بڑھاتا ہے اور یہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ اس کا عنایت کردہ ہے پھر بخل کیوں کرتے ہو تمہیں چاہیے کہ اسے قرض دو اور اس سے جو تمہیں عنایت فرمایا ہے اس کے راہ میں خرچ کرو اس کے برعکس بخل نہ کرو تاکہ وہ تمہارے ساتھ برعکس معاملہ نہ کرے کہ اب دولت مند ہو پھر وہ تمہیں تنگ دست بنا دے۔

نکتہ روزی بڑھانے اور گھٹانے میں ایک نکتہ یہ ہے کہ وسعت رزق تاخیر سے ہوا کرتی ہے اس سے فقراء و مساکین کو تسلی دینا مقصود ہے۔

تفسیر صوفیانہ امام غزالی رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے کہ القابض الباسط وہ ہے جو ارواح کو اجسام سے موت کے وقت قبض اور ارواح کو اجسام میں حیات کے وقت اور صدقات اغنیاء سے لے کر فقراء کو

دلاتا ہے اور کمزوروں کی وجہ سے دولت مندوں کا رزق بڑھتا ہے یہاں تک کہ فقر و فاقہ ختم ہو جاتا ہے اور فقراء کا رزق تنگ کرتا ہے یہاں تک جان لبوں پر آ جاتی ہے اور قلوب کو قبض کرتا ہے یعنی ایسا تنگ کر دیتا ہے کہ اس کے لیے لاپرواہی اور بلندی و جلال منکشف ہو جاتے ہیں اور پھر قلوب کو کھول دیتا ہے یہاں تک کہ انہیں قرب نصیب ہو جاتا ہے اس کے فضل و کرم اور احسان اور جمال کا اور وہ کریم اپنے بندوں کے لیے قابض و باسط ہے اس کے وہ بندے جنہیں حکمتوں کے عجائبات الہام اور جوامع الکلم حاصل ہوتے ہیں پھر کبھی ان کے قلوب کو کھول دیتا ہے اور اس کی نعمتوں کو یاد کرتے اور کبھی ان کو تنگ کر دیتا ہے کہ انہیں اپنے جلال و کبریائی اور قہر و قسم کے عذاب اور آزمائش اور دشمنوں کے انتقام سے ڈراتا ہے جیسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالے عنہم سے کیا کہ کبھی ان کے قلوب کو عبادت کے حرص پر ابھارا اور نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ کل قیامت میں اللہ تعالے آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اپنی اولاد کو نار جہنم کے لیے تیار کیجیے وہ عرض کریں گے کتنا۔ حکم ہوگا کہ ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے ایسی بات کو سن کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالے عنہم کے دل مرجھا گئے یہاں تک کہ ان کا عبادت سے بھی جی نہ لگتا جب حضور علیہ السلام دوسری صبح کو تشریف لائے تو دیکھا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالے عنہم حزن و ملال میں ہیں تو ان کے قلوب کو خوش کرنے اور انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تم دیسے امت محمدیہ) باقی امتوں میں ایسے ہو گے جیسے مشک کے سیاہ دھبوں میں سفید نور۔

ف حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالے اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ قبض و بسط سالک کی دو حالتوں کا نام ہے جو بندے کی ترقی کا موجب ہیں خوف و رجاء کے قسم ہیں عارف باللہ کا قبض بمنزلہ خوف ہوتا ہے جو مبتدی کو لاحق ہوتا ہے اور عارف باللہ کا بسط وہی ہے جو مبتدی کو رجاء حاصل ہوتا ہے والیہ ترجعون اللہ تعالے کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر تمہیں ان اعمال کی جزا دے گا جو تم نے کیے بھلے یا برے۔ مثلاً بھلے کو جود و سخاوت کی عادت تھی تو بہشت اور اگر بخل کی عادت تھی تو دوزخ۔ اسی کو وعد و عید کہتے ہیں اس میں تنبیہ ہے اس دولت مند کو کہ موت کے وقت اس سے تمام مال چھین لیا جائے تو اسے چاہیے کہ موت سے پہلے اس مال کو اللہ تعالے کی راہ میں خرچ کرے۔

حکایت ایک مقام پر دولت مند اور فقراء جمع ہوئے دولت مندوں نے کہا اللہ تعالے نے ہمارے درجات بلند فرمائے کہ لوگ ہمارے سے قرضہ جات لیتے ہیں۔ فقراء نے کہا ہمارے درجات بلند ہیں کہ وہ قرضہ جات ہمارے ہی لیے لیتے ہیں اگر ہم نہ ہوتے تو تم سے قرضہ نہ لیا جاتا اور قرضہ جات غیر سے بھی لیا جاتا ہے لیکن قرضہ صرف حبیب کے لیے لیا جاتا ہے۔

حدیث قدسی اللہ تعالے قیامت میں اپنے بندے سے فرمائے گا کہ میں نے تجھ سے طعام مانگا لیکن تو نے مجھے طعام نہ دیا بندہ عرض کرے گا یا اللہ تجھے طعام مانگنے کی ضرورت کیوں ہے تو رب العزۃ ہے اللہ تعالے فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے طعام مانگا لیکن تو نے اسے محروم رکھا۔

اگر تو اسے طعام دیتا تو آج تو اسے میرے پاس پاتا۔

ف قرض محتاج مانگتا ہے اللہ نے اپنے لیے قرض مانگنے کا ذکر فرمایا۔ گویا اس سے اپنی ذات کو بمنزلہ محتاج کے بنا کر ایسے فرمایا جیسے حدیث شریف میں ہے کہ اے میرے بندے میں بیمار ہوا تو نے میری طبع پرسی بھی نہ کی میں بھوکا ہوا تو نے مجھے طعام بھی نہ کھلایا یہ فقیر پر شفقت اور اس پر لطف کرنے کی وجہ سے ہے اسے محققین تنزلات رحمانیہ سے تعبیر کرتے ہیں کہ بندے کی ہمت اور اس کے جذبہ کی تکمیل ہو جائے جو کہ اہل شہود کو نصیب ہوتا ہے اور معلوم ہو کہ جذبات الحق کا ایک جذبہ ثقلین کے عمل کے برابر ہوتا ہے یہ وہی ہے جو عبد فقیر کو مشاہداً عیانیہ میں تنزلات کے مختلف اطوار سے جمال الرحمٰن کا جلوہ نصیب ہوتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے۔ ع

روئے خوبان زینت زیبا شود
روئے احساں از گدا پیدا شود
پس ازیں فرمود حق در والضحیٰ
بانگ کم زن اے محمد بر گدا
چوں گدا آئینہ جو دست ہاں
دم بود بر روئے آئینہ زیاں

اللہ تعالیٰ اپنے کمال فضل اور کرم سے جو اس کا بندوں پر ہے مثلاً اس نے انہیں پیدا کیا اور انہیں اموال کا مالک کیا پھر ان کے نفوس اور اموال کو خریدا پھر انہیں چند روز کے لیے رعایت کے طور دیا پھر ان سے قرض مانگ کر ان پر انہیں کرم بنایا پھر انہیں وہ جو خرچ کرتے ہیں بہت بڑے فضل و احسان کا مژدہ بہار سنایا عبد صادق وہ ہے جو اپنی ہمت کے مطابق سوال کرتا ہے اور جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کا سوائے ذات حق کے مشاہدہ کے اور کوئی مطالبہ نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی بندے کو وہی دیتا ہے جو اس کی ہمت کا مطالبہ ہوتا ہے بلکہ اسے اس کے مطلوب کے علاوہ اور بھی بہت کچھ عطا فرماتا ہے باری تعالیٰ کے وہ عطایا ایسے مخفی ہیں جنہیں آج آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں جب دیکھیں گی تو ٹھنڈی ہوں گی اور اتنا وسعت کے ساتھ نصیب ہوں گی جن کی کوئی شمار نہیں یہ سب کچھ اس کا فضل و احسان ہے اور جن کا مطالبہ صرف دنیا ہے تو وہ متاع قلیل ہے پھر اسے وہ کثیر المقدار نعمتیں کب نصیب ہوں گی اے اللہ ہمیں ان نعمتوں سے بہرہ ور فرما جو اپنے اولیاء کے قلوب کو نصیب فرماتا ہے۔ اور ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے دیدار پُر انوار کے لیے ترستے رہتے ہیں اور ان کا مقصد وحید صرف وہی ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا یعنی تمہارا علم وہاں نہیں پہنچا اس جماعت کے قصّہ کو کہ جن کا قصہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میرے بتانے سے آپ کو معلوم ہے اس قصّہ کو پڑھ کر سن کر تعجب کیجیے کہ کیسے ہے وہ۔

ف الملاء ہر وہ جماعت جو مشورہ کے لیے ایک جگہ جمع ہو اور انہیں املا اس لیے کہا جاتا ہے کہ مشورہ میں وہ لوگ جمع ہوتے جو ان میں برگزیدہ ہوتے جو لوگوں کی آنکھوں کو اپنی ہیبت سے اور مجلسوں کو رونق سے بھر دیتے ہیں یہ لفظ جمع ہے لیکن اس لفظ کا کوئی واحد نہیں جیسے لفظ قوم جمع ہے لیکن اس کے لفظ سے اس کا کوئی واحد نہیں۔
مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ یہ من تبعیضیہ ہے یعنی وہ ہونے والے ہیں بعض بنی اسرائیل سے ہے۔

ف بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کو کہا جاتا ہے۔
مِنْ یہ من ابتدائیہ اس کا متعلق وہی ہے جو پہلے حرف جارہ کا متعلق ہے۔ بَعْدِ مُوْسٰى حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد اِذْ قَالُوْا جب کہ انہوں نے کہا یہ اذ مضاف سے منصوب ہے جو ملاء میں مقدر ہے اصل عبارت یوں تھی الم تر الی قصة الملا او حدیثهم حین قالوا مقدر اس لیے مانا گیا ہے کہ تعجب ذوات سے نہیں بلکہ احوال سے ہوتی ہے لِنَبِيٍّ لَّهُمُ اپنے نبی علیہ السلام سے۔
وہ حضرت شمویل علیہ السلام تھے مشہور اور زیادہ قوی یہی ہے اِبْعَثْ لَنَا مَلِكًا ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کیجیے جو ہمارا مقتدا ہو اور ہمیں جنگ کی تدبیریں بتائے۔ نُّقَاتِلْ ہم اس کی سرپرستی میں کفار سے لڑیں اس کا جزم امر کے جواب کی وجہ سے ہے فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنے نبی علیہ السلام سے امیر مانگا جیسے ہمارے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جنگ کے وقت ایک امیر لشکر مقرر فرماتے کہ جس کی سرپرستی میں عام لوگ جنگ لڑتے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو حکم فرمایا کہ جب وہ سفر پہ جائیں تو اپنے لیے ایک امیر سفر منتخب کر لیا کریں۔
قَالَ گویا کہا گیا ہے کہ ان کے مطالبہ پر اس نبی علیہ السلام نے کیا فرمایا تو اس پر جواب ملا کہ اس نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ هَلْ عَسَيْتُمْ قریب ہے اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اگر تمہارے اوپر جنگ فرض کی جائے اور تمہارے مطالبہ کے مطابق ایک امیر بھی ہو گیا اور اس کی خبر کے درمیان جملہ معترضہ واقعہ ہے اور وہ جملہ معترضہ یہ ہے۔ اَلَّا تُقَاتِلُوْا کہ تم امیر لشکر کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کرو گے۔

ف تفسیر کشاف میں ہے معنے یہ ہے کیا قریب ہے کہ تم جنگ نہیں کر سکو گے اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ وہ نبی علیہ السلام

اپنی قوم سے فرماتے تھے کہ قریب ہے کہ تم جنگ نہیں کر سکو گے یعنے الوتقم جبنکم عن القتال یعنے مجھے توقع یہ ہے کہ تم جنگ سے کنارہ کشی کرو گے اس معنے پر ھل داخل کیا گیا ہے استفہام کے طور اس امر سے کہ اس میں توقع ہے اور اس توقع میں وہ مصیب تھے جیسے اللہ تعالےٰ کے قول ھل اتی علی الانسان ۔۔الخ میں فعل کا اثبات اور اس کی تقریر مطلوب ہے ۔

قَالُوْا وَمَا مبتدا اور استفہام انکاری ہے اور اس کی خبر لَنَا ہے یعنے انہوں نے کہا کہ کیا ہے ہمارے لیے اس میں کہ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ہم اللہ تعالےٰ کے راستہ میں جنگ نہ کریں ۔ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ اَبْنَآئِنَا حالانکہ ہم اپنے گھروں اور بیٹوں سے نکالے گئے ہیں یعنے حال یہ ہے کہ ہمیں وہ امر عارض ہوا ہے جو ہمارے اوپر جنگ واجب ہو چکی ہے اور وہ یہ کہ انھوں نے ہمیں اپنے گھروں اور وطنوں اور بیٹوں سے نکالا یعنے انھوں نے اہل و عیال و اولاد سے ہمیں جلا وطن کیا ۔

سوال ابناء کو دیارنا کے بعد خصوصیت سے ذکر کا کیا معنے ہے ۔۔؟

جواب جنگ کرنے کے اسباب میں مزید تقویت ہو گی

ف : وقد اخرجنا ۔۔۔ ۔ یعنے انھوں نے ہمیں اپنے گھروں اور بیٹوں سے نکال دیا وطن اور قید کر کے ۔۔ یہ باتیں ضمناً ذکر کی جاتی ہیں ۔

سبب واقعہ ہذا بنی اسرائیل کا اپنے نبی علیہ السلام سے سوال کرنے کا سبب یوں ہوا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال ہوا تو بنی اسرائیل میں اپنی نیابت میں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو چھوڑ گئے وہی ان کی نیابت میں تورات کے احکام جاری فرماتے آخر ان کا وصال ہو گیا انہوں نے اپنی نیابت میں کالب علیہ السلام کو چھوڑا ان کا وصال ہوا تو پھر بنی اسرائیل میں ہزار ہا خرابیاں پیدا ہو گئیں اور اللہ تعالےٰ کے ارشادات کو پشت ڈال دیا بلکہ بت پرستی میں منہمک ہو گئے اور ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالےٰ نے الیاس علیہ السلام کو بھیجا اور وہ اللہ تعالےٰ کے احکامات سنتے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں جتنے انبیاء علیہ السلام تشریف لائے سب کے سب بنی اسرائیل تھے اور تورات کے احکامات کی تجدید کرتے یعنے کوئی نئی شریعت نہیں لاتے تھے حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد الیسع علیہ السلام آئے وہ بھی اپنی زندگی مبارک گزار کر راہی ملک بقا ہوئے پھر بنی اسرائیل میں وہی خرابیاں شروع ہو گئیں جو ان میں پہلے تھیں ان کی ان غلطیوں کی نحوست سے ان پر دشمنوں کا غلبہ ہونے لگا ایک شخص جو ان پر غالب ہوا اس کا نام الباناتا تھا اور یہی قوم جالوت تھی جو بحر روم کے ساحل پر مقیم تھی اور بحر روم مصر و فلسطین کے درمیان واقع ہے یہی عمالقہ کی اولاد تھی جو عملیق بن عاد کی ایک نسل تھی بہر حال یہ لوگ بنی اسرائیل پر غالب ہو گئے ان کی بہت سی جاگیروں کو قبضہ میں لے لیا اور ان کے بہت سے لوگوں کو قید کر لیا اور ان کی اولاد کو غلام بنا لیا اور بنی اسرائیل کے جتنے بادشاہ تھے

ان کے تمام شہزادوں کو جیل میں بند کر دیا اور وہ چار سو چالیس تھے ان لوگوں پر جزیہ مقرر کیا اور ان سے تورات چھین لی اور بنی اسرائیل کو قسم قسم کی تکالیف و مصائب اور پریشانیوں میں مبتلا کیا ان میں کوئی نبی علیہ السلام تو تھا نہیں جو ان کی خامیوں کو دور کرتا بلکہ نبیوں کی اولاد میں سے بھی کوئی نہ رہا سب کارفتہ رفتہ وصال ہو گیا ہاں ایک بی بی ان میں حاملہ تھی اس بی بی کو تبرک سمجھ کر اس کی خدمت کو راحت اور رحمت سمجھا لیکن اسے ایک گھر میں محبوس رکھا کہ شاید اس سے لڑکی پیدا ہو تو ہم اس لڑکی کے بجائے کسی لڑکے کو اس کی طرف منسوب کر دیں گے تاکہ قوم کے بگڑے ہوئے حالات سنور جائیں اس لیے کہ بنی اسرائیل کی رغبت اس طرف تھی کہ اگر کسی نبی کا لڑکا ہماری رہبری کرے تو ہم ان تمام غلطیوں سے تائب ہو جائیں چنانچہ وہ بی بی اس اثنا میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی رہی کہ مولا کریم مجھے فرزند عطا فرما تاکہ بنی اسرائیل کے حالات سدھر جائیں اللہ تعالیٰ نے اس بی بی کی دعا مستجاب فرمائی کہ اس بی بی کو بچہ پیدا ہوا اس نے اس کا نام شمویل رکھا اس محاورہ سے کہتی رہی سمع الله دعائی " اس کا عبرانی لغت میں معنے اسماعیل ہوتا ہے اس نے سین کو شین سے تبدیل کر کے شمویل نام رکھا اور لغت عبرانی میں قاعدہ ہے کہ سین کو شین سے تبدیل کر دیتے ہیں جب وہ بچہ جوان ہوا تو بنی اسرائیل نے اسے بیت المقدس میں تورات سیکھنے کے لیے معلم کے پاس بٹھا دیا اور شمویل کی تمام ضروریات کی کفالت ان کے شیخ (جو ان کے علما تھے) نے اٹھائی اور اسے اپنی ذمہ داری لے کر متبنّٰی بنا لیا۔ جب وہ بچہ بالغ ہوا تو حضرت جبریل علیہ السلام ان کے پاس تشریف لائے جب کہ وہ شیخ کے قریب آرام کر رہے تھے لیکن اسے کسی کی بات پر اعتماد نہ تھا سوائے اپنے شیخ کے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت شمویل کو اس شیخ کی آواز میں کہا اے شمویل! یہ آواز سنتے ہی شمویل اس شیخ کی طرف بھاگے اور کہا اباجی مجھے کیوں بلایا ہے شیخ نے سوچا کہ اگر کہوں میں نے نہیں بلایا تو اچھا نہیں کیونکہ اس طرح سے بچہ گھبرا جائے گا شیخ نے فرمایا بیٹا جائیے آرام کیجیے۔ شمویل علیہ السلام اُن کے حکم سے جا کر سو گئے جبریل علیہ السلام نے انہیں دوبارہ اسی طرح کہا اے شمویل۔ شمویل علیہ السلام نے پھر شیخ سے کہا آپ نے مجھے بُلایا ہے شیخ نے کہا جاؤ سو جاؤ اگر دوبارہ بلاؤں تو جواب نہ دینا چنانچہ جا کر سو گئے لیکن بارِ سوم حضرت جبریل علیہ السلام حضرت شمویل علیہ السلام کے پاس کھلم کھلا حاضر ہوئے اور کہا آپ اس قوم کے نبی ہیں آپ ان کے ہاں تشریف لے جائیے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام سنائیے جب وہ اپنی قوم کے ہاں آئے اور پیغام ربانی سنایا تو انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور کہا تو نے اظہار میں عجلت کی ہے ابھی تیری نبوت کے اظہار کا وقت نہیں آیا ہاں اگر آپ نبوت میں سچے ہیں تو ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر فرمائیے تاکہ ہم ان کی سرپرستی میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں کفار سے جنگ کریں یہی آپ کی نبوت کی نشانی سمجھی جائے گی اس کی وجہ یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے امور کا انتظام بادشاہوں کے سپرد تھا اور بادشاہ انبیاء علیہم السلام کے ماتحت بادشاہت چلاتے بادشاہ دنیوی امور کا نظم و نسق کرتا اور نبی اس بادشاہ کی غلطیوں کی نگہداشت کرتا اور اس طرح اسے احکام الٰہی کے مطابق چلاتا اور بادشاہ کو یقین ہوتا کہ یہ حکم

جو مجھے نبی سے ملا ہے یہ حکم ربانی ہے وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ۔ پس جب کہ ان پر جنگ فرض کی گئی یہ اس وقت فرض کیا گیا جب انہیں ان کے نبی شمویل نے ان سے سوال کیا تھا کہ کیا تم جنگ کرو گے انہوں نے کہا ہاں اس پر اللہ تعالٰے نے جنگ کا حکم دیا اور ان کے سوال کے مطابق ان کے لیے بادشاہ بھی مقرر فرمایا۔ تَوَلَّوْا ۔ انہوں نے منہ پھیرا یعنے جہاد سے ہٹ گئے اور اللہ تعالٰے کے حکم کو ضائع کر دیا یہ نہیں کہ انہوں نے ابتداً امر الٰہی سے روگردانی کی بلکہ بار بار دشمن کی تنگیوں اور تلخیوں کو دیکھا اور اب وہ ان کے دشمن ان کے سر پر تھے یہاں پر اللہ تعالٰی نے ان کے انجام کو اجمالاً بیان فرما دیا اس لیے کہ ان کے قول و فعل میں منافات اور تباین تھا اِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ مگر تھوڑے ان میں۔ یہ وہ تھے جنہوں نے طالوت کے ساتھ نہر کو عبور فرمایا اور صرف پانی کے ایک گھونٹ پر اکتفا فرمایا وہ تین سو تیرہ تھے اہل بدر کی گنتی کے مطابق۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ۔ اور اللہ تعالٰے ظالموں کو خوب جانتا ہے ان کے ظلم یعنے جنگ سے روگردانی کی وجہ سے وعید سنائی گئی ہے جب کہ ترک جہاد کر کے قول و فعل میں منافات و مباینت پیدا کر دی۔

ف آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ قوم نے دل میں کچھ اور زبان پر کچھ یعنے منافقت کا مظاہرہ کیا اور جو چھپا تے تھے ان کا خلاف نکلا تو اللہ تعالے نے ان کا ظاہری دعوٰی کے نقد کو معنے کی حقیقت کی کسوٹی پر رکھا لیکن وہ اس امتحان میں کامیاب نہ ہو سکے اس لیے کہ اپنے دعوٰی پر دلیل قائم نہ کر سکے اور قاعدہ ہے کہ امتحان کے وقت انسان کی یا تو عزت ہوتی ہے یا ذلت۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا۔ ؎

خوش بود گر محک تجربہ آید بمیاں
تا سیہ روئی شود ہر کہ درغش باشد

تفسیر صوفیانہ یہی اہل سلوک وغیرہ کے مدعیوں کا حال ہے کہ اہل حقیقت نے انہیں جب خواہشات نفسانیہ کے مقابلے کی جنگ کا کہا تو وہ روگرداں ہو کر کہتے کہ ہم کیسے جنگ کریں لیکن حقیقت میں وہ اللہ تعالٰے کے بے فرمان ہوئے اور اس کے شہروں کو برباد کیا بلکہ اس کے بندوں پر ظلم برسایا اور اللہ تعالٰے ان کے نور کو بجھایا اس کے برعکس ہوتا تو انھیں اللہ تعالٰے کی طرف سے فتح و نصرت نصیب ہوتی۔

مسئلہ آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالٰے کے خاص بندے بہت تھوڑے ہیں اللہ تعالٰے نے فرمایا۔ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ اور یہ ہر زمانے میں ہوتا ہے اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ اچھی شے کم یاب ہوتی ہے اور قیمت کے لحاظ سے بھی اعلٰی ہوتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔ ؎

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ
بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ
الْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن
يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ
فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا
مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ
قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ○ وَلَمَّا بَرَزُوا
لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ○ فَهَزَمُوهُم
بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ
اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ○ تِلْكَ آيَاتُ
اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ○

اور ان سے ان کے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالےٰ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے
… بھلا طالوت کو ہم پر بادشاہی کیسی حالانکہ بہ نسبت اس کے ہم بادشاہی کے زیادہ مستحق ہیں اور اسے مال کی وسعت
بھی نہیں دی گئی نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے اللہ تعالےٰ نے تم پر چن لیا اور علم و جسامت میں اسے زیادتی بخشی اور
اللہ تعالےٰ اپنا ملک جسے چاہے عطا کر دے اور اللہ تعالےٰ وسعت والا علیم ہے اور ان سے ان کے نبی علیہ السلام نے
فرمایا کہ طالوت کے بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے صندوق آئے گا جس میں دلوں کا چین اور
حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کے ترکہ کی بچی ہوئی چیزیں ہوں گی اس صندوق کو ملائکہ کرام اٹھا کر لائیں گے۔
بیشک اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو پھر جب طالوت لشکروں کو لے کر شہر سے جدا ہوا تو
لشکر سے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ تمہیں ایک نہر کے پانی سے آزمانے والا ہے جس نے اس سے پانی پیا وہ میرا نہیں اور جس نے
کچھ نہ پیا وہ میرا ہے ہاں جو صرف اس سے ایک چلو ہاتھ سے بھر لے تو کوئی حرج نہیں نہر کا پانی سب نے جی بھر کر پیا
سوائے چند آدمیوں کے پھر جب طالوت اور اس کے ساتھی اہل ایمان نہر کے پار گئے کہنے لگے کہ آج ہمیں جالوت اور
اس کے لشکر کے مقابلہ کی ہمت نہیں جنہیں اللہ تعالےٰ کے روبرو پیش ہونے کا یقین تھا بول پڑے کہ اللہ تعالےٰ کے حکم
سے تھوڑی جماعت زیادہ گروہ پر غالب آئی ہے اور اللہ تعالےٰ صابرین کے ساتھ ہے اور جب جالوت اور اس کی
فوج کے سامنے آئے تو عرض کی اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر استقلال نازل فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں
پر ہماری مدد فرما پھر لشکر طالوت نے اللہ تعالےٰ کے حکم سے جالوت کی فوج کو شکست دے دی اور داؤد علیہ السلام نے

جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ تعالٰے نے داؤد علیہ السلام کو سلطنت و حکمت عطا فرمائی اور جو کچھ منظور تھا اسے سکھایا اگر اللہ تعالٰے کی طرف سے بعض کو بعض سے دفع کرنا نہ ہوتا تو لازماً زمین فساد کی لپیٹ میں آجاتی لیکن اللہ تعالٰے سارے جہان پر بڑے فضل والا ہے یہ اللہ تعالٰے کی آیتیں ہیں اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں اور بے شک آپ رسولوں میں ہیں۔

بقیہ صفحہ گذشتہ۔

خاک مشرق شنیدہ ام کہ کنند
بچہل سالہ کاسہ چینی
صد بروزی کنند در بغداد
لاجرم قیمتش ہمی بینی

حکمت حق کی قلب اس لیے ہے کہ باوجودیکہ انس وجن صرف اللہ تعالٰے کی عبادت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کیونکہ مقصود اعظم تو صرف حضرت انسان ہے اور وہ حاصل ہو گیا اسی لیے کہ ہدایت یافتہ لوگ اگرچہ گنتی کے لحاظ سے تھوڑے لیکن شرف کے لحاظ سے بہت زیادہ ہیں جیسا کہ مقولہ عرب مشہور ہے کہ قلیل اذا عدوا کثیراذا شدوا ای اظہروا للقوۃ لیکن وہ گنتی میں تھوڑے ہیں جب شمار کیے جاتے ہیں لیکن جب دشمن پر حملہ کرتے ہیں تو کثیر التعداد معلوم ہوتے ہیں۔

ف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں کہ "سواد اعظم" وہی ہے جو حق پر ہو اگرچہ ایک ہو۔

ف اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ سب کے سب اخلاص اور توجہ الی اللہ کی طرف نہیں لگ جاتے اگر اس طرح ہو جائے تو وجہ معاش تنگ ہو جائے گی اسی لیے مشہور ہے لولا الحمقی لخربت الدنیا اگر پاگل نہ ہوں تو دنیا ویران و برباد ہو جائے حکمت ربانی کا یہی تقاضا ہے کہ جس دونوں ہاتھوں کو جس طرف منسوب کیا گیا ہے اس کا اسی طرح ظہور ہو ان میں ایک تو سعادتمندی کی طرف منسوب ہے جس میں رحمت وجنان ہے دوسرے میں قہر و غضب اور ان دونوں میں قہر و غضب کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ بائیں ہاتھ کے مرتبہ کی تکمیل ہو اگرچہ اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں اور دونوں بابرکت ہیں لیکن ہر ایک کا حکم علیحدہ علیحدہ ہے جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں لہٰذا دانا پر لازم ہے کہ وہ غضب کے اسباب سے احتراز کرتا رہے اور اپنے رب تعالٰے کے کرم کا متلاشی رہے۔

ف سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا جس کا یہ گمان ہو کہ وہ جد وجہد کے بغیر بارگاہ حق تک پہنچ جائے گا وہ صرف آرزو کرنے والا ہے اور جس کا گمان ہو کہ جد وجہد سے پہنچے گا وہ مقصد پانے والا ہے اے اللہ ہمارے اوپر اپنے فضل و کرم کے ڈول ڈال اور ہمیں اپنے تک اپنے ذریعہ سے پہنچا۔ اے ارحم الراحمین۔

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ - ان کے نبی علیہ السلام نے انہیں فرمایا یہاں نبی علیہ السلام سے مراد حضرت شمویل علیہ السلام ہیں جب قوم نے سوال کیا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر فرمائیے - جس کی سرپرستی میں ہم اپنے دشمنوں سے لڑیں ان کے اس سوال پر حضرت شمویل علیہ السلام ایک ڈنڈا اور ایک قرن لائے۔ جس میں قدس کا تیل تھا اس میں انہیں حکم تھا کہ جو ان بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوگا اس کا قد اس ڈنڈے کے برابر ہوگا اور جب وہ بادشاہ شمویل علیہ السلام کے پاس حاضر ہوگا تو یہی بنی اسرائیل کا بادشاہ ہے تو وہ تیل اس کے سر پر لگا دینا اور بنی اسرائیل پر اس کی بادشاہی کا اعلان کر دینا حضرت وھب نے فرمایا کہ انہی دنوں میں حضرت طالوت کے والد کے اونٹ گم ہو گئے تو اس نے طالوت کو انہیں تلاش کرنے کے لیے نوکر دے کر بھیجا یہ دونوں حضرت شمویل علیہ السلام کے گھر سے گزرے تو غلام نے کہا اگر ہم اس نبی علیہ السلام کے پاس حاضر ہو جائیں تو بہتر ہے تاکہ وہ ہمیں اونٹوں کی خبر دیں اور دعا فرما دیں تو ممکن ہے ہمیں اونٹ مل جائیں چنانچہ وہ دونوں حضرت شمویل علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ بھی اونٹوں کی بات کر رہے تھے کہ اچانک وہی تیل جو قلعہ میں تھا جوش مارنے لگا حضرت شمویل علیہ السلام اٹھے اور اسی ڈنڈے کو طالوت کے قد پر ناپا جو کہ اس کے قد کے عین مطابق ہوا حضرت شمویل علیہ السلام نے طالوت سے فرمایا کہ اپنا سر میرے قریب کیجیے طالوت نے اپنا سر حضرت شمویل علیہ السلام کے قریب کیا تو انہوں نے وہی قدس کا تیل ان کے سر پر لگایا اور فرمایا آج کے بعد تو ہی بنی اسرائیل کا بادشاہ ہو گیا اور یہ حکم میرے اللہ کا ہے اس نے مجھے فرمایا ہے کہ میں تجھے بنی اسرائیل کا بادشاہ بنا دوں طالوت نے کہا اس کی علامت کیا ہے شمویل علیہ السلام نے فرمایا اس کی علامت یہ ہے کہ جب تم لوٹو گے تو اونٹ مل چکے ہوں گے چنانچہ ایسے ہی ہوا اس کے بعد شمویل علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا: إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ - بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے طالوت کو بھیجا۔ طالوت عجمی لفظ اور غیر منصرف ہے اس لیے کہ معرفہ اور عجمہ ہے - مَلِكًا طالوت سے حال ہے یعنی یہ تمھارا بادشاہ ہے اب اس کی اطاعت کرو اور ان کی سرپرستی میں دشمنوں سے لڑو قَالُوٓا وہ متعجب ہو کر کہنے لگے۔ بلکہ انہیں اس سے انکار کر دیا بعض مفسرین نے کہا ہے کہ انہوں نے اس انکار سے اپنے نبی علیہ السلام کی تکذیب کی جس سے وہ کافر ہو گئے بعض نے کہا کہ وہ مومن تھے انہوں نے تعجب صرف اس لیے کیا تاکہ طالوت کو بادشاہ بنانے کی حکمت معلوم کریں جیسا کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اتجعل فیہا من یفسد فیہا - أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا - اس کی ہمارے اوپر کیسے بادشاہی ہو سکتی ہے جب کہ وہ طالوت اس کا اہل نہیں - وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ ہم بہ نسبت اس کے بادشاہی کے زیادہ حقدار ہیں اسے ہمارے اوپر بادشاہی کرنے کا کس طرح حق ہو سکتا ہے۔ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ط اور نہ ہی اس کے پاس مال و ثروت کی کثرت ہے اس لحاظ سے وہ ہمارا بادشاہ نہیں بن سکتا اور جب کوئی دوسرا مستحق ہو تو پھر یہ ہمارے اوپر بادشاہی کرنے کا حق نہیں رکھتا نیز جس شے پر شاہی چلانے کا دار و مدار ہے یعنی

مال وہ بھی اس کے پاس نہیں اور مال ایسی شے ہے کہ اس سے شاہی چلائی جا سکتی ہے ورنہ مشکل ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نبوت مخصوص حضرات کے لیے مختص سمجھتے تھے یعنی لاوی بن یعقوب کی اولاد میں سے انہی میں سے حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام تھے اور بادشاہی یہودا ابن یعقوب کی اولاد سے انہی میں سے داؤد سلیمان علیہم السلام تھے اور طالوت ان میں کسی کی اولاد میں سے نہ تھے بلکہ وہ بنیامین بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور وہ لوگ بہت بدچلن ہو گئے تھے اور گناہوں کے ارتکاب میں ایسے سرگرم تھے کہ دن دہاڑے سرراہ عورتوں سے جماع کر لیتے تھے اس لیے یہ بات انہیں عقلاً و نقلاً مستبعد نظر آئی لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کی زبان سے انہیں کہلوا دیا اس کے باوجود بھی انکار کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہو گیا اس لیے ان سے اللہ تعالیٰ نے بادشاہی بھی چھین لی تھی اور مال و دولت بھی ان کے پاس نہ رہنے دیا ان کی اس بدکرداری کی وجہ سے ان کا نام سبط الاثم پڑ گیا اور حضرت طالوت معمولی سا کاروبار کرتے تھے ۔ مشہور ہے کہ وہ موچی اور نہایت تنگدست یا ماشکی یا مزدور تھے ۔

قَالَ ۔ رد کرتے ہوئے نبی علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰہُ عَلَیْکُمْ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر چن لیا اگرچہ نہ اس کا نسب اچھا ہے اور نہ اس کے پاس مال ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں دو وجہ سے فضیلت بخشی ہے وہ یہ ہے کہ وَزَادَہٗ بَسْطَۃً ۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں فراخی اور وسعت بخشی ہے ۔

علم میں یعنی اسے علم حاصل ہے جس کی وجہ سے بادشاہی چلا سکتے ہیں اور لوگوں کے حالات سے پورے طور واقفیت رکھتے ہیں اور جسم میں طویل القامت ہیں یعنی جسمانی طور بہتر ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان دو چیزوں کی وجہ اعلیٰ سمجھا جاتا ہے ۔ (۱) علم ۔ (۲) جسم ۔ ان دونوں وجوہ سے لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت اور وجاہت ہوتی ہے حضرت طالوت کا سر دوسروں کی بہ نسبت موٹا تھا اور آپ کے کاندھے بھی چوڑے تھے یہاں تک کہ پورا ہاتھ دراز کرنے پر کہیں جا کر ان کے سر پر ہاتھ پہنچتا ۔

ربط جب بنی اسرائیل نے طالوت کی بادشاہی کو ناممکن سمجھا کہ نہ اسے نسبی طور فضیلت حاصل ہے اور نہ ہی وہ مالدار ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بادشاہی ایک عطیہ ایزدی ہے جسے وہ چاہے عنایت فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اپنے فضل و کرم سے طالوت کو بادشاہ بنایا ہے اور وہ تمہاری ضروریات و مصلحتوں کو تمہارے سے زیادہ جانتا ہے دوسرا اسے تجربہ علمی نصیب ہے اس لحاظ سے وہ امور سیاست پر بہت زیادہ عبور رکھتا ہے اور جسمانیت میں بھی موزونیت رکھتا ہے اور جنگی مہارت میں بھی قابلیت کے مالک ہے بہرحال اللہ تعالیٰ نے اسے علمی و عملی خوبیوں سے نوازا ہے اس لیے وہ تمہارے اوپر بادشاہی کرنے کا اہلیت رکھتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے چنا ہے ۔

وَاللّٰہُ یُؤْتِیْ مُلْکَہٗ مَنْ یَّشَآءُ ط اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک عطا فرماتا ہے اس لیے کہ وہ مالک الملک و

الملکوت ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کی مرضی ہے جسے چاہے جتنا چاہے عنایت فرمادے۔ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ اور اللہ تعالےٰ وسعت والا ہے فقیر اور محتاج کو بہت کچھ دیتا اور غنی کر سکتا ہے۔ عَلِیْمٌ ۝ اسے سب کا علم ہے وہ شاہی کے لائق کو بھی جانتا ہے اور نااہل کی بھی ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بنی اسرائیل کو بادشاہی سے اس لیے محروم فرمادیا کہ وہ لوگ ہمچو ما دیگرے نیست کی بیماری میں مبتلا ہو چکے تھے اور ان پر حضرت طالوت کی حالت سے تکبر کا بھوت سوار ہو گیا اور انہیں حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے اس عجب کی بیماری کی وجہ سے کہنے لگے کہ ہم بادشاہی کے حق دار ہیں اور طالوت کو ہمارے اوپر بادشاہی کرنے کی اہلیت ہی نہیں یہ حقارت کی نگاہ سے کہا اور یہ بھی کہا کہ وہ طالوت ملک و مال سے فارغ ہے جب انہوں نے تکبر کیا تو اللہ تعالےٰ نے ان سے بادشاہی چھین لی ۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ۔ ؎

یکے قطرہ باراں زابرے چکید
خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائیکہ دریاست من کیستم
گراو ہست حقا کہ من نیستم
چو خود را بچشم حقارت بدید
صدف در کنارش بجاں پرورید
سپہرش بجائے رسانید کار
کہ شد نامور لؤلؤئے شاہوار
بلندی ازاں یافت کو پست شد
در نیستی کوفت تا ہست شد

اعجوبہ زمخشری کے بلاغات سے ایک یہ ہے وہ لکھتا ہے کہ دو خبیثوں سے جو کچھ پیدا ہوتا ہے وہ لازماً خبیث ہوتا ہے لیکن گوبر اور خون سے جو پیدا ہوتا ہے وہ طیب و طاہر ہے یعنی دودھ ۔

ف یعنی مشاہدہ میں آیا ہے کہ زوجین خبیثین سے بچہ طیب پیدا نہیں ہوتا لیکن دودھ ایسی شئے ہے کہ یہ دو خبیثوں سے نکل کر پھر بھی طیب و نفیس ہے باوجودیکہ وہ گوبر اور خون کے درمیان سے نکل کر آتا ہے گوبر اور خون اس پر اثر انداز نہیں ہوتے نہ دودھ کے ذوق میں کمی ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے رنگ میں خرابی ۔ بلکہ دودھ ان کے درمیان سے نکلتا ہے تو نہایت لطیف و نظیف اور پینے والوں کو بہت ہی خوشگوار اور اچھا لگتا ہے ۔

فائدہ کہا جاتا ہے کہ دودھ کو اللہ تعالیٰ گوبر اور خون سے پیدا کرتا ہے حالانکہ یہ دونوں دودھ کو گندا بناتے ہیں۔ لیکن دودھ اور ان کے درمیان قدرت نے ایک آڑ بنا رکھی ہے جو ان کے ایک دوسرے پر اثر نہیں ڈالنے دیتی نہ رنگ میں نہ ذائقہ میں اور نہ ہی بو میں بلکہ ہر ایک اپنی حالت میں خالص رہتی ہے۔

فائدہ مشہور ہے کہ جب جانور گھاس کھاتا ہے تو وہ گھاس اس کے معدے میں جا کر ٹھہرتی ہے تو وہاں سے پکتا ہے جب وہ تقسیم ہوتی ہے تو اس کا نچلا حصہ گوبر بن جاتا ہے اور درمیان میں دودھ کا مادہ ہوتا ہے اوپر والے حصّہ سے خون کا مادہ بنتا ہے جگر ان سب پر حاوی ہے جو اپنے طور انہیں تقسیم کرتا ہے خون تو رگوں میں چلا جاتا اور دودھ تھنوں میں اور باقی گوبر معدہ میں رہ جاتی ہے سبحان اللہ! کیسی عظیم قدرت کا مالک ہے اور لطیف اور نازک حکمت والا ہے یہ نکتہ اسے معلوم ہوتا ہے جو اس میں تامل کرتا ہے۔

فائدہ انسان میں بھی دونوں مادے ہیں اصلاح کا بھی اور فساد کا بھی کبھی اولاد میں اس کا مظاہرہ ہوتا ہے اگر ماں باپ اصلاح رکھتے ہیں تو اولاد پر اصلاح اثر کرتی ہے اور اگر معاملہ برعکس ہو تو اولاد بھی ویسے ہی ہوگی۔

فائدہ دراصل ام ایجاد کا تعلق اظہار وابطال پر ہے آدم علیہ السلام کی اولاد اور ان کے دو صاحبزادوں ہابیل وقابیل کو دیکھئے۔ اسی طرح قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

نکتہ دراصل بنی اسرائیل کی نگاہ طالوت کے ظاہر پر تھی اور اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت اس کے باطن پر تھی اور وہ اس بطون کے لحاظ سے بہت بڑا شریف النفس تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت پتھر پر ہو جائے تو اسے جوہر بنا دیتی ہے اگر کانٹے پر پڑ جائے تو اسے گلاب اور ریحان بنا دیتی ہے معترض کو اس کے حکم سے روگردان نہیں ہونا چاہیئے عاقل اگر ان میں بغور وفکر دیکھے گا تو اس میں باریتعالیٰ کا انصاف پائے گا اگر اس کی سمجھ سے بالاتر ہے تو اس کے لیے سکوت افضل ہے بلکہ یہ معاملہ حیّ وقیوم کی طرف سپرد کر دے اور یوں عرض کرے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرماتا ہے وہ حق ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اور ان کے نبی علیہ السلام نے انہیں فرمایا یا اس وقت جب کہ انہوں نے اپنے نبی علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ہمیں طالوت کے بادشاہ ہونے کی علامت چاہیئے چنانچہ انہوں نے کہا کہ طالوت کی بادشاہت پر کونسی علامت ہے ان کے جواب میں فرمایا کہ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ بیشک اس کی سلطنت کی علامت یہ ہے۔
أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ ۔ تمہارے پاس تابوت آسمان سے آئے گی۔

حل لغات التابوت۔ توب سے ہے بمعنے رجوع اور تابوت کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ ان میں اشیاء رکھی جاتی ہیں گویا وہ اشیا کی امانت گاہ ہے اور وہ اشیاء جو ایک بار نکل گئیں پھر رہنے کے لیے اس میں آئیں اور اس کا مالک اس کی طرف رجوع کرتا ہے کہ جو اشیاء اس میں امانت کے طور رکھی تھیں وہ اٹھائے گا اس سے تورات کی صندوق مراد ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد بنی اسرائیل پر ناراضگی کی وجہ سے اسے

آسمان پر اٹھالیا تھا جب کہ بنی اسرائیل کی نافرمانیاں حد سے بڑھ گئیں پھر جب انہوں نے اپنے نبی علیہ السلام سے طالوت کی بادشاہت کی نشانی مانگی تو انہیں کہا گیا کہ ان کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آسمان سے فرشتے لائیں گے اس صندوق کی حفاظت ملائکہ کرتے رہے چنانچہ اسی طریق سے فرشتے صندوق لائے اور قوم وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی یہاں تک کہ وہ صندوق حضرت طالوت کے ہاں رکھ دی یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے ۔

فائدہ: مورخین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالے نے ایک صندوق حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمائی جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی تصویریں تھیں اور وہ شمشاد کی لکڑی سے تیار کی گئی تھی اور تین ہاتھ لمبی اور دو ہاتھ چوڑی تھی حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں تادم زندگی پاس رہی پھر ان کے وصال کے بعد آپ کی اولاد میں وراثتہً چلی آئی یہاں تک کہ یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچی اس کے بعد بنی اسرائیل کی وراثت میں دست بدست حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں پہنچی آپ اس میں تورات کے علاوہ اپنا ضروری سامان رکھتے تھے ۔

ف: حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جنگ کے لیے تشریف لیجاتے تو اس صندوق کو آگے آگے رکھتے جس کی برکت سے بنی اسرائیل کو اطمینان اور سکون نصیب ہوتا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال ہو گیا پھر اس طرح بنی اسرائیل دست بدست لیتے دیتے رہے ۔

اعجوبہ عجیبہ: بنی اسرائیل کا اگر کسی معاملہ میں جھگڑا ہو جاتا تو وہ اپنا فیصلہ اسی صندوق کے پاس لاتے تو وہ صندوق بول پڑتی اور ان کے مابین فیصلہ کر دیتی ۔

مسئلہ وسیلہ جلیلہ: بنی اسرائیل جب کہیں جنگ کو جاتے تو اس صندوق کو اپنے لشکر کے آگے آگے رکھتے اور اس کو وسیلہ بنا کر دشمنوں پر فتح یاب ہوتے اسے فرشتے بنی لشکر کے اوپر اٹھائے پھرتے تھے اور جنگ میں لے جاتے جب اس صندوق کے اندر سے آواز صادر ہوتی تو سمجھتے بلکہ یقین کرتے کہ فتح ہمارے حصہ میں ہے جب ان سے نافرمانی شروع ہوئی اور فساد برپا کرنے لگے تو اللہ تعالے نے ان پر عمالقہ کو مسلط کر دیا انہوں نے بنی اسرائیل سے وہی صندوق چھین کر (معاذ اللہ) پیشاب اور گندگی میں دفن کر دی پھر جب اللہ تعالے کا ارادہ ہوا کہ طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بنائے تو عمالقہ کو مصائب میں مبتلا کر دیا یہاں تک کہ ان میں جو بھی اس مدفونہ صندوق کی جگہ پر پیشاب کرتا بواسیر میں مبتلا ہوتا اور اس نحوست سے پانچ شہر ویران ہو گئے اس سے کفار عمالقہ کی آنکھ کھلی کہ یہ ساری نحوست اس صندوق کی بے حرمتی اور بے ادبی کی وجہ سے ہے اس لیے انہوں نے اس صندوق کو نکالا اور جلدی اٹھا کر اسے دو بیلوں پر باندھ دیا اور انہیں وہاں سے روانہ کر دیا ان بیلوں پر اللہ تعالے نے چار فرشتے مقرر کر دیئے جو انہیں ہانکتے چلے گئے یہاں تک کہ حضرت طالوت کے گھر پہنچا دیا جب بنی اسرائیل نے اپنے نبی علیہ السلام سے طالوت کی بادشاہت کی دلیل مانگی تو فرمایا کہ ان کی بادشاہت کی دلیل یہ ہے کہ وہ صندوق جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے تمہیں وراثتہً ملی تھی وہ طالوت کے گھر میں ملے گی

چنانچہ جب دیکھا کہ واقعی صندوق حضرت طالوت کے پاس موجود ہے تب انہیں یقین ہوا کہ طالوت ان کا بادشاہ ہے۔

ف اس تقریر پر ایتان کا لفظ مجازاً مستعمل ہوا ہے کیونکہ اسے لایا گیا تھا نہ کہ وہ خود بخود آئی تو اس کی طرف ایتان کی نسبت بطور مجاز کے توسعاً ہے جیسے کہا جاتا ہے ربحت التجارۃ اور پہلی تقریر پر ایتان کا لفظ حقیقی معنے میں مستعمل ہوا۔

فِيْهِ یعنے اس صندوق کے آنے میں سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ یعنے تمھارے لیے سکون و اطمینان ثابت ہونے والا تمھارے رب سے ہے تین معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

(۱) وہ شے بنی اسرائیل کو صندوق میں دی گئی جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: ان اٰیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ریح تھی جو سکون دینے والی اور نہایت ہی اچھی جو دشمنوں کے دل میں رُعب ڈال کر اپنی آواز سے ہلا دے جب کہ دشمنوں کا مقابلہ ہوتا تھا یہ حضرات انبیاء علی نبینا و علیہم السلام کے لیے معجزہ اور ان کے بادشاہوں کی کرامت بن کر ظاہر ہوتی۔

(۲) اللہ تعالےٰ کے بھیدوں میں ایک عجیب بھید ہے جو حکمت بن کر محدّث (ولی اللہ) کی زبان پر ڈالی جاتی ہے جیسے فرشتے انبیاء علیہم السلام کے قلوب پر وحی ڈالتا تھا جو ان کے لیے ترویح الاسرار و کشف الاستار ہوتا۔

(۳) وہ واردات جو حضور نبی پاک شہ لولاک صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک اور ان کے طفیل مؤمنین کے دلوں پر وارد ہوتے ہیں۔ یہ واردات نور اور قوت اور رُوح کو جمع کرتی ہے جس کی طرف خائف انسان کو سکون اور حزین کو تسلّی نصیب ہوتی ہے جیسا اللہ تعالےٰ نے فرمایا: فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المومنین

ف بعض نے فرمایا تابوت سے وہ علم اور اخلاص و ذکر مراد ہے جس سے قلوب کو اطمینان ملتا ہے اور ایتان کا مطلب یہ ہے کہ اس کا قلب علم اور وقار کا مقر بن جاتا ہے جو اس سے قبل اسے حاصل نہ تھا۔

وَبَقِيَّةٌ اور رہنے والا بقیہ۔ مِّمَّا یہ من تبعیضیہ ہے بعض اس میں سے جو کہ تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ۔ موسیٰ اور ہارون علے نبینا و علیہم السلام نے چھوڑا وہ (تورات والی) تختی کے چند ٹکڑے اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا (جو بہشتی مورد کے درخت سے بنایا گیا تھا) اور ان کے کپڑے اور نعلین شریف اور ہارون علیہ السلام کی دستار مبارک اور تورات شریف کے چند آیات اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاتم اور مَن یعنے وہ ترنجبین کی بوری جو بنی اسرائیل پر اتری تھی جسے وہ ارض تیہ میں کھاتے تھے مراد ہے۔

ف آل سے مراد ان حضرات کے اپنے نفوس مقدسہ ہیں یہاں آل کا لفظ زائد ہے یا ان کے ابناء یا اتباع مراد ہیں۔ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اسے فرشتے اٹھاتے تھے یہ تابوت سے حال ہے یعنے طالوت کی بادشاہی کی علامت یہ ہے کہ اس کے لیے صندوق آئے گی جس کا حال یہ ہوگا کہ اسے فرشتے اٹھائے ہوں گے یا یہ جملہ مستانفہ ہے گویا پوچھا گیا کہ وہ صندوق کیسے آئے گی تو اس کا جواب ملا کہ اسے فرشتے اٹھا کر لائیں گے۔

سوال اس صندوق کو فرشتے اٹھا کر نہیں لائے اس میں اگرچہ بعض روایتیں ہیں لیکن ہر دونوں سے یہی ثابت ہوتا

ہے مثلاً پہلی روایت میں ہے کہ یہ صندوق خود بخود آسمان سے اتری تھی صرف ملائکہ اس کی حفاظت کرتے تھے دوسری
روایت میں ہے اسے سامان کی گاڑی پر رکھ کر دو بیلوں پر لادا گیا جنہیں فرشتے ہانکتے تھے۔

جواب دونوں روایتوں کے لحاظ سے فرشتوں کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ وہ اس صندوق کی حفاظت
کرتے تھے اور قاعدہ ہے جو بھی کسی شئے کے راستہ کی حفاظت کرتا ہے تو اسے اس شئے کے اٹھانے سے موصوف
کیا جاتا ہے اگرچہ اسے اٹھانے والا کوئی اور ہو۔ جیسے کہتے ہیں حملت الامتعۃ الی زید۔ یہ اس وقت بولتے
ہیں جب کہ کوئی راستہ میں اس شے کی حفاظت کرے اگرچہ اسے اٹھانے والا کوئی اور ہو۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ ممکن ہے کہ یہ نبی علیہ السلام کے قول کا تتمہ ہو یا یہ نیا جملہ ہے اور خطاب اللہ تعالیٰ
سے یعنی اس تابوت میں لَاٰیَةً البتہ بڑی آیت تھی۔ لَّكُمْ جو تمہارے لیے دلالت کرتی طالوت کی بادشاہی
اور تمہارے نبی علیہ السلام کے قول کی صداقت پر جب کہ انھوں نے فرمایا کہ طالوت کو اللہ تعالیٰ نے تمہارا بادشاہ بنایا
بیشک یہ امر عادت کے مناقض ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اگر تم مومن ہو یعنی اگر اللہ تعالیٰ کو مانتے ہو تو اس کی
یہ بات بھی سچ مانو کہ اس نے ہی طالوت کو تمہارا بادشاہ بنایا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بندے کی خلافت (بادشاہی) کی علامت یہ ہے کہ وہ قلب کے صندوق پر
کامیاب ہو جائے جس میں رب تعالیٰ کی طرف سے سکینہ ہے یعنی اپنے ایمان اور انس مع اللہ
پر تمکن بنے وسنا اور بقیۃ مما ترک آل سے مراد ذکر یعنی لا الہ الا اللہ کا عصا مراد ہے اور یہی کلمہ تقویٰ ہے اور یہ وہی سانپ ہے
جس نے جب منہ کھولا تو فرعون نفس کے صفات کے تمام جادوگروں کے پھندوں کو ہڑپ کر گیا ذکر اللہ کے عصا کو قلوب
کے صندوق میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جمال و جلال کے دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھا جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا۔ مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کی صرف دو انگلیوں میں ہے صفت جلال سے اسے فجور کا الہام فرمایا ہے
اور صفت اکرام سے اس کا تقویٰ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فالهمها فجورها وتقواها اور یہ بات نہ تو اللہ
تعالیٰ نے ملک مقرب کے ہاں امانت رکھی اور نہ اس سے قبل کسی مرسل کو۔ پچھلی امتوں کے سکینہ اور حضور علیہ السلام کی
امت کے سکینہ میں بڑا فرق ہے ان کو سکینہ اس لیے ملا کہ وہ دشمنوں پر غلبہ اور فتح و نصرت پائیں اور اس خصوصی سکینہ
سے ان کے اولیاء وانبیاء کا حصہ نہیں تھا اگرچہ اس صندوق میں تورات کی بعض آیات رکھی ہوئی تھیں لیکن اس امت
محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے قلوب مبارک کے صندوق میں تمام قرآن پاک محفوظ ہے اور ان کے تابوت میں
چند گھر ہوتے ہیں جنہیں حضرات انبیاء علیہم السلام کی صورتیں ہیں اور ان کے قلوب کے صندوق میں چند خلوت خانے
ہیں جن کے اندر سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی غیر کو آنے کی اجازت نہیں ہوتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہ میں زمین پر
سما سکتا ہوں اور نہ آسمان میں لیکن مومنین کے قلب میں سما جاتا ہوں جب روح انسان طالوت کے لیے میسر ہوئی یعنی جب
اسے قلب ربانی کا تابوت دیا گیا تو اس کو ملک و خلافت اور سریر سلطنت عطا ہوا اس پر صفات انسانی کی تمام اسباط
نے اعتماد کیا اس کے بعد وہ انسان کامل غدار دنیا کی طرف نہ صرف غیر متوجہ ہوتا ہے بلکہ اس سے پورے طور علیحدہ ہو کر

جالوت نفس امارہ کی لڑائی میں لگا رہتا ہے اور یہ صرف فضلِ الٰہی اور طریقت کی راہ چلنے اور حقیقت سے تمسک کرنے سے نصیب ہوتا ہے۔ ع

رہ انیست روئے از طریقت متاب

بنہ کام و کامی کہ خواہی بیاب

ترجمہ جو شخص چاہتا ہے کہ وہ سکینہ میں متجاوز ہو کر معرفت تک پہنچے تو اسے چاہیئے کہ قلب کی صفائی کرے اس لیے معرفت الٰہی ہی قلب کے سکینہ کا نام ہے جیسا کہ قلب سکون کا موجب ہے۔

حکایت حضرت ابا یزید رضی اللہ تعالٰے عنہ سے پوچھا گیا معرفت کیا شئے ہے تو آپ نے یہ آیت ان الملوک اذا دخلوا قریۃ فسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلہا اذلۃ تلاوت فرمائی یعنے معرفت کی مثال ان بادشاہوں جیسی ہے جو کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو وہاں کے اہل غلبہ کو کمزور بناتے ہیں یعنے ان کے وہ حالات تبدیل کر دیتے ہیں جن پر وہ ہوتے ہیں اسی طرح جب واردات ربانیہ بر (جو کہ شہوات و خواہشات سے پر ہوتی ہیں) وارد ہوتے ہیں تو ان قلوب کو ردی اوصاف سے پاک و صاف کر دیتے ہیں۔ حضرت ابا یزید سے پوچھا گیا کہ آپ نے معرفت کو کیسے پایا تو آپ نے فرمایا پیٹ کو بھوکا کر کے اور بدن کو ننگا رکھ کر یعنے اچھے لباس سے محروم رکھ کر۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔ ع

باندازہ خور زاو اگر مردمی

چنیں پر شکم آدمی یا خمی

ندارند تن پروران آگہی

کہ پر معدہ باشد زحکمت تہی

اے اللہ ہمیں ان رکاوٹوں سے بچا جو تیرے تک پہنچنے میں مانع ہوتی ہیں۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ پس جب طالوت اپنے لشکر کو لے کر شہر سے جدا ہوئے فصل دراصل فصل نفسہ کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے لیکن چونکہ یہ فاعل و مفعول کے لحاظ سے متحد ہے اس لیے یہ عموماً محذوف المفعول ہو کر آتا ہے یہاں تک کہ اب انفصال کے معنے میں بمنزلہ فعل لازم کے ہو گیا ہے اب معنے یہ ہوا کہ جب وہ اپنے شہر سے جدا ہوئے بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر عمالقہ کی جنگ کے لیے اور جنود جند کی جمع ہے بہت بڑے سخت لشکر کو کہا جاتا ہے جند سے ماخوذ ہے بمعنے وہ زمین جو سخت قسم کی ہو اور ہر قسم کی مخلوق کو جند، لشکر کہا جاتا ہے

ف مروی ہے کہ جب انہوں نے صندوق طالوت کے ہاں دیکھی تو اب انہیں اپنی فتحمندی کا پورا یقین ہو گیا اس لیے جہاد کی طرف تیزی سے روانہ ہونے لگے حضرت طالوت نے فرمایا کہ میرے ساتھ جنگ کے لیے بوڑھے مریض نہ چلیں اور نہ وہ لوگ جو دوسروں کی خدمت میں مصروف ہیں اور نہ ہی تاجر اور نہ قرضدار اور نہ ہی وہ جس نے ابھی ابھی بیاہ کیا ہو

اور پھر وہ اپنی عورت سے پہلی رات بھی نہ گذار سکا ہو میرے ساتھ صرف نوجوان چلیں اور وہ بھی اطیب خاطر اور ہر دنیوی خیال سے فارغ ہو کر۔ طالوت کے اس اعلان پر اوران کے اپنے انتخاب پر اسی ہزار ۸۰۰۰۰ جنگی جمع ہو گئے اور وہ وقت سخت گرمی کا تھا اور راستہ بھی وہ اختیار کیا جس کے ہر سو جنگل ہی جنگل تھے جس میں پانی کی قلت تھی اس لیے انہوں نے پانی کا شکوہ کیا اور کہا کہ دعا مانگیے تاکہ اللہ تعالٰے ہمارے لیے نہر جاری کرے۔

قَالَ اپنے نبی شمویل علیہ السلام کی خبر دینے پر طالوت نے انہیں فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ مُبْتَلِیْکُمْ بِنَھَرٍ بے شک اللہ تعالٰے تمھاری آزمائش کرنے والا ہے یعنے تمھارے ساتھ وہ معاملہ کرے گا جو کسی سے آزمائش کی جاتی ہے آزمائش بھی اس سے ہوگی جس کی تم طلب کی ہے یعنی پانی سے یہ آزمائش اسلیے ہوئی تاکہ طالوت کو مخلص اور غیر مخلص کا علم ہو جائے تاکہ پھر اس غیر مخلص کو اپنے لشکر سے ہٹا دے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ اگر غیر مخلص لشکر میں موجود ہو تو مخلصین پر برا اثر پڑتا ہے پھر اس سے لشکر میں ضعف پڑ جاتا ہے جس کی نحوست سے شکست ہوتی ہے

آنکہ جنگ آرد بخون خویش بازی می کند
روز میدان آنکہ بگریزد بخون لشکری

چنانچہ اس کے بعد سونے اور چاندی کی طرح نکھر گئے جیسا کہ سونے میں کھوٹ ملا ہوتا ہے تو ان میں آگ کی بھٹی سے گذارا جاتا ہے پھر خالص علیحدہ ہو جاتا ہے اور کھوٹ علیحدہ۔

فَمَنْ شَرِبَ مِنْہُ۔ پس وہ شخص جو اس سے پیئے گا یعنے اس نہر سے ابتدائً پانی پیئے گا بایں طور کہ منہ کے بل سے پانی پی لے۔ الکرع لغت میں پانی کی جگہ پر منہ لگا کر پی لینا بغیر اس کے کہ اسے چلو میں یا برتن میں پیا جائے۔ فَلَیْسَ مِنِّیْ پس وہ مجھ سے یعنی ہماری جماعت مومنین کے گروہ سے نہیں اس تقریر پر من تبعیضیہ ہے متکلم کی ضمیر پر داخل ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان اصحاب کو آپس میں قوت وطاقت اور باہمی اختصاص واتصال اور اتحاد کی وجہ سے وہ گویا ایک دوسرے کا جزہیں یا یہ معنے ہے کہ جو پانی پیئے گا میرے ساتھ متحد نہیں اس معنے پر یہ من اتصالیہ ہوگا جیسے اللہ تعالٰے کے اس ارشاد گرامی المنافقون المنفقات بعضہم من بعض میں من اتصالیہ ہے یعنی متصل بابعض اواخذ متحد معہ یعنی ان کا بعض دوسرے بعض کے ساتھ متصل اور اس کے ساتھ متحد ہے۔ وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْہُ اور جو اس سے نہیں چکھے گا الطعم یہاں پر بمعنے چکھنے کے ہے لغت میں کسی چیز سے تھوڑا سا لینے کے لیے کہا جاتا ہے طعم الشیٔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کھانے پینے کی چیز سے تھوڑا سا چکھ لے۔ فَاِنَّہٗ مِنِّیْٓ بیشک وہ میرے سے ہے یعنے وہ میرے اہل دین سے ہے۔

اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَۃً بِیَدِہٖ ہاں جو اس میں سے ہاتھ سے صرف ایک چلو لے گا یہ فمن شرب منہ سے استثنار ہے اس کے درمیان جملہ معترضہ ہے و من لم یطعمہ کو درمیان میں لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس نہر کا پانی سرے سے نہ پینا عزیمت ہے اور تھوڑا سا پی لینا رخصت ہے اور قاعدہ ہے کہ عزیمت کا بیان رخصت سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے

حل لغات الغرفۃ بالضم نام ہے پانی کی اس مقدار کا جو چلو سے حاصل ہوتا ہے (الغرف) پانی کو ہاتھ سے لینا ہے۔ چلو یا برتن وغیرہ اصل الغرف بمعنے القطع اور الغرفۃ بروزن العیبۃ عمارت کے ایک حصہ کو کہا جاتا ہے اور اس کی ابتداء انہی اوصاف سے متعلق ہے۔

ف حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ حضرت طالوت کے حکم کی برکت یہ ہوئی کہ صرف اس ایک غرفہ انہیں اور آپ کی سواریوں اور آپ کے خدام کو مکتفی ہو کر باقی بچ رہتا حضرت امام نے فرمایا ابن عباس کے قول میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ طالوت کو پانی پیتے وقت یوں اجازت ہوئی کہ آپ اس نہر سے یکبارگی جس طرح سے لے سکتے ہیں لے لیں اور بس۔ اور ان کا وہی ایک بار لے لینا انہیں اور ان کی سواریوں اور خدام کو کافی رہے گا اس لئے ہوئے پانی کو پی کر باقی جو بچ جائے اسے ساتھ لے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس نہر سے تو تھوڑا سا پانی لے لیا پھر اس تھوڑے میں اتنی برکت ہوئی کہ اسے آپ اور آپ کی سواریوں اور خدام کو کافی رہا یہ اس زمانے کے نبی کے معجزات میں سے تھا جیسے اللہ تعالٰی اپنے حبیب کریم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں تھوڑے سے پانی سے ایک بہت بڑے لشکر کو سیر کرا تا تھا فَشَرِبُوْا مِنْهُ مگر ان میں تھوڑے (وہ تین سو تیرہ تھے، اصحاب بدر کی گنتی کے مطابق یعنے وہ جنہوں نے صرف ایک چلو پر اکتفا کیا اس لیے وہ سیر بھی ہو گئے اور جن لوگوں نے حضرت طالوت کی مخالفت کی وہ جو نہی گھٹنوں کے بل پانی پینے لگے تو الٹا ان کی پیاس بڑھ گئی اور پانی پیتے پیتے ان کے ہونٹ سیاہ ہو گئے اور پیاس کی شامت میں نہر پر پڑے رہے اس طرح سے مخالف و موافق کی پہچان ہوئی طالوت ان مخالفین کو چھوڑ کر چلے گئے۔ ے

نہ بے حکم شرع آب خوردن خطا است
وگر خون بفتوی بریزی روا ست

سبق وہ لوگ اس لیے مردود ہوئے کہ وہ پانی اگرچہ انہیں حلال تھا لیکن اسے مخصوص طریق سے پینے کے خلاف کیا تو پھر وہ صرف مردود ہی نہ ہوئے بلکہ تھوڑی دیر کے بعد مر گئے غور کیجیے اس کا کیا حال ہوگا جو کھانے پینے کی حرام اشیاء کو ہضم کر جاتا ہے پھر اس کی بات کیسے قبول ہو اور کیسے اسے کامل مسلمان سمجھا جا سکتا ہے۔

ف مفسرین میں کسی کا خلاف نہیں کہ جنہوں نے نافرمانی کی وہ اپنے شہروں کو واپس لوٹے صحیح یہ ہے کہ وہ نہر کو پار نہ کر سکے گھروں کو اس وقت لوٹے جب حضرت طالوت نہر کو عبور کر گئے چنانچہ باری تعالٰے کے اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوتا ہے۔ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ پس جب کہ اس نے نہر کو عبور کیا۔ هُوَ اس طالوت نے۔ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ اور ان لوگوں نے جنہوں نے ایمان لایا وہ تھوڑے سے تھے جنہوں نے طالوت کا فرمان مانا اور ان کی مخالفت نہ کی اس امر میں جس کی طرف انہوں نے انہیں پیش کیا اس سے معلوم ہوا کہ ان کے ماسوا بے فرمان لوگ ایمان کی دولت سے محروم ہو گئے۔ یعنے اس طالوت کے ساتھ اس کا تعلق جاوزہ سے ہے نہ کہ اٰمنوا سے۔ قَالُوْا کہا ان بعض نے جو طالوت کے ساتھ تھوڑے سے مسلمان رہ گئے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو یظنون۔ الا نہیں ہیں پس مومن وہ تھے جو نہر کو عبور کر گئے اس وقت

یہ دو گروہ بن گئے ایک تو زندگی چاہتا اور موت سے کراہتا تھا ان کی طبع پر خوف و جزع غالب ہو گیا دوسرا گروہ بہادر اور قوی القلب تھا انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے موت کی پرواہ نہ تھی قسم اول وہی لوگ ہیں جنہوں نے کہا۔ لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ہمیں آج جالوت اور اس کے لشکر کے لیے کوئی طاقت نہیں ہے یعنے ان کے ساتھ جنگ کرنے کی قوت نہیں ہے چہ جائیکہ ہمیں ان پر کوئی غلبہ ہو وہ اس لیے کہ جب انہوں نے جالوت کے لشکر کی کثرت و قوت کو دیکھا تو گھبرا گئے اس لیے کہ وہ ایک لاکھ جنگی ہتھیار سے لیس تھے دوسرا گروہ وہ تھا جنہوں نے طالوت کے ساتھ دینے کا دم بھرتے ہوئے کہا کہ من نبئیہ۔ قَالَ گویا کہا گیا کہ پھر ان کے مخاطب نے انہیں کیا کہا تو جواب دیا گیا کہ کہا الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ ان لوگوں نے جنہیں یقین تھا کہ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی تائید کو ملنے والے ہیں كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بہت سا تھوڑا گروہ بہت بڑے گروہ پر غالب آ جاتا ہے یعنے بہت بار مٹھی بھر جماعت بہت بڑے لشکر پر غلبہ پا جاتی ہے۔ الفئۃ جماعت کو کہا جاتا ہے وہ قلیل ہو یا کثیر۔ بِإِذْنِ اللَّهِ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے آسان کر دینے کی وجہ سے۔ اس لیے کہ جملہ امور کا دار و مدار اس کی مشیت پر ہے اس لیے وہ کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا جس کی اللہ تعالیٰ مدد کرے اگرچہ وہ گنتی کے لحاظ سے تھوڑے کیوں نہ ہوں اسی طرح جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا اگرچہ اس کے اسباب کثیر اور گنتی کے لحاظ سے اس کا بہت بڑا لشکر بھی ہو سنا بریں ہم بھی انشاء اللہ جالوت اور اس کے لشکر پر غالب ہو جائیں۔ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے دشمن پر غلبہ اور صبر کی توفیق بخشتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قصہ میں دنیا اور اہل دنیا کی مثال دی گئی ہے کہ جو شخص دنیا سے اتنی مقدار لیتا ہے جو اسے دینوی ضروریات کو مکتفی ہوتا ہے تو وہ بچ گیا اور نجات پا گیا اور جو اسے ضروریات سے زائد حاصل کرتا ہے وہ پیاس میں بڑھتا رہتا ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ دنیا نمک کی طرح ہے جو ضرورت سے زائد لیتا ہے اسے پیاس ستاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر ابن آدم کے لیے دو وادیاں زر سونے کی ہوں تو چاہتا ہے کہ تیسری بھی حاصل ہو ابن آدم کو صرف مٹی ہی بھر یگی یعنے وہ ہمیشہ دنیا کی حرص میں لگا رہتا ہے یہاں تک کہ مر جاتا ہے ہاں جو توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے یعنے اس حرص سے (جو کہ مذموم ہے) اسی طرح تمام برائیوں سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔

نکتہ قبض حضور علیہ السلام نے فرمایا انسان لفظ نہیں اس میں اشارہ ہے کہ ابن آدم مٹی سے پیدا کیا گیا اور اس کی طبیعت میں ہے اور اس کا ازالہ ممکن ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پر توفیق کی بارش برسائے۔

نتیجہ عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کو دنیا کی تمام اشیاء کو حاصل کرنے کے دکھ میں ڈالے اس لیے کہ رزق مقرر کردہ اور تقسیم شدہ ہے۔

وحی ربانی مروی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے داؤد علیہ السلام سے فرمایا جو کچھ میں چاہتا ہوں تم بھی چاہتے ہو یا نہ۔ یاد رکھو جو میں چاہتا ہوں اگر تم اس پر راضی ہو جاؤ تو میں تمہیں وہ دوں گا جو تم چاہتے ہو اگر تم میری رضا پر راضی ہو نہ ہو گے تو میں تمہیں تکلیف میں مبتلا کروں گا پھر وہی ہو گا جو میں چاہتا ہوں۔

ف لوگوں کی جس نہر سے آزمائش کی گئی اس سے طبیعت جسمانیہ کا چشمہ مراد ہے جو حرص کر کے اس سے سیر ہو کر بہت زیادہ پیتا ہے تو وہ اہل حقیقت سے نہیں بلکہ اہل طبیعت سے اور شہوات کا بچاری ہے اور وہ شہوات میں مشغول ہو کر اللہ تعالےٰ سے دور ہے ہاں جو متاع دنیا سے کنارہ کش رہتا ہے مگر اتنا مقدار جو ماکولات و مشروبات و ملبوسات اور مسکن میں سے اسے ضرورت ہے وہ معاف ہے اگر دنیا سے اتنا تعلق رکھتا ہے جتنا اس کے جسم کی مجبوری اتنا قدر کرتا ہے جتنا اس کا قوام ہے تو اولیاء اللہ سے ہے خلاصہ یہ کہ یہ دنیا اور اس کی زینت نہر ہے جو ہمیشہ اس کے کنارہ پر رہے وہ زیادہ مطمئن رہے گا جو اس نہر کو عبور کرتا ہوا اس کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا وہ کامیاب ہے لیکن ایسے لوگ عوام کی نسبت عشر عشیر ہوتے ہیں اور عوام تو گنتی سے باہر ہے اللہ تعالےٰ ہم سب کو قوت و قناعت نصیب فرمائے اور ہمیں اہل سنت کے عقائد سے جدا نہ کرے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنی وصیت میں فرمایا کہ اے ابوہریرہ نیک لوگوں کے طریقے نہ چھوڑنا جب کہ قیامت میں لوگوں کو گھبراہٹ ہو گی لیکن وہ مطمئن ہوں گے اور جب کہ لوگ جہنم کی آگ سے پناہ مانگتے ہوں گے لیکن وہ اس وقت بے خوف و خطرہ ہوں گے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کی وہ لوگ کون ہیں یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فرمایا۔ قرب قیامت میں میری امت میں وہ ہیں جن کا حشر حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہو گا لوگ جب انہیں دیکھیں گے تو سمجھیں گے کہ یہ انبیاء ہیں کیونکہ ان کے وہی مراتب ہوں گے جو انبیاء علیہم السلام کے ہوں گے یہاں تک کہ میں پہچان کر کہوں گا اے میرے امتیو! اے میرے امتیو! اس سے مخلوق کو معلوم ہو گا کہ یہ انبیاء نہیں ہیں وہ جب وہاں چلیں گے تو ان کی رفتار بجلی یا ہوا کی طرح ہو گی اور ان کے انوار سے لوگوں کی آنکھیں چندھیا جائیں گی حضرت ابوہریرہ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مجھے بھی وہی عمل بتائیے تاکہ ان کی طرح ہو جاؤں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ سخت راستہ پر چلنے والے ہیں انہوں نے بھوک کو اختیار کیا جب کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں ہر طرح کی ناز و نعمت سے نوازا اور وہ پھٹے پرانے کپڑوں میں زندگی گزارتے ہیں باوجودیکہ ان کے پاس ہر طرح کی بہترین پوشاک ہوتی ہے اور پیاسے رہتے ہیں جب کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں پینے کے بہترین مشروبات عنایت فرمائے ہیں صرف اس امید پر کہ ہم اللہ تعالےٰ کے اس حلال رزق کو استعمال کریں تو کل قیامت میں اس کا حساب کس طرح دیں گے وہ اہل دنیا کے ساتھ گزارتے ہیں ان کے جسم تو ان کے ساتھ ہوتے ہیں لیکن وہ ان کے ساتھ ذرہ بھر بھی مشغول نہیں ہوتے ان کی عبادت سے انبیاء علیہم السلام و ملائکہ کو تعجب ہو گا انہیں مبارک باد۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا میری تمنا ہے کہ اللہ تعالےٰ انہیں مجھے جلد ملائے اس کے بعد آپ ان کی ملاقات کے شوق میں روئے۔

اولیا اللہ کے برکات اور ان کا وسیلہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا اہل زمین پر عذاب بھیجنے کا ارادہ ہوتا ہے لیکن جب اپنے یاروں کو دیکھتا ہے تو ان کی وجہ سے اہل زمین سے عذاب ہٹالیتا ہے۔ اے ابو یزید تم ان کے طریقے کو لازم پکڑو۔
حضرت شیخ عطار قدس سرہ نے فرمایا۔ ؎

در راہ تو مرد انند از خویش نہاں ماندہ
بی جسم و جہت گشتہ بے نام ونشان ماندہ
تنشان شریعت ہم دلشان حقیقت ہم
ہم دل شدہ و ہم جان نہ این و نہ آن ماندہ

ان پر اللہ تعالےٰ کے سلام اور رحمت و برکتیں ہوں۔ اے اللہ ہمیں بھی ان سے بنادے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَلَمَّا بَرَزُوْا اور جب وہ ظاہر ہوئے یعنے طالوت اور ان کے ساتھ اہل ایمان ظاہر ہوئے اور آگئے جنگ کے میدان کی زمین پر پہنچ گئے۔ لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِہٖ جالوت اور اس کے لشکر کے لیے اور ان کی تعداد اور ان کی اپنے متعلق دشمنی کا معائنہ کیا اور یقین کیا کہ ہما را بظاہر ان سے مقابلہ نہیں ہوسکے گا تو قَالُوْا جب اہل ایمان کے دل قوی ہو گئے تھے تو کفار کی طعن و تشنیع سے عجز و انکسار کر کے اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں عرض کرنے لگے۔ رَبَّنَا وہ اپنی عبودیت کا اقرار اور اپنی اصلاح کی طلب کر رہے تھے اس لیے لفظ رب سے صرف یہی مفہوم ظاہر ہے۔ اَفْرِغْ عَلَيْنَا یہ افراغ الاناء کے محاورہ سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ برتن کو اس شے سے خالی کر لیا جائے جو اس کے اندر ہو یعنے ہمارے اندر صبر ڈال دے یہ کمال واکثار سے استعارہ ہے

سوال جب افراغ خود متعدی ہے پھر اسے علیٰ سے متعدی کرنے کا کیا مطلب؟

جواب افراغ میں طلب کا معنے مقصود ہے اس لیے کہ صبر ان پر غالب اور ان کو ایسے شامل ہوتا ہے جیسے ظرف مظروف کو۔ صَبْرًا جنگ کی شدائد کی سختیوں اور تنگیوں کے موارد کے ہجوم کے وقت صبر کی توفیق عطا فرمانا۔ وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں وہ امور عطا فرما کہ جن کی وجہ سے ہم جنگ کی سختیوں اور قدموں کے ڈگمگانے کی پریشانیوں سے بچ جائیں مثلاً قلوب کا مضبوط ہونا اور دشمنوں کے دلوں پر رعب چھا جانا اور دیگر وہ اسباب جن کی وجہ سے ہمیں فتح و نصرت نصیب ہو۔

ف ثبات قدم سے اس کا کمال مراد ہے یعنے مقابلہ کے وقت رسوخ حاصل ہو اور اس وقت ہمارے قدم ڈگمگا نہ جائیں صرف ثابت قدمی ہی مطلوب نہیں۔

وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اور ہمیں کافروں پر فتح اور غلبہ عطا کر اور انہیں شکست دے۔

ف دعا میں ترتیب بلیغ کی رعایت کی گئی ہے کہ پہلے انھوں نے اپنے قلوب کے لیے صبر کا سوال کیا اس لیے کہ جنگ

کا دار و مدار اسی پر ہے اس کے بعد انہوں نے ثابت قدمی کا عرض کیا جو صبر سے متفرع ہے اس کے بعد کفار پر فتح ونصرت کا سوال کیا جو اصلی مقصد تھا ۔

فَهَزَمُوهُمْ پھر جالوت کے لشکر کو طالوت کی جماعت نے بلاتاخیر شکست دے دی بِاِذْنِ اللّٰہ اللہ تعالےٰ کے حکم اور اس کی مدد و تائید سے اس سے معلوم ہوا کہ ان کی دعا قبول ہو گئی وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ اور جالوت کو داوٗد علیہ السلام نے قتل کر دیا ۔

جالوت کا تعارف

جالوت بہت بڑے سرکش اور عمالقہ کا سردار بلکہ ان کا بادشاہ تھا اور عمیلقہ بن عاد کی اولاد سے تھا بہت جنگجو اور بہت بڑا طاقتور تھا اور بہت بڑے بہادر لشکروں کو منٹوں میں شکست دے دیتا تھا اس کی لوہے کی تلوار البیضہ ایسی بھاری اور سخت تھی جس کا وزن تین سو رطل تھا اور طویل القامت اتنا کہ ایک میل تک اس کا سایہ پڑتا تھا ۔

حضرت داوٗد علیہ السلام کا تعارف

حضرت طالوت کے لشکر میں ایشی نامی یعنے داوٗد علیہ السلام کے والد گرامی منجملہ ان میں سے تھے جو طالوت کے ساتھ نہر سے عبور کر کے آئے تھے ان کے سات صاحبزادے تھے ان میں سب سے چھوٹے حضرت داوٗد علیہ السلام تھے اور بکریاں چراتے تھے اس لیے وہ ان میں شامل نہ تھے بلکہ اپنے گھر میں رہ گئے تھے ۔

اشمویل علیہ السلام کا علم غیب

اللہ تعالےٰ نے اس لشکر کے نبی یعنی حضرت اشمویل علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ داوٗد بن ایشی ہی جالوت کو قتل کریں گے فلہٰذا انھیں بلوا لیجیے چنانچہ حضرت شمویل علیہ السلام نے حضرت داوٗد کو بلایا اور شمویل علیہ السلام نے انھیں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ آپ کے ہاتھوں جالوت کو مارے گا فلہٰذا آپ جنگ میں ہمارے ساتھ رہنا حضرت داوٗد علیہ السلام ان کے ساتھ ہو لیے ۔

حضرت داوٗد علیہ السلام اور ایک پتھر کا واقعہ

جب حضرت داوٗد علیہ السلام جنگ کے لیے روانہ ہوئے تو راستہ میں آپ سے ایک پتھر مخاطب ہوا کہ اے داوٗد مجھے اٹھا لیجئے میں وہی پتھر ہوں جس کے ذریعے حضرت ہارون علیہ السلام نے فلاں فلاں بادشاہ کو قتل کیا تھا ۔ حضرت داوٗد علیہ السلام نے اسے اپنے کشکول میں رکھ لیا اس کے بعد کچھ آگے چلے تو دوسرا پتھر بولا کہ مجھے بھی ساتھ لیجیے اس لیے کہ میں موسیٰ علیہ السلام کا پتھر ہوں میری وجہ سے فلاں فلاں بادشاہ کو قتل کیا آپ نے اسے بھی اپنے کشکول میں رکھ لیا اس کے بعد تیسرا پتھر بولا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لیجئے اس لیے کہ آپ میری وجہ سے جالوت کو قتل کریں گے آپ نے اسے بھی کشکول میں رکھ لیا آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ قذافہ سے ہی تیر مارتے تھے آپ اس قذافہ سے جسے بھی تیر مارتے خواہ وہ بھیڑیا ہو یا شیر یا چیتا تو ایک ہی وار سے اس کا خون ٹھنڈا کر دیتے تھے ۔

جنگ کے حالات جب دونوں لشکر جنگ کے لیے آمنے سامنے ہوئے تو سب سے پہلے ہی جالوت سر کش میدان میں کودا اور اعلان کیا کہ آؤ میرے مقابلہ میں کون آتا ہے اس کی ہیبت کو دیکھ کر کوئی بھی میدان میں آنے کی ہمت نہ کر سکا اس پر جالوت نے کہا اے بنی اسرائیل اگر تم حق پہ ہو تو میدان میں نکلو کیوں چھپے بیٹھے ہو حضرت داوٗد نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تم میں کون ہے جو اس غیر مختوں کے مقابلہ کو جاتا ہے سب کے سب خاموش ہو گئے حضرت طالوت نے داوٗد علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ ہی مقابلہ کیجئے اگر آپ کامیاب ہو گئے تو میں اپنی لڑکی آپ کے نکاح میں اور آدھی بادشاہی دے دوں گا۔

حضرت داود علیہ السلام جالوت کے مقابلہ کے لیے میدان میں تشریف لائے حضرت داوٗد علیہ السلام پہلے ہی جنگ کے لیے تیار تھے۔ صرف حکم کے منتظر تھے آپ نے جالوت کے اعلان جنگ کے لیے لبیک کہا اور تیاری کر کے روانہ ہونے لگے تو حضرت طالوت نے انہیں اپنا شاہی گھوڑا دیا اور زرہ اور ہتھیار عنایت فرمائے آپ جنگی لباس پہن کر گھوڑے پر سوار ہوئے میدانِ جنگ کے قریب جا کر اپنے بادشاہ کے پاس واپس لوٹے بادشاہ کے حواری کہنے لگے کہ یہ جوان بھی جالوت کے رُعب کی تاب نہ لا سکا اس لیے واپس لوٹ رہا ہے حضرت داوٗد علیہ السلام نے آتے ہی فرمایا بادشاہ سلامت! اگر میرا اللہ تعالٰے مجھے مدد نہ دے تو مجھے آپ کے یہ ہتھیار کوئی فائدہ نہیں دیں گے لیکن عام اختیار دیدے کہ میں جالوت کا مقابلہ جس طرح چاہوں کروں کچھ ضروری نہیں کہ میں تیرے ان ہتھیاروں سے لڑوں طالوت نے کہا جاؤ تمھیں عام اختیار ہے جس طرح دل چاہے لڑتے ہو

جالوت اور داؤد علیہ السلام کا مکالمہ حضرت داوٗد علیہ السلام پھر واپس میدانِ جنگ میں چلے گئے اور اپنے کشکول کو لے کر گلے میں ڈالا اور فلاخن[1] لے کر جالوت کے مقابلہ کے لیے چل پڑے مروی ہے کہ جالوت نے آپ کو دیکھتے ہی رُعب ڈالنے کی کوشش کی وہ اس طرح کہ کہنے لگا کہ اے بیٹے مجھے تیری جوانی پر رحم آتا ہے فلہذا تم واپس چلے جاؤ حضرت داوٗد علیہ السلام نے فرمایا غم نہ کھائیے انشاء اللہ میں ہی تجھے تباہ و برباد کر دوں گا جالوت نے کہا تجھے میں تیری فلاخن اور پتھروں ایسے کھینچوں گا جیسے کتے کو کھینچا جاتا ہے داوٗد علیہ السلام نے فرمایا تم ہی کتے سے ذلیل ترین ہو کر مرو گے جالوت نے کہا میں تیرا گوشت زمین کے درندوں اور آسمان کے پرندوں کو کھلاؤں گا داوٗد علیہ السلام نے فرمایا انشاء اللہ تعالٰے میرا رب تجھے ایسے ہی کرے گا وہ بڑا قادر ہے۔

داؤد علیہ السلام کا جالوت کو قتل کر کے کھینچ کر طالوت کے سامنے لانا یہ گفتگو کرتے ہی حضرت داوٗد علیہ السلام نے اپنے تینوں پتھر کشکول سے نکالے پہلے پتھر کو نکالا تو کہا بسم الٰہ ابراہیم دوسرے پتھر کو نکالتے ہوئے کہا بسم الٰہ اسحاق تیسرے پتھر کو نکال کر کہا بسم الٰہ یعقوب علی نبینا وعلیہم السلام ان تینوں کو اپنی فلاخن میں رکھا خدا کی شان وہ تینوں خود بخود یکجان ہو گئے آپ نے فلاخن کا ڈورا ہاتھ میں لیا اور زور سے وہ پتھر جالوت کی طرف

[1] فلاخن کو پنجابی میں گوپیا کہا جاتا ہے

پھینکے اللہ تعالٰی نے ہوا کو حکم فرمایا وہ وہی پتھر سے کراس کی تلوار کی نوک پہ لگا تو اس کا زور دماغ کے اندر چلا گیا بلکہ دماغ کو چیرتا ہوا گدی سے باہر نکلا تو اس کے پیچھے کھڑے ہونے والے تین ۳ جنگیوں کو مار ڈالا اللہ تعالٰی نے کفار کو شکست دی جالوت زخم کی تاب نہ لا سکا نیچے گرا حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے کھینچتے ہوئے طالوت کے آگے لا پھینکا اس سے مسلمانوں کو بیحد خوشی ہوئی اور فتح و نصرت سے صحیح سالم اپنے شہر کو لوٹے ۔

طالوت کا داؤد علیہ السلام پر حسد کرنا

واپس لوٹتے ہی طالوت نے حضرت داؤد علیہ السلام سے حسب وعدہ اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا اور آدھی بادشاہی بانٹ کر داؤد علیہ السلام کی مہر کا اجراء کر دیا اس سے عوام کا رجحان حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف ہو گیا ہر وقت اس کی تعریف کرتے ان کے گن گاتے اور ان کی محبت کا دم بھرتے اس سے طالوت کو حضرت داؤد علیہ السلام سے حسد ہو گیا اور ارادہ کر لیا کہ انہیں قتل کر دوں حضرت داؤد علیہ السلام کو معلوم ہوا تو آپ وہاں سے بھاگ نکلے طالوت نے ان کی تلاش میں بڑے بڑے ارکینِ دولت متعین کیے مگر وہ نہ مل سکے داؤد علیہ السلام وہاں سے بھاگ کر ایک پہاڑ میں عبادت گزار لوگوں کی رفاقت میں زندگی بسر کرنا شروع کر دی اور بہت بڑا عرصہ یہاں پہ بسر فرمایا لیکن طالوت کو حسد کا بھوت ایک مدت تک سوار رہا اسے علماء و صالحین داؤد علیہ السلام کے قتل کرنے سے باز رہنے کی نصیحت فرماتے لیکن ہر ناصح کی گردن اڑا دیتا اس سے وہ اپنے ارادہ پر سرگرم ہو گیا جو بھی نصیحت کرتا اسے مروا ڈالتا بلکہ اب عام آرڈر جاری کر دیا کہ جتنے ہی علماء اور داؤد علیہ السلام کے خیر خواہ ہوں ان کو چن چن کر مار دو

طالوت کی توبہ اور شمویل علیہ السلام کا بعد وصال مدد کرنے اور وسیلہ بننے کا بیان ۔

ایک عرصہ تک طالوت یونہی کرتا رہا لیکن پھر اس کا نشہ اترا تو اپنے کیے پر نادم ہوا اور کہنے لگا ہائے میں نے کیا کیا رونے اور آنسو بہانے لگا رات دن بے قرار رہتا اور اتنا بے بس ہو گیا کہ اس کی زاری اور آہ و بکا پر لوگوں کو ترس آتا تھا ہر رات گورستان میں گزارتا اور روتے روتے اور دھاڑیں مارتے ہوئے کہتا کہ کوئی ہے جو بارگاہ حق میں میری توبہ قبول کرا دے یا مجھے خبر دے کہ تیری توبہ قبول ہو گئی اس کی اتنی بہت بڑی زاری اور آہ و بکا کو دیکھ کر کسی نے کہا اے بادشاہ اب بھی اگر داؤد علیہ السلام کو قتل کرنے کی ہوس باقی ہے تو میں بتاؤں کہ داؤد علیہ السلام کہاں ہیں اس نے کہا واللہ اب اگر مجھے داؤد علیہ السلام ملیں تو میں ان کی تعظیم کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا بلکہ میں ان کا سچا اور پکا غلام بن کر رہوں گا اس عہد و پیمان کو باقاعدہ لکھا اور شاہی مہر لگا کر عام اعلان کر دیا اس کے بعد اس عورت کی خدمت میں حاضر ہوا جو اسم اعظم جانتی تھی اس کے قدموں پر سر رکھ دیا اور عرض کرنے لگا اے بی بی کیا تیرے علم میں ہے کہ میری توبہ قبول ہو سکتی ہے اس نے کہا تیری توبہ ہرگز قبول نہیں ہو سکتی البتہ ایک تدبیر باقی ہے وہ یہ کہ اگر تمھیں کسی نبی علیہ السلام کا مزار شریف معلوم ہو تو ان کے مزار شریف پہ حاضری دو اور وہاں سے ہی تمھاری نجات ہو سکتی ہے طالوت اس بی بی کو لے کر حضرت شمویل علیہ السلام کے مزار شریف پر حاضر ہوا بی بی نے وہاں جا کر نوافل پڑھے اور دعا مانگی اور ندا دی

صاحبِ مزار کی امداد اس کی ندا سُن کر حضرت شمویل علیہ السلام مٹی سے بال جھاڑتے ہوئے مزار سے باہر تشریف لائے لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر کہا تمہیں کیا ہو گیا ہے کیا قیامت تو قائم نہیں ہو گئی بی بی نے کہا یہ طالوت ہے آپ سے عرض کرتا ہے کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے حضرت شمویل علیہ السلام نے فرمایا اے طالوت میرے بعد تو نے کیا کیا جب کہ میں نے تجھے کسی برائی کا سبق نہیں دیا اس نے کہا حضرت نہ پوچھئے کہ آپ کے بعد میرے سے اتنے خطا سرزد ہوئے کہ جن کا شمار ناممکن ہے اب آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ مجھے درگاہ حق سے معافی دلوائیے آپ نے فرمایا آپ کے کتنے لڑکے ہیں طالوت نے کہا میرے دس لڑکے ہیں حضرت شمویل علیہ السلام نے فرمایا میں تیری توبہ کا کوئی علم نہیں رکھتا ہاں یوں ہو سکتا ہے کہ شاہی امور سے فارغ ہو جا پھر تو اور تیرے تمام لڑکے اللہ کی راہ میں مارے جائیں اس کی صورت یہ ہے کہ تیرے ایک ایک لڑکے کو تیرے سامنے قتل کیا جائے تو ان سب سے آخر میں قتل کیا جائے یہ کہہ کر حضرت شمویل مزار میں چلے گئے جب طالوت یہ سن کر واپس لوٹا اور ویسے ہی عمل کیا جیسے شمویل علیہ السلام سے سنا جب طالوت مارا گیا تو اس کا قاتل فوراً حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاں پہنچا اور سمجھا کہ انہیں طالوت کی موت کی خبر سناؤں گا تو خوش ہو جائیں گے لیکن آپ سنتے ہی ناراض ہوئے اور اس کی فوراً گردن اڑا دی اور فرمایا اگر وہ مارا گیا ہے تو بتائیے باقی کون زندہ رہے گا طالوت کو چالیس سال بادشاہی کرتے ہوئے گزرے تھے آخر مارا گیا اس کے بعد بنو اسرائیل نے مل کر طالوت کا تمام شاہی خزانہ حضرت داؤد علیہ السلام کے حوالے کر دیا اور انہیں اپنا بادشاہ چن لیا چنانچہ داؤد علیہ السلام نے طالوت کے بعد ستر سال تک بادشاہی کی۔

وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اور اللہ تعالےٰ نے انہیں ملک عطا فرمایا یعنے تمام بنی اسرائیل کی شاہی اور مشارق یعنے ارضِ مقدسہ اور اس کے مغارب کی۔

ف داؤد علیہ السلام سے قبل کسی ایک نبی پر بادشاہی پر بنی اسرائیل کو اتفاق نہ ہوا۔

وَ الْحِكْمَةَ اور حکمت یعنے نبوت۔

ف داؤد علیہ السلام سے قبل بنی اسرائیل میں کوئی ایسا نہیں گزرا جس کے پاس مُلک اور نبوت دونوں ہوں یہ صرف داؤد کا خاصہ تھا کہ انہیں نبوت اور بادشاہی ملی ورنہ اس سے قبل بادشاہی ایک قبیلہ میں اور نبوت دوسرے قبیلہ کے لیے ہوتی جیسا کہ پہلے تفصیل سے گزرا ہے۔

ف حضرت داؤد پر زبور نازل ہوئی اس کی ایک سو پچاس سُورتیں تھیں۔

ف حضرت داؤد علیہ السلام وہ ہیں جنہوں نے کہا اما بعد! اس کو فصل الخطاب کہا جاتا ہے جو صرف داؤد علیہ السلام کو عنایت ہوا۔

وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ اور انہیں اللہ تعالےٰ نے وہ علم عنایت فرمایا جو وہ چاہتا مثلاً زرہ بنانا داؤد علیہ السلام لوہے کی زرہ بنا کر بیچتے تھے اور آپ کی وجہ معاش اپنی کمائی سے تھی آپ کو دوسری تعلیم اللہ تعالےٰ سے یہ نصیب ہوئی کہ آپ پرندوں کی بولی سمجھتے تھے اور پہاڑوں کی تسبیح جانتے تھے اسی طرح آپ کو خوش الحانی عطا ہوئی جو آپ سے قبل کسی

کو نصیب ہوئی کہ جب آپ زبور شریف پڑھتے تھے تو پرندے آپ کے قریب ہو جاتے تھے اور اتنا قریب کہ انہیں ان کی گردنوں سے پکڑا جا سکتا بلکہ پرندے آپ کی آواز کے عاشق تھے کہ جب بھی کہیں آپ کی آواز سنائی دیتی تو تبع ہو جاتے اسی طرح آپ کے پڑھنے سے پانی جاری ہو جاتا اور چلتی ہوئی ہوا رُک جاتی ۔

وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ اور اگر اللہ تعالےٰ کا دفع کرنا نہ ہوتا ۔ الدفع مصدر ہے اور اپنے فاعل کی طرف مسند ہے ای صرفہ یعنے اللہ تعالےٰ کا پھیرنا ۔ الناس یہ الدفع کا مفعول بہ ہے ۔

بَعْضَهُمْ ان کے بعض کو یعنے وہ لوگ جو شر اور فساد کرتے ہیں یہ بعضھم ۔ الناس سے بدل البعض من الکل ہے

بِبَعْضٍ یعنے بعض کی وجہ سے جو انہی لوگوں سے ہیں جو ان فسادیوں کو اس سے رَد کرتے ہیں جس پر ان کا عزم ہوتا ہے ساتھ اس کے کہ ان کے لیے اللہ تعالےٰ نے مقدر فرمایا مثلاً ان کے عزائم میں سے ہے قتل کرنا وغیرہ مذکورہ قصہ وغیرہ سے اندازہ کیجئے ۔ ببعض مصدر سے متعلق ہے یعنی الدفع سے ۔

لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ البتہ زمین میں فساد آجائے گا اور اس کے منافع باطل ہو جائیں گے اور اس کے مصالح معطل ہو جائیں گے مثلاً کھیتی اور نسل اور وہ تمام اُمور جن سے زمین آباد اور بہتر سے بہتر رہتی ہے بعض نے کہا کہ اگر مومنین و ابرار کے ذریعہ و فجار کو دفع نہ کیا جائے تو زمین ہلاک ہو جاتی ہے اور وہ خود بھی برباد ہو جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ مومن کے طفیل کفار کو دور فرماتا ہے اور نیکوں کے ذریعے فاجروں کو دفع کرتا ہے ۔

حدیث شریف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ نیک مسلم کے صدقے اس کے چالیس ہمسائیگاں کے گھروں کو بلاؤں اور مصیبتوں کو دور فرماتا ہے اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی ۔ ولولا دفع الله ۔ دوسرے اس میں تنبیہ بھی ہے کہ بادشاہی بھی بہت بڑا اہم امر ہے کہ اگر وہ بادشاہی نہ ہو تو عالم دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ بادشاہی اور دین دونوں جڑواں ہیں اس میں ایک کے مٹنے سے دوسرے کا مٹ جانا لازمی امر ہے چونکہ دین ایک بُنیاد ہے اور بادشاہی اس کی نگران جس عمارت کی بُنیاد نہ ہو وہ عمارت مٹ کر رہ جاتی ہے اور جس عمارت کا نگہبان کوئی نہ ہو تو وہ تعمیر ضائع ہو جاتی ہے ۔ لوگوں کے حالات دیکھئے کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کے بے فرمان رہتے ہیں اگر ان کے پاس ظاہری حکومت نہ ہوتی تو برباد ہو جاتے ہاں دونوں کیلئے مجاہدات کی ضرورت ہے تاکہ عوام الناس کی زبان اور تلوار سے رہبری کی جائے اس لیے ان کی ہدایت کے لیے انبیاء تشریف لائے اور ان کے بعد ان کے خلفاء آتے رہے ان کی مقررہ زندگی تک جہاد اور زبان کے ذریعے عوام الناس کی رہبری ہوتی رہی ان کے وصال کے بعد خلفاء دین کی زبان و جہاد کے ذریعے تبلیغ ہوتی رہی یہی بعض کو بعض سے دفع کرنے کا مفہوم ہے ۔

ف ؛ اس کی تفصیل یہ ہے کہ لوگوں کو بعض سے بعض دفع کرنا دو قسم ہے :(۱) ظاہراً ۔ (۲) باطناً ۔

ظاہر کی چار قسمیں ہیں ۔ (۱) انبیاء ۔ (۲) بادشاہ ۔ (۳) وہ حکماء جو آیت کریمہ میں مذکور ہیں ﴿ و من یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا ﴾ (۴) واعظین انبیاء علیہم السلام کا غلبہ خواص انسانوں پر ہوتا ہے ان کے ظاہر پر بھی اور باطن پر بھی اور بادشاہوں کا غلبہ تمام لوگوں پر صرف ان کے ظاہر پر ہوتا ہے باطن پر نہیں بسا کہ بادشاہ دل

کا مقولہ مشہور ہے نحن ملوک ابدانهم وملوك ادیانهم ہم ان کے بدنوں کے بادشاہ ہیں نہ کہ ان کے دین کے - اور حکماء کی شاہی خواص پر ہوتی ہے نہ کہ عوام پر اور واعظین کی حکومت عوام کے بواطن پر ہوتی ہے نہ کہ ان کے ظواہر پر اور باطنی طور یوں ہے کہ سلطان العقل بہت ہی قبائح سے بچا لیتا ہے اور درحقیقت سلطان الظاہر کے التزام کا سبب یہی ہے -

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ - لیکن اللہ تعالے بہت بڑا فضل والا ہے اس کی مقدار کا اندازہ ناممکن ہے - عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ جہاں والوں کے لیے لیکن وہ باریتعالے بعض کو بعض کے فساد سے روکتا ہے اس لیے زمین پہ کسی قسم کا فساد نہیں اور جمیع عالم کے مصالح نظم ونسق سے ہو رہے ہیں اور امتوں کے تمام حالات صحیح طور چلتے رہے ہیں اور چل رہے ہیں بہر حال اس کا فضل جملہ عالم کے لیے ہے عالم دنیا میں یوں ہے کہ وہ ہدایت واصلاح کا راہ دکھاتا ہے اور آخرت میں جنات و درجات اور نجات و فلاح عنایت فرمائے گا یہ بھی اس کے فضل سے ہے کہ اپنے بعض بندوں سے دفع بلیات فرماتا ہے جنھیں کسی واسطہ اور وسیلہ کی ضرورت نہیں جیسے انبیاء واولیاء علی نبینا وعلیہم السلام اور ان کے طفیل وہ حضرات جو ان صاحبان کی تابعداری کرتے ہیں - تِلْكَ یہ اشارہ سابقہ مضامین کی طرف ہے بنی اسرائیل کے ہزاروں افراد جو طاعون سے بھاگے طالوت کی بادشاہی اور اس کے لیے صندوق کا آنا اور اس کے مقابلہ میں سرکشوں کا شکست کھا جانا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت کا قتل ہونا - اٰيٰتُ اللّٰهِ اللہ تعالے کے آیات ہیں جو اس کی طرف سے نازل ہوئے - نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ ہم جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے آپ پر پڑھتے ہیں - بِالْحَقِّ یہ نتلوها کے مفعول بہ سے حال ہے یعنے درآنحالیکہ وہ متلبس ہے اس وجہ سے جو مطابق ہے اس کے کہ جس میں اہل کتاب کسی طرح شک نہیں کر سکتے اسی طرح اہل تواریخ کو بھی وہم وگمان نہیں ہو سکتا کیونکہ اسے اس کے موافق پاتے ہیں جو ان کی کتابوں میں موجود ہے - وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اور بیشک آپ منجملہ ان رسولوں سے ہیں جو امتوں تک ہمارے پیغامات پہنچانے اور ہمارے اوامر واحکام کو جاری کرنے کے لیے تشریف لائے ورنہ آپ انہیں بغیر کسی تعارف اور سننے کے کیسے خبر دیتے ہیں

شانِ نزول یہ ان کفار کے حق میں نازل ہوئی جو کہتے اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ اللہ تعالے کے رسول نہیں ہیں - **ف** کسی نے کیا خوب فرمایا ہے اس آیت کے ترجمہ میں - ؎

الا اے احمد مرسل شود بہ مشکل از تو حل
کز وصف ترا مجمل توئی سلطان ہر مولے
شریعت از تو روشن شد طریقت ہم مبرہن شد
حقیقت خود معین شد ز ہے سلطان بے ہمتا

ترجمہ : یقیناً اے احمد مرسل (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے ہی ہر مشکل حل ہوتی ہے - آپ کی وصف میں مجملاً بیان کر سکتا ہوں اس لیے کہ آپ ہر آقا کے آقا ہیں -

شریعت آپ سے روشن ہوئی طریقت کو بھی آپ سے برہان نصیب ہوا۔ اے بے مثل آقا حقیقت آپ سے معین ہوئی ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس امارہ جالوت ہے اس قوت وطاقت سے مقابلہ نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف عجز وانکساری کر کے اسے مدد کے لیے عرض کیا جائے کہ اسے ہمارے رب ہمارے اوپر صبر ڈال اپنی اطاعت وعبادت کی فرمانبرداری کرنے میں اور تیری بے فرمانی سے بچنے میں اور ہمیں ثابت قدم رکھ سر جھکانے میں۔ سختی نرمی میں اور احکام قضاء کے ہجوم کے وقت دکھ اور سکھ میں اور ہماری کافر قوم پر مدد فرما اور وہ کافر ہمارے دینی دشمن ہیں تو ہمارا اور خصوصاً نفس امارہ دشمن پر جو ہمارے دشمنوں سے بہت بڑا سخت دشمن ہے اور وہ ہے بھی ہمارے دونوں پہلوؤں میں اگر یہ ندا رب الارض والسماء سے صدق وصفا اور امید ورجا کی بناء پر ہو تو اس پر قبول ہونا لازمی اور دشمنوں پر غالب ہو جانا ضروری ہے اسی لیے ایسے لوگوں نے اپنے دشمنوں کو شکست دے دی اللہ تعالیٰ کے اذن یعنی اس کی مدد سے اس لیے کہ اس کا اپنے بندوں کے ساتھ مدد دینے کا وعدہ ہے اور ان کے بالمقابل لوگوں کو شکست دی پھر داؤد قلب نے جالوت کو مار ڈالا جب کہ اس نے حرص علی الدنیا اور رجوع الی العقبیٰ اور نفس کے تعلق بالہویٰ کے تینوں کے لیے اور وہ تینوں ایک ہو گئے یہ ان سب کا رجوع الی اللہ ہو گیا اور غیر اللہ سے توجہ ہٹا لی تو اس نے انہیں تسلیم ورضا کی فلاخن پر رکھ کر نفس جالوت کو مارا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لطف وکرم کی ہوا تابع کر کے نفس کی خواہشات کے ناک پر وہ پتھر مارا تو فضول اشیاء اس کی گدی سے نکل گئیں اور اس کے ساتھ اس کی تیس بُری عادتیں بھی مٹ گئیں اس طرح سے نفس کے باقی لشکر کو شکست دی مثلاً شیطان اور اس کا تمام لشکر اور اللہ تعالیٰ نے اسے ملک اور حکمت سے نوازا یعنی داؤد قلب کو خلافت الٰہیہ کی بادشاہی اور الہامات ربانیہ کی حکمت اور اسے جو کچھ چاہا حقائق قرآن اور اس کے اسرار واشارات بتا دیئے اور اگر لوگوں کا بعض کے بعض سے دفع کرنا نہ ہوتا یعنی ارباب طلب کو واصل باللہ مشائخ کے ذریعہ دفع کرنا نہ ہوتا تو زبان خراب ہو جاتی۔ یعنی ان کی استعداد جو احسن تقویم سے تیار کی گئی ہے تاکہ دین قدیم کے کمالات کو حاصل کرنے کے لیے تیار رہے اور نفس جالوت اور اس کی بُری عادات کے لشکر کہ جن کا مقابلہ کرنے کا عزم ہے کہ ارواح کے شہر ویران ہوں اور انہیں اچھے اخلاق حاصل نہ ہو سکیں اور ان کے ذوات وصفات مکدر ہو کر بہائم اور جانوروں کی صفات میں دھکیلے جائیں اور انہیں اس کے نچلے طبقات میں پہنچا نصیب ہو لیکن اللہ تعالیٰ عالمین کے لیے بڑے فضل والا ہے یعنی یہ اس کا بہت بڑا فضل اور رحمت ہے کہ وہ طالبین کے سلسلہ کو متحرک رکھتا ہے اور ان کے قلوب میں مشائخ کاملین کے ارادوں کو الہام فرماتا ہے اور انہیں توفیق دیتا ہے کہ وہ مشائخ کی تربیت کے دامنوں کو مضبوطی سے تھام سکیں اور اپنی صفائی کے لیے مشائخ کے تصرفات کے سامنے سر جھکا سکیں اور انہیں صبر کی توفیق بخشتا اور سکون دیتا ہے جب کہ ان کے اوپر تزکیۂ نفس کی ریاضتوں اور مجاہدات کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں اور مشائخ کو ان کی حالت درست کرنے کا اشارہ فرماتا ہے اور انہیں حکم ہوتا ہے کہ انہیں مخالفین کی تکالیف پر تقویت پہنچائیں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف یہ الطاف نہ ہوتے تو انہیں

ہمیشہ ہمیشہ تک تزکیہ نفوس نصیب نہ ہوتا اور یہ اشارہ صرف اہل ... کو حاصل ہوتا ہے اور بس۔ اسی لیے اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کی تحقیق سے مخصوص فرمایا۔ چنانچہ ... نے فرمایا: آیات اللہ الخ یعنے انھی آیات کے ضمن میں حقائق و دقائق جنہیں ہم آپ پر ... محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہیں۔ یعنے ہمیں انھیں آپ کے ہاں حق کے ساتھ یعنے حقیقت کے ساتھ، جیسا کہ وہ ہے، بتاتے ہیں بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں یعنی ان حضرات سے ہیں جو ان مقامات کو عبور فرما چکے ہیں اور انھی مقامات و کرامات کا انہیں مشاہدہ ہوا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

لہ آیت میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی یقین دہانی کرائی گئی ہے لیکن ان بد دماغوں کو جنہیں محض ضد اور ہٹ دھرمی سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت و نبوت سے انکار ورنہ جو انمیں انصاف پسند اور تعصب سے دور ہیں انہیں نہ صرف اعتراف ہے بلکہ وہ دلائل سے دوسروں کو آپ کی رسالت کی حقانیت بتاتے ہیں۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

باغی ادیب والٹیئر "میں آپ سے پھر کہتا ہوں کہ وہ لوگ جاہل اور ضعیف العقل ہیں جو محمد پر عیش پرستی اور راحت کوشی کا الزام عائد کرتے ہیں۔ پادریو، راہبو، مجاورو، اگر ماہ جولائی میں رمضان آئے اور تم پر صبح ۴ بجے سے شام کے آٹھ بجے تک کھانے پینے کی پابندی عائد کردی جائے اگر تم کو ہر قسم کی قماربازی سے منع کر دیا جائے اگر تمہارے لیے شراب حرام کردی جائے اگر تم سے کہا جائے کہ اپنی آمدنی کا ۲½ فی صد محتاجوں اور ناداروں میں تقسیم کردو۔ اگر تم اٹھارہ عورتوں کی رفاقت کا لطف اٹھاتے ہو اور تم کو چودہ عورتوں سے یکدم محروم کردیا جائے تو کیا ایمان داری سے کہہ سکتے ہو کہ ایسا مذہب عیش پسند ہے۔؟"

فرانسیسی مترجمِ قرآن ڈاکٹر موریسن "روم کے عیسائیوں کو اس آواز کے سوا کوئی چیز قعرِ مذلت سے نہیں نکال سکتی جو سرزمینِ عرب میں غارِ حرا سے بلند ہوئی۔ اس آواز نے دنیا کو ایسا سیدھا سادا اور پاک صاف مذہب سکھایا جس میں بقول فاضلِ محقق "گاڈفرہگنس" نہ پاک پانی ہے نہ مورت نہ تقدیر اور نہ سینٹ۔

"محمد صلعم نے ہمیں ایک ایسی کتاب دی جس کے نغمے فلاسفرِ یونان کے نغموں سے کہیں بڑھ کر ہیں جس کی ایک سورۃ کا بھی مقابلہ نہیں ہو سکتا جس کے اسرار کبھی ختم نہیں ہوتے اور جس کو مسلمان ادیب جب پڑھتا ہے تو سجدہ ریز ہو جاتا ہے اور قیامت تک کے لیے اپنے لیے سرمایۂ ناز سمجھتا ہے۔" (رسالہ بارول فرانسس روان)

مسٹر ہربرٹ وائل حضرت مسیح کے سو سال بعد جب عرب کے اخلاق کا معیار بہت گر گیا تھا۔ ۲۰ اپریل ۵۷۰ء کو حضرت محمد (صلعم) پیدا ہوئے۔ آپ نے بت پرستی کو مٹایا اور عرب کے وحشیوں کو تہذیب و تمدن کا سبق دیا۔ عام لوگ آپ کی دیانت اور سچائی دیکھ کر آپ کو "امین" کہہ کر پکارتے تھے، آپ نے گمراہوں کو راہِ راست پر ڈالا اور لوگوں کے اخلاق و اعمال کی اصلاح کی۔" (اگریٹ ٹیچر)

پروفیسر ہرگرونجے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی نئے دین کے مدعی نہ تھے اور عیسائیت اگرچہ سلام سے پہلے ہی یونانی حبشیوں، سمبھیتوں اور غلام و آزاد کی تفریق مٹا چکی تھی لیکن پیغمبر سلام نے حرم مجلس اقوام کی داغ بیل ڈالی اس نے تمام دنیا کے انسانوں کو اتحاد و اخوت، کے ایک رشتے میں منسلک کر دیا اور اسے دیکھ کر تمام اقوام کو شرمندہ ہونا چاہیئے۔ (دی مسلم ورلڈ آف ٹوڈے سے)

مسیحی مؤرخ ریونڈ باسورتھ سمتھ

اتفاق سے (اور اس اتفاق کی کوئی مثال نہیں ملتی) محمد نے ایک ہی وقت میں تین بنیادوں کی بنیاد رکھی، قوم، سلطنت، مذہب اور ایک ایسا شخص ہونے کے باوجود جو لکھ پڑھ نہ سکتا تھا۔ آپ نے دنیا کو ایک ایسی کتاب دی جو ایک ہی وقت میں نظم بھی ہے، قانون بھی ہے۔ کتاب الدعا بھی ہے اور بشارتوں کا مجموعہ بھی ہے اور آج کے دن تک نسلِ انسانی کا چھٹا حصہ اس کے طرزِ تحریر حقانیت اور مقبولیت کو ایک زندہ معجزہ سمجھتا ہے۔

آمد سے پہلے

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اہلِ کتاب کو آپ کی نبوت و رسالت کا یقین تھا۔ ابونعیم شہر بن حوشب سے اور ابنِ عساکر رافع وغیرہ سے، حضرت کعب احبار سے راوی ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔ میرے باپ توراۃ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ موسیٰ علیہ السلام پر اتارا اس کا علم، ان کے برابر کسی کو نہ تھا۔ وہ اپنے علم سے کوئی شئے مجھ سے نہ چھپاتے تھے۔ جب مرنے لگے مجھے بلا کر کہا اے میرے بیٹے تجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنے علم سے کوئی چیز تجھ سے نہ چھپائی مگر وہاں دو ورق روک رکھے ہیں ان میں ایک نبی کا بیان ہے جس کی بعثت کا زمانہ قریب آ پہنچا۔ میں نے اندیشے سے تجھے ان دونوں ورقوں کی خبر نہ دی کہ شاید کوئی جھوٹا مدعی نکل کھڑا ہو اور تو اس کی پیروی کرے۔ یہ طاق تیرے سامنے ہے میں نے وہ اوراق رکھ کر اوپر سے مٹی لگا دی ہے ابھی اس سے تعرض نہ کرنا۔ نہ ابھی دیکھنا۔ جب وہ جلوہ فرما ہو اللہ تعالیٰ تیرا بھلا چاہے گا تو تو آپ ہی اس کا پیرو ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ مر گئے۔ ہم ان کے دفن سے فارغ ہوئے مجھے ان دو ورقوں کے دیکھنے کا شوق ہر چیز سے زائد تھا میں نے طاق کھولا۔ ورق نکالے تو کیا دیکھتا ہوں اُن میں لکھا ہے۔

محمد رسول اللہ خاتم النبیین لا نبی بعدہ مولدہ بمکۃ ومہاجرہ طیبۃ

محمد اللہ کے رسول ہیں۔ سب انبیاء کے خاتم ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔ ان کی پیدائش مکہ میں اور ہجرت مدینے کو (صلی اللہ علیہ وسلم)

ہندو مذہب

نہ صرف اہلِ کتاب بلکہ ہندو مذہب کے پیشوا بھی۔

(چند حوالے ملاحظہ ہوں)

۱۔ وہ ہر مقدس اسم کا مربی۔ گرجدار انتہا درجہ کا تعریف کیا گیا۔ (محمد) قلعوں کا توڑنے والا جوان عقیل اور بے اندازہ قوت کے ساتھ پیدا کیا گیا تو نے لے پتھر رکھنے والے۔ گوالا کے گایوں سے مالا مال گڑھے کو پھاڑا۔ دیوتا دوڑتے ہوئے تیرے پاس

آئے اور خوف سے آزاد ہو کر اندر کی شان بیان کی جو اپنی قوت سے حکومت کرتا ہے جس کے پاس ہزاروں کی تعداد میں عطیے آتے ہیں۔ (بھوشن پران چوتھا باب (اسلام دید محمد رشی کتاب)

۲۔ اے دیوتاؤ سمبل گرام (عربستان) میں بکیشب (۱۲ بیویوں والا) پیدا ہوگا اور وشنو دیشا نام (رسول اللہ) سے مشہور ہوگا اور وشنو کیرتی (عائشہ) اس کی چہیتی بیوی ہوگی۔ (مہا بھارت) وہ رشی سمبل گرام (عربستان) میں پیدا ہوگا۔ اس کی تیرہ بیویاں ہوں گی اور اس کی ایک چہیتی بیوی ہوگی جس کا نام عائشہ ہوگا۔ وہ رشی کرشن لیلا کے گرنتھ انسانوں کو سنائے گا تو نندکل میں پیدا ہونے والے لوگ چاروں طرف سے ایک جگہ جمع ہو کر اس وشنو دیشا (رسول اللہ) برہمن کو پکڑ کر معہ اس کی بیوی کے ایک جگہ بند کر دیں گے وہ بے حد چالاک جہنمی ہوں گے۔ (بھوشن پرائن)

ف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ بیویاں تھیں ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت خدیجہ ۲۔ حضرت سودہ بنت زمعہ ۳۔ حضرت عائشہ ۴۔ حضرت حفصہ بنت عمر ۵۔ حضرت زینب بنت خزیمہ الہلالیہ ۶۔ ام المساکین حضرت ام حبیبہ ۷۔ ام سلمہ ہندہ بنت ابوامیہ ۸۔ ام حکیم زینب بنت جحش ۹۔ جویریہ بنت الحرث الخزاعیہ ۱۰۔ صفیہ بنت اخی ۱۱۔ میمونہ بنت الحی۔ ۱۲۔ حضرت ماریہ قبطیہ ۱۳۔ اسماء بنت الکعب الجونیہ ۱۴۔ عمرہ بنت زید قبیلہ کلاب

آفتاب آید دلیل آفتاب

۲۔ **کلکی پوران** کلیک کے آخر میں جب تمام لوگ وشنو کا نام بھول جائیں گے تب وشنو دیشا اوتار دنیا سے تمام گناہ معاف کرائے گا۔ اس وقت سچا مذہب قائم ہوگا اور اس وقت کو ست جگ کہا جائے گا۔

۴۔ **شری کرشن مہاراج کی پیشین گوئی** آخر زمانہ میں ایک اوتار سمبل دیپ میں پیدا ہوگا اور اس کی ماں کا امتی یا سمنی (آمنہ) ہوگا اور اس اوتار کے باپ کا نام وشنو داس (عبداللہ) ہوگا اور یہ اوتار پہاڑوں کے غاروں (غار حرا) میں پہلے عبادت کرے گا۔ خدا اس کو وہاں سبق دے گا (اقراء باسم ربک الذی خلق) پھر اس کو خود اس کے ہی خاندان کے لوگوں سے تکلیف ہوگی جس کی وجہ سے مجبور ہو کر شمالی پہاڑوں میں (مدینہ) چلا جائے گا اس کے چار بھائی (چار یار ابوبکر، عمر، عثمان، علی) ہوں گے جو اس کے دین دھرم (اسلام) کو تمام دنیا میں پھیلائیں گے اور اس کی ایک بہت خوبصورت سرخ رنگ کی چہیتی بیوی (عائشہ) ہوگی۔ اے لوگو جب اس اوتار کا ظہور ہو تو تم اس کے قدموں پر اپنا سر رکھ دینا کیونکہ ہدایت اور نجات اسی کے پاس سے حاصل ہوگی۔

رنگ اللہ رسور محمد رکنگ برشیا اولا لوک د	اللہ کا رسول محمد رسولوں سے افضل ہے اللہ صرف
میکا گنگ اللہ لوگنگ نیکا تکم۔ (اشلوک ۵)	واحد ہے وہ پاک اور بے عیب ہے۔
۵۔ اشیا الانک الکھتے متر ابرون راجہ ینددو دیوا ہابی	اللہ بہشتیوں کا دوست اور پانی کا راجہ ہے۔

متر والانگ گبر والانگ رسور محمد گنگ برشیا
اے الــلــہ پرودھوا۔ (شلوک ۱)

الا اللہ کے نام سے اللہ کو پکارو۔ محمد رسول اللہ سب سے افضل ہیں ۔ اس دنیا میں ہر طرف اللہ کی ہی حکمرانی ہے ۔

۲۔ اللہ جگنیو ہوت اللہ سورج چندرہ نشرب نکشترہ
اللہ رشینگ شبیدا اندرائے پرب وبایپرم
انت انتریکھا۔ (شلوک ۶)

نہایت گڑ گڑا کر خدا کی عبادت کرو۔ اللہ چاند سورج ستاروں کا آفرینندہ ہے رشیوں کا بدھاتا ہے۔ حصول مال ودولت کے لیے اسی کو پکارو وہ ازلی ہے وہ ابدی ہے ۔

(اتھروید کا اللہ انیشد)

سوئر ترسادیادگار انتے پرکرنیتا شنونانگ
بھگناتیوسدا بیدشا ستر سے حشرنتا (سام وید)

جس بزرگ کے نام کا پہلا حرف "م" اور آخری "د" ہے جس کے پیر دگنڈ بھگمن کرتے ہوں وہی دیدشاستر کی رو سے رشی ہے ۔

بشارت احمدیہ مصنفہ عبدالرحمن چشتی میں بحوالہ مرات المخلوقات، مصنفہ عبدالعزیز صاحب منقول ہے کہ شاہ عبدالحق صاحب کانپوری نے بمقام حیدرآباد مجھ سے بیان کیا کہ دو جوڑہ ندی کے کنارے جو رام پور اور بریلی کے درمیان بہتی ہے ایک ہندو عالم رہتا تھا جو ان کے دنوں میں علوم رسمی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد رامپور سے واپس آتے ہوئے میں اس ہندو عالم کے پاس حاضر ہوا اور اس سے کہا کہ مجھے آپ سے کچھ دریافت کرنا ہے اس نے جواب دیا کہ کوئی دینی بات دریافت کرنی ہے ۔ اس نے فوراً ان لوگوں کو جو وہاں بیٹھے تھے اٹھا دیا اور مجھ سے کہا کہ اب پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو میں نے کہا کہ کیا ہندو مذہب کی کتابوں میں بھی کہیں ہمارے رسول کریم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر پایا جاتا ہے ۔ اس نے کہا تم نوجوان ہو ممکن ہے اس راز کو مخفی نہ رکھ سکو اس لیے میں بیان نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے کہا کہ میں عہد کرتا ہوں کہ آپ جو کچھ بیان کریں گے اس کا ذکر جب تک آپ زندہ رہیں گے بجز اپنے استاد اور والد صاحب کے کسی سے نہیں کروں گا۔ اس نے عہد لے کر کہا۔ بہت بہتر تو سنو چوتھے وید میں تمہارے رسول کریم کا ذکر موجود ہے کہ کسی نے شری رام چندر جی سے پوچھا کہ کتنے درجات ہیں جن کو طے کر کے بندہ خدا سے واصل ہو جاتا ہے ۔ شری رام چندر جی نے فرمایا چودہ درجے طے کرنے کے بعد بندہ خدا سے واصل ہو سکتا ہے ۔ اس نے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ چودہ درجے طے کر لیے ہیں ۔ رام چندر جی نے فرمایا کہ نہیں میں نے ان چودہ درجوں کو طے نہیں کیا ۔ اس نے پوچھا کیا آپ ان چودہ درجوں کو طے کرنا چاہتے ہیں ؟ رام چندر جی نے فرمایا کہ نہیں میں طے کرنا نہیں چاہتا ۔ ہم اپنے موجودہ درجہ سے آگے نہیں بڑھیں گے اس نے پوچھا کہ آپ سے پہلے کوئی ایسا شخص گزرا ہے ؟ جس نے یہ چودہ درجے طے کر لیے ہوں انہوں نے فرمایا نہیں ۔ اس نے پوچھا کیا آپ کے بعد کوئی شخص آئے گا جو ان چودہ درجوں کو طے کر سکے گا۔ رام چندر جی نے فرمایا کہ ہاں آخر زمانہ میں ایک شخص ایسا آنے والا ہے جو یہ سب درجات طے کر لے گا اس نے پوچھا اس شخص کا نام کیا ہو گا آپ نے فرمایا محمد ۔ اس نے پوچھا وہ کہاں پیدا ہو گا ۔ فرمایا وہ ایک متفرد

والے ملک میں پیدا ہوگا اور ہجرت کر کے کھجوروں والے شہر (مدینہ منورہ) میں بودوباش اختیار کرے گا اور وہیں سے اس کا دین (اسلام) ساری دھرتی پر پھیلے گا اور جو کچھ وہ کہے گا خدا وہی کرے گا جو اس دین کو لازم پکڑے گا وہ بیکنٹھ (بہشت) میں جائے گا جو ان کے دامن کو نہ پکڑے گا یا پکڑ کر چھوڑ دے گا (مرتد) وہ نرگ (دوزخ) میں جائے گا۔ اس نے پوچھا اس شخص کا لباس کیسا ہوگا اور خوراک کیسی ہوگی۔ آپ نے فرمایا اس کی خوراک دودھ گوشت شہد مرکب ہوگی۔ پوشاک دھوتی پگیا اور اپنے دین کو پھیلانے کے لیے وہ برچھی تلوار کے ساتھ منکروں سے لڑے گا اور بد دعا سے ملک کو فتح نہ کرے گا۔

۸۔ فتح پور رسوہ (یو۔ پی) کے ایک ہندو عالم سیتل نامی نے اس بیان کی تصدیق کی اور کہا پیدا کرنے والے نے اپنا سارا کمال اس دیوتا (اوتار) پر ختم کر دیا۔ کوئی اوتار دیوتا اس سے پہلے اتنا باکمال نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔

۹۔ **پارسی قوم کے نامہ شست سلسان ننگ** جب ایرانی لوگ اپنے بادشاہ سے سرکشی اور مصلحین کی نافرمانی کریں گے تو اس وقت عرب میں ایک عظیم الشان انسان پیدا ہوگا۔

۲۔ جس کے متبعین کے ذریعہ ایران کا تاج و تخت اور ملک و مذہب جاتا رہے گا۔

۳۔ بت خانہ آتش کدہ کی بجائے پیغمبر کا بنایا ہوا گھر بتوں سے خالی ہوگا۔ نماز قبلہ رخ پڑھی جائے گی۔

۴۔ اس عربی نبی کے پیروکار شہر مدائن اور اس کے گرد و نواح طوس بلخ کے آتش کدوں اور بڑے بڑے مقامات پر قبضہ کر لیں گے۔

۵۔ ایران کے مقدس لوگ اور دوسرے ممالک کے لوگ ان کی جماعت میں داخل ہو جائیں گے۔

(کتاب استثنا باب ۱۸ آیت ۱۵ تا ۱۹)

خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی مبعوث کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھرنا اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو خوب کہا۔ میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی اٹھاؤں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہ سب ان سے بیان کرے گا اور ایسا ہوگا جو کوئی میرے کلام کو جو وہ میرے نام سے بیان کرے گا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔

خداوند آیا اور ان پر سعیر سے طلوع ہوا وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشیں شریعت تھی۔

انبیاء علیہم السلام بھی فرما گئے!

۱۔ **حبقوق نبی کی پیشین گوئی** خدا تیمان سے آیا اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے ظاہر ہوا۔ سلاہ اس کے جلال نے آسمانوں کو ڈھانپ لیا اور اس کی حمد سے زمین معمور ہو گئی

اس کی تجلی نور کی مانند تھی۔ اس کے ہاتھ سے کرنیں نکلیں اور اس میں اس کی قدرت مستور تھی۔ باد اس کے آگے چلی اور اس کے قدموں پر دہکتا ہوا انگارہ روانہ ہوا۔ وہ کھڑا ہوا اور اس نے زمین کو لرزا دیا۔ اس نے نگاہ کی اور قوموں کو لرزا دیا۔ اس نے نگاہ کی اور قوموں کو پراگندہ کر دیا۔ قدیم پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گئے اور پرانی پہاڑیاں اس کے آگے دھنس گئیں۔

ملاکی نبی کی پیشین گوئی

(باب ۳، آیت ۲-۱)

خداوند تم سب جس کی تلاش میں ہو۔ ہاں عہد کا رسول جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل میں ناگہانی آوے گا۔ رب الافواج فرماتا ہے پھر اس کے آنے کے دن کون ٹھہر سکے گا اور جب وہ نمودار ہو گا کون ہے جو کھڑا رہے گا۔

حضرت سلیمان کی پیشین گوئی

وہ تو ٹھیک محمد ہے میرا خلیل اور میرا حبیب یہی ہے اے دختران یروشلم (یسعیاہ دیرمیاہ) ان پڑھ کو کتاب دی گئی اٹھو تیار پر چلو اور یسپ کے لوگوں کو ہلاک کرو۔

زبور کی پیشین گوئی

اے داود شمشیر حائل کر اور لڑائی میں آ۔ یہاں تک کہ امت تیری طرف مخاطب ہو اور پیغمبر ہاشمی خلق کو تلوار کے زور سے اپنا مطیع کرے۔ (بحوالہ تذکرۃ اکرام ص۱۸)

(صحف شعیب) میرا ایک بندہ ہے کہ مہر نبوت اس کے مونڈھوں کے درمیان میں ہے۔

(انجیل برنباس) جب فارقلیط مبعوث ہو جان کا زمانہ پائے۔ ایمان پائے۔ (بحوالہ تذکرہ اکرام ص۱۹)

دانیال نبی کی پیشین گوئی

محمد تیری کمان میں خوب کھچاؤ پیدا ہو گا اور تیرے حکم سے تیر سیراب ہوں گے۔

(اجوبہ فاخرہ ہدایۃ الحیاری والجواب الصحیح)

یوحنا کی پیشین گوئی

پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور دیکھا کہ ایک نقرئی گھوڑا اور اس کا سوار امانت دار (امین) اور سچا (صادق) کہلاتا ہے وہ راستی سے لڑتا ہے اور عدالت کرتا ہے۔ اس کی آنکھیں آگ کے شعلہ کی مانند سرخ ہیں اس کے سر پر بہت سے تاج ہیں۔ اس کا کلام خدا کا کلام ہے اور وہ فوجیں جو آسمان میں صاف اور سفید کتانی لباس میں ہیں نقرئی گھوڑوں پر سوار اس کے پیچھے ہولیں۔ اس کے منہ سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے کہ وہ اس سے قوموں کو مارے گا اور لوہے کے عصا سے ان پر حکمرانی کرے گا۔ اس کے لباس اور اس کی ران پر یہ نام بخط جلی لکھا ہوا ہے۔ "بادشاہوں کا بادشاہ" "خداوندوں کا خداوند"

حضرت یحییٰ کی پیشین گوئی

جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لیوی یہ پوچھنے کو بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے پوچھا کہ پھر تو کون ہے کیا الیاس ہے؟ اس نے کہا کہ میں نہیں ہوں کیا تو وہ نبی ہے (محمد) اس نے جواب دیا کہ نہیں پس انہوں نے کہا کہ پھر تو کون ہے تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے کہا میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے کہ میں بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو۔

بدمذہب کا اعتراف

مہاتما بدھ کی پیشین گوئی نندا نے آخری وقت پوچھا کہ کیا آپ کے بعد ہماری رہنمائی کے لیے کوئی آئے گا۔ آپ نے جواب دیا اے نندا میں جاؤں گا تو مہا بدہ (محمد) آئے گا۔ اس کی تعلیمات پر ہزار دہی دنیا کا حقیقی نجات دہندہ ہو گا۔

۱۔ (یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۵-۱۷) اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا وکیل بخشے گا کہ ابد تک جو تمہارے ساتھ رہے یعنی حق کی روح جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے اور نہ اسے جانتی ہے۔

۲۔ میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن وکیل جو روح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور میرے پاس اس کا کچھ نہیں ہے۔

(یوحنا باب ۱۴ ۔ آیت ۲۵-۳۰)

۳۔ انہوں نے مجھ سے بے سبب عداوت کی لیکن جب فارقلیط (وکیل) آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح حق جو باپ کی طرف سے نکلتی ہے وہ میری گواہی دے گا۔ (یوحنا باب ۱۵)

۴۔ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وکیل (فارقلیط) تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں ملزم ٹھہرائے گا مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی حق کی روح آئے گی تو تم کو حق کی راہ دکھائے گی اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گی بلکہ جو کچھ سنے گی وہ کہے گی اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گی اور میرا جلال ظاہر کرے گی۔

یہ شہادات اور پیشین گوئیاں سب کی سب حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علاقہ رکھتی ہیں ان سے بہترین شہادتیں ملنی غیر ممکن اور محال ہیں۔ ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔ ہر ملہم نے اپنے الہام کی رو سے اپنے متبعین کو آگاہ کیا کہ آخر زمانہ میں ایک ایسا نبی آرہا ہے جو خاتم الانبیاء و خاتم الرسل ہوگا۔

انتباہ یہ حوالہ جات حق کے متلاشی کے لیے مفید ہیں۔ ضدی اور ہٹ دھرم فائدہ نہ اٹھائے تو اپنی قسمت پر ماتم کرے۔ مزید تحقیق چاہیئے تو فقیر کی کتاب "چرچا محمد کا" اور "آدم تا اینڈم" کا مطالعہ کریں۔

محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

بفضلہ تعالٰے ترجمہ تفسیر ۲ سے ۲۰ ربیع الآخر (شب خمیس) ۱۳۹۳ھ میں فراغت ہوئی